کلیاتِ میر

جلد دوم

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی

کلیات میر

جلد دوم

(قصیدہ، مثنوی، مرثیہ وغیرہ)

کلیاتِ میر

جلد دوم

(قصیدہ، مثنوی، مرثیہ وغیرہ)

تحقیق و ترتیب

احمد محفوظ

زیر نگرانی

شمس الرحمٰن فاروقی

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، دہلی

وزارت ترقی انسانی وسائل، حکومت ہند

فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ، نئی دہلی-110025

© قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

پہلی اشاعت	:	2007
دوسری طباعت	:	2013
تعداد	:	500
قیمت	:	-/256 روپے
سلسلۂ مطبوعات	:	1238

Kulliyat-e-Meer Vol-II
Research & Editing : Ahmad Mahfooz
Supervision: Shamsur Rahman Farooqi

ISBN: 978-81-7587-880-8

ناشر: ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، فروغ اردو بھون، FC-33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا، جسولہ،
نئی دہلی 110025، فون نمبر: 49539000، فیکس: 49539099
شعبۂ فروخت: ویسٹ بلاک-8 آر۔ کے۔ پورم، نئی دہلی-110066
فون نمبر: 26109746، فیکس: 26108159
ای۔میل: urducouncil@gmail.com، ویب سائٹ: www.urducouncil.nic.in
طابع: جے۔ کے۔ آفسیٹ پرنٹرز، بازار مٹیا محل، جامع مسجد دہلی۔ 006 110
اس کتاب کی چھپائی میں (Top) 70GSM, TNPL Maplitho کاغذ استعمال کیا گیا ہے۔

پیش لفظ

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان حکومت ہند کا ایک ایسا ادارہ ہے جو قومی مقتدرہ کونسل کی حیثیت سے کام کر رہا ہے۔ اس کے دائرۂ کار میں بنیادی طور پر اردو زبان کو اس طرح فروغ دینا شامل ہے کہ اردو کی ادبی اور تہذیبی روایت سے نئی نسل کا بامعنی رشتہ قائم ہو سکے اور ساتھ ہی اردو زبان کے پھلنے پھولنے کی راہیں ہموار ہوں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے قومی اردو کونسل کئی منصوبوں پر بیک وقت عمل پیرا ہے۔ انھیں میں ایک اہم منصوبہ اردو کی ان قدیم علمی اور ادبی کتابوں کی مکرر اشاعت بھی ہے، جو اردو زبان کے ارتقائی سفر میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں لیکن اب رفتہ رفتہ نایاب ہوتی جا رہی ہیں۔ ان میں ادبی کتابوں کی نئی اشاعت اس لیے بھی وقت کی اہم ضرورت ہے کہ یہ ماضی کا قیمتی ورثہ ہی نہیں بلکہ یہ ایسا سرمایہ ہے جس سے رشتہ قائم کیے بغیر ہم اپنی زبان اور ادبی تہذیب کی حقیقی قدر و قیمت کا سچا احساس نہیں پیدا کر سکتے۔ چنانچہ اس سلسلے میں قومی اردو کونسل ایک منضبط منصوبے کے تحت دیگر کتابوں کے علاوہ اردو کے قدیم شاعروں کی تصانیف بھی شائع کرتی رہی ہے۔

میر تقی میر کا شمار اردو کے عظیم شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کے کلیات کی اب تک بہت سی اشاعتیں منظر عام پر آ چکی ہیں۔ چنانچہ خود قومی اردو کونسل میر کے کلیات دو جلدوں میں نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کر چکی ہے۔ علمی مجلس دہلی سے شائع شدہ اور ظل عباس عباسی مرحوم کا مرتب کردہ کلیات میر جلد اول کو ترقی اردو بیورو نئی دہلی (موجود قومی اردو کونسل) نے عکسی ایڈیشن کی صورت میں پہلی بار 1983 میں شائع کیا۔ پھر اس کا دوسرا تصحیح و اضافہ شدہ ایڈیشن 2003 میں سامنے آیا اور ابھی حال میں اس کا تیسرا ایڈیشن زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظر عام پر آیا ہے۔ واضح رہے کہ کلیات میر کی یہ جلد اول صرف غزلوں پر مشتمل ہے۔ دیگر اصناف مثلاً قصیدہ مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر مشتمل میر کا باقی سارا کلام کلیات میر جلد دوم میں شامل ہے۔ اس جلد کی ترتیب کا کام

ڈاکٹر احمد محفوظ نے محترم شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کی نگرانی میں مکمل کیا جسے قومی اردو کونسل نے 2007 میں اہتمام کے ساتھ شائع کیا۔ قومی کونسل سے کلیات میر جلد دوم کی یہ پہلی اشاعت تھی جو بے حد مقبول ہوئی اور بہت جلد ختم ہو گئی۔

کلیات میر جلد دوم کا یہ دوسرا ایڈیشن ہے جو قومی کونسل اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کر رہی ہے۔ پہلے ایڈیشن میں جو خامیاں راہ پا گئی تھیں انھیں حتی الامکان دور کر دیا گیا ہے۔ اہل علم اور با ذوق حضرات سے گزارش ہے کہ کتاب میں پھر بھی اگر کوئی خامی نظر آئے تو ہمیں اس کی طرف متوجہ فرمائیں تاکہ اگلی اشاعت میں اسے دور کیا جا سکے۔

ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین
ڈائرکٹر

فہرست

دیباچۂ اشاعتِ اول	احمد محفوظ	15
دیباچۂ اشاعتِ ثانی	احمد محفوظ	45
میر صاحب کا زندہ عجائب گھر: کچھ تعجب نہیں خدائی ہے	شمس الرحمٰن فاروقی	47

◆ نعت

جرم کی کھوشر مکینی یا رسول	83

◆ منقبت

(۱) السلام اے راز دار داور جاں آفریں	89
(۲) قابل سجدہ ہے علی کا در	93
(۳) چیدہ خواروں میں شہ روم ترے صبح و شام	99
(۴) درویش جو ہیں مقصد دلخواہ کہیں ہیں	102
(۵) جاتی ہے شب تارے گنتے دن کو پھرتا ہوں خراب	105
(۶) ہادی علی رفیق علی رہنما علی	108
(۷) ہراس روز محشر کیا محمد مصطفےٰ بس ہے	112
(۸) زور و ثبات و تاب و تواں مرتضےٰ علی	115
(۹) یا علی شاہ اولیا ہے تو	117
(۱۰) ہے حقیقت سے تو اگر آگہ	119
(۱۱) اے نائب مصاحب ذی القوۃ المتیں	122
(۱۲) اے مرتفع نشین علی العرش استوا	126
(۱۳) قدر کو میری بہت ہے برتری	130
(۱۴) عقل ہے تو مرا کہا کر تو	133
(۱۵) پارسا ہیں جو جواں پیر بدیٔ کہتے ہیں	136

◆ قصیدہ

(۱) در مدح حضرت علی مرتضےٰ 141
جب سے خورشید ہوا ہے چمن افروز حمل
(۲) در مدح حضرت علی مرتضےٰ 145
اک شب کیا تھا یار تری زلف کا خیال
(۳) در مدح حضرت علی مرتضےٰ 148
غنچے ہو دل پر آتے ہیں اندوہ اب مدام
(۴) در مدح حضرت امام حسینؓ 150
فلک کے جور و جفا نے کیا ہے مجھ کو شکار
(۵) در مدح بادشاہ جم جاہ، خاور سپاہ، شاہ عالم بادشاہ 153
جو پہنچی قیامت تو آہ و فغاں ہے
(۶) در مدح نواب آصف الدولہ بہادر 157
ہوا کیے ہیں زبس شکوۂ فلک تحریر
(۷) در مدح نواب آصف الدولہ بہادر 160
رات کو مطلق نہ تھی یاں جی کو تاب
(۸) در شکایت نفاق یاران زماں 162
جہاں میں کون ہے جس کو کسی سے الفت ہے

◆ مثنوی

○ بہاریہ

(۱) در بیان کدخدائی نواب آصف الدولہ بہادر 167
(۲) در جشن ہولی و کتخدائی 170
(۳) در بیان ہولی 175
(۴) در تہنیت کدخدائی بشن سنگھ 178
(۵) ساقی نامہ 182

○ عاشقانہ

(۱) شعلۂ عشق 189
(۲) دریائے عشق 199

(۳) معاملات عشق 210

(۴) جوش عشق 220

(۵) اعجاز عشق 227

(۶) خواب و خیال 239

(۷) درحال عشق 245

(۸) درحال افغان پسر 247

(۹) مور نامہ 254

(۱۰) درحال مسافر جواں 266

o واعظانہ

(۱) تنبیہ الجہال 275

(۲) دربیان دنیا 278

(۳) دربیان کذب 281

o مدحیہ

درتعریف آغا رشید کہ خطاط بود و بہ فرمائش میاں اعزالدین کہ فقیر دخوشنویس بودند 287

o ہجویہ

(۱) تسنگ نامہ 291

(۲) در مذمت برشگال کہ باراں دراں سال بسیار شدہ بود 300

(۳) درہجو نااہل مسمیٰ بہ زبان زد عالم 302

(۴) درہجو شخصے ہیچداں کہ دعواے ہمہ دانی داشت 307

(۵) در مذمت آئینہ دار 312

(۶) درہجو اکول 315

(۷) درہجو عاقل نام، ناکسے کہ بہ سگاں انسے تمام داشت 317

o وحوشیہ

(۱) دربیان مرغ بازاں 312

(۲) کپی کا بچہ 324

(۳) موہنی بلی 326

(۴) درتعریف سگ و گربہ کہ درخانۂ فقیر بودند و باہم ربط داشتند 330

(۵) در بیان بز 333

(۶) مرثیۂ خروس کہ در خانہ فقیر بود 335

(۷) اژدر نامہ 337

○ شکار نامہ

(۱) شکار نامۂ اول 343

(۲) شکار نامۂ دوم۔ 358

○ جنگ نامہ 375

◆ خودنوشت سوانح

(۱) در ہجو خانہ خود 381

(۲) در ہجو خانہ خود کہ بہ سبب شدت باراں خراب شدہ بود 386

(۳) در ہجو لشکر 389

(۴) در حال لشکر 391

(۵) در شہر کاما حسب حال خود 395

◆ مخمسات عشقیہ

(۱) یہ بات جھوٹ نہیں صدق کی صفا کی قسم 401

(۲) واں ان نے دل کیا ہے مانند سنگ خارا 404

◆ ہجویات مخمسہ

(۱) در ہجو بلاس رائے 409

(۲) در بیان دتخطی فرد 414

◆ مرثیہ

(۱) تمامی حجت کی خاطر امام 423

(۲) محرم کا نکلا ہے پھر کر ہلال 428

(۳) تحیات اے عزیزاں بابت آل پیمبرؐ ہے 433

(۴) خاک تیرے فرق پر اے بے مروت آسماں 436

(۵) فلک قتل سبط پیمبر ہے کل 438

(۶) امت تھی نبیؐ کی کہ یہ کفار حسینا 441

(۷) گردوں نے کس بلا کو یہ کر دیا اشارہ 446

(۸) آیا محرم غمگیں رہا کر 449
(۹) ایمان یہ کیسا تھا کیسی یہ مسلمانی 453
(۱۰) سنو یہ قصۂ جانکاہ کربلائے حسین 456
(۱۱) دل تنگ ہو مدینے سے جب اٹھ چلا حسین 460
(۱۲) نکلا ہے خیمہ شام کوشہ کا جلا ہوا 466
(۱۳) وقت رخصت کے جو روتی تھی کھڑی زار بہن 471
(۱۴) سجاد کو فلک نے کس کس طرح ستایا 475
(۱۵) ہنگامہ چرخ تو نے جفا کا اٹھا دیا 479
(۱۶) چاروں طرف ہے شور دفغاں وامصیبتا 484
(۱۷) قاسم کی شادی اس دم رچائی 487
(۱۸) تسیم غم سے ہے آتش بجاں امام حسین 491
(۱۹) کہانی رات تھی آل نبی کی 495
(۲۰) کیا گردوں نے فتنے کو اشارہ 499
(۲۱) نہ چھوڑی دشمنوں نے گھر میں شے دوست 503
(۲۲) کرتا ہے یوں بیان سخن ران کربلا 506
(۲۳) ابن علی سے سنا ہے یار و دشت بلا میں لڑائی ہوئی 512
(۲۴) آئی ہے شب قتل حسین ابن علی کی 515
(۲۵) چہلم ہے اے محباں اس شاہ دوسرا کا 518
(۲۶) اس گل باغ امامت کے ہیں پھول 521
(۲۷) پھر کیا یہ دھوم ہے کہ جہاں ہے سیہ تمام 524
(۲۸) بھائی بھتیجے خویش و پسر یاور اور یار 529
(۲۹) حیدر کا جگر پارہ وہ فاطمہ کا پیارا 534
(۳۰) حسین ابن علی عالی نسب تھا 538
(۳۱) فلک نے ہونا اکبر کا نہ چاہا 543
(۳۲) دکھ سے ترے کیا کلام، یا امام یا حسین 547
(۳۳) الوداع اے افتخار نوع انساں الوداع 549
(۳۴) کیا نحس تھا دن روز سفر ہائے حسینا 550

◆ سلام

(۱) اے شہ عالی مقام تجھ پہ درود و سلام 555
(۲) اے بدخشان نبیؐ کے لعل احمر السلام 556
(۳) ساقی کوثر کے پیارے السلام 557
(۴) اے گل خوش رنگ گلزار شہادت السلام 558
(۵) اے شہ اقلیم شوکت السلام 559
(۶) اے سبط مصطفےٰ کے تجھ کو سلام پہنچے 560
(۷) السلام اے کام جان مصطفےٰ 562

◆ واسوخت

(۱) طرز اے رشک چمن اب تری کچھ تازی ہے 567
(۲) سچ کہو شہر میں صحرا میں کہاں رہتے ہو 573
(۳) یاد ایام کہ خوبی سے خبر تجھ کو نہ تھی 575
(۴) ایک دن وے تھے کہ تم کو نہ فریب آتے تھے 580

◆ رباعی (ردیف دار) 587
◆ رباعی مستزاد 601

◆ قطعہ

(۱) در تعریف اسپ وزیر زماں آصف دوراں نواب آصف الدولہ بہادر 605
(۲) در ہجو خواجہ سرائے 606

◆ ترکیب بند

(۱) میری تو بساط چشم تر ہے 609
(۲) عمر گذری ہو چکا آسودگی کا روزگار 614

◆ تضمین

(۱) تضمین در مخمس (۱) 619
(۲) تضمین در مخمس (۲) 621
(۳) تضمین مطلع خود با مطلع استاد 624
(۴) تضمین در مثلث 627

◆ نظم

(۱) نظم در تہنیت صحت 631
(۲) نظم بطرز منقبت حضرت امام حسینؑ 632

◆ غزلیات و رباعی در قصائد و مثنویات

(۱) نکلے ہے لالہ زبس چاک کر اب سینۂ گل (قصیدہ نمبر۱) 141
(۲) ترے ہاتھ جب تک کہ تیر و کماں ہے (قصیدہ نمبر۵) 153
(۳) ہماری یار سے صحبت ہو کس طرح درگیر (قصیدہ نمبر۶) 157
(۴) موسم ابر ہو سبو بھی ہو (در بیان کدخدائی آصف الدولہ بہادر) 169
(۵) اب کی بہار کیا کیا دریا پہ رنگ لائی (در جشن ہولی و کتخدائی) 174
(۶) لالہ کنار دریا نکلا ہے کیا زمیں سے (در بیان ہولی) 176
(۷) ساقیا موسم جوانی ہے (در تہنیت کدخدائی بشن سنگھ) 178
(۸) موسم ابر ہے سبو بھی ہو (ایضاً) 180
(۹) شب وہ جو پیے شراب نکلا (ساقی نامہ) 183
(۱۰) ہم وحشیوں پہ کچھ ہو کا ہے کو یار ہے تو (شکارنامۂ اول) 346
(۱۱) کیا کشت و خوں پہ ان دنوں میلان یار ہے (ایضاً) 348
(۱۲) وہ دل شکار آن جو نکلا شکار کو (ایضاً) 350
(۱۳) حیف اس شکار پیشہ کو ہم سے خبر نہیں (ایضاً) 352
(۱۴) وہ کماں ابرو اگر در پے ہوا ہے میر کے (ایضاً) 354
(۱۵) نہیں خوں بستگی سے چشم تر بند (ایضاً) 357
(۱۶) جگر خوں کن ہیں خوبان حنابند (ایضاً) 357
(۱۷) سبزہ ہے آبجو ہے فصل بہار بھی ہے (شکارنامۂ دوم) 359
(۱۸) تھی باد بھی آنے کی چمن میں نہ روادار (ایضاً) 360
(۱۹) بلبل کے بولنے سے آزار دل نے پایا (ایضاً) 361
(۲۰) ذوق شکار اس کو ہے اتنا کہ حد نہیں (ایضاً) 362
(۲۱) جو جو ظلم کیے ہیں تم نے سو سو ہم نے اٹھائے ہیں (ایضاً) 364
(۲۲) اک درج موتیوں کے عوض ہاتھ آ گیا (ایضاً) 365
(۲۳) کر لطف عارض مت چھپا عاشق سے اے یار اس قدر (ایضاً) 366

(۲۴) نہ دماغ ہے کہ کسو سے ہم کریں گفتگو غم یار میں (شکار نامۂ دوم) 367
(۲۵) ہے گی طلب شرط یاں کچھ تو کیا چاہیے (ایضاً) 368
(۲٦) کب آوے گا کیا جانے وہ سرو قامت (ایضاً) 370
(۲۷) کر دو تامل کہ حال ہم میں رہا نہیں ہے غموں کے مارے (ایضاً) 371
(۲۸) گرد سر پھر کے کرتے پہروں پاس (جنگ نامہ) 377
(۲۹) رہے عمر بھر دیکھتے سادگاں کو (ایضاً) 377
(۳۰) چلنے کو ہوئے بادیے سے ہم جو کڑے (رباعی شکار نامۂ دوم) 371

احمد محفوظ

دیباچۂ اشاعت اول

میر تقی میر (۱۷۲۲ تا ۱۸۱۰) کی شہرت اور مقبولیت کی بنیاد زیادہ تر ان کی غزلوں پر قائم کی گئی ہے۔ سب سے پہلے تذکرہ نویسوں نے میر اور سودا کا تقابل کرتے ہوئے یہ خیال ظاہر کیا کہ یوں تو دونوں شاعروں کا مرتبہ یکساں ہے، لیکن غزل کے میدان میں میر کو سودا پر فوقیت ہے اور قصیدے میں سودا کو میر پر سبقت حاصل ہے۔ زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ یہ خیال اس قدر پختہ اور مستحکم ہوگیا کہ عموماً لوگوں نے میر کی شاعری کا مطالعہ ان کی غزلوں تک ہی محدود کرلیا، اور وہ بھی ان کی تمام غزلوں کے بجائے محض ان غزلوں اور اشعار کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا جو کسی نہ کسی بنا پر عرصۂ دراز سے مشہور و مقبول ہو چکے تھے۔ یہ اشعار زیادہ تر دیوان اول سے ماخوذ تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میر کا تمام کلام کیا بلکہ ان کی تمام غزلیں بھی عام طور سے لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہیں اور میر کی شہرت جیسی بھی تھی، وہ محض انتخابات پر مبنی رہی۔

اس بات میں آج شاید ہی کسی کو کلام ہو کہ میر ہمارے سب سے بڑے اور سب سے زیادہ بااثر شاعر ہیں۔ اس کے باوجود ان کی شاعری کے مجموعی سرمائے کے تئیں ہمارے ادبی معاشرے نے اس درجہ بے اعتنائی اور عدم توجہی کا رویہ کیوں اختیار کیا، یہ ایسا سوال ہے جس پر ابھی تک پوری طرح غور نہیں کیا گیا۔ اس صورت حال کے پیش آنے میں خود میر کی بدنصیبی کا کچھ دخل ہوگا، لیکن اس کی حقیقی ذمہ داری اس ادبی معاشرے پر عائد ہوتی ہے جس نے ہر زمانے میں میر کی عظمت کے ترانے گائے ہیں اور اس بات پر فخر کیا ہے کہ میر کا تعلق اسی ادبی معاشرے سے ہے جس کے ہم خود حصہ ہیں۔ لیکن یہ سب توصیف و ثنا زیادہ تر زبانی جمع خرچ کے آگے نہ بڑھی۔

مثلاً، یہ امر کس قدر عبرت انگیز ہے کہ جس شخص کو ہم اپنی زبان کا سب سے عظیم شاعر جانتے اور مانتے چلے آرہے ہیں، اسے گذرے ہوئے دو سو سال ہونے کو ہیں اور اب تک اس کے مکمل کلام کا ایسا مجموعہ ہم پیش نہیں کر سکے جو صحت متن کے لحاظ سے پوری طرح نہ سہی لیکن ایسا ضرور ہوتا کہ اس پر ممکن حد تک اعتماد کیا جاسکتا۔ اسی کمی کو پیش نظر رکھ کر چند برس قبل قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے فیصلہ کیا کہ میر کا مکمل کلام اس طرح شائع کیا جائے کہ اس ایڈیشن کو پچھلے تمام مطبوعہ ایڈیشنوں کے مقابلے میں زیادہ قابل اعتماد سمجھا جاسکے۔ چنانچہ قومی کونسل نے اس منصوبے کے تحت میر کے مکمل کلام کو دو جلدوں میں ممکن صحت اور درستی کے ساتھ شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔ پہلی جلد جو غزلوں پر مشتمل تھی وہ ترقی اردو بیورو دہلی (قومی کونسل کا پرانا نام) سے پہلی بار ۱۹۸۷ میں

اس نسخے کے عکسی ایڈیشن کے طور پر شائع ہوئی جو ظل عباس عباسی مرحوم نے مرتب کر کے علمی مجلس دہلی سے ۱۹۶۸ میں شائع کیا تھا۔ اس منصوبے کے تحت دوسری جلد جس میں غزلوں کے علاوہ میر کا باقی کلام شامل ہو، اسے از سرِ نو مرتب کرا کے شائع کیا جانا تھا۔ جلد اول کے عکسی ایڈیشن کی نئی اشاعت سے پہلے اس کے متن کی تصحیح اور دیگر کمیوں کو دور کرانے کا فیصلہ بھی کیا گیا۔

میں اسے اپنی خوش بختی اور عزت افزائی سمجھتا ہوں کہ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ادبی پینل نے کلیات میر کی دونوں جلدوں کی ترتیب نو کا کام میرے ذمے کیا۔ اور یہ بات میرے لیے مزید اعزاز کا باعث ہے کہ جناب شمس الرحمٰن فاروقی نے اس پورے کام کو اپنی نگرانی میں کرانے کی ذمہ داری قبول کر لی۔ میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں کہ اس کے فضل و کرم سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ چنانچہ چھ مکمل دیوان غزلیات پر مشتمل کلیات میر جلد اول ۲۰۰۳ میں شائع ہو چکی ہے۔ اب یہ دوسری جلد جو میر کے باقی تمام کلام کو محیط ہے، آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

قومی کونسل کے ادبی پینل نے کلیات میر کی تدوین کے سلسلے میں فیصلہ کیا تھا کہ اس کام کے دوران میر کے مطبوعہ کلام کے مجموعوں کو ہی پیش نظر رکھا جائے اور کلام میر کے مخطوطوں کو دیکھنا لازم نہ ٹھہرایا جائے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ کلیات کی نئی تدوین کا کام کم سے کم وقت میں پورا کرنا تھا تا کہ میر کا کلام جو ایک عرصے سے دستیاب نہیں ہے، جلد از جلد منظر عام پر آ سکے۔ دوسرے یہ کہ میر کے تمام یا بیشتر مخطوطوں کی فراہمی مشکل بلکہ ناممکن تھی، کیونکہ وہ دنیا کے مختلف کتب خانوں میں منتشر ہیں۔ لہٰذا کلیات جلد اول کی طرح کلیات جلد دوم کی ترتیب و تدوین کے دوران بھی میر کے مطبوعہ کلام کو ہی پیش نظر رکھا گیا ہے۔ البتہ اس کام کے دوران چند مقامات ایسے آئے جہاں متن کی صحت بالکل مخدوش یا معدوم معلوم ہوتی تھی اور مطبوعہ نسخوں سے مقابلہ کرنے کے علاوہ بار بار غور کرنے کے باوجود متن کی صحیح صورت پر شرح صدر نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ شمس الرحمٰن فاروقی صاحب کے مشورے سے فیصلہ کیا گیا کہ حیدرآباد جا کر میر کے کچھ مخطوطوں کو دیکھ لیا جائے۔ لہٰذا میں نے حیدرآباد جا کر کئی دن کے قیام کے دوران ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد کا مخطوطۂ دیوان میر مکتوبہ ۱۱۹۲ ہجری (مطابق ۱۷۷۸) کا کچھ حصہ دیکھا۔ اس کے علاوہ سفر حیدرآباد کا ایک بڑا اور قابل ذکر فائدہ یہ ہوا کہ وہاں حکومت آندھرا پردیش کے ادارے Oriental Manuscript Library & Research Institute کو بھی دیکھنے کا موقع ملا جہاں کلیات میر کا ایک نہایت عمدہ قلمی نسخہ موجود ہے۔ اس نسخے کی خاص بات یہ ہے کہ اس میں میر کا بیشتر کلام شامل ہے اور یہ میر کی وفات سے قبل کا لکھا ہوا ہے۔ اس میں دیگر کلام کے علاوہ میر کے بیشتر مرثیے اور سلام بھی موجود ہیں۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس نسخے کے ان تمام صفحات کی نقل مجھے مذکورہ ادارے کی جانب سے مہیا کرا دی گئی جو غزلوں کو چھوڑ کر دیگر کلام پر مشتمل تھے۔ میں اس ادارے کے ارباب حل و عقد کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر یہ قلمی نسخہ میرے پیش نظر نہ ہوتا تو کلیات جلد دوم کے بہت سے اشعار کی صحت کا مسئلہ حل نہ ہو پاتا۔ کلیات میر

جلد دوم کی تدوین کے دوران مذکورہ بالا قلمی نسخوں اور ''دریاے عشق'' اور ''شعلۂ عشق'' کے بہت خوشخط لکھے ہوئے ایک قدیم مخطوطے کے علاوہ جن مطبوعہ نسخوں کو پیش نظر رکھا گیا، ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ کلیات میر، نسخۂ نولکشور، لکھنؤ ۱۸۶۷

۲۔ کلیات میر، مرتبہ عبدالباری آسی، نولکشور پریس لکھنؤ ۱۹۴۱

۳۔ مراثی میر، مرتبہ سید مسیح الزماں، سرفراز قومی پریس لکھنؤ 1951

۴۔ انتخاب مثنویات میر، مرتبہ ڈاکٹر سرشاہ محمد سلیمان، نظامی پریس بدایوں ۱۹۵۷

۵۔ کلیات میر جلد دوم، مرتبہ سید مسیح الزماں، رام نرائن لعل الٰہ آباد ۱۹۷۲

۶۔ کلیات میر جلد دوم، مرتبہ مدثر حسین رضوی، امروہہ ۱۹۷۳

۷۔ دیوان میر (نسخۂ محمود آباد، مخطوطہ مکتوبہ ۱۷۸۸) مرتبہ اکبر حیدری کشمیری، سری نگر ۱۹۷۳

۸۔ کلیات میر، مرتبہ کلب علی خاں فائق (جلد پنجم و ششم مطبوعہ بالترتیب ۱۹۸۲، ۱۹۸۴)

ہم جانتے ہیں کہ کلیات میر کے مطبوعہ نسخوں میں سے بھی بیشتر اب عام طور سے دستیاب نہیں ہیں۔ جو نسخے ہمارے زمانے کے قریب کے ہیں، ان میں نسخۂ مسیح الزماں اور نسخۂ فائق اس لحاظ سے زیادہ کارآمد ہیں کہ ان میں میر کا تقریباً تمام کلام یکجا کر دیا گیا ہے۔ البتہ نسخۂ فائق پاکستانی ایڈیشن ہونے کی وجہ سے اب بھی عام طور سے لوگوں کی دسترس میں نہیں ہے۔ اس لحاظ سے کلیات میر جلد دوم کے کام کے دوران نسخۂ مسیح الزماں کو ہی زیادہ تر سامنے رکھا گیا ہے۔ لیکن اس نسخے میں چونکہ اغلاط کتابت کے علاوہ قرأت متن کے بھی اغلاط بہت ہیں اور ترتیب میں بے احتیاطی اس پر مستزاد، اس لیے اس پر بھی آنکھ بند کر کے بھروسا نہیں گیا اور نہ ہی اسے بنیادی نسخے کی حیثیت دی گئی۔

جہاں تک صحت متن اور ترتیب کلام کا تعلق ہے تو ایک عرصے تک کلیات میر نسخۂ آسی (نولکشور ۱۹۴۱) کو ہی بڑی حد تک قابل اعتبار سمجھا جاتا رہا۔ اور غالباً یہی سبب ہے کہ بعد کے زمانے میں میر کے کلام کے جتنے بھی نسخے طبع ہوئے وہ عموماً نسخۂ آسی کو ہی پیش نظر رکھ کر تیار کیے گئے۔ خود نسخۂ آسی میں جو اغلاط ہیں ان سے قطع نظر نسخۂ مسیح الزماں اور نسخۂ آسی کا مقابلہ کرنے پر یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ اشعار کی جو مخدوش صورت نسخۂ آسی میں ہے وہی نسخۂ مسیح الزماں میں بھی ہے۔ مولانا کلب علی خاں فائق کے یہاں بھی بعض اوقات آسی پر، بعض اوقات نسخۂ فورٹ ولیم پر اور بعض اوقات کسی مخطوطے پر اعتماد کیا گیا ہے۔ کئی جگہ ہمارا متن ہر دو متذکرہ بالا نسخوں سے مختلف نظر آئے گا۔ اس اختلاف کی بنیاد کچھ تو ہمارے قیاس پر ہے اور زیادہ تر ان مخطوطوں پر جن کا ذکر اوپر درج ہوا ہے۔

زیر نظر کلیات میں شامل کلام کی ترتیب کسی مطبوعہ نسخے کے عین مطابق نہیں ہے۔ بلکہ یہاں کلام کو ایک نئی ترتیب کے ساتھ رکھا گیا ہے۔ امید ہے کہ یہ ترتیب گذشتہ تمام ترتیبوں کے مقابلے میں زیادہ بااصول اور سہل الفہم

معلوم ہوگی۔ دیگر تمام نسخوں میں ترتیب کلام کا کوئی ایک اصول دکھائی نہیں دیتا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ کسی نسخے میں کچھ کلام صنف کی بنیاد پر شامل ہے اور کچھ کلام کی خانہ بندی ہیئت کی بنیاد پر کی گئی ہے۔ مختلف اصناف کی ترتیب کسی بھی نسخے میں اطمینان بخش نہیں معلوم ہوتی۔ اس لیے یہی مناسب سمجھا گیا کہ یہاں تمام کلام کو صنف کی بنیاد پر ہی خانوں میں رکھا جائے۔ اس کے علاوہ مختلف اصناف کی ترتیب بھی یہاں نئے سرے سے قائم کی گئی۔ چنانچہ کلیات کے آغاز میں نعت ہے اور اس کے بعد منقبت اور ان کے بعد دیگر کلام کو رکھا گیا ہے۔

کلیات میں شامل کلام کی ترتیب چونکہ فہرست میں دیکھی جا سکتی ہے، اس لیے یہاں اس کی تفصیل غیر ضروری ہے۔ البتہ اس بات کی طرف اشارہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میر کی کل مثنویوں کی تعداد اڑتیس (۳۸) ہے۔ ہم نے ان میں سے چھتیس (۳۶) کو پہلی بار الگ الگ آٹھ ذیلی عنوانات کے تحت رکھا ہے۔ یہ عنوانات حسب ذیل ہیں:

۱۔ بہاریہ
۲۔ عاشقانہ
۳۔ واعظانہ
۴۔ مدحیہ
۵۔ ہجویہ
۶۔ وحوشیہ
۷۔ شکارنامہ
۸۔ جنگ نامہ

ان کے علاوہ دو مثنویاں جو خود نوشت سوانح کی صورت میں ہیں انھیں ''خود نوشت سوانح'' کے عنوان سے الگ خانے میں جگہ دی گئی ہے۔ ملحوظ رہے کہ اس خانے میں تین مخمس بھی شامل ہے جو خود نوشت سوانح ہی کے ذیل میں آتے ہیں۔ میر کی ایک مختصر مثنوی بعنوان ''در تعریف سگ و گربہ کہ درخانۂ فقیر ... الخ'' ہے۔ اس میں ۱۲ اشعار ''در تعریف مادۂ سگ'' کے ذیلی عنوان کے تحت ہیں اور اسی مثنوی کا حصہ ہیں۔ مطبوعہ نسخوں میں بھی اسی عنوان کے تحت یہ اشعار شامل کیے گئے ہیں۔ لیکن نہ معلوم کیوں اس ذیلی عنوان کے تحت شامل ۱۲ اشعار کو الگ مثنوی شمار کرلیا گیا۔ اس طرح مطبوعہ نسخوں کی رو سے مثنویوں کی مجموعی تعداد اڑتیس (۳۸) کے بجائے انتالیس (۳۹) ہو جاتی ہے جسے درست نہیں کہا جا سکتا۔

میر کے قصیدوں کی تعداد آٹھ ہے لیکن مطبوعہ نسخوں میں عموماً سات ہی قصیدے ملتے ہیں۔ ایک قصیدہ بعنوان ''در شکایت نفاق یاران زماں'' جو سینتیس (۳۷) اشعار پر مشتمل ہے، پہلی بار دلی کالج میگزین کے میر نمبر (مطبوعہ ۱۹۶۲) میں جناب قاضی عبدالودود مرحوم کے ایک مختصر نوٹ کے ساتھ شائع ہوا تھا۔ اس میں انھوں نے لکھا ہے کہ

یہ قصیدہ کلیات کے کسی مطبوعہ نسخے میں نہیں ہے اور کتب خانۂ سالار جنگ کے نسخۂ کلیات میر (۱۶۳) سے لیا گیا ہے۔ مولانا کلب علی خاں فائق کے نسخے میں یہ قصیدہ پہلی بار کلیات کا حصہ بنا اور اب ہم نے بھی اسے زیرِ نظر جلد میں شامل کرلیا ہے۔ یہاں یہ بات عرض کرنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ اس قصیدے میں ایک شعر ہر جگہ اس طرح چھپا ہے۔

بعزتیکہ ہے دوری راہ اس میں رفیق
بمنزلیکہ پہنچنا وہاں قیامت ہے

اس شعر پر غور کرنے کے بعد محسوس ہوا کہ اس کا پہلا مصرع درست نہیں ہے۔ اس کا پہلا لفظ ''بہ عزتے'' کسی طرح شعر کے معنی سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ لہٰذا قیاسی تصحیح ضروری معلوم ہوئی۔ پھر ذہن میں اچانک ایسا لفظ آیا کہ وہ مشکل فوراً دور ہوگئی۔ یعنی اصل لفظ ''بہ غربتے'' (بغربتے) تھا جسے کاتب کی غلطی نے ''بہ عزتے'' (بعزتے) بنا دیا، یا پڑھنے والوں نے کسی باعث اسے ''بہ عزتے'' پڑھ لیا۔ ظاہر ہے شعر کے مفہوم کی روشنی میں عزت کی قسم کھانے کا کوئی قرینہ نہیں نکلتا، اور غربت کی قسم کھانے کا محل سامنے کا ہے۔ شعر کے دوسرے الفاظ دوری راہ اور منزل بھی غربت بمعنی مسافرت سے گہری مناسبت رکھتے ہیں۔ بہرحال اس شعر کا پہلا مصرع ''بہ غربتے کہ ہے دوری راہ اس میں رفیق'' درست ہے اور اب یہی صورت شامل قصیدہ ہے۔

میر کا ایک قصیدہ شاہ عالم بادشاہ کی مدح میں ہے جو مطبوعہ نسخوں میں ''قصیدۂ مدحیہ شاہ وقت'' کے عنوان سے شامل ہے اور اسے نواب آصف الدولہ کی مدح میں جو دو قصیدے ہیں، ان کے بعد رکھا گیا ہے۔ موجودہ نسخے میں اس قصیدے کی ترتیب بدل کر اسے مذکورہ دو قصیدوں سے پہلے رکھ دیا گیا ہے۔ باقی قصائد کی ترتیب نسخۂ مسیح الزماں کے مطابق ہے۔ یہاں یہ بھی عرض کردوں کہ ''قصیدہ در مدح شاہ عالم بادشاہ'' میں ایک غزل ہے جس کا مطلع ہے۔

ترے ہاتھ جب تک کہ تیر دکماں ہے
شکار زبوں کی بھی خاطر نشاں ہے

قصیدے میں اس غزل کے اشعار کی تعداد نو (۹) ہے لیکن دیوان میر نسخۂ محمود آباد سے پتہ چلا کہ اس غزل میں اشعار کی کل تعداد بارہ (۱۲) ہے۔ اس طرح جو تین مزید اشعار اس نسخے میں موجود ہیں انھیں بھی مذکورہ غزل میں شامل کرلیا گیا ہے۔ نسخۂ محمود آباد کے حاشیے میں اکبر حیدری صاحب نے لکھا ہے کہ بارہ اشعار پر مشتمل یہ غزل نسخۂ کلکتہ میں بھی موجود ہے۔ موجودہ نسخے میں مزید تین اشعار جو شامل کیے گئے ہیں، حسب ذیل ہیں:

اسیری میں سارا قفس بوے گل سے
معطر ہوا گو دماغ اب کہاں ہے
درود اس کے تیں دیکھ کر بھیجتے ہیں
وہ نوگل بھی صل علیٰ کیا جواں ہے

ہے بس شاہد حال رنگ شکستہ
جو دل میں ہے میرے سو منہ پر عیاں ہے

میر کی ایک مثنوی ''تسنگ نامہ'' کے نام سے مشہور ہے اور کلام میر کے تمام مشہور اور متداول مطبوعہ نسخوں میں یہ اسی نام سے شامل ہے۔ زیرنظر کلیات کی تدوین کے دوران ہی چودھری محمد نعیم کی انتہائی اہم کتاب مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس منظر عام پر آئی جو میر کی خودنوشت ''ذکر میر'' کا انگریزی ترجمہ ہے۔ چودھری نعیم صاحب کی اس کتاب سے معلوم ہوا کہ جس گاؤں کے سفر کا ذکر میر نے اپنی اس مثنوی میں کیا ہے، اس کا نام ''تسنگ'' (یعنی مع ن) نہیں بلکہ ''تسنگ'' (یعنی مع ت) Tisang ہے۔ چودھری نعیم صاحب نے لکھا ہے کہ سرکاری کاغذات کی جانچ سے اس نام یعنی ''تسنگ'' کی تصدیق ہوگئی ہے۔ ظاہر ہے اس صورت میں ''تسنگ'' کو صحیح ماننے بغیر چارہ نہ تھا۔ پھر بھی مزید تصدیق کے خیال سے میں نے جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے اردو خط و کتابت کورس کے شعبے سے وابستہ جناب جمیل احمد سے بھی اس بات کا ذکر کیا۔ موصوف کا تعلق ضلع میرٹھ سے ہے اور وہ اس علاقے کی بہت سی جگہوں کے بارے میں خاصی معلومات رکھتے ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ میرٹھ میں ایک مشہور قصبہ لاوڑ نام کا ہے اور اس سے کچھ فاصلے پر ایک بستی ہے جسے بول چال میں تِسَن (Tisan) (بکسر اول و فتح دوم، بلا کاف فارسی) کہتے ہیں۔ ظاہر ہے یہ وہی ''تِسنگ'' ہے جو کثرت استعمال سے زبانوں پر ''تِسَن'' کی صورت میں رائج ہوگیا ہے۔ اب میر کی مثنوی کا یہ شعر بھی واضح ہوگیا۔

واں سے لاوڑ تسنگ پھر واں سے
جا کے واں تنگ آگئے جاں سے

ان شواہد کی بنا پر مذکورہ مثنوی کو ''تسنگ نامہ'' کے عنوان سے ہی کلیات میں شامل کیا گیا ہے اور جہاں جہاں لفظ ''تسنگ'' آیا ہے وہاں اسے ''تسنگ'' کردیا گیا ہے۔ بر سبیل تذکرہ، کلب علی خاں فائق نے اپنے مرتب کردہ کلیات میر میں اس مثنوی کا عنوان ''تسنگ نامہ'' (مع ت) ہی لکھا ہے، لیکن نہ معلوم کیوں انھوں نے درج بالا شعر میں ''تسنگ'' درج کیا ہے۔ علاوہ ازیں مثنویوں کی فہرست میں بھی اس کا نام ''تسنگ نامہ'' (مع ن) لکھا ہے۔ اسے سہو کاتب یا سہو تدوین پر محمول کرنا چاہیے۔

کلیات میر کے مطبوعہ نسخوں میں ۱۰۳ رباعیاں شامل ہیں۔ چھ رباعیات مستزاد ان کے علاوہ ہیں۔ ان کے علاوہ ایک رباعی ''شکار نامۂ دوم'' کے آخر میں ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ''شکار نامۂ دوم'' اسی رباعی پر ختم ہوتا ہے۔ وہاں اس رباعی سے پہلے ایک غزل بھی ہے۔ غزل اور رباعی کے بارے میں میر نے شکارنامے کے آخر میں اشارہ بھی کردیا ہے کہ۔

قفائے غزل اک رباعی کہو
سخن آگے موقوف چپکے رہو

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ میر نے اس شکارنامے کو بالارادہ رباعی پر ختم کیا ہے۔ وہ رباعی حسب ذیل ہے۔

چلنے کو ہوئے بادیے سے ہم جو کڑے
مل چلنے کے اتفاق بہتیرے پڑے
مجنوں نے کہا تھا میں بھی آتا ہوں میرؔ
آیا نہ رہے راہ میں ہم دیر کھڑے

چنانچہ موجودہ نسخے میں اس رباعی کو ''شکارنامۂ دوم'' کے آخر میں ہی رکھا گیا ہے۔ نسخۂ آسی میں بھی یہ رباعی اسی جگہ درج ہے۔ البتہ نسخۂ مسیح الزماں اور نسخۂ فائق میں اسے شکارنامے کے آخر سے حذف کر کے رباعیات کے تحت آخر میں شامل کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے شکارنامے کے آخر سے حذف کرنے کی صورت میں اس مثنوی کا درج بالا شعر ''قفائے غزل اک رباعی ... الخ'' بے محل ٹھہرتا ہے اور اس کے معنی کے بارے میں تشویش پیدا ہوسکتی ہے۔ لہٰذا اس کی وہی جگہ درست ہے جہاں ہم نے اور آسی مرحوم نے اسے رکھا ہے۔

ان رباعیوں کے علاوہ ایک رباعی ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد کے مخطوطے سے حاصل ہوئی جو کسی مطبوعہ نسخے میں شامل نہیں ہے۔ اسے رباعیات کے تحت آخر میں شامل کرلیا گیا ہے۔ یہ رباعی حسب ذیل ہے۔

طوفان اے میرؔ شب اٹھائے تو نے
آشوب بلا آنکھوں دکھائے تو نے
رونے سے ترے روی چلی آئی ایک
یہ دو دریا کہاں سے پائے تو نے

اس طرح موجودہ نسخے میں رباعیوں کی تعداد ۱۰۵ ہے اور اس میں چھ رباعیات مستزاد بھی شامل کرلیں تو ان کی مجموعی تعداد ایک سو گیارہ (۱۱۱) ہوجاتی ہے۔ رباعیوں کو پہلی بار ردیف وار ترتیب دیا گیا ہے تاکہ انھیں تلاش کرنے میں آسانی ہو۔

جیسا کہ معلوم ہے، کلیات میر کے تمام اوائلی مطبوعہ نسخے مراثی اور سلام سے خالی ہیں۔ ڈاکٹر مسیح الزماں مرحوم نے سب سے پہلے ان مراثی اور سلام کو جمع کر کے ''مراثی میر'' کے نام سے ۱۹۵۱ میں شائع کیا۔ اس مجموعے کے مقدمے میں انھوں نے لکھا (صفحہ ۳۴):

> کلیات میر کے قلمی نسخوں میں ہماری نظر سے صرف دو ایسے گذرے ہیں جن میں ان کے مرثیے شامل ہیں۔ ان میں سے ایک رضا لائبریری رام پور میں ہے اور دوسرا محترمی پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی ادیب ... کے ذاتی کتب خانے میں۔ رام پور کے نسخے میں صرف نو مرثیے ہیں جو ''نیرنگ'' اور ''اردو'' میں شائع ہوچکے ہیں۔ پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی کے نسخے میں ۳۹ مرثیے اور سلام ہیں۔ رام پور کے نسخے میں صرف دو ایسے مرثیے ہیں جو پروفیسر سید مسعود حسن صاحب رضوی کے نسخے میں نہیں ہیں۔ اس طرح میر کے کل اکتالیس مرثیے اور سلام دستیاب ہوئے جن کا یہ مجموعہ پہلی مرتبہ شائع کیا جارہا ہے۔

جیسا کہ درج بالا تفصیل سے معلوم ہوتا ہے، میر کے مراثی اور سلام کی کل تعداد اکتالیس (۴۱) ہے۔ لیکن مسیح الزماں صاحب کے مرتب کردہ ''مراثیِ میر'' میں ۳۴ مرثیے اور ۵ سلام ہی نظر آتے ہیں جن کی کل تعداد ۴۱ کے بجائے انتالیس (۳۹) ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ایک مرثیہ جس کا پہلا مصرع ''کیا گردوں نے فتنے کو اشارہ'' ہے، اسے دو حصوں میں الگ الگ مرثیوں کے طور پر درج کیا گیا ہے۔ دوسرا حصہ الگ مرثیے کی صورت میں اس بند سے شروع ہوتا ہے جس کا پہلا مصرع ''جہاں ہم کو امیروں کا کوا ہے'' ہے۔ چونکہ یہ دونوں حصے ایک ہی مرثیے کے ہیں، اس لیے مسیح الزماں صاحب کے مجموعے میں مرثیوں کی اصل تعداد چونتیس (۳۴) نہیں بلکہ تینتیس (۳۳) ہی بنتی ہے۔ کلب علی خاں فائق نے اپنے مرتب کردہ کلیات میر میں مراثی اور سلام کو مسیح الزماں مرحوم کی مرتب کردہ ''مراثیِ میر'' ہی سے نقل کر کے شائع کیا ہے۔ اس لیے مرثیوں کے باب میں وہاں بھی یہی صورت حال پائی جاتی ہے۔ البتہ نسخۂ فائق میں سلاموں کی تعداد پانچ (۵) کے بجائے چھ (۶) ہے۔

حقیقت حال یہ ہے کہ میر کے کل چونتیس (۳۴) مرثیے اور سات (۷) سلام ہیں، جن کی مجموعی تعداد اکتالیس (۴۱) ہوتی ہے۔ ڈاکٹر مسیح الزماں مرحوم نے کلیات میر جلد دوم (مطبوعہ ۱۹۷۲) میں تینتیس (۳۳) مرثیے اور پانچ (۵) سلام اپنے مرتب کردہ ''مراثیِ میر'' سے شامل کیے ہیں۔ یہاں ''مراثیِ میر'' میں ایک مرثیہ جو دو ٹکڑوں میں دو مرثیوں کی شکل میں چھاپا گیا تھا، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا، اسے ایک ہی مرثیے کی صورت میں رکھا گیا ہے اور ایک مزید مرثیہ یہاں شامل ہے جو ''مراثیِ میر'' میں نہیں تھا۔ وہ مرثیہ اس طرح شروع ہوتا ہے ع ''فلک نے ہونا اکبر کا نہ چاہا''۔ اس کے علاوہ دو مزید سلام بھی یہاں شامل ہیں جن کے پہلے مصرعے یہ ہیں:

- اے سبط مصطفیٰؐ کے تجھ کو سلام پہنچے
- السلام اے کام جان مصطفیٰؐ

اس طرح چونتیس (۳۴) مرثیے اور سات (۷) سلام کو ملا کر مجموعی تعداد اکتالیس (۴۱) ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ درج بالا اقتباس سے بھی ظاہر ہوتا ہے، میر کے مرثیوں کے بارے میں عام خیال یہی رہا ہے کہ یہ مرثیے مذکورہ قلمی نسخوں کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتے۔ غالباً اسی لیے ''مراثیِ میر'' سے پہلے کسی مطبوعہ کلیات میں مرثیے شامل نہیں ہیں۔ لیکن حیدرآباد کے کتب خانۂ مخطوطات میں (جس کا ذکر شروع میں گذر چکا ہے) کلیات میر کا جو مخطوطہ دستیاب ہوا، اس میں نہ صرف یہ کہ مرثیے اور سلام شامل ہیں بلکہ مرثیوں اور سلاموں کے بندوں اور اشعار کی تعداد بھی کہیں کہیں مطبوعہ کلام کے مقابلے میں زیادہ ہے۔ علاوہ ازیں، بہت سی جگہوں پر اس مخطوطے کا متن مطبوعہ متن سے زیادہ بہتر معلوم ہوتا ہے۔ اس مخطوطے میں شامل مرثیوں کی تعداد ۳۱ ہے اور سلام سات ہیں۔ ان میں صرف ایک مرثیہ ع ''کہانی رات تھی آل نبی کی'' نامکمل ہے۔ موجودہ جلد کی تکمیل کے دوران ڈاکٹر عمر غزالی کی کتاب ''مرشد آباد لائبریری کے اردو مخطوطات کی توضیحی فرہنگ'' سے معلوم ہوا کہ مرشد آباد کی لائبریری میں بھی کلیات میر کا ایک نسخہ ایسا ہے جس میں مراثی شامل ہیں۔ ان مرثیوں کی تعداد آٹھ (۸) ہے۔ ان کے اول

مصرعوں کی فہرست دیکھ کر اندازہ ہوا کہ یہ سب مرثیے ہماری زیرِنظر جلد میں موجود ہیں۔

مسیح الزماں صاحب کے ''مراثیِ میر'' کے آخر میں مختلف مرثیوں کے کچھ ایسے بند الگ سے درج کیے گئے ہیں جن کے ایک یا ایک سے زیادہ مصرعوں کے کچھ الفاظ قلمی نسخے میں پوری طرح واضح نہیں تھے یا ٹھیک سے نہیں پڑھے جاسکے۔ ایسے مصرعوں میں ان الفاظ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی تھی۔ اب مذکورہ بالا مخطوطۂ حیدرآباد کی مدد سے مصرعوں کو مکمل کر کے ان بندوں کو متعلقہ مرثیوں میں اپنی اپنی جگہ داخل کر دیا گیا ہے۔ مخطوطے میں شامل مراثی اور سلام میں جو بند اور اشعار زائد ہیں، انھیں بھی مناسب جگہوں پر اضافہ کر کے شامل کر لیا گیا ہے اور حاشیے میں ان کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔ اس طرح موجودہ کلیات میں میر کے تمام مرثیے اور سلام پوری طرح مکمل صورت میں اب پہلی بار سامنے آئے ہیں۔

کلیات جلد دوم کے مطبوعہ نسخوں میں کچھ منظومات کے عنوان ناقص یا نامکمل صورت میں درج ہیں۔ مثلاً مثنویات کے تحت ایک مثنوی کو جو اس مصرع سے شروع ہوتی ہے ع ''چمن سے عنایت کے بادام وار'' ''مثنوی عشقیہ'' کا عنوان دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ دو مثنویاں جن کے پہلے مصرعے ع ''ہے غبار وادی وحدت جہاں'' اور ''خدا ایک فرقے میں مانا ہے عشق'' ہیں، انھیں صرف ''مثنوی'' کے عنوان سے مطبوعہ نسخوں میں شامل کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے درج بالا تینوں مثنویوں کے عنوانات کو مکمل اور مناسب نہیں کہا جاسکتا۔ چنانچہ ہم نے موجودہ جلد میں ان مثنویوں کے لیے ایسے نئے عنوانات قائم کیے ہیں جو مکمل اور زیادہ بہتر معلوم ہوں گے۔ اب یہ مثنویاں حسب ذیل عنوانات کے تحت یہاں شامل ہیں۔

- در حال افغاں پسر (چمن سے عنایت کے بادام وار)
- در حال عشق (ہے غبار وادی وحدت جہاں)
- در حال مسافر جواں (خدا ایک فرقے میں مانا ہے عشق)

میر نے غالباً بادشاہ وقت کے غسل صحت کے موقع پر تین شعر کہے تھے جو مطبوعہ نسخوں میں ''قطعہ در تہنیت صحت'' کے زیرِ عنوان شامل ہیں۔ چونکہ یہ اشعار ایک مطلع اور دو شعر پر مشتمل ہیں، لہٰذا انھیں اصولی اعتبار سے قطعہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ قطعہ کے لیے ایسے مربوط اشعار کی شرط ہے جو غزل کی ہیئت میں ہوں لیکن ان میں مطلع نہ ہو۔ ایسی صورت میں یہی مناسب معلوم ہوا کہ ان اشعار کو نظم فرض کر کے ''نظم'' کے خانے میں رکھا جائے۔ اسی خانے میں وہ دو مربوط اشعار (مطلع اور ایک شعر) بھی بطور نظم رکھے گئے ہیں جو حضرت امام حسینؓ کی مدح میں ہیں۔ ان اشعار پر اب ''نظم بطرز منقبت حضرت امام حسینؓ'' کا عنوان دیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ مطبوعہ نسخوں میں یہ اشعار بھی غلطی سے قطعہ کے تحت رکھے گئے ہیں۔ یہاں اس بات کا ذکر بھی ضروری ہے کہ کلیات کے مطبوعہ نسخوں میں قطعہ ہی کے تحت میر کی دو نامکمل مختلف غزلوں کے دو دو اشعار (مطلع اور ایک شعر) شامل ہیں، یعنی انھیں دو قطعے فرض کیا گیا ہے۔ لیکن انھیں قطعہ اس لیے نہیں کہا جاسکتا کہ اول تو یہ اشعار مطلع کے ساتھ ہیں،

دوسرے یہ کہ ان میں باہمی ربط بھی نہیں ہے۔ لہٰذا انھیں دو الگ غزلوں کے دو دو شعر ہی کہنا مناسب ہے۔ چنانچہ اسی لیے ان اشعار کو کلیات جلد دوم سے نکال کر کلیات میر جلد اول بہ تصحیح و اضافہ از راقم الحروف میں متعلقہ ردیف کے آخر میں شامل کر دیا گیا تھا۔ اس لیے موجودہ کلیات جلد دوم اب غزل کے ان اشعار سے خالی ہے۔ کلیات کے مطبوعہ نسخوں میں فردیات کے تحت جتنے اشعار درج ہیں انھیں پہلے ہی مذکورہ کلیات میر جلد اول میں شامل کر لیا گیا ہے۔ لہٰذا وہ اشعار بھی زیرِ نظر جلد سے خارج کر دیے گئے ہیں۔

کلیات میر جلد دوم میں متن کی صحت کا مرحلہ سب سے مشکل تھا۔ اس کا ایک سبب تو یہ رہا ہے کہ تقریباً تمام مطبوعہ نسخوں میں عام طور سے متن کی صحت کی طرف بہت کم توجہ کی گئی اور زیادہ تر، کلام کو کسی ایک مخطوطے یا مطبوعہ نسخے سے من و عن نقل کر دینے پر ہی اکتفا کیا گیا۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ جہاں متنِ کلام میں کوئی غلطی بالکل واضح تھی اسے بھی عموماً درست نہیں کیا گیا۔ دوسرا سبب اس کا یہ ہے کہ میر نے اپنے کلام میں ایسے الفاظ اور فقرے کثرت سے استعمال کیے ہیں جو بذاتِ خود نامانوس ہیں یا وہ معروف معنوں میں استعمال نہیں ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے ایسے الفاظ کی صحت کی تصدیق کا مسئلہ آسان نہیں تھا۔ چنانچہ موجودہ کلیات کی ترتیب کے دوران ان مسائل سے قدم قدم پر دو چار ہونا پڑا۔ اس کام کے دوران بے شمار الفاظ کی تحقیق کا کام مختلف فرہنگوں اور لغات کی مدد سے ہی ممکن ہو سکا۔ ذیل میں ان فرہنگوں اور لغات کی فہرست درج کی جاتی ہے، جن سے اس کام کے دوران مدد لی گئی ہے۔

۱۔ اردو لغت، تاریخی اصول پر — مطبوعہ ترقی اردو بورڈ، کراچی

۲۔ اشٹائنگاس A Comprehensive Persian - English Dictionary — از ایف۔ اشٹائنگاس

۳۔ بحرالمعانی، دکنی اردو کا لغت — از جاوید وشِشٹ

۴۔ بہارِ عجم — از ٹیک چند بہار

۵۔ پلیٹس A Dictionary of Urdu, Classical Hindi and English — از جان ٹی پلیٹس

۶۔ تذکیر و تانیث — از حافظ جلیل حسن جلیل مانک پوری

۷۔ چراغِ ہدایت — از سراج الدین علی خاں آرزو

۸۔ ڈنکن فاربس A Dictionary, Hindustani & English-English & Hindustani — از ڈنکن فاربس

۹۔ سرمایۂ زبانِ اردو (تحفۂ سخنوراں) — از سید ضامن علی جلال لکھنوی

۱۰۔ شیکسپیئر Dictionary, Hindustani and English with a Copious Index — از جان شیکسپیئر

۱۱۔ فرہنگِ آصفیہ — از مولوی سید احمد دہلوی

۱۲۔ فرہنگ آنند راج — از میر منشی محمد پادشاہ
۱۳۔ فرہنگ اثر — از نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی
۱۴۔ فرہنگ شفق — از منشی لالتا پرشاد شفق لکھنوی
۱۵۔ فرہنگ عامرہ — از عبداللہ خاں خویشگی
۱۶۔ فرہنگ فارسی — از دکتر محمد معین
۱۷۔ فرہنگ کلیات میر — از ڈاکٹر فرید احمد برکاتی
۱۸۔ فیلن A New Hindustani-English Dictionary — از ایس ڈبلیو فیلن
۱۹۔ لغات کشوری — از مولوی سید تصدق حسین رضوی
۲۰۔ لغت نامۂ دہخدا — از استاد علی اکبر دہخدا
۲۱۔ معین الشعرا — از آفاق بناری
۲۲۔ منتخب اللغات — از میر عبدالرشید الحسینی
۲۳۔ نصیر اللغات (ترجمۂ غیاث اللغات) — از منشی محمد نصیر الدین احمد خاں
۲۴۔ نور اللغات — از مولوی نور الحسن نیر کاکوروی

متن کی تصحیح کے دوران مندرجہ بالا فرہنگوں کے علاوہ کلیات میر کے مطبوعہ نسخوں اور چند قلمی نسخوں کا سہارا لیا گیا اور جہاں جہاں ان سے بھی کوئی مدد نہ ملی وہاں قیاس سے کام لے کر متن کو حتی الامکان درست کرنے کی کوشش کی گئی۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا، کلیات میر جلد دوم ایسے مختلف النوع کلام سے مملو ہے جس میں نامانوس الفاظ اور فقرے کثرت سے بکار لائے گئے ہیں۔ چنانچہ ان کی صحت اور معنی و مفہوم کی تصدیق کا مسئلہ خاصا پریشان کن ثابت ہوا۔ دوسرے وہ الفاظ تھے جو اگرچہ نامانوس تو نہ تھے لیکن میر نے انھیں معروف معنوں کے بجائے غیر معروف معنوں میں استعمال کیا۔ ایسے الفاظ جن اشعار میں استعمال ہوئے ہیں، ان کے درست معنی تک رسائی کے لیے حددرجہ غور و فکر اور ذہنی کاوش سے کام لینا پڑا۔ اس طرح کی مثالیں یوں تو میر کے یہاں ہر طرح کے کلام میں ملتی ہیں لیکن مرثیوں میں اس کی مثالیں کثرت سے نظر آتی ہیں۔ مرثیے چونکہ دیگر منظومات کے مقابلے میں زیادہ مروج اور متداول نہیں رہے ہیں، اس لیے ان کے متن کی صحت کو یقینی بنانے میں کچھ زیادہ ہی دشواریوں کا سامنا ہوا۔ علاوہ ازیں میر کی مثنویاں بھی صحت متن کے لحاظ سے زیادہ قابل اعتبار نظر نہیں آئیں۔ اس حقیقت کے باوجود کہ میر کی مثنویوں کو خاصی شہرت حاصل رہی ہے اور چند عشقیہ مثنویاں تو بے حد مقبول ہیں، ان کے متن بھی جگہ جگہ مخدوش نظر آئے۔

کلیات جلد دوم میں صحت متن کی تعیین کے سلسلے میں ایک مشکل یہ بھی پیش آئی کہ بہت سے اشعار یا

مصرے ایسے ہیں جو بظاہر درست معلوم ہوتے ہیں اور عموماً ہم ان سے سرسری گذر جاتے ہیں۔ یعنی ظاہری صورت میں ان میں ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی جس سے محسوس ہو کہ ان کے معنی میں کوئی دشواری ہے۔ لیکن جب ان پر ٹھہر کر غور کیجیے تو وہی اشعار یا مصرے نا قابل فہم معلوم ہوتے ہیں اور یہ خیال بھی ہوتا ہے کہ کہیں یہ متن غلط تو نہیں ہے۔ پھر بار بار غور کرنے اور فرہنگوں وغیرہ کی مدد سے یہ عقدہ کھلتا ہے کہ متن کی صورت تو صحیح ہے، لیکن اس میں کسی لفظ یا فقرے یا محاورے کو میر صاحب نے ایسے پیرائے میں استعمال کیا ہے جس کی طرف عموماً ذہن نہیں جاتا یا اس سے ہم پہلے سے واقف نہیں تھے۔ اس کی ایک صورت وہ ہے جہاں کسی فارسی فقرے یا محاورے کو ترجمہ کر کے شعر میں لایا گیا ہے۔ ان میں بہت سے فارسی محاورے اور فقرے ایسے ہیں جنھیں اردو میں ترجمہ کر کے یا تو بہت ہی کم برتا گیا ہے یا انھیں صرف میر نے برتا ہے۔ لہٰذا جب تک ان کے معنی پوری طرح سامنے نہ ہوں، اشعار کے صحیح مفہوم تک رسائی تقریباً ناممکن ٹھہرتی ہے۔

محض الفاظ کی نوعیت اور اقسام کو سامنے رکھ کر اگر میر کے کلام کو دیکھا جائے تو یہ ایسا خزانہ معلوم ہوگا جس میں ہر رنگ کے لعل و گہر الفاظ جمع ہیں۔ لفظوں کی اس رنگارنگی کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ میر کو نادر اور نئے نئے لفظ ڈھونڈ کر لانے کا بہت شوق ہے۔ ان کا یہ شغف کلیات جلد دوم کے کلام میں اپنی انتہا پر نظر آتا ہے۔ میر کا کمال یہ ہے کہ وہ ایسے الفاظ کو کلام میں اس طرح کھپا دیتے ہیں کہ بعض اوقات تو ان کی ندرت یا نئے پن کا احساس ہی نہیں ہوتا۔ بہرحال ایسے لفظوں کی صحت کا مسئلہ بھی ہمارے لیے کئی جگہوں پر خاصا دشوار تھا جو فرہنگوں کی مدد سے ہی حل ہوا۔

متن کو درست کرنے کے دوران ایک بڑی مشکل یہ پیش آئی کہ کئی جگہ مصرے یا شعر چھوٹے ہوئے تھے اور تمام مطبوعہ نسخوں میں عموماً متن کی شکل یکساں تھی۔ چنانچہ بہت غور سے پڑھنے کے بعد ہی اندازہ ہوسکا کہ کوئی مصرع یا شعر یہاں چھوٹ گیا ہے۔ ایسی جگہوں پر درست متن تک پہنچنے کے لیے کچھ قلمی نسخوں کا سہارا لیا گیا۔

موجودہ کلیات کے متن کی تصحیح کے دوران مذکورہ بالا جن مشکلات و مسائل سے ہم دوچار ہوئے ان کی کچھ مثالیں یہاں پیش کی جاتی ہیں، تاکہ اندازہ ہوسکے کہ اس کام کے دوران ہمیں کن کن مراحل سے گذرنا پڑا ہے۔ صحت متن کی تعیین کے سلسلے میں اوپر جن مسائل کا ذکر ہوا، انھیں حسب ذیل زمروں میں رکھا جاسکتا ہے۔ آگے بیان کردہ مثالیں انھیں زمروں سے متعلق ہیں۔

(۱) ایسے الفاظ اور فقروں کی قرأت جو نہایت شاذ ہیں اور عام طور سے اردو میں مستعمل نہیں ہیں۔

(۲) ایسے سامنے کے الفاظ جو معروف معنی کے بجائے غیر معروف معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔

(۳) ایسے الفاظ اور فقرے جو بظاہر درست معلوم ہوتے ہیں، لیکن غور کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ وہ مخدوش ہیں۔

(۴) ایسے الفاظ جو غلط پڑھے گئے ہیں۔ ان کی تصحیح قلمی نسخے اور لغات و فرہنگ کے ذریعے ممکن ہوئی۔

(۵) فارسی کے ایسے فقرے اور محاورے جو ترجمہ کر کے استعمال کیے گئے ہیں۔

(۶) وہ الفاظ جو مطبوعہ صورت میں اطمینان بخش نہ معلوم ہوئے اور نہ ہی ان کی تصدیق کسی اور طرح سے ممکن ہوئی۔ ان کی قیاسی تصحیح کی گئی۔

(۷) مطبوعہ نسخوں میں جہاں مکمل مصرعے یا شعر چھوٹے ہوئے تھے وہاں بار بار غور کرنے کے بعد متن کے مخدوش ہونے کا یقین ہوا۔ پھر قلمی نسخے کی مدد سے متن کو درست کیا گیا۔

(۸) مطبوعہ نسخوں میں جو الفاظ یا فقرے قابل اطمینان نہ معلوم ہوئے، ان کی جگہ قلمی نسخے کے متن کو ترجیح دی گئی۔

قصیدہ نمبر ۲ در مدح حضرت علی میں ایک شعر ہے۔

- انکل سے جس کے سینے میں مارے ہو تیر تخش
  منھ دیکھو مدعی جو رکھے اپنے تیں سنبھال

یہاں پہلی بات تو یہ ہے کہ آسی، فائق اور مسیح الزماں کے نسخوں میں "تیر تخش" کی جگہ "تیر بخش" درج ہے۔ "تیر تخش" ایک خاص قسم کا تیر ہے جسے تیر ہوائی بھی کہتے ہیں۔ دوسرے مصرعے میں "منھ دیکھو" کا فقرہ "کیا مجال" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن ان معنی کی طرف فوراً ذہن نہیں جاتا۔

قصیدہ نمبر ۷ در مدح آصف الدولہ بہادر کا یہ شعر دیکھیے۔

- زلزلہ پڑ جائے سارے ملک میں
  ملک داروں سے کہیں ہاں سر حساب

یہاں "سر حساب" کا لفظ اس قدر نامانوس ہے کہ خود میر کے یہاں کسی اور جگہ نظر نہیں آیا۔ اپنی ندرت کے باوجود یہ لفظ ایسا آسان قسم کا ہے کہ بظاہر نادر نہیں معلوم ہوتا۔ چنانچہ "فرہنگ کلیات میر" بھی اس سے خالی ہے۔ جب شعر پر غور کیا گیا تو علم ہوا کہ یہاں "سر حساب" کے کچھ خاص معنی ہیں۔ لغات کی ورق گردانی سے معلوم ہوا کہ "سر حساب" کے معنی "ہوشیار" اور "خبردار" کے ہیں۔ اور یہاں یہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔

اب کچھ مثالیں مثنویوں سے دیکھیے۔

- اگر ہے یہ قصہ بھی حیرت فزا
  ولے میر یہ عشق ہے بذبلا

(شعلۂ عشق)

اس شعر میں بظاہر ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی جو قابل ذکر ہو اور جس کی وجہ سے مثال میں اسے پیش کیا جائے۔ لیکن غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ اس میں لفظ "اگر" حرف شرط یعنی if کے معنی میں نہیں بلکہ "اگرچہ" کے معنی میں ہے۔ اسے محض "اگر" کے معنی میں پڑھا جائے تو شعر کے معنی مخدوش ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے سامنے سوال یہ تھا کہ لفظ "اگر" کے معنی "اگرچہ" ہیں بھی یا نہیں۔ دیکھنے پر معلوم ہوا کہ لغات میں عموماً یہ معنی درج

نہیں ہیں۔ پھر مزید تلاش و تحقیق کے بعد ''اگر'' بمعنی ''اگرچہ'' کی سند امیر خسرو کے یہاں نظر آئی۔ خسرو کا شعر ہے۔

پیش رفتارت نیاید راہ کبکم در نظر
گر روندہ ہست لیکن ہمچو تو آئندہ نیست

(کلیات غزلیات خسرو، جلد اول مطبوعہ لاہور، صفحہ ۳۶۶)

یہاں واضح طور پر ''گر'' کو ''اگرچہ'' کے معنی میں برتا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ''اگر'' بمعنی ''اگرچہ'' فارسی میں مستعمل ہے لیکن اردو میں اس کی مثال دیکھنے میں نہیں آئی۔ واضح رہے کہ میر نے ''اگر'' کو ''اگرچہ'' کے معنی میں اور جگہ بھی استعمال کیا ہے۔ چنانچہ مثنوی ''در حال افغان پسر'' کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

اگر لوگ مارے گئے سربسر
ولے فتح اس کی ہے یہ طرفہ تر

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ڈنکن فاربس کی لغت میں ''اگر'' کے معنی if کے علاوہ though اور although بھی درج ہیں۔ لیکن عام طور سے اردو اور فارسی کے لغات ان معنی سے خالی ہیں۔

- غلط کاری وہم کچھ کم ہوئی
  وہ صحبت جو رہتی تھی برہم ہوئی (خواب و خیال)

بہار عجم میں ''غلط کاری'' کے معنی ''در مغالطہ انداختن'' درج ہیں یعنی ''دھوکے میں ڈالنا'' یا ''دھوکا دینا''۔ اگر یہ معنی پیش نظر نہ ہوں تو مصرعے کے صحیح معنی پوری طرح واضح نہ ہوں گے۔ ''غلط کاری'' کا فقرہ بظاہر اتنا سہل ہے کہ ہم سرسری اس سے گذر جاتے ہیں اور احساس بھی نہیں ہوتا کہ یہ دھوکے میں ڈالنے کے معنی میں یہاں صرف ہوا ہے۔ اسی مثنوی کا ایک شعر ہے۔

- لب نان اک بار دینے لگے
  دم آب دشوار دینے لگے

اس شعر کے مصرع ثانی میں ''دم آب'' کو ''ایک گھونٹ پانی'' یا بہت تھوڑا پانی کے معنی میں برتا گیا ہے۔ ملحوظ رہے کہ فرید احمد برکاتی نے اس مصرعے کی غلط قرأت کی اور ''آب دشوار'' کو ترکیب فرض کر کے فرہنگ کلیات میں اسے درج کیا اور یہ بھی لکھا کہ آصفیہ اور آنند راج میں یہ نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جب ''آب دشوار'' کوئی ترکیب ہی نہیں تو آصفیہ یا آنندراج میں کہاں سے ہوتی۔ یہاں ''آب'' کی اضافت ''دم'' کے ساتھ ہے نہ کہ دشوار کے ساتھ۔ یعنی فقرہ ''دم آب'' ہے اور ''لب نان'' سے اس کی مناسبت بھی ظاہر ہے۔ لیکن دم، آب، دشوار، تینوں لفظ اتنے سہل اور سامنے کے ہیں کہ پڑھنے والا اگر رک کر غور نہ کرے تو مصرعے سے یوں ہی گذر جائے گا اور اس کے اصل معنی سے بے خبر رہے گا۔ مصرعے کی صحیح نثر یہ ہوگی کہ ''لوگ ایک گھونٹ پانی بھی مشکل سے دیتے تھے''۔

- عکس اس کا پڑا ہے جام مے
  میں آتی ہے صدا اسی کی نے میں (ساقی نامہ)

اس شعر کا پہلا مصرع مطبوعہ نسخوں میں اس طرح چھپا ہے ع ''جو عکس پڑا ہے جام مے میں''۔ بظاہر مصرعے کی یہ صورت بھی صحیح معلوم ہوتی ہے۔ لیکن غور کرنے پر کھلتا ہے کہ اس صورت میں مصرع درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے معنی یہ نکلیں گے کہ ''جام مے میں جو عکس ہے اسی کی صدا نے میں آرہی ہے''۔ ظاہر ہے یہ معنی سیاق و سباق سے مناسبت نہیں رکھتے اور بذات خود درست نہیں ہیں۔ مصرعے کی صحیح صورت قلمی نسخے سے حاصل ہوئی۔ اب شعر کے معنی پوری طرح واضح ہیں کہ وہی ہے جس کا عکس جام مے میں ہے اور اسی کی صدا نے میں سنائی دیتی ہے۔

- کوچۂ موج سے بھی آنگن تنگ
  کوٹھری کے حباب کے سے ڈھنگ (در ہجو خانۂ خود)

یہاں ''کوچۂ موج'' کی ترکیب سے صاف ظاہر ہے کہ موج کو کوچہ کہا گیا ہے اور آنگن کو اس کوچے سے زیادہ تنگ قرار دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے شعر کے معنی میں تو کوئی قباحت نظر نہیں آتی۔ لیکن یہ سوال بہر حال برقرار رہتا ہے کہ ''موج'' کو ''کوچہ'' کہنے کا قرینہ کیا ہے؟ ایک احتمال یہ ہوا کہ ممکن ہے اس نام کا کوئی کوچہ ہو جسے ''کوچۂ موج'' کہا جاتا ہو، لیکن ایسا بھی کہیں نظر نہ آیا۔ ''کوچۂ موج'' کی ترکیب لغات میں بھی نہ ملی اور ''بہار عجم'' میں ''کوچہ'' کے معنی یا صفات میں بھی ''کوچۂ موج'' کا اندراج نہیں۔ آخر کار جب ''بہار عجم'' ہی میں ''موج'' کے معنی دیکھے گئے تو پتہ لگا کہ موج کو جن چیزوں سے تشبیہ دیتے ہیں ان میں ایک کوچہ بھی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ کوچہ، موج کی تشبیہات میں سے ہے۔ میر نے اس تشبیہ کو اور جگہ بھی برتا ہے چنانچہ مثنوی ''در ہجو خانۂ خود کہ بہ سبب شدت باراں خراب شدہ بود'' کا یہ شعر دیکھیے۔

صحن میں آب نیزہ بالا ہے
کوچۂ موج ہے کہ نالہ ہے

- کیڑا ایک ایک پھر مکوڑا ہے
  سانجھ سے کھانے ہی کو دوڑا ہے

''مکوڑا'' کو عام طور سے ''کیڑا'' کے مرادف کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ ''کیڑے مکوڑے'' کا فقرہ ''چھوٹے چھوٹے کیڑے'' کے معنی میں بولتے بھی ہیں۔ لیکن درج بالا شعر میں ''مکوڑا'' مفرد صورت میں ''بڑا چیونٹا'' کے معنی میں لایا گیا ہے۔ واضح رہے کہ اس معنی میں یہ لفظ خاص دہلی والے بولتے ہیں۔ چنانچہ ''فرہنگ آصفیہ'' میں یہ معنی موجود ہیں، حالانکہ وہاں خاص دہلی کے استعمال کی نشان دہی نہیں کی گئی ہے۔ نور اللغات میں ''مکوڑا'' بطور لغت درج ہی نہیں ہے۔

مثنوی ''در ہجو خانۂ خود کہ بہ سبب شدت باراں... الخ'' کے درج ذیل اشعار دیکھیے۔

- صف کی صف نکلے اس خرابی سے
  تا کہ پہنچیں کہیں شتابی سے

- جن نے اس وقت آنکھ کو کھولا
ہنس کے بے اختیار وہ بولا
- میر جی اس طرح سے آتے ہیں
جیسے کنجر کہیں کو جاتے ہیں
- سن کے اس بات کو تر آئے ہم
بارے اک بھائی کے گھر آئے ہم

مطبوعہ نسخوں میں دوسرے شعر کی جگہ تیسرا، اور تیسرے کی جگہ دوسرا درج ہے۔ اس ترتیب کے لحاظ سے پہلے اور چوتھے شعر کو پیش نظر رکھیں تو بیان کا ربط مجروح ہو جاتا ہے، اور تیسرے شعر کے معنی مبہم ہو جاتے ہیں۔ مندرجہ بالا صورت میں ترتیب کی قیاسی تصحیح کی گئی ہے۔ اب اشعار کا ربط اور ان کے معنی پوری طرح واضح اور قائم ہیں۔ تمام مطبوعہ نسخوں میں ان اشعار کی بدلی ہوئی غلط ترتیب کا ایک سبب غالباً یہی ہے کہ لوگوں نے کلام کو من و عن نقل کر دینے پر اکتفا کیا اور یہ غور نہ کیا کہ ربط بیان قائم نہیں رہا۔

مثنوی ''در ہجو نااہل مسمیٰ بہ زبان زد عالم'' سے کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں۔

- ایک کے آیا مکوڑا وہم میں
ایک کے مور سواری فہم میں

یہاں ''مور سواری'' کی ترکیب سے گمان ہوتا ہے کہ اس کے معنی میں کچھ سواری وغیرہ کا مفہوم شامل ہوگا لیکن ایسا نہیں ہے۔ لغت کی رو سے اس کے معنی اس بڑی چیونٹی کے ہیں جس کے پیر لمبے ہوتے ہیں۔ چونکہ پہلے مصرعے میں ''مکوڑا'' بمعنی بڑا چیونٹا آیا ہے، اس لیے اس کی مناسبت سے بڑی چیونٹی کے لیے ''مور سواری'' کہا گیا جو نہایت مناسب ہے۔

- بے سبب سرگرم کیں پیہم ہوا
مستحق لعنت عالم ہوا

مطبوعہ نسخوں میں اس شعر کا پہلا مصرع ''بے سبب سرگرم کیں ہم سے ہوا'' درج ہے۔ اس صورت میں قافیہ غلط ٹھہرتا ہے۔ چنانچہ ہم نے قیاس سے کام لے کر ''ہم سے'' کو ''پیہم'' سے بدل دیا۔

- کاشکے ہوویں مخذر شیخ و شاب
پھٹے سے منھ جو پکارے کا ہے باب

اس شعر کا مصرع ثانی مطبوعہ نسخوں میں ''چھوٹے سے منھ جو پکارے کیا ہے باب'' درج ہے۔ اس صورت میں شعر کے معنی واضح نہیں ہوتے، خاص کر دوسرا مصرع کسی طرح تسلی بخش نہیں معلوم ہوتا۔ لغت سے معلوم ہوا کہ صحیح فقرہ ''پھٹے سے منھ'' اور ''پھٹے منھ'' ہے جو کلمۂ تحقیر اور لعنت کے طور پر بولا جاتا ہے۔ مثلاً کسی شخص کو ملعون کہنا ہو یا یہ کہنا ہو کہ اس کے چہرے پر پھٹکار برس رہی ہے تو اس کے لیے ''پھٹے سے منھ'' یا ''پھٹے منھ'' کہتے ہیں۔

''زٹل نامہ'' (کلیات جعفر زٹلی) مرتبہ رشید حسن خاں میں ''ہجو خانِ جہاں'' کے عنوان سے جعفر زٹلی کی نظم کی ردیف ہی ہے ''تھکی داڑھی پھٹے منھ''۔ یہاں اس کے مطلع کو نقل کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

خانِ جہاں تم بھلے بگاڑی تھکی داڑھی پھٹے منھ
سلسی اوپر گری سواری تھکی داڑھی پھٹے منھ

- غالبًا پایا غلط اشعار کو
  خوش نہ آیا اس کرم کردار کو (سحبۃ الجہال)

اس شعر میں ایسے لفظ کی بہت واضح مثال موجود ہے جو معروف معنی کے بجائے سراسر غیر معروف معنی میں استعمال ہوا ہو۔ مزید لطف یہ کہ لفظ اس قدر سامنے کا ہے کہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ یہاں یہ کسی اور معنی میں ہوگا۔ یہاں ''غالبًا'' شاید کے بجائے ''اکثر اور زیادہ تر'' کے معنی میں آیا ہے۔

اسی مثنوی کے درج ذیل دو اشعار کا ذکر بھی یہاں ضروری معلوم ہوتا ہے۔ وہ اشعار یہ ہیں۔

قصہ کوتہ تھے ممیز درمیاں
کاہے کو تھے گلہ گلہ شاعراں
اب جو دیکھو ہر طرف ہے ازدحام
تنگ ہے کرم مزابل پر بھی کام

مطبوعہ نسخوں میں ان دو شعروں کی صورت یہ ہے کہ پہلے شعر کا پہلا مصرع اور دوسرے شعر کا دوسرا مصرع ملا کر انھیں ایک شعر کے طور پر درج کیا گیا ہے۔ اس شعر کے دوسرے مصرعے میں یہ تبدیلی بھی ہے کہ اس میں قافیہ ''کام'' کے بجائے ''یاں'' ہے۔ یعنی مطبوعہ صورت میں دوسرا مصرع ''تنگ ہے کرم مزابل پر بھی یاں'' ہے۔ اس طرح یہ شعر پوری طرح بے معنی تھا۔ بہت غور کرنے کے بعد بھی جب اس کے کوئی معنی نہ نکلے تو قلمی نسخے سے رجوع کیا گیا جس سے عقدہ حل ہوا کہ یہ اصلاً دو اشعار ہیں جن کے ایک ایک مصرعے چھوٹ گئے ہیں اور وہی صورت تمام مطبوعہ نسخوں میں نقل ہوتی چلی آئی ہے۔

- اس کے پردادا نے ہے یہ حرف دی
  ایک دم لابہ میں لنکا پھونک دی

اس شعر کا قافیہ بظاہر غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ دونوں مصرعوں میں قافیہ کا لفظ ''دی'' یکساں ہے۔ لیکن غور کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ پہلے مصرع میں ''دی'' بمعنی ''گذرا ہوا کل'' یعنی ''دیروز'' استعمال ہوا ہے۔ یہاں ترکیب ''حرفِ دی'' سے مراد ''کل کی بات'' ہے۔ مطبوعہ نسخوں میں مصرع اول میں ''ہے'' کی جگہ ''ہی'' درج ہے۔ اس طرح یہ مصرع مطبوعہ صورت میں معنی کے لحاظ سے مزید پریشانی کا سبب بنتا ہے۔

اسی مثنوی کا ایک یہ شعر دیکھیے۔

- ہوتے ہیں اس جنس میں بھی ذی خرد
آدم و حیواں میں یہ برزخ ہیں بد

یہاں "بد" کا لفظ جن معنی میں لایا گیا ہے انسے اردو کے لیے نادر بلکہ معدوم کہا جاسکتا ہے۔ عربی میں "بد" کے معنی "پریشان کرنے" یا "الگ الگ کرنے" کے ہیں۔ یہاں یہ لفظ اسی معنی کے مطابق "سب سے الگ" کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ یہ شعر بھی میر کے ان اشعار کی بہت اچھی مثال ہے جس سے ہم سرسری گذر جاتے ہیں، لیکن غور کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ یہاں میر نے بالکل سامنے کے لفظ کو نہایت شاذ معنی میں استعمال کرلیا ہے۔
مثنوی "در ہجو اکول" کے درج ذیل اشعار دیکھیے۔

- چاہ کرکے گرا جو وہ بلاع
مد روح اشعب طماع
- کہنے لاگا میں ہوکے بجوالا
کیا ہوا یاں سے قلیے کا پیالہ
- تھی ابھی روٹیوں کی جیٹ کی جیٹ
میں رہا کہتا کھا گیا وہ سمیٹ

مطبوعہ نسخوں میں درج بالا اشعار کی جگہ صرف پہلا اور تیسرا شعر درج ہیں۔ ظاہر ہے اس صورت میں ربط کلام نامکمل ٹھہرتا ہے۔ غور کرنے کے بعد اندازہ ہوا کہ یہاں کوئی شعر بیچ میں چھوٹا ہوا ہے۔ یہ اندازہ اس وقت یقین میں بدل گیا جب قلمی نسخے میں درج بالا دوسرا شعر نظر آیا۔ اس سے کلام کا ربط مکمل ہوگیا۔ البتہ مذکورہ دوسرے شعر کے پہلے مصرعے کے لفظ "بجوالا" کی تحقیق نہ ہوسکی کہ اس کے کیا معنی ہیں۔ جہاں تک ہم دیکھ سکے ہیں کسی لغت میں یہ لفظ نہ ملا اور نہ ہی اس سے ملتے جلتے کسی ایسے لفظ کا پتہ چلا جو بامعنی ہو اور اس مصرع سے مطابقت رکھتا ہو۔ ناچار ہم نے قلمی نسخے کے مطابق اس لفظ کو یوں ہی رہنے دیا ہے۔

- گرد رو باندھے تو چہرہ حور کا
چاندنی میں ہو تو بکا نور کا

اس شعر کا پہلا مصرع بظاہر صاف معلوم ہوتا ہے۔ لیکن ذرا سا غور کرنے پر جب ہم اس کی نثر کرتے ہیں تو مشکل یہ پیش آتی ہے کہ اس میں فعل "باندھے" کا مفعول مذکور نہیں ہے۔ اس مشکل کا سبب یہ ہے کہ لفظ "گرد رو" کو ہم "چہرے کے گرد" کے معنی میں سمجھتے ہیں۔ یہ عقدہ اس وقت حل ہوا جب تلاش بسیار کے بعد معلوم ہوا کہ "گرد رو" پھولوں یا موتیوں کے اس ہار کو کہتے ہیں جسے عورتیں زینت و آرائش کے لیے پیشانی پر باندھتی ہیں۔ اس طرح یہاں "گرد رو" بذاتِ خود بطور مفعول استعمال ہوا ہے۔ اسی مثنوی کا ایک شعر اور دیکھیے۔

- حفظ ابھی بلوں سے ان کا ہے ضرور
رہیو ان دونوں سے چشم شور دور

لفظ ''شور'' کے کئی معنی ہیں اور تقریباً سبھی معنی معروف ہیں۔ لیکن یہاں ''چشم شور'' کی ترکیب میں یہ لفظ اردو کے لیے غیر معروف بلکہ نادر معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس معنی کی رو سے ''شور'' کا لفظ ''منحوس''، ''برا'' کا مفہوم رکھتا ہے اور ''چشم شور'' اس بری نظر کو کہتے ہیں جو فوراً اثر کرے۔ ''چشم شور'' کی ترکیب اس مثنوی میں ایک جگہ اور بھی آئی ہے۔

دیکھے جس دم یک ذرا کوئی اس کو گھور
چشم شور آفتاب اس دم ہو کور

- نہ بطخیں ہیں شاگستری میں اس کی مدام
بزرگ داشت کریں مرغ سبزوار تمام

یہاں ''مرغ سبزوار'' کی ترکیب سے گمان ہوتا ہے کہ اس سے وہ مرغ مراد ہوں گے جو شہر سبزوار میں پائے جاتے ہیں، لیکن ایسا نہیں ہے۔ لغت میں ''مرغ سبزوار'' کے معنی لکھے ہیں ''مرغ خانگی کی ایک قسم جس کی حلق کے نیچے سرخ گوشت ہوتا ہے اور جس کے پر مختلف رنگ کے ہوتے ہیں۔ اس کے انڈے دیگر پرندوں کے انڈوں سے زیادہ سخت اور نوک دار ہوتے ہیں''۔ اس شعر میں ''بزرگ داشت'' کا لفظ ''تعظیم اور عزت'' کے معنی میں ہے۔ یہ معنی بھی غیر معروف ہیں۔ اس مثنوی کا یہ شعر بھی دیکھیے۔

- جب ان نے گانٹھ کے اک لات حلق پر ماری
شتر دلی کی شترمرغ نے کئی باری

یہاں ''شتر مرغ'' اور ''شتر دلی'' کے الفاظ پہلی نظر میں معنی کے لحاظ سے زیادہ قابل توجہ اس لیے نہیں معلوم ہوتے کہ لگتا ہے ''شتر دلی'' کا لفظ محض ''شتر مرغ'' کی مناسبت سے لایا گیا ہے۔ یہ بات اس اعتبار سے صحیح بھی ہے کہ دونوں میں رعایت بہرحال موجود ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہ لحاظ معنی ان لفظوں میں کوئی علاقہ نہیں۔ لغت کی رو سے ''شتر دلی کرنا'' کے معنی ہیں ''خوف زدہ ہونا یا ڈر کر بھاگنا''۔ چنانچہ یہاں ''شتر مرغ نے شتر دلی کی'' سے یہ مراد ہے کہ شتر مرغ خوفزدہ ہوگیا یا ڈر کر بھاگنے لگا۔ اس مثنوی کا درج ذیل شعر بھی یہاں قابل ذکر ہے۔

- خروس عرش ہی اس بن نہیں ہے سینہ فگار
ہزار مرغ کا اب گھر خروس پر ہے بار

یہ شعر میر کے یہاں ایسے اشعار کی نہایت عمدہ نمائندگی کرتا ہے، جن کے بارے میں ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ وہ بظاہر ایسے ہوتے ہیں جن میں کوئی خاص بات یا کوئی مشکل نکتہ نہیں ہوتا۔ لیکن غور کرنے پر کوئی ایسی مشکل سامنے آتی ہے جس کا حل آسان نہیں لگتا بلکہ شعر میں کوئی نہ کوئی ایسا پیچ ضرور ہوتا ہے جسے جب تک حل نہ کیا جائے، شعر پوری طرح نہیں کھلتا۔

اب درج بالا شعر پر غور کیجیے۔ اس میں ''خروس'' کا لفظ دوبار آیا ہے، ایک ترکیب کی صورت میں یعنی ''خروس عرش'' اور دوسرا مفرد شکل میں۔ خیال رہے کہ یہ مثنوی اس خروس کے مرثیے میں ہے جو میر کے گھر میں پلا

ہوا تھا۔ چنانچہ پہلی نظر میں ایسا لگتا ہے کہ اس شعر میں ''خروس عرش'' سے بھی وہی خروس مراد ہے جس کے بارے میں یہ مثنوی ہے۔ لیکن ذرا سا غور کرنے پر یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ یہاں ''خروس عرش'' سے مراد کوئی اور خروس ہے۔ لغات سے معلوم ہوا کہ ''خروس عرش'' دراصل اس مرغ کو کہتے ہیں جو آسمان پر رہتا ہے اور صبح ہونے سے قبل سب سے پہلے بانگ دیتا ہے، پھر اس کی آواز سن کر زمین کے مرغ بانگ دینے لگتے ہیں۔ اس طرح پہلا مصرع تو صاف ہوجاتا ہے کہ میر کے خروس کی موت سے صرف خروس عرش ہی سینہ فگار نہیں ہے لیکن اس کے بعد دوسرے مصرعے کا مفہوم کیا ہے اور وہ پہلے مصرعے سے کس طرح مربوط ہوگا، یہ پیچیدہ مسئلہ تھا۔ دوسرے مصرعے کی نثر کرنے پر سوال یہ اٹھتا تھا کہ ہزاروں مرغ کا گھر اب خروس پر بار ہے لیکن کس خروس پر؟ اور یہ کہ مرغ کا گھر خروس پر بار ہونے کے کیا معنی ہیں؟ مصرعے کے تمام لفظوں پر کئی کئی بار غور کیا گیا کہ ہوسکتا ہے متن میں کوئی غلطی ہو۔ مطبوعہ اور قلمی نسخوں کو دیکھا گیا تو وہاں بھی متن کی صورت یکساں تھی۔ الگ الگ لفظوں کے معنی پر غور کیا گیا لیکن پھر بھی کوئی بات نہ بنی۔ پھر ایک امکان یہ نظر آیا کہ ہوسکتا ہے، اس میں کوئی محاورہ لایا گیا ہو، مگر اردو میں ایسا کوئی محاورہ بھی نہ ملا۔ البتہ فارسی لغت میں ایک محاورہ نظر آیا جس سے سارا مسئلہ حل ہوگیا۔ فارسی محاورہ ''خانہ بر خروس بار بودن'' گھر ویران ہونے کے معنی میں ہے۔ چنانچہ میر نے اسی محاورے کو ترجمہ کرکے اس مصرعے میں استعمال کیا ہے۔ اب مصرع ثانی کے معنی ہوئے ''ہزاروں مرغ کے گھر ویران ہوگئے ہیں''۔ اب اس کا ربط بھی پہلے مصرعے سے قائم ہوگیا۔ اس طرح پورے شعر کے معنی یہ ہوں گے کہ ''میر کے خروس کی موت سے صرف خروس عرش ہی سینہ فگار نہیں ہے بلکہ ہزاروں مرغ کے گھر اب ویران ہیں''۔ مذکورہ محاورے کو میر نے اور جگہ بھی برتا ہے۔ مثنوی ''مورنامہ'' سے اس کی یہ مثال دیکھیے۔

اپنے تو گھربار کا ہے ہی فسوس
گھر ترا بھی ویسے ہے بار خروس

- سطر لکھتا نہیں خفی کی وہ
  خط ہے خوباں کی پشت لب کا وہ

یہ بھی میر کے ان اشعار کی طرح کا ہے جو ظاہری صورت میں متن کے لحاظ سے خاصے پریشان کن ثابت ہوئے ہیں۔ ذرا غور کرنے پر پہلا سوال یہ اٹھتا ہے کہ شعر کا قافیہ کیا ہے؟ کیونکہ ''وہ'' کو اگر ردیف فرض کیا جائے تو قافیہ ندارد ہے۔ پھر مزید غور کرنے پر یہ خیال ہوتا ہے کہ ''وہ'' ہی قافیہ ہے اور شعر غیر مردف ہے۔ لیکن بطور قافیہ ایک ہی معنی میں لفظ کی تکرار قافیے کو غلط ٹھہراتی ہے۔ چنانچہ بہت غور و خوض کے بعد یہ عقدہ کھلا کہ ''وہ'' قافیہ کا لفظ تو ہے، البتہ دونوں مصرعوں میں یہ مختلف معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ مختلف معنی کا قرینہ یہاں یہ ہے کہ پہلے مصرعے کا ''وہ'' جو آغا رشید کی ضمیر کے طور پر آیا ہے، اسے ''وَہ'' (واد پر زبر کے ساتھ) پڑھنا پڑے گا، اور دوسرے مصرعے میں ''وَہ'' کو کلمۂ تحسین (واہ کی مخفف شکل) فرض کیا جائے گا۔ اس طرح مختلف معنی کی وجہ سے شعر کا قافیہ بالکل درست ٹھہرتا ہے۔

جہاں تک اسم ضمیر ''وہ'' کو ''وَہ'' (بفتح واو بروزن رہ) کے استعمال کا معاملہ ہے تو یہ شکل میر یا دوسرے کلاسیکی شعرا کے یہاں عموماً رائج رہی ہے۔ ملحوظ رہے کہ ''وہ'' کی طرح لفظ ''یہ'' بھی بفتح یا یعنی ''یَہ'' کلاسیکی زمانے میں عام رہا ہے۔ زبر کے ساتھ لفظ ''وَہ'' اور ''یَہ'' عموماً بطور قافیہ آئے ہیں۔ میر کے یہاں لفظ ''وَہ'' کی ایک اور مثال دیکھیے۔ مثنوی ''شعلۂ عشق'' کا شعر ہے۔

محبت نے کی اشتعالک کہ وہ
سراسیمہ آیا چلا اس جگہ

- تو نہیں پر مارتا ازبس ہراس
کب اڑا سیمرغ اس کے آس پاس (در حال عشق)

اس شعر میں لفظ ''تو'' اس قدر نامانوس ہے کہ بیشتر مطبوعہ نسخوں میں اس کی جگہ ''تو'' چھپا ہے۔ اردو کے لغات میں بھی عموماً یہ لفظ نہیں ملتا۔ ''تو'' اس پرندے کو کہتے ہیں جو شتر مرغ کی طرح ہوتا ہے اور اس کے پر بہت بڑے اور خوبصورت ہوتے ہیں۔ ممکن ہے یہ وہی پرندہ ہو جسے انگریزی میں Emu کہتے ہیں۔

- ہوا آب گردش سے بیمار یہ
رہا اس سبب کوئی دن اس جگہ

یہاں ''آب گردش'' کے حد درجہ شاذ ہونے کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ عموماً اردو لغات اس سے خالی ہیں۔ ترکیب بظاہر ایسی ہے کہ محسوس ہوتا ہے اس کے کوئی خاص معنی نہ ہوں گے جو قابل ذکر ہوں۔ غالباً اسی لیے فرید احمد برکاتی نے بھی اپنے فرہنگ کلیات میں اسے درج نہیں کیا۔ ''آب گردش'' دراصل اس بیماری کو کہتے ہیں جو جگہ جگہ کا پانی بدلنے سے ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے جب تک یہ معنی سامنے نہ ہوں، نہ شعر کے معنی واضح ہوتے ہیں اور نہ ہی شعر کا حسن واضح ہوتا ہے۔ اسی مثنوی کا ایک شعر اور دیکھیے۔

- کشیدہ بھویں دو کمانیں تھیں پاک
جھکیں جب حریفاں بہت ہوں ہلاک

یہاں لفظ ''پاک'' کمان کی صفات میں سے ایک صفت ہے۔ چنانچہ ''کمان پاک'' کے معنی ''کمان زوریں'' کے ہیں، یعنی وہ کمان جو بہت مضبوط اور سخت ہو۔ مطبوعہ نسخوں میں درج بالا شعر ''پاک'' کی جگہ ''تاک'' یا ''تاک'' کے اندراج کے ساتھ ملتا ہے جس کی بنا پر شعر مہمل ہو جاتا ہے۔ میر نے ''کمان پاک'' کی ترکیب غزل میں بھی استعمال کی ہے۔ چنانچہ دیوان ششم کا شعر ہے۔

کس زور کش کی قوس قزح ہے کمان پاک
جس کی اٹھا سکا نہ کبھو سیر آفتاب

• شعر زور طبع سے کہتا ہوں چار
وزدی بزگیری نہیں اپنا شعار (در بیان بز)

یہ شعر چونکہ اس مثنوی کا ہے جو بکری کے بیان میں ہے، اس لیے اس میں لفظ ''بزگیری'' سے یہی گمان ہوتا ہے کہ اس کے معنی کا تعلق بکری وغیرہ سے ہوگا۔ اس شعر کے اوپر والے شعر میں (جو مثنوی کا پہلا شعر ہے) ''بکری'' کا لفظ موجود بھی ہے۔ لیکن لغات سے معلوم ہوا کہ ''بزگیری'' کے معنی دراصل ''چوری کرنا اور مکر و حیلہ کرنا'' ہیں۔ اسی طرح کا ایک لفظ ''بزآویزی'' ہے جو درج بالا شعر سے اگلے شعر میں آیا ہے۔

• وزد ہے شائستہ خوں ریزی کا یاں
بلکہ بابت ہے بزآویزی کا یاں

''بزآویزی'' کے معنی ہیں کسی کو الٹا کر کے اس طرح لٹکانا جیسے قصاب بکرے کو ذبح کر کے لٹکاتے ہیں۔ اس شعر میں لفظ ''خوں ریزی'' کا صرف بھی قابل توجہ ہے۔ ''خوں ریزی'' کے معروف معنی ہیں ''خون بہانا'' یا ''قتل کرنا'' یعنی اگر ہم کہیں کہ زید خوں ریزی کر رہا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ زید خون بہا رہا ہے یا قتل کر رہا ہے۔ لیکن یہاں ''شائستۂ خوں ریزی'' کو میر نے ''وہ جو قتل کیے جانے کے لائق ہے'' کے معنی میں صرف کیا ہے۔ لہٰذا شعر کے معنی یہ ہیں کہ چور کا قتل ہی کیا جانا کافی نہیں ہے بلکہ وہ اس لائق ہے کہ اسے قتل کر کے الٹا لٹکایا بھی جائے۔ اس مثنوی کا درج ذیل شعر بھی دیکھیے۔

• ہوتے ہی استادہ طاری ہو غشی
کیا بزکوہی سے ہو میداں کشی

اس شعر میں ''بزکوہی'' کو نامانوس نہیں کہہ سکتے کہ ظاہری صورت سے بھی اس کے معنی کھل جاتے ہیں۔ یعنی ''بزکوہی'' پہاڑی بکرے یا پہاڑی بیل کو کہتے ہیں۔ البتہ ''میداں کشی'' یقیناً نامانوس ہے اور گمان گذرتا ہے کہ اس کے معنی ''میدان میں دوڑنا بھاگنا'' وغیرہ ہوں گے۔ لیکن فارسی میں ''میداں کشیدن'' کے معنی ہیں ''مخالف پر حملہ کرنے کے لیے خود کو جمع کر کے پیچھے ہٹنا''۔ ''میداں کشی'' کا لفظ بظاہر ایسا ہے کہ مذکورہ معنی کی ہرگز توقع نہیں ہوتی اور ہم لفظ سے سرسری گذر جاتے ہیں اور اس کے اصل معنی سے محروم رہ جاتے ہیں۔ یہاں مزید لطف کا یہ پہلو بھی پیش نظر رہے کہ پہاڑی بکرے کی صفت بھی یہ ہے کہ جنگ کے وقت وہ پہلے پیچھے ہٹتا ہے، پھر سر جھکا کر دوڑتا ہوا آتا ہے اور غنیم پر حملہ کرتا ہے۔

• دیکھتا تھا میر میں جلوہ گری
جا نشینہ میں جو بیٹھی وہ پری

اس شعر میں ''جا'' اور ''نشینہ'' چونکہ ایک ساتھ واقع ہوئے ہیں، اس لیے یہ مغالطہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ دو لفظ نہیں بلکہ ایک ہی لفظ ''جا نشینہ'' ہے۔ فرید احمد برکاتی نے بھی یہی فرض کر کے اپنے فرہنگ کلیات میں ''جانشینہ'' درج کیا ہے اور اس کے معنی بھی بیان کر دیے ہیں۔ نسخۂ آسی میں یہ مثنوی نہیں ہے۔ البتہ نسخۂ مسیح الزماں اور نسخۂ

فائق میں یہ شامل ہے۔ اول الذکر نسخے میں یہ شعر مندرجہ بالا صورت میں ہے۔ لیکن فائق کے یہاں مصرع ثانی ''جا کے بستی میں جو بیٹھی وہ پری'' درج ہے۔ انھوں نے پہلے دونوں لفظوں کو تبدیل کر کے ''جا کے بستی'' کر دیا اور حاشیے میں کوئی صراحت بھی نہیں کی کہ اس تبدیلی کی بنیاد کیا ہے۔

دراصل ''نشینہ'' بذات خود ایک مکمل لفظ ہے جس کے معنی ہیں ''جانوروں کے بیٹھنے کی جگہ''۔ اپنی صورت اور معنی دونوں کے لحاظ سے یہ اس قدر نادر ہے اور مصرعے میں یہ ایسی جگہ واقع ہوا ہے کہ عام طور سے یقین نہیں آتا کہ یہ کوئی مستقل لفظ ہوگا اور اس کے مخصوص معنی ہوں گے۔ درج بالا شعر کے مصرع ثانی کی نثر یہ ہوگی۔ ''وہ پری جا کر نشینہ میں جو بیٹھی''۔ نسخۂ فائق میں مذکورہ مصرع کی جو صورت ہے وہ موقع و محل سے کسی طرح مناسبت نہیں رکھتی۔ اس مثنوی کا یہ شعر بھی دیکھیے۔

● فرط دل تنگی سے ہو کر دل گرا
اک پرافشانی میں سر کے بل گرا

اس شعر کا مصرع اول خاصا پریشان کن ثابت ہوا۔ اس کے الفاظ ''دل'' اور ''گرا'' کو کئی کئی طرح سے پڑھا گیا لیکن کوئی صورت اطمینان بخش نہ معلوم ہوئی۔ چونکہ ایک قافیہ ''بل'' تھا، اس لیے زیادہ امکان یہی تھا کہ اس کا دوسرا قافیہ ''ڈل'' ہوگا، لیکن نہایت تلاش و جستجو کے بعد بھی کسی لغت میں ''ڈل گرا'' نہ ملا۔ پھر تنہا ''ڈل'' کے معنی ڈھونڈے گئے تو Platts نے رہنمائی کی۔ وہاں اس لفظ کے ایک معنی ''برگ'' اور ''پتا'' بھی درج ہیں۔ چنانچہ ہماری قرأت کے مطابق یہاں یہ لفظ اسی معنی میں صرف ہوا ہے۔ مصرع کی نثر یوں ہوگی ''[وہ] فرط دل تنگی سے پتا ہو کر یا پتے کی طرح گرا''۔ میر کو شاذ لفظوں سے کس قدر شغف ہے اور وہ ان کا استعمال کس خوبی سے کرتے ہیں اس کے لئے یہی ایک مثال کافی ہوتی، لیکن اس مثنوی کا ایک شعر اور دیکھیے۔

● مرغ کر جاتے ہیں مرغ انداز دس
کیا کریں اک مور کے کھانے سے بس

یہاں ''مرغ انداز'' اپنی صورت اور ظاہری معنی کے اعتبار سے ایسا لفظ ہے کہ پہلی نظر میں احساس ہی نہیں ہوتا کہ اس کے کوئی خاص معنی ہوں گے۔ پھر مصرع میں ''مرغ'' کا لفظ الگ سے بھی موجود ہے، اس لیے یہی محسوس ہوتا ہے کہ ''مرغ انداز'' کے معنی کا تعلق مرغ کے اڑنے یا گرنے وغیرہ سے ضرور ہوگا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ''مرغ انداز کرنا'' دراصل بڑے لقمے کو چبائے بغیر نگل جانے کو کہتے ہیں۔ یہ شعر ان اژدہوں کے بارے میں ہے جو بڑے بڑے جانوروں کو مسلم نگل جاتے ہیں۔ یہاں یہ کہا گیا ہے کہ جب وہ دس دس مرغ ایک ساتھ گھونٹ جاتے ہیں تو بھلا ایک مور کے کھانے سے انھیں کیسے سیری ہو سکتی ہے۔ لفظ ''مور'' کا ایہام بھی یہاں پیش نظر رکھیے۔ اسی مثنوی کا یہ شعر بھی قابل ذکر ہے۔

● ہوگیا باراہ سد راہ گر
لیویں گے جا کر نفر راہ دگر

یہاں میر نے ''باراہ'' کا لفظ اس قدر غیر متوقع اور اتنی دور سے لاکر استعمال کیا ہے کہ ان کی تلاش کی جتنی داد دی جائے کم ہے۔ یہ لفظ سنسکرت Varaha ہے، جس کے معنی ''خنزیر یا سور'' کے ہیں۔ اس لفظ کو غلط پڑھا گیا ہے۔ چنانچہ نسخۂ مسیح الزماں اور نسخۂ فائق دونوں میں اس کی جگہ ''یاراہ'' چھپا ہے۔ لطف یہ ہے کہ چونکہ ''یاراہ'' کوئی لفظ نہیں، غالباً اسی لیے نسخۂ فائق میں اسے دو لفظ بنا کر ''یا'' اور ''راہ'' کی صورت میں داخل شعر کیا گیا ہے۔

- نہ دل مرد ہے ہبر و گرم شتاب
  دل شیر برفی بھی ہے ڈر سے آب (شکار نامۂ اول)

''شیر برفی'' کی ترکیب سے یہاں بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے معنی اس شیر کے ہوں گے جو برف کے علاقے میں پایا جائے اور ہم نے پہلے یہی سمجھا بھی تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ بچے کھیل میں برف سے جو شیر کی صورت بناتے ہیں اور جسے دیکھ کر گھوڑے بھاگتے ہیں، اسے ''شیر برفی'' کہا جاتا ہے۔ اس لفظ کو شعر میں جس طرح لایا گیا ہے، اس کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اگر لفظ کے حقیقی معنی نہ معلوم ہوں تب بھی شعر کے معنی کھینچ تان کر کسی طرح نکالے جاسکتے ہیں۔ لیکن شعر پوری طرح بامعنی اسی وقت ٹھہرتا ہے جب اس ترکیب کے اصل معنی پیش نظر رہیں۔ رعایتیں اور مناسبتیں بھی اسی وقت زیادہ واضح ہوتی ہیں جب ''شیر برفی'' کے صحیح معنی معلوم ہوں۔

- گئے بادخور آسماں میں پلٹ
  کلنگوں کی صف باز نے دی الٹ (شکار نامۂ دوم)

مسیح الزماں اور فائق کے یہاں اس شعر میں ''بادخور'' کی جگہ ''بادجو'' ہے۔ ''بادجو'' کسی لغت میں نظر نہ آیا لیکن اس بات کا قوی امکان تھا کہ یہاں کوئی ایسا لفظ ہوگا جو پرندے کے معنی میں ہوگا۔ خاصی تلاش کے بعد لغت میں ''بادخور'' کا لفظ ملا جس کے معنی ''ہما'' کے ہیں۔ لہٰذا اسی لفظ کو مرجح کیا گیا ہے۔ اغلب ہے کہ سہو کاتب کے سبب ''بادخور'' کا لفظ ''بادجو'' بن گیا ہوگا اور پھر وہی نقل در نقل مطبوعہ نسخوں میں درج ہوتا گیا۔ اسی مثنوی کے درج ذیل اشعار بھی دیکھیے۔

- گریوے کہیں تھے بلند اور پست
  پھر اڑتے تھے واں جیسے پیلان مست
- کلنگ ایسے بازوں سے آئے ستوہ
  کہ کابل سے آگے گئے صد گروہ
- نہیں قوچ سرزن نہ ایل نہ رنگ
  ہوئے قید یا صید کیا بے درنگ
- نہ لگ لگ نہ تیتر رہا دشت میں
  نہ غم خوارک آیا نظر گشت میں
- پر تیر جس دم کشادہ ہوئے
  بڑے صید حد سے زیادہ ہوئے

یہ اشعار مثنوی میں ترتیب سے نہیں ہیں بلکہ انھیں الگ الگ جگہوں سے لیا گیا ہے لیکن یہاں انھیں نقل کرنے سے مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ میر نے اکثر ایسے الفاظ استعمال کیے ہیں جو یا تو بذات خود نہایت شاذ ہیں یا وہ اپنی شکل کے اعتبار سے تو مانوس ہیں لیکن نامانوس معنی میں استعمال ہوئے ہیں۔ پہلے شعر میں ''گریوہ'' کے معنی ''مٹی کے اونچے تودے یا چھوٹی پہاڑی'' کے ہیں۔ دوسرے شعر میں ''کلنگ'' ایک آبی پرندہ ہے جس کی گردن لمبی ہوتی ہے۔ یہ سارس سے مشابہ ہوتا ہے۔ اسی مصرع میں ''ستوہ'' (مع اول مضموم اور واو مجہول) نہایت نادر ہے۔ اس کے معنی ''عاجز'' کے ہیں۔ تیسرے اور چوتھے شعروں میں چار الفاظ ''قوچ'' ''ایل'' ''رنگ'' اور ''غم خوارک'' خاص طور سے قابل توجہ ہیں۔ ان میں پہلے دو لفظ ''قوچ'' اور ''ایل'' نادر کہے جائیں گے۔ ''قوچ'' مینڈھے کو کہتے ہیں اور ''ایل'' کے معنی ''جنگلی بکری یا بارہ سنگھا'' کے ہیں۔ دیگر دو الفاظ ''رنگ'' اور ''غم خوارک'' اس لحاظ سے دلچسپ ہیں کہ یہ لفظ بذات خود تو بہت سامنے کے ہیں لیکن یہاں ان کے معنی نہایت غیر متوقع ہیں۔ ''رنگ'' کے معنی ''پہاڑی بکری'' اور ''جنگلی بیل'' کے بھی ہیں اور یہاں یہ لفظ انھیں معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ دوسرے لفظ ''غم خوارک'' کے معنی ''مرغابی'' ہیں۔ چوتھے شعر میں ''لگ لگ'' ظاہر ہے کہ ایک معروف پرندہ ہے لیکن پانچویں اور آخری شعر میں ''بزے'' کا لفظ خاص طور سے قابل توجہ ہے۔ یہاں یہ جمع کی صورت میں آیا ہے جس کا واحد ''بزا'' ہے۔ ''بزا'' بگلوں کی نسل کے سفید اور کالے رنگ کے لمبی ٹانگوں والے پرندے کو کہتے ہیں۔ عام پڑھنے والا اسے ''بز'' کی کوئی صورت سمجھ کر آگے بڑھ جائے گا اور ایک پرلطف اور نادر لفظ سے محروم رہ جائے گا۔

اب کچھ مثالیں یہاں مرثیوں سے پیش کی جاتی ہیں۔ یہاں عموماً محض ان مصرعوں کو نقل کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے جن میں کسی لفظ یا فقرے کے بارے میں کلام کرنا مقصود ہے۔

<u>مرثیہ ۱</u> • کس دکو کو اپنے لیے جاؤں گا

''کس دکو'' کے معنی ''دوست احباب'' کے ہیں اور ان معنی میں یہ لفظ تقریباً نامعلوم ہے۔

• سردتن ہوئے اتفاقاً جدا

''اتفاقاً'' کے معروف معنی تو اچانک کے ہیں لیکن یہاں یہ لفظ ''ساتھ ساتھ'' کے معنی میں آیا ہے۔ اردو میں اس کی مثال فی الحال اور کوئی نہیں ملی۔ ترقی اردو بورڈ کراچی کی ''اردو لغت، تاریخی اصول پر'' میں یہ معنی درج نہیں۔

<u>مرثیہ ۸</u> • دے دست کجیاں وہ کج پلاسی

یہاں ''کج پلاسی'' ''بدمعاملگی'' اور ''فتنہ وفساد برپا کرنا'' کے معنی میں ہے۔ یہ لفظ اگرچہ بہت غیر معروف نہیں لیکن عام لغات میں نہیں ملتا۔ ''دست کجی'' البتہ بے حد شاذ ہے۔ اس کے معنی ''چوری'' کے ہیں۔

• مو یہ کناں تھے مو سر کے وا کر

''گریہ و ماتم کرنے والا'' کے معنی میں ''مو یہ کناں'' عموماً دیکھنے میں نہیں آتا۔

<u>مرثیہ ۱۰</u> • حسین ہائے تری اٹھ گئی سبھا ساری

یہاں ''سبھا اٹھ جانا'' محفل برہم ہوجانے کے معنی میں ہے۔ اس معنی میں یہ فقرہ نادر بلکہ نامعلوم ہے اور میر کی اختراع معلوم ہوتا ہے۔ ''اردو لغت، تاریخی اصول پر'' میں ''سبھا جمنا'' تو ہے لیکن ''سبھا اٹھنا'' درج نہیں۔

مرثیہ ۱۷ ● تالیف جس کی کی تھی نبیؐ نے

''پالنا پوسنا'' اور ''پرورش کرنا'' کے معنی میں ''تالیف'' نہایت تازہ ہے۔ بالکل سامنے کے لفظ کو نامانوس معنی میں استعمال کرنے کی یہ بہت عمدہ مثال اور میر کی طباعی کی دلیل ہے۔

مرثیہ ۱۹ ● گئی سن نیند یک باری سبھی کی

یہاں ''یک باری'' کا لفظ اس لحاظ سے بے حد دلچسپ ہے کہ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ''ایک بار'' کے معنی میں ہے۔ لیکن دراصل یہ ''یکبارگی'' بمعنی اچانک کی ایک شکل ہے اور یہاں اسی معنی میں ہے۔ اس لفظ کو میر نے کئی جگہ استعمال کیا ہے۔ ملحوظ رہے کہ ''اچانک'' ہی کے معنی میں اس لفظ کی ایک شکل ''یک بار'' بھی ہے جسے میر نے کثرت سے برتا ہے۔

● سراسر جرأت و یک لخت غیرت

یہاں ''یک لخت''، ''مطلق'' اور ''مجسم'' کے معنی میں ہے جو اردو کے لیے شاذ کا حکم رکھتا ہے۔

● ابا جدا جنھوں نے کی خصومت

''ابا جداً'' کے الفاظ سے بظاہر ایسا لگتا ہے کہ اس سے مراد باپ دادا ہوں گے۔ لیکن یہاں اس کے معنی ہیں ''باپ دادا کے زمانے سے''۔ یہ لفظ ''اردو لغت، تاریخی اصول پر'' میں درج نہیں۔

مرثیہ ۲۰ ● نگر رکھتے نہ تھے ہم سب ستارہ

اردو میں تنہا لفظ ''ستارہ'' خوش نصیبی کے معنی میں مستعمل نہیں ہے۔ ستارہ بلند ہونا وغیرہ ضرور مستعمل ہے۔ یعنی جب قسمت کی خوبی کہنا مقصود ہو تو کہتے ہیں فلاں کا ستارہ بلند ہے۔ لیکن جیسا کہ درج بالا مصرعے سے ظاہر ہے، میر نے لفظ ''ستارہ'' تنہا بھی ''خوش نصیبی'' کے معنی میں برتا ہے۔ ''بہار عجم'' میں ''ستارہ'' کے معنی ''بخت'' اور ''طالع خوب'' دونوں درج ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ فارسی میں تنہا لفظ ''ستارہ'' ''خوش نصیبی'' کے معنی میں بھی موجود ہے۔ علاوہ ازیں ''اردو لغت، تاریخی اصول پر'' میں ایک سند اس معنی کی محبت خان محبت کے قلمی دیوان سے مندرج ہے لیکن یہ دیوان فی الحال ہماری دسترس میں نہیں لہٰذا سند کی صحت کے بارے میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ''بہار عجم'' میں ''ستارہ نہ داشتن'' بھی موجود ہے جس کے معنی ''طالع خوب نداشتن'' درج ہیں، یعنی خوش نصیبی کا نہ ہونا۔ درج بالا مصرع میں میر نے اسی محاورے کو ترجمہ کرکے استعمال کیا ہے۔

مرثیہ ۲۱ ● عجب بل صد عجب ہے دوست ہے دوست

پرانے زمانے میں نوحہ پڑھتے وقت ہر شعر کے آخر میں عام طور سے ''ہے دوست ہے دوست'' کہہ کر ماتم کرتے تھے اور اس فقرے کو ماتم کا حصہ مانتے تھے۔ میر کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے ماتم کے اس فقرے کو نہایت عمدگی سے اس مرثیے کی ردیف بنا کر استعمال کرلیا۔ چنانچہ اس فقرے کی وجہ سے اس مرثیے میں نوحہ اور ماتم کی شان بھی پیدا ہوگئی۔

مرثیہ ۲۶ ● لوٹ کرتے ہیں تو کچھ تقصیر پر
غیر یوں آتے تھے خرد و پیر پر

جیسے جاتے ہیں کھٹن جاگیر پر
گھر نبیؐ کا ان کی گویا تھی تیول

یہ بند ان دو نئے بندوں میں شامل ہے جو اس مرثیے میں قلمی نسخے سے اضافہ کیے گئے ہیں۔ لیکن قلمی نسخے میں ''تیول'' کی جگہ ''بتول'' لکھا ہوا ہے۔ چونکہ کسی مطبوعہ نسخے میں یہ بند موجود نہیں، اس لیے اس لفظ کی تحقیق آسان نہ تھی۔ ''بتول'' کا لفظ مصرعے سے کسی طرح مناسبت نہ رکھتا تھا۔ لہٰذا اس لفظ کی مختلف شکلوں والے الفاظ کو لغات میں ڈھونڈا گیا۔ قیاس پر مبنی اس تلاش کے نتیجے میں لفظ ''تیول'' ملا جس کے معنی ''جاگیر'' کے ہیں۔ یہ قیاس اس لیے مزید مستحکم ہوا کہ تیسرے مصرعے میں ''جاگیر'' کا لفظ موجود ہے۔ البتہ اسی مصرعے میں لفظ ''کھٹن'' پھر بھی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ آخر کار ایک لغت سے معلوم ہوا کہ یہ ''کٹھن'' کی دکنی شکل ہے اور ''کٹھن'' کے ایک معنی ''ظالم'' اور ''بے رحم'' کے بھی ہیں۔ اس طرح کئی بار اور کئی جگہ ڈھونڈنے کے بعد پورا بند واضح ہو سکا۔

مرثیہ ۲۷ • بے آب دشت بیچ تباہی ہے یہ جہاز

یہاں ''تباہی'' بمعنی ''تباہ ہونے والا'' استعمال ہوا ہے۔ یہ معنی بے حد غیر معروف ہیں لیکن اگر یہاں معنی کا یہ امکان نظر میں نہ ہو تو مصرع غلط معلوم ہوگا اور شک ہوگا کہ یہ لفظ ہی شاید غلط ہے۔ خیال رہے کہ اسی طرح کا ایک لفظ ''تلاشی'' ہے جو ''تلاش کرنے والے'' کے معنی میں بھی مستعمل تھا۔ یہ لفظ بھی ان معنوں میں اب غریب ہے لیکن میر نے اسے کئی جگہ استعمال کیا ہے۔ ''تباہی'' بمعنی ''تباہ ہونے والا'' کا اندراج ''اردو لغت، تاریخی اصول پر'' میں نہیں ہے۔

• تیرا ملاحظہ نہ کیا نے نبیؐ کا پاک

خیال رہے کہ ''ملاحظہ'' کے اصل معنی تو ''لحاظ'' ہی کے ہیں لیکن اس لفظ کا استعمال درج بالا صورت میں عام نہیں ہے۔ مثلاً ہم عام طور سے ''کسی نے ان کا پاس و لحاظ نہ کیا'' کو اس طرح نہیں کہتے کہ ''کسی نے ان کا ملاحظہ نہ کیا''۔ ''ملاحظہ'' کا یہ صرف دکنی میں عام تھا اور میر کے یہاں اس کا موجود ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ ایک زمانے تک دکنی اور دہلوی زبان میں کئی باتیں مشترک تھیں گویا وہ دونوں ایک ہی زبان تھیں۔

مرثیہ ۲۸ • عالم کو دن دیے ہی سیہ کر دکھائیں گے

''دن دیے'' کے معنی ''دن کے اجالے میں اور کھلے عام'' کے ہیں۔ اس مصرعے کو غلط پڑھا گیا ہے۔ چنانچہ مطبوعہ نسخوں میں یہ مصرع اس طرح درج ہے ''عالم میں دن وہی ہے سیہ کر دکھائیں گے''۔ ظاہر ہے اس صورت میں مصرعے سے کوئی معنی نہیں نکلتے۔ اغلب ہے کہ لوگوں نے ''دیے ہی'' کو ''وہی ہے'' پڑھ لیا ہوگا۔ یہاں درست متن قلمی نسخے کے مطابق ہے۔

مرثیہ ۳۰ • کہاں مقدور یہ اس ناتواں کا
کہ ہووے پیش رو اس کارواں کا

یہ شعر حضرت زین العابدینؑ کی زبان سے کہلایا گیا ہے۔ ''پیش رو'' کے عام معنی ہیں ''وہ جو پہلے گذر چکے'' لیکن یہاں یہ لفظ ''رہنما'' یعنی ''آگے چلنے والے'' کے معنی میں لایا گیا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس لفظ کی

ظاہری صورت اس کے غیر معروف معنی سے زیادہ مناسبت رکھتی ہے کیونکہ ''پیش رو'' کے لفظی معنی ہی ہیں ''آگے یا سامنے چلنے والا''۔ چونکہ رہنما آگے آگے چلتا ہے اس لیے یہاں وہی مراد ہے۔

کچھ مثالیں یہاں دیگر منظومات سے بھی ملاحظہ کریں۔

● ہر صبح خون دل ہے مجھے آب ناشتا (مخمس در مدح حضرت علی)

مطبوعہ نسخوں میں ''آب ناشتا'' کی جگہ ''آب و ناشتا'' درج ہے۔ چونکہ اس مخمس کا مصرع ترجیع الف کے قافیے کے ساتھ ہے اس لیے عین ممکن ہے کہ لوگوں نے ''آب و ناشتا'' میں دوسرے لفظ کو اصلاً ''ناشتہ'' فرض کیا ہوگا، کیونکہ واو عطف سے بھی اس امکان کو قوت ملتی ہے۔ دراصل یہاں لفظ ''ناشتا'' مع الف بمعنی ''صبح کا کھانا'' یعنی آج کی زبان میں ''ناشتہ'' نہیں بلکہ ''خالی پیٹ'' یا ''کچھ نہ کھائے ہوئے'' کے معنی میں ہے۔ اس میں ''نا'' کا سابقہ حرف نفی ہے۔ لہٰذا یہاں واو عطف نہ صرف غیر ضروری بلکہ غلط ہے۔ مذکورہ بند کا چوتھا مصرع ہے ''ہر شام غم غذا ہے یونہیں عمر ہو گئی''۔ لہٰذا دونوں مصرعوں کے معنی مربوط صورت میں یہ ہیں کہ یوں ہی عمر ہو گئی کہ ہر شام کھانے کے لیے غم ہے اور ہر صبح خالی پیٹ پینے کے لیے آب کی جگہ خون دل ہے۔

● بے لیے دیکھیں نے کسو کی اور
مردہ شو بردہ سب کفن کے چور (مخمس در حال لشکر)

مطبوعہ نسخوں میں ''مردہ شو بردہ'' کی جگہ ''مردہ سو پردہ'' اور ''مردہ شو پردہ'' ملتا ہے۔ چونکہ ان قرأتوں سے مصرع اور شعر کے معنی کسی طرح واضح نہیں ہوتے، اس لیے قلمی نسخے سے رجوع کیا گیا۔ وہاں ''مردہ شو بردہ'' کا فقرہ نظر آیا۔ پھر اس کے معنی تلاش کیے گئے تو عام لغات اس فقرے سے خالی نظر آئے۔ ''بہار عجم'' نے یہ مسئلہ بھی حل کیا کہ فارسی میں یہ فقرہ کلمۂ نفریں یا ایک طرح کے کوسنے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ''اردو لغت، تاریخی اصول پر'' میں ''مردہ شو'' بطور کلمۂ تحقیر'' تو ہے لیکن ''مردہ شو بردہ'' نہیں ہے۔ ''فرہنگ آنند راج'' اور ''بہار عجم'' میں اس کی ایک شکل ''مردہ شوے شستہ'' بھی ہے۔

اوپر جو مثالیں پیش کی گئیں وہ مشتے نمونہ از خروارے کا حکم رکھتی ہیں۔ موجودہ کلیات کے متن کی صحت کو حتی الامکان یقینی بنانے کے لیے ہمیں جو مراحل طے کرنے پڑے، ان کا بہت تھوڑا سا اندازہ مندرجہ بالا مثالوں سے لگایا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مطبوعہ نسخوں کا کوئی صفحہ ایسا نظر نہ آیا جس پر آنکھ بند کرکے بھروسا کیا جاسکے۔ مطبوعہ متن میں واضح اور صریح غلطیاں اتنی زیادہ تھیں کہ صرف ان کی تصحیح کا بیان کیا جائے تو بہت تفصیل سے کام لینا ہوگا۔ چنانچہ اوپر جو مثالیں ہم نے پیش کی ہیں، ان میں صریح غلطیوں کی تصحیح کی بہت کم نشان دہی کی گئی ہے۔ یہاں ہم متن کی ایسی مثالیں زیادہ لائے ہیں جن پر حد درجہ غور و فکر کرکے اور لغات و فرہنگ کی مدد سے متن کے درست ہونے کو یقینی بنایا گیا۔ بہر حال ہم نے اپنی حد تک پوری کوشش کی ہے کہ زیر نظر جلد کا متن مطبوعہ نسخوں سے زیادہ بہتر اور قابل اعتبار ٹھہرے۔ یہاں یہ اعتراف بھی ضروری ہے کہ حد درجہ محنت اور کاوش کے باوجود ہم یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ موجودہ کلیات کا متن خامیوں سے بالکل پاک ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ میر کے کلام کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ اس کے متن کا پوری طرح درست صورت میں تیار کرنا بیحد مشکل کام ہے۔

ذیل میں ہم زیرنظر کلیات میں شامل منظومات کی ایک فہرست درج کرتے ہیں، جس سے معلوم ہوسکے گا کہ اس جلد میں الگ الگ منظومات کی تعداد کتنی ہے۔ اس فہرست میں اصناف اور ہیئت دونوں کی تعداد کی نشان دہی کی گئی ہے۔

- فہرست منظومات کلیات میر جلد دوم باعتبار صنف و ہیئت

الف : صنف

۱۔ نعت	۱
۲۔ منقبت	۱۶
۳۔ قصیدہ	۸
۴۔ مثنوی	۳۸
بہاریہ	۵
عاشقانہ	۱۰
واعظانہ	۳
مدحیہ	۱
ہجویہ	۹
وحوشیہ	۷
شکارنامہ	۲
جنگ نامہ	۱
۵۔ ہجویات (غیر مثنوی)	۳
۶۔ مرثیہ	۳۴
۷۔ سلام	۷
۸۔ واسوخت	۴
۹۔ رباعی	۱۰۵
۱۰۔ رباعی مستزاد	۶
۱۱۔ مخمسات عشقیہ	۲
۱۲۔ قطعہ	۲
۱۳۔ تضمین	۴
۱۴۔ نظم	۲

ب : ہیئت

۱۔ ترکیب بند	۲

۲۔ ہفت بند	۱
۳۔ ترجیع بند	۱
۴۔ مسدس	۴
۵۔ مسدس ترجیع بند	۴
۶۔ مخمس	۱۶
۷۔ مخمس ترجیع بند	۳
۸۔ مثلث	۱

ملحوظ رہے کہ درج بالا فہرست کے اعداد میں مراثی کی مختلف ہیئتیں شامل نہیں ہیں۔ مرثیے جن ہیئتوں میں ہیں ان کی تفصیل یہ ہے: مربع (۲۶)، مسدس (۲)، مسدس ترجیع بند (۱)، مخمس ترجیع بند (۱)، ترکیب بند (۱) اور دیگر (۳)۔

قدیم متون کی تدوین کے دوران ایک اہم مسئلہ یہ درپیش ہوتا ہے کہ املا کے کیا اصول ہوں۔ اس بات کے پیش نظر کہ یہ کلیات اردو شاعری کے عام شائقین، طلبا اور علا سب کے زیر مطالعہ آئے گا، میں نے پورے کلیات میں حتی الامکان جدید املا کو اختیار کیا ہے اور ترقی اردو بیورو، نئی دہلی کے شائع کردہ ''املا نامہ'' (اشاعت دوم ۱۹۹۰) میں بیان کیے ہوئے رہنما اصولوں کی اس میں ممکن حد تک پابندی کی گئی ہے۔

میں اپنے کرم فرما محترم شمس الرحمٰن فاروقی کا تہ دل سے مشکور ہوں کہ انھوں نے پوری توجہ کے ساتھ اس صبر آزما کام کی نگرانی اور میری رہنمائی فرمائی۔ انھوں نے مشکل مراحل میں قدم قدم پر نہایت تندہی کے ساتھ میری مدد کی۔ ناسازی صحت اور عدیم الفرصتی کے باوجود انھوں نے اس کام میں اپنا قیمتی وقت صرف کیا اور میری بہت سی مشکلات آسان کیں، اس کے لیے میں بارگاہ خداوندی میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ صحت کامل کے ساتھ دیر تک ان کا سایہ قائم رکھے۔ میں فاروقی صاحب کا اس لیے بھی ممنون ہوں کہ میری درخواست پر انھوں نے زیر نظر جلد کے لیے میر کے ایک بالکل نئے پہلو پر عالمانہ اور وقیع مقالہ سپرد قلم کیا جو ''میر صاحب کا زندہ عجائب گھر: کچھ تعجب نہیں خدائی ہے'' کے عنوان سے اس کتاب میں شامل ہے۔ عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد کے ڈاکٹر معید جاوید بھی خاص طور پر میرے شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے کتب خانہ مخطوطات حیدر آباد سے کلیات میر کے قلمی نسخے کی نقل حاصل کرنے میں میری بہت مدد کی۔ میں اپنے تمام احباب اور بزرگوں کا احسان مند ہوں کہ اس کام کے دوران وہ مسلسل میری حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کی ڈائرکٹر انچارج محترمہ رشمی چودھری، موجودہ ڈائرکٹر ڈاکٹر علی جاوید اور ادبی پینل کے تمام اراکین کا میں شکرگذار ہوں کہ انھوں نے اس غیر معمولی کام کی ذمہ داری مجھے تفویض کی۔ قومی کونسل کے دیگر اراکین اور کارکنان بالخصوص جناب پرویز شہریار، پرنسپل پبلی کیشن آفیسر اور ڈاکٹر کلیم اللہ، ریسرچ آفیسر بھی میرے شکریے کے مستحق ہیں کہ انھوں نے میری ہر طرح سے معاونت کی۔

اللہ تعالیٰ کے بے نہایت احسان و کرم کا شکر واجب ہے کہ اسی کے فضل سے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

ہمیشہ رہے نام اللہ کا۔ ○○○

دیباچۂ اشاعت ثانی

کلیاتِ میر جلد دوم قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی سے 2007 میں شائع ہوئی اور یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس ادارے سے یہ اس کی اولین اشاعت تھی۔ چونکہ غزلیات کو چھوڑ کر دیگر اصناف مثلاً قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر مشتمل میر تقی میر کا زیادہ تر کلام مطبوعہ کلیات کی صورت میں ایک عرصے سے اس قدر کمیاب تھا کہ عام طور پر شائقین کے لیے اس تک رسائی آسان نہ تھی۔ لہٰذا کلیات، کی زیرِ نظر جلد دوم کی اولین اشاعت سے یہ کمی بڑی حد تک پوری ہوگئی۔ مجھے خوشی ہے کہ چند برس کے قلیل عرصے ہی میں زیرِ نظر جلد کی اشاعت ثانی اب آپ کے سامنے ہے۔

اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کی اشاعت کی منزل پر اس بات کی کوشش کی گئی تھی کہ متن کو غلطیوں سے حتی الامکان پاک رکھا جائے لیکن اشاعت کے بعد اس میں کچھ غلطیاں پھر بھی راہ پاگئیں۔ انھیں اب اس ایڈیشن میں درست کر دیا گیا ہے۔ میں اپنے کرم فرما جناب شمس الرحمٰن فاروقی کا ممنون ہوں کہ انھوں نے اس نئے ایڈیشن میں متن کی درستگی کے سلسلے میں مفید مشوروں سے مجھے نوازا۔ جناب ڈاکٹر عبد الرشید کا شکریہ واجب ہے کہ انھوں نے متن کے چند اغلاط کی طرف توجہ دلائی۔ اس اشاعت ثانی کے لیے میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے ڈائرکٹر ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین اور دیگر اراکین کا بھی شکر گزار ہوں۔ میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ اس ایڈیشن کو بھی قبول عام حاصل ہو۔

جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

احمد محفوظ

شمس الرحمٰن فاروقی

میر صاحب کا زندہ عجائب گھر: کچھ تعجب نہیں خدائی ہے

محمد حسین آزاد نے میر کے بارے میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ انھوں نے اپنے گھر کے بارے میں ایک دوست سے کہا کہ مجھے خبر ہی نہیں کہ اس میں کوئی پائیں باغ بھی ہے۔ واقعہ نہایت مشہور ہے لیکن اسے محمد حسین آزاد کے گل و گلزار الفاظ میں سنا جائے تو لطف اور ہی کچھ ہوگا:

> میر صاحب کو بہت تکلیف میں دیکھ کر لکھنؤ کے ایک نواب انھیں مع عیال اپنے گھر لے گئے اور محل سرا کے پاس ایک معقول مکان رہنے کو دیا کہ نشست کے مکان میں کھڑکیاں باغ کی طرف تھیں۔ مطلب اس سے یہی تھا کہ ہر طرح ان کی طبیعت خوش اور شگفتہ رہے۔ یہ جس دن وہاں آ کر رہے، کھڑکیاں بند پڑی تھیں۔ کئی برس گذر گئے، اسی طرح بند پڑی رہیں، کبھی کھول کر باغ کی طرف نہ دیکھا۔ ایک دن کوئی دوست آئے، انھوں نے کہا، ''ادھر باغ ہے۔ آپ کھڑکیاں کھول کر کیوں نہیں بیٹھتے؟'' میر صاحب بولے، ''کیا ادھر باغ بھی ہے؟'' انھوں نے کہا کہ اسی لئے نواب آپ کو یہاں لائے ہیں کہ جی بہلتا رہے اور دل شگفتہ ہو۔ میر صاحب کے پھٹے پرانے مسودے غزلوں کے پڑے تھے، ان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میں تو اس باغ کی فکر میں ایسا لگا ہوں کہ اس باغ کی خبر بھی نہیں۔ یہ کہہ کر چپ ہو رہے۔
>
> کیا محویت ہے! کئی برس گذر جائیں، پہلو میں باغ ہو اور کھڑکی تک نہ کھولیں۔ خیر۔ ثمرہ اس کا یہ ہوا کہ انھوں نے دنیا کے باغ کی طرف نہ دیکھا۔ خدا نے ان کے کلام کو وہ بہار دی کہ سالہا سال گذر گئے، آج تک لوگ ورقے الٹتے ہیں اور گلزار سے زیادہ خوش ہوتے ہیں۔

اس بیان کے داخلی تضادات کو دیکھتے ہوئے شاید ہی کسی کو اس بات میں کوئی شک ہو کہ یہ واقعہ محض سنی سنائی گپ پر مشتمل ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد نے جن دو تذکروں پر کثرت سے بھروسا کیا ہے، ان میں یہ واقعہ مذکور نہیں۔ میری مراد قدرت اللہ قاسم کے ''مجموعۂ نغز'' اور سعادت خاں ناصر کے ''خوش معرکۂ زیبا'' سے ہے۔ لیکن ''آب حیات'' کا جادو سر پر چڑھ کر بولتا ہے اور آج تک میر کے بارے میں عام تصور یہی ہے کہ وہ مردم بیزار نہیں تو دنیا بیزار ضرور تھے۔ دنیا اور علائق دنیا سے انھیں کچھ علاقہ نہ تھا، اپنے کلبۂ احزاں میں پڑے رہنا، دل شکستہ کے اوراق کی تدوین کرنا اور اپنی غزلوں کے ''پھٹے پرانے مسودے'' مجتمع کرتے رہنا گویا ان کا وظیفۂ حیات تھا۔

اگر مولانا محمد حسین آزاد کا بیان کردہ واقعہ فرضی ہے تو اغلب ہے کہ اس کی بنیاد میر کے حسب ذیل شعر پر قائم

کی گئی ہوگی۔ دیوان پنجم میں میر کہتے ہیں۔

سرو لب جو لالہ و گل نسرین و سمن ہیں شگوفہ ہے
دیکھو جدھر اک باغ لگا ہے اپنے رنگیں خیالوں کا

ملحوظ رہے کہ میر کا دیوان پنجم ۱۸۰۰ کے آس پاس تیار ہوا تھا، یعنی جب وہ لکھنو میں تھے۔ اس لحاظ سے بھی یہ مفروضہ کچھ قوی ہو جاتا ہے کہ ''میں تو اس باغ کی فکر میں ایسا لگا ہوں کہ اس باغ کی خبر بھی نہیں'' والی روایت کی تعبیر میں اس شعر کو بھی دخل ہوگا۔ لیکن لطف یہ ہے کہ اغلباً لکھنو ہی میں مرتب شدہ دیوان چہارم میں میر یہ بھی کہہ چکے تھے۔

کب تک دل کے ٹکڑے جوڑوں میر جگر کے لختوں سے
کسب نہیں ہے پارہ دوزی میں کوئی وصال نہیں

یہ بات ظاہر ہے کہ ''پارہ دوزی'' اور ''وصال'' جیسے الفاظ استعمال کرنے والا کوئی گھر گھسنا، روتا بسورتا شخص نہ ہوگا، بلکہ مختلف طبقوں اور پیشوں کے لوگوں سے واقفیت رکھتا ہوگا اور وہ بھی ایسی کہ انھیں شعر میں بحسن و خوبی استعمال بھی کر سکتا ہوگا۔ لفظ ''پارہ دوز'' کا استعمال، جہاں تک میں دیکھ سکا ہوں، امیر مینائی کے بعد کسی نے نہیں کیا، اور امیر مینائی نے بھی بالکل میر کا مضمون باندھا اور نہایت کمزور کر کے باندھا۔

پارہ دوزی کی دکاں ہے کہ مرا سینہ ہے
ڈھیر ہیں لخت دل و لخت جگر کے ٹکڑے

(گوہر انتخاب، مطبوعہ ۱۸۷۳، ص ۵۸)

اور لفظ ''وصال'' کا یہ عالم ہے کہ آصفیہ، نور، اور پلیٹس، تینوں اس سے خالی ہیں۔

اشیا کے ناموں اور ان کے متعلق باتوں کا ذکر ہمارے یہاں نظیر، میر، اور اکبر الہ آبادی کے یہاں سب سے زیادہ ملتا ہے۔ اکبر الہ آبادی کا معاملہ سب سے زیادہ منفرد ہے کیونکہ انھوں نے روز مرہ کی باتوں اور اشیا کو، اور خاص کر نئی اشیا کو شعر کا نہ صرف حصہ بنایا بلکہ انھیں نئی معنویت بھی عطا کی۔ انجن، ریل، برگڈ (Brigade) یعنی انگریزوں کے وفادار لوگ، کیمپ (Camp) یعنی مغربی طرز معاشرت، کونسل، ممبر، پتلون، دھوتی، تہمد، اور پھر عام لوگوں کے نام جو بطور اشارہ استعمال ہو سکتے تھے، مثلاً بدھو، جمن، اور القاب، مثلاً شیخ، صاحب، پنڈت، اور نئے مضامین، مثلاً واٹر ٹیکس (Water Tax)، پانی کا نل، پارک، اسکول، رات کی رکھی ہوئی روٹی، وغیرہ سینکڑوں نئی یا اجنبی اشیا اور ان کے متعلقات کے ساتھ معاملہ کرنا ہمیں اکبر ہی نے سکھایا۔ ظاہر ہے کہ اکبر کا زیادہ تر سروکار سیاسی اور سماجی معاملات سے تھا اور ان کے یہاں نئے الفاظ اور اصطلاحیں اسی سروکار کو ظاہر اور پختہ کرنے کے لئے آئی ہیں۔ اکبر کے بر خلاف، نظیر اکبر آبادی کو عام زندگی، خاص کر عام شہری زندگی کے عام ہی لوگوں سے دلچسپی تھی۔ ان کے یہاں اشیا کی کثرت کچھ تو محض زور بیان اور خطیبانہ طرز کے لطف کی خاطر ہے، یا پھر زندگی کے ظاہری

پہلوؤں انسانوں کے ظاہری طور طریقوں سے دلچسپی کے باعث ہے۔نظیر اکبرآبادی کے کلام میں الفاظ کے بیجا صرف یا غیر ضروری صرف کے باعث اشیا کی کثرت کوئی خاص معنی نہیں حاصل کرتی۔ کثرت، صرف کثرت بن کر رہ جاتی ہے۔ بالفاظ دیگر، نظیر کے یہاں کثرت تو ہے لیکن تنوع نہیں۔جوش صاحب کو نظیر کا کلام بہت پسند تھا اور ممکن ہے جوش صاحب کے یہاں الفاظ کی بیجا کثرت میں کچھ نظیر اکبرآبادی کی بھی تاثیر شامل ہو۔

میر کا معاملہ نظیر اور اکبر دونوں سے الگ ہے۔یہ تو ہے ہی کہ میر نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر اپنی غزلوں میں تازہ الفاظ استعمال کئے ہیں، اور ان کے یہاں اشیا کی بھی فراوانی ہے۔لیکن اہم ترین بات یہ ہے کہ یہ فراوانی کثرت معنی کے لئے بھی کام آتی ہے اور لفظے کہ تازہ است بہ مضموں برابر است کا بھی حکم رکھتی ہے۔اکبر کے یہاں جس طرح کے الفاظ کا ذکر میں نے ابھی کیا ہے، ان میں استعاراتی رنگ ہے اور کثرت استعمال کے باعث ان میں سے بعض میں علامتی رنگ بھی آ گیا ہے، مثلاً لفظ ''توپ'' کو وہ اپنے عام معنی سے مختلف اور پورے انگریزی طرز حکومت مع اقتدار کی علامت کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔''کمپ'' (Camp) میں بھی یہی کیفیت ہے لیکن کم۔میر کے یہاں غزلوں میں نئے الفاظ اور اشیا، زندگی گذارنے کے طور کو بیان کرنے کے لئے بکار لائے گئے ہیں اور ان میں جانور اور انسان دونوں شامل ہیں۔مندرجہ ذیل اشعار ملاحظہ ہوں۔ یہ میں نے دیوان چہارم سے یوں ہی ایک ورق کھول کر حاصل کئے ہیں ۔

گھاس ہے مے خانے کی بہتر ان شیخوں کے مصلے سے
پاؤں نہ رکھ سجادے پہ ان کے اس جادے سے راہ نہ کر

کل سے دل کی کل بگڑی ہے جی مارا بیکل ہو کر
آج لہو آنکھوں میں آیا درد و غم سے رو رو کر

چھاتی جلی ہے کیسی اڑتی جو یہ سنی ہے
واں مرغ نامہ بر کا کھایا کباب کر کر

سبد پھولوں بھرے بازار میں آئے ہیں موسم میں
نکل کر گوشۂ مسجد سے تو بھی میر سودا کر

میرے ہی خوں میں ان نے تیغہ نہیں سلایا
سویا ہے اژدہا یہ بہتیرے مجھ سے کھا کر

آپ غور فرمائیں کہ محض دو صفحوں کو سرسری دیکھنے پر یہ لفظ ہاتھ آئے ہیں: گھاس، کل (بمعنی مشین)، مرغ کے کباب، بازار میں پھولوں بھرے سبد، تیغہ، اژدہا جو اپنے شکار کو کھا کر غنودگی کے عالم میں ہے۔اس بات کو الگ رکھئے کہ کسی بھی غزل گو کے یہاں صرف دو صفحوں کے اندر اس طرح کے الفاظ اتنی تعداد میں نہ ملیں گے۔ آپ ان کے اقسام پر غور کیجئے:

نباتات (گھاس، پھول)
غیر انسانی اشیا (کل، پھولوں کی ٹوکریاں، تیغہ)
جانور (مرغ، اژدہا)
اجتماعی جگہیں (مے خانہ، مسجد، بازار)
خوردنی اشیا (کباب)

ہم لوگ عام طور پر میر کے کلام کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ چہل پہل اور متحرک زندگی سے بھرا پرا کلام ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی ایک وجہ اشیا کی فراوانی بھی ہے۔کرشن چندر نے منٹو کے بارے میں لکھا ہے، ''منٹو زمین کے بہت قریب ہے، اس قدر قریب کہ اکثر گھاس کے خوشے میں رینگنے والے کیڑے بھی اپنے تمام اوصاف کے ساتھ اسے نظر آجاتے ہیں۔'' غور کیجئے کہ میر کے سوا اور کس اردو شاعر کے بارے میں یہ بات کہی جاسکتی ہے؟

یہاں تک تو غزلوں کا نہایت مختصر ذکر تھا، لیکن میر کی یہ صفت صرف غزلوں تک محدود نہیں ہے، بلکہ مثنویوں اور دیگر منظومات میں بھی یہی انداز ملتا ہے، اور نہایت تنوع اور رنگا رنگی کے ساتھ۔ خصوصاً جانوروں، ماحول کے تنوع اور نامانوس لیکن نہایت معنی خیز الفاظ کی کثرت نے میر کے کلام کو تمام اردو شاعری، بلکہ فارسی شاعری میں بھی ممتاز کر دیا ہے۔میر کی غزلوں کی شہرت نے ان کی عشقیہ مثنویوں کو دبا لیا ہے۔ اور عشقیہ مثنویوں کی شہرت نے ان کی ہجوؤں اور مختلف طرح کی خود نوشتی یا گھریلو نظموں کو دبا لیا ہے، حتیٰ کہ ایسی بعض نظمیں تقریباً گمنام ہیں۔ پھر میر کے دیگر کلام نے ان کے مرثیوں اور منقبتی نظموں کو تو بالکل ہی کنج خمول میں ڈال دیا۔ ایسا نہیں ہے کہ یہ کلام ملتا نہیں ہے۔ بہت اچھے ایڈیشنوں میں نہ سہی، لیکن میر کا رثائی کلام بھی ملتا ہے اور مثنویوں، ہجوؤں وغیرہ کو تو کوئی شخص کہیں بھی حاصل کر سکتا ہے۔ بہر حال، کوشش کی گئی ہے کہ میر کا سارا معلوم کلام ممکن حد تک صحیح صورت میں قومی کونسل برائے فروغ اردو کی شائع کردہ کلیات میر کی جلد اول اور جلد دوم میں سامنے آجائے اور متداول رہے۔

یہ بات تو ہم سب جانتے ہیں کہ میر نے جانوروں پر، یا جانوروں کے بارے میں، کئی مثنویاں لکھی ہیں۔ ان میں ''اژدر نامہ'' اس وقت سے مشہور ہے جب محمد حسین آزاد نے اس کا ذکر کیا، کہ میر نے اس مثنوی میں خود کو اژدہا اور دوسرے تمام شعرا کو حشرات الارض فرض کیا ہے۔مولانا آزاد نے اس باب میں جو روایت ''آب حیات'' میں درج کی ہے وہ قدرت اللہ قاسم کے تذکرے ''مجموعۂ نغز'' کی متعلقہ عبارت کا تقریباً ترجمہ ہے۔ لہٰذا میں آزاد ہی کی عبارت نقل کرتا ہوں:

> دلی میں میر صاحب نے ایک مثنوی کہی۔ اپنے تئیں اژدہا قرار دیا اور شعرائے عصر میں کسی کو چوہا، کسی کو سانپ، کسی کو بچھو، کسی کو کنکھجورا، وغیرہ وغیرہ ٹھیرایا۔ ساتھ اس کے ایک حکایت لکھی کہ دامن کوہ میں ایک خونخوار اژدہا رہتا تھا۔ جنگل کے حشرات الارض جمع ہو کر اس سے لڑنے گئے۔ جب سامنا ہوا تو اژدہے نے ایسا دم بھرا کہ سب فنا ہو گئے۔ اس قصیدے (کذا) کا نام اجگر نامہ (کذا) قرار دیا اور

مشاعرے میں لا کر پڑھا۔ محمد امان نثار، شاہ حاتم کے شاگردوں میں ایک مشاق موزوں طبع تھے۔ انھوں نے وہیں ایک گوشے میں بیٹھ کر چند شعر کا قطعہ لکھا اور اسی وقت سر مشاعرہ پڑھا۔ چونکہ میر صاحب کی یہ بات کسی کو پسند نہ آئی تھی، اس لئے قطعے پر خوب قہقہے اڑے اور بڑی واہ واہ ہوئی۔ اور میر صاحب پر جو گذرنی تھی سو گذری۔ چنانچہ مقطع قطعۂ مذکور کا یہ ہے

حید رکرار نے وہ زور بخشا ہے نثار
ایک دم میں دو کروں اژدر کے کلّے چیر کر

قدرت اللہ قاسم نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس مثنوی، ''بلکہ اس کے کہنے والے [میر] پر فی الحقیقت صد ہزار نفرین تھی۔'' مولانا آزاد نے اس بات کو ذرا نرم کر کے لکھا ہے اور یہ میر پر ان کی مہربانی ہی کہی جائیگی۔ لیکن ظلم انھوں نے یہ کیا ہے کہ ''اژدر نامہ'' کو شاید خود انھوں نے پڑھا نہیں۔ اس کا نام وہ ''اجگر نامہ'' لکھتے ہیں اور ایک ہی سانس میں اسے مثنوی اور پھر قصیدہ بتاتے ہیں۔ بہر حال عام تاثر یہی ہے کہ ''اژدر نامہ'' میر کی بد مذاقی اور ان کے یہاں حس مزاح کی کمی کا پکا ثبوت نہیں تو خام نمونہ ضرور ہے۔

خیر، میر کی حس مزاح تو غالب سے بھی بڑھ کر تھی، لیکن اس باب میں بھی ان کی شہرت یہی ہے کہ بقول مولوی عبد الحق یا مجنوں گورکھپوری، میر کو گریہ و زاری کے سوا کوئی فن آتا ہی نہ تھا۔ اب رہی بد مذاقی، تو اٹھاون (۵۸) شعروں کی اس مثنوی میں میر نے بہت سے بہت پندرہ شعر ہجو یہ لکھے ہیں اور کسی کا نام نہیں لیا ہے۔ مثنوی کے اختتام میں وہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ ''گزندے'' ہیں اور میرا مقابلہ نہیں کر سکتے اور مجھے ان لوگوں کی داد مطلوب نہیں، میں ان سب سے الگ رہتا ہوں۔ میں اس سے آخری تین شعر نقل کرتا ہوں۔

تو کیا ہو انھوں سے بہت دور ہیں
ہوں اپنی جگہ شاد و مسرور میں
مری قدر کیا ان کے کچھ ہاتھ ہے
جو رتبہ ہے میرا مرے ساتھ ہے
کہاں پہنچیں مجھ تک یہ کیڑے حقیر
گیا سانپ پیٹا کریں اب لکیر

لہٰذا پہلی بات تو یہ کہ اس نظم میں مدعیانہ قسم کی محض ہجو نہیں لکھی گئی ہے۔ میر نے اپنے معاصروں کو چھوڑ کر گوشہ گیر ہو جانے کی بات بھی کی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ میں اپنا مرتبہ خود جانتا ہوں، کسی کی رسائی اس تک نہیں ہو سکتی۔ ان مضامین میں بد مذاقی نہیں، اپنے غم و اندوہ کی طرف اشارہ، دوسروں سے بیزاری، معاصروں کے استخفاف، اور اپنی بڑائی کے پہلو ضرور ہیں۔ لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں جسے خاص میر کا قصور ٹھہرایا جائے۔ نئی بات تو یہ ہے کہ پوری مثنوی جانوروں کے نام اور ان کے عادات و خواص کے ذکر سے بھری ہوئی ہے، بلکہ لگتا ہے کہ یہ مثنوی لکھی ہی اسی لئے گئی تھی کہ انھیں باتوں کو نظم کیا جائے۔ چند شعر دیکھئے۔

کہاں چھپکلی اژدہے سے لڑی
کس اژدر پہ ایسی قیامت پڑی
ہزار اجگر اندوہ سے جائے لٹ
دلے ایسے کیڑے مکوڑے ہیں چٹ
جہاں شور اژدر سے ہے دھوم دھام
کوئی کن سلائی سے نکلے ہے کام

☆

کہ تھا دشت میں ایک اژدر مقیم
درندوں کے بھی دل تھے اس سے دونیم
نکلتے نہ تھے اس طرف ہو کے شیر
پلنگ و نمر واں نہ رہتے تھے دیر
جہاں شیر کا زہرہ ہوتا ہو آب
شغال اور روبہ کا واں کیا حساب

☆

گئے جان لے لے وحوش و طیور
کوئی رہ گیا موش و مینڈک سا دور
گئی لومڑی ایک سوکھی ہوئی
کسی اور جنگل میں بھوکھی ہوئی
خراطین و خرموش و موش و شغال
اس اژدر کو کر جنس اپنی خیال

☆

وہ گرگٹ کہ جس میں تھی گردن کشی
ہوئی خوف سے اس پہ طاری غشی
قدم غوک سے گرد کا جل گیا
بھروسا تھا گیدڑ پہ سو ٹل گیا

ایک سرسری گنتی کے مطابق (مکررات کو چھوڑ کر) میر نے اس نظم میں تیس (۳۰) جانوروں کے نام لئے ہیں۔ چونکہ ''اژدر نامہ'' کا مرکزی کردار (یا مرکزی جانور) اژدہا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ''مور نامہ'' کے بھی کچھ شعر دیکھ لئے جائیں کہ اس مثنوی میں بھی اژدہوں کا ذکر بہت ہے۔

''مور نامہ'' اپنی طرح کی انوکھی داستان یوں بھی ہے کہ اس میں ایک مور اور ایک رانی کے عشق کا بیان ہے۔ جانوروں اور ننھی منی اشیا سے میر کو کس قدر دلچسپی ہے، اس کے ثبوت میں پہلے تو اس بات کو ملحوظ رکھئے کہ میر اس امکان کے قائل ہیں کہ اگر انسان کو جانور سے محبت ہو سکتی ہے تو جانور کو بھی انسان سے محبت ہو سکتی ہے، اور یہ محبت اسی طرز وطور کی ہے جسے انسانوں کی زبان میں ''عشق'' کہتے ہیں۔ بہر حال، مور اور رانی کے باہمی انس یا عشق کا راز عام ہو جاتا ہے تو راجا کو بھی اس کی خبر لگتی ہے اور مور اچانک پراسرار طور پر غائب ہو جاتا ہے اور بالآخر ایک دشت ہولناک میں جا رہتا ہے۔ کچھ منتخب شعر ملاحظہ ہوں۔

راہ میں ان سب کو یہ آئی خبر
جس بیاباں میں ہے وہ تفتہ جگر
خار کا جنگل نہیں ہے دشت مار
روز روشن میں بھی ہے تیرہ و تار
دم کش اژدر نکلے ہے گر سیر کو
دور سے کھینچے ہے وحش و طیر کو
جلتے ہیں آتش زبانی سے بہت
پتلے ہو جاتے ہیں پانی سے بہت

☆

ہے عجب ماروں میں مور آ کر رہے
مار بھی پھر کیسے اژدر اژدہے
مرغ کر جاتے ہیں مرغ انداز دس
کیا کریں اک مور کے کھانے سے بس

مرغ انداز کرنا=گھونٹ جانا

☆

ہے زمانے سے بھی دیکھی ان کی چال
جن سے ہیں کیڑے مکوڑے پائمال
جیب کو اپنی گزوں تک دیں ہیں طول
خشت و سنگ و خاک تک کھا دیں اکول

☆

ہر قدم خطرہ کہ ہیں شیر و پلنگ
اس پہ سر ماریں کہ رہ پر خار و سنگ

ہاتھی ارنے خوک کی واں باش و بود
کرگدن کی دھوم سے اکثر نمود

☆

جنگ حیوانات سے ہے بیش تر
ہیں طرف اژدر نمر شیراں شتر

☆

آئے ہاتھی بھی اتر گر کوہ سے
ہو سکے گا پھر نہ کچھ انبوہ سے
ہوگیا باراہ سد راہ گر — باراہ = جنگلی خنزیر
لیویں گے جا کر نفر راہ دگر
ہو اگر جاموش دشتی سے مصاف
تو کوئی دم ہی کو ہے میدان صاف

☆

ہو گئی گر خرس سے استادگی
درمیاں آجائے گی افتادگی
منھ اگر گرگ بغل زن آگیا
دیکھیو پیٹھ اک جہاں دکھلا گیا

پوری مثنوی میں جانوروں کے ناموں، اور آگ اور موت کے متعلق پیکر ہیں، وہ بھی اس طرح، کہ رعایتوں اور مناسبتوں کا بھی ایک جنگل سا بنا دیا ہے۔ اوپر کے اشعار سے قطع نظر کر کے نظم کے آخری حصے سے کچھ متفرق شعر نقل کرتا ہوں۔ لیکن اس سے پہلے یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جانوروں سے شدید محبت اور شغف اور ان کی تفصیلات سے دلچسپی کے بغیر ''باراہ'' جیسا لفظ میر جیسے بڑے شاعر کو بھی نصیب نہ ہوتا۔ سری وشنو جی کا ایک روپ جنگلی سور کا ہے۔ چونکہ سنسکرت میں سور کو varaha کہتے ہیں، اس لئے وشنو جی کا ایک نام Varahamira بھی ہے اور اس روپ میں ان کی صفت شفائے امراض ہے۔ میر نے کہیں سے varaha سنا اور اسے ''باراہ'' میں بدل دیا۔ یہ لفظ ''لغت نامۂ دہخدا'' میں ہے، لیکن وہاں اس کے معنی غلط لکھے ہیں، اور ''دہخدا'' کا وجود میر کے زمانے میں نہ تھا۔ ''باراہ'' انھوں نے جہاں سے بھی دریافت کیا ہو، اسے اعجاز سخن گوئی ہی کہیں گے۔ اسی طرح، ''مرغ انداز کرنا'' یعنی بے چبائے ہوئے لقمہ گھونٹ جانا بھی طرفہ پیکر ہے کہ محاورے کا محاورہ ہے، رعایت کی رعایت، اور ''مرغ'' اور ''مرغ انداز'' کا ایہام اس پر مستزاد۔

اس جملۂ معترضہ کے بعد ہم ''مور نامہ'' کے کچھ اور اشعار نقل کرتے ہیں جن میں رعایت اور مناسبت کی بہت لطیف کارفرمائی ہے اور آسانی سے نظر نہیں آتی۔

جدول ان کی تیغ کی جاری رہے
ان کی تر دستی سے وہ عاری رہے

''جدول'' بمعنی ''نہر'' (تلوار کی آب کی مناسبت سے اسے جدول کہتے ہیں)، ''جدول'' کی مناسبت سے ''جاری'' اور ''جاری'' کی مناسبت سے ''تر دستی''، اور پھر ''تیغ'' کی مناسبت سے ''عاری [آری]'' کہ جب تلوار کی دھار میں دندانے پڑ جاتے ہیں تو کہتے ہیں، ''تلوار آری ہوگئی۔'')

☆

آگ پھیلی ان بنوں میں دور تک
جل گئے حیواں کئی لنگور تک

لنگور کو ہنومان جی کی اولاد کہتے ہیں اور ہنومان جی تو لنکا پھونک دی تھی لیکن خود ان پر آگ نے صرف اتنا اثر کیا تھا کہ ان کا منہ جھلس گیا تھا۔ لہٰذا یہاں لنگوروں کے جل جانے میں مزید لطف اور لطافت ہے۔

☆

یعنی رانی نے سنی جو یہ خبر
آتش غم سے جلا اس کا جگر
کھینچ آہ سرد یہ کہنے لگی
عشق کی بھی آگ کیا بہنے لگی
بن جلا کر بستیوں میں آ لگی
پھیل کر یاں دل جگر کو جا لگی

آتش غم اور آہ سرد اور عشق کی آگ کے لئے ''بہنا'' کا لفظ استعمال کرنا پر لطف ہے، کہ کیا آگ پانی طرح بہتی ہے جو جنگل سے بستیوں تک آ گئی۔ ''لگی'' خود آگ کے لئے روز مرہ ہے، چنانچہ کہتے ہیں، ''لگی بجھانا''۔ اور ''آ لگنا'' کی مناسبت سے ''بہنا'' اور ''پھیلنا'' کس قدر خوب ہیں۔

☆

میر کا کلام اس قدر متنوع ہے کہ اس میں ''مور نامہ'' کوئی انوکھی مثنوی نہیں ہے۔ لیکن اس کی شاعرانہ نزاکتوں سے قطع نظر بھی کیجئے (کیونکہ وہ میر کے تمام کلام میں موجود ہیں) تو دو بنیادی باتیں نظر آتی ہیں۔ ایک کا ذکر میں پہلے ہی کر چکا ہوں، یعنی تمام طرح کے جانوروں اور عام اشیا سے میر کی غیر معمولی دلچسپی، اور دوسری بات یہ کہ میر کی نظر میں جانور بھی انسانوں کی کئی صفات سے متصف ہیں۔ یعنی جانوروں میں نزاکت طبع، شائستگی اور جرأت

کردار بھی ہے، اور وہ جذبہ اور احساس کی دولت سے بھی مالا مال ہیں۔ یعنی بات صرف اتنی نہیں کہ عشق کی آگ میں سب کھپ جاتے، جیسا کہ میر نے ''مور نامہ'' کے خاتمۂ کلام میں کہا ہے۔

عشق سے کیا میر اتنی گفت و گو
خاک اڑادی عشق نے ہر چار سو
طائر و طاؤس و حیواں. اژدہے
سب کھپے کیا عشق کی کوئی کہے

سرسری طور پر میر کا ''مور نامہ'' ہمیں شاید نظیر اکبرآبادی کے ''قصۂ ہنس'' کی یاد دلا سکتا ہے۔ ''قصۂ ہنس'' میں تمام چڑیاں ایک نو آمدہ ہنس پر عاشق ہو جاتی ہیں۔ نظیر نے چڑیوں کے نام اس کثرت سے جمع کئے ہیں کہ خیال ہوتا ہے جرأت کو اپنے شہر آشوب میں استعمال کرنے کے لئے یہ ترکیب یہیں سے ذہن میں آئی ہوگی۔ لیکن نظیر کی فہرست بھی جرأت کی طرح فہرست ہی ہے، اس سے کوئی معنوی بعد نہیں پیدا ہوتا۔ اور ہنس در اصل روح انسانی کی تمثیل ہے کہ جب ہنس اپنے مرجع کو واپس جاتا ہے تو کچھ دیر تو اس کی چاہنے والی چڑیاں اس کے ساتھ چلنے کا دعویٰ رکھتی ہیں، پھر فانی کے مصرعے کے مصداق تھک تھک کر اس راہ میں آخر ایک اک ساتھی چھوٹ گیا۔ ''قصۂ ہنس'' کے آخری دو بند ہیں۔

تھی اس کی محبت کی جو ہر ایک نے پی مے
سمجھے تھے بہت دل میں وہ الفت کو بڑی شے
جب ہو گئے بے بس تو پھر آخر یہ ہوئی رے
چیلیں رہیں کوے گرے اور باز بھی تھک گئے
اس پہلی ہی منزل میں کیا سب نے کنارہ

دنیا کی جو الفت ہے تو اس کی ہے یہ کچھ راہ
جب شکل یہ ہووے تو بھلا کیوں کے ہو نرباہ
ناچاری ہو جس میں تو وہاں کیجئے کیا چاہ
سب رہ گئے جو ساتھ کے ساتھی تھے نظیر آہ
آخر کے تئیں ہنس اکیلا ہی سدھارا

نظیر کی نظم میں وہ سب خوبیاں اور عیب ہیں جو نظیر کا خاصہ ہیں۔ لیکن بنیادی بات یہ ہے کہ ان کے جانور یا تو جانور ہیں یا تمثیلیں ہیں، ان میں نہ پورا جانور پن ہے نہ پورا انسان پن۔ اور دوسری بات یہ کہ ہنس پر عاشق ہونے والے سب اس کے ہم جنس ہیں۔ ''مور نامہ'' ایک رانی [یعنی ایک انسان] اور ایک مور [یعنی ایک حیوان] کے عشق کی داستان ہے اور بالآخر دونوں جل مرتے ہیں۔ ان کی زندگی اور موت دونوں میں المیہ کی شان ہے جس

کے سامنے نظیر کی تمثیل پھیکی معلوم ہوتی ہے۔

میر کی نظم میں جانور اور اجناس و اشیا سب قابل ذکر ہیں۔ اس بات کی تفصیل کے لئے ہمیں کچھ مثنویاں اور دیکھنی ہوں گی۔ مثلاً عنوان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ'' کپی کا بچہ'' نظیر اکبر آبادی کے طرز کی نظم ہوگی۔ لیکن میر کے یہاں بندر کا بچہ کم و بیش انسان نظر آتا ہے۔

اس کے پردادا نے ہے یہ حرف دی — دی = گزشتہ دن، دیروز
ایک دم لابہ میں لنکا پھونک دی
ایک چنچل ہے بلائے روزگار
ہاتھ رہ جائے تو پا سرگرم کار
ہے تو بچہ سا و لیکن دور ہے
پست اس کی جست کا لنگور ہے
کیا کوئی انداز شوخی کا کہے
ہو معلق زن تو آدم تک رہے — معلق زن ہونا = اچھلنا
اچپلاہٹ اس کی سب معلوم ہے
معرکوں میں چوک کے اک دھوم ہے

☆

ہوتے ہیں اس جنس میں بھی ذی خرد
آدم و حیواں میں یہ برزخ ہیں بد — بد = سب سے الگ
طنز ہے یہ بات اگرچہ ہے کہی
جو کرے انسان تو بو زینہ بھی
لیکن اس جاگہ تو صادق ہے یہ قول
سارے اس کے آدمی کے سے ہیں ڈول

میر کی نظم میں اس مربیانہ، احساس برتری سے مملو رویے کا شائبہ تک نہیں جو ہمیں نظیر اکبر آبادی کی نظموں اور سید رفیق حسین کے افسانوں میں ملتا ہے۔ ان دونوں کے یہاں جانور صرف جانور ہیں۔ اور جہاں ایسا نہیں ہے مثلاً سید رفیق حسین کے افسانے ''گوری ہو گوری'' میں، تو وہاں تصنع صاف جھلکتا ہے۔ اور نظیر کی نظم ''ریچھ کا بچہ'' میں متکلم مداری ہے اور ریچھ کا بچہ تفریح کا سامان۔ اگر چہ وہ سج دھج میں پری جیسا تھا لیکن تھا وہ جانور ہی، اور وہ بھی قیدی جانور۔

تھا ریچھ کے بچے پہ وہ گہنا جو سراسر
ہاتھوں میں کڑے سونے کے بجتے تھے جھمک کر
کانوں میں در اور گھنگھرو پڑے پاؤں کے اندر
وہ ڈور بھی ریشم کی بنائی تھی جو پر زر
جس ڈور سے یارو تھا بندھا ریچھ کا بچہ

جھمکے وہ جھمکتے تھے پڑے جس پہ کرن پھول
مقیش کی لڑیوں کی پڑی پیٹھ اپر جھول
اور ان کے سوا کتنے بٹھائے تھے جو گل پھول
یوں لوگ گرے پڑتے تھے سر پاؤں کی سدھ بھول
گویا وہ پری تھا کہ نہ تھا ریچھ کا بچہ

کہا جا سکتا ہے کہ میر نے جانور کو انسان کی سی صفات سے متصف کر کے کچھ کمزوری کا ثبوت دیا ہے۔ کہا جا سکتا ہے کہ اگر جانور کو مربیانہ اور برتری کی نظر سے دیکھنا غلط ہے تو اسے انسان صفت (Anthropomorphic) بتانا بھی غلط ہے۔ یہ بات صحیح ہے، لیکن یہ نکتہ ملحوظ رکھئے کہ جانوروں سے دلچسپی رکھنا، ان کے وجود کو وجود ماننا، ان کے حقوق کا قائل ہونا، ان کے احساسات کو سمجھنے کی کوشش کرنا، یعنی ان کے ساتھ یک درری (Empathy) رکھنا، مربیانہ دلچسپی، یا کار آمد ہونے کے باعث ان کو اپنا مطیع بنانے سے بدرجہا بہتر ہے۔ دوسری بات یہ کہ جانوروں سے میر کا یہ شغف در اصل اشیا اور دنیاے انسان کے مختلف مظاہر سے دلچسپی کے باعث ہے۔ میر کی یک دردی (Empathy) اشیا و مظاہر سے ان کی محبت کی دلیل ہے، اور اس صفت میں اردو کا کوئی شاعر ان کا ہمسر نہیں۔ مزید مثال کے طور پر ''موہنی بلی'' کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

بلیاں ہوتی ہیں اچھی ہر کہیں
یہ تماشا سا ہے بلی تو نہیں
گرد رو باندھے تو چہرہ حور کا ‏ ‏ ‏ ‏ گرد رو= پھولوں یا موتیوں وغیرہ کا گلو بند
چاندنی میں ہو تو بکا نور کا

☆

بلی کا ہوتا نہیں اسلوب یہ
ہے کبودی چشم یک محبوب یہ
دیکھے جس دم یک ذرا کوئی اس کو گھور
چشم شور آفتاب اس دم ہو کور ‏ ‏ ‏ ‏ چشم شور=چشم بد

☆

داغ گلزاری سے اس کے تازہ باغ
اس زمان تیرہ کی چشم و چراغ
کیا دماغ اعلیٰ طبیعت کیا نفیس
کیا مصاحب بے بدل کیسی جلیس
یہ نفاست یہ لطافت یہ تمیز
آنکھ دوڑے ہی نہ ہو کیسی ہی چیز

یہاں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ میر کی بلی انسانوں کے اعلیٰ صفات سے متصف ہے۔ جانوروں پر نظمیں دنیا کے بہت سے شعرا نے لکھی ہیں۔ یہاں بودلیئر (Charles Baudelaire, 1821-1867) کی نظمیں فوراً یاد آتی ہیں۔ بودلیئر نے بلی (یا بلیوں) پر تین نظمیں لکھی ہیں اور تینوں میں وہ بلی کے مزاج میں کسی نہ کسی طرح کا انسان پن دیکھتا ہے۔ پہلی نظم میں وہ کہتا ہے:

جب میری انگلیاں آزادانہ تمھارے سر
اور لچک دار کمر کو سہلاتی ہیں
تو میرے ہاتھ میں تمھارے برقیلے بالوں
کے لمس سے ایک ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے

اور مجھے اپنی معشوقہ یاد آنے لگتی ہے، اس کی نگاہ
سرد اور گہری، جیسے تمھاری آنکھیں...

دوسری نظم میں بودلیئر ایک قدم آگے جا کر کہتا ہے:

ایک بلی میرے ذہن میں
بل کھاتی ہوئی محوخرام ہے، جیسے
وہی یہاں کی مالک ہو،
چکنی، سڈول، رعونت سے بھری ہوئی لیکن
اپنی مرضی جتانے میں نہایت محتاط

اس درجہ، کہ جب وہ میاؤں کرتی ہے تو مجھے
موسیقی سنائی دیتی ہے۔

بودلیئر کی تیسری نظم کے یہ مصرعے تو لگتا ہے میر نے لکھے ہوں:

عشاق، اور علما، یعنی جوشیلے جذبات والے لوگ اور
خشک، ریاضت پسند لوگ، ان سب کو
بلیوں سے محبت ہو جاتی ہے، بلیاں، ان کے گھروں کا افتخار،
دونوں ہی کی طرح انھیں بھی سردی زکام بہت جلد لگ جاتے ہیں،
دونوں ہی کی طرح یہ بھی جلت پھرت میں کم، لیکن
چکنی، سڈول اور قوت مند۔

عرب تہذیب کے ساتھ طویل ربط ضبط کے باعث فرانس اور مشرق میں بعض باتیں مشترک ضرور ہیں، (مولانا ابوالکلام آزاد کا قول تھا کہ نپولین کے قوانین جو Napoleonic Code کے نام سے مشہور ہیں اور آج بھی فرانسیسی قانون کی بنیاد ہیں، فقہ شافعی پر مبنی ہیں) لیکن میر اور بودلیئر میں جانوروں، اور خاص کر بلی کے بارے میں یہ مطابقت بہر حال حیرت انگیز ہے۔ دونوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ میر کے پیکر زیادہ تر بصری اور حرکی ہیں اور بودلیئر کے پیکر اس کی اپنی افتاد مزاج کے مطابق لمسی اور شامی ہیں۔ بلی کے بارے میں میر کو پھر سنئے اور فیصلہ کیجئے کہ بودلیئر اگر اردو میں کہتا تو اس سے بہتر کیا کہتا۔ یہ "تسنگ نامہ" کے اشعار ہیں۔ اوپر جس بلی کا ذکر تھا اس کا نام موہنی تھا۔ یہ بلی جو تسنگ کے سفر میں کھو گئی، موہنی کے نام سے موسوم تھی۔

رنگ جیسے کہ وقت گرگ و میش
یعنی سرخی تھی کم سیاہی بیش
جن سے مالوف تھی وہیں رہتی
ان سے کچھ کچھ نگاہوں میں کہتی
کیا نفاست مزاج کی کہیے
ستھری اتنی کہ دیکھ ہی رہیے
خال جوں پھول گل کترتے ہیں
یا کہ نقشوں میں رنگ بھرتے ہیں

بلیوں کے اس قدر ذکر سے آپ کو یہ گمان نہ ہونا چاہیے کہ میر کے عجائب گھر میں کچھ ہی جانور اور کچھ ہی اشیا ہیں۔ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ میر کو تمام اشیا و مظاہر سے دلچسپی ہے۔ مرغ اور مرغ باز بھی ان کی دلچسپی کا مرکز ہیں، بکریاں بھی اور کتے بھی، اور چھوٹے موٹے جانوروں اور چیزوں کا تو شمار ہی کیا ہے۔ اسی "تسنگ نامہ" کے چند شعر ہیں۔

بیچ میں ہوتے کچھ اگر اسباب
منھ اٹھانے کی جی میں ہوتی تاب

سو تو کمل نہ پٹو نے لوئی
سایہ گستر نہ ابر بن کوئی
ابر ہی بے کسی پہ روتا تھا
ابر ہی سر کا سایہ ہوتا تھا
کیچ پانی میں کپڑے خوار ہوئے
دو ہیں گاڑی میں جا سوار ہوئے
رہروی کا کیا جو ہم نے میل
بھینس چہلے کے تھے بہل کے بیل ‎ ‎ چہلا = دلدلی کیچڑ
آسماں آب سب زمیں سب کیچ
خاک ہے ایسی زندگی کے بیچ

ان اشعار میں ظرافت بھی ہے، اپنی بے چارگی پر غصہ بھی ہے، روز مرہ کے سامانوں کا ذکر بھی ہے اور وہ مناسبات لفظی بھی ہیں جن کے بغیر میر لقمہ نہیں توڑتے تھے۔ ''منھ اٹھانا'' بجائے ''قدم/ پاؤں اٹھانا''؛ ابر کی طرح سایہ گستر بھی کوئی نہیں، اور ابر ہی ہماری بے کسی پر گریہ کناں بھی ہے؛ ابر کی طرح کی سایہ گستری کی تلاش اور سر پر وہی ابر سایہ بن کر گریہ کناں؛ اور آخری شعر تو شاہکار ہے۔

آسماں آب سب زمیں سب کیچ
خاک ہے ایسی زندگی کے بیچ

میر کی دنیا میں سمندر اور سیلاب بھی ہیں، لیکن ان کا ذکر میں یہاں اس لئے نہیں کرتا کہ غزلوں پر بحث کرتے ہوئے ایسے کئی شعر میں نے ''شعر شور انگیز'' میں جگہ جگہ نقل کئے ہیں۔ برسات کے بھی اچھے اور برے مناظر میر کے یہاں بے شمار ہیں۔ لیکن اب چونکہ پانی کا ذکر آ گیا ہے تو ''شکار نامۂ اول'' سے کچھ شعر سنئے۔ پہلا بیان چڑھے ہوئے دریا (غالباً گھاگھرا) کا ہے۔

ہوا حائل راہ بحر عمیق
کہ ہو وہم ساحل پہ جس کے غریق
قریب آ کے اتری یہ خائف تھی فوج
کہ بے ڈول اٹھتی تھی ہر ایک موج
مہیب اور آلودۂ خاک و آب
بعینہ پھٹی آنکھ تھا ہر حباب

غضب لجہ خیزی بلا جوش پر
تلاطم قیامت لئے دوش پر
چلے بس تو کچھ کوئی چارہ کرے
مگر دیکھ کر ہی کنارہ کرے

یہاں بھی میر نے روزمرہ کی چیزوں کا لحاظ رکھا ہے۔ ''بے ڈول موج'' اور ''پھٹی آنکھ تھا ہر حباب'' تعریف سے مستغنی ہیں لیکن مندرجہ بالا اقتباس کا آخری شعر تو اعجاز سخن گوئی ہے: ''مگر'' بمعنی ''لیکن'' اور بمعنی ''مگر مچھ''، اور پرشور ساحل دریا کے اعتبار سے ''کنارہ کرے''، یہ رعایتیں اسی کو سوجھ سکتی ہیں جو زبان کا سچا نباض اور اس کے خلاقانہ امکانات کے اعماق میں پوری طرح اترا ہوا ہو۔ اب ذرا سردی میں برسات کا ایک رنگ دیکھئے۔ یہ بھی ''شکار نامۂ اول'' میں ہے۔

ہوا ایک ابر اس جبل سے بلند
ہوا پر بچھے اس کے یزدی پرند — یزدی=شہر یزد کی بنی ہوئی؛ پرند=چادر، دوشالہ
پہر دن سے بارش لگی ہونے زور
رہا ساری وہ رات طوفاں کا شور
ہوئے خیمے پانی کے اوپر حباب
سب اسباب لوگوں کا تھا زیر آب
نہ پوچھ اور اسباب مردم کا حال
نہ چادر رہی خشک نے کوئی پال

☆

بھرا پانی لشکر میں پھیلا ہوا
اگر فرش بستر تھا تھیلا ہوا
ہوا سرد از بس ہوئی ایک بار
کلیجوں کے ہوتی تھی برچھی سی پار
پھرے باد سے لوگ منھ ڈھانپتے
جگر چھاتیوں میں رہے کانپتے
رہا ایسی سردی میں کیدھر شکار
ہوئے لوگ خیموں کے اندر شکار

مندرجہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہوا ہوگا کہ میر کے شکار نامے دراصل جنگل کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا بیان ہیں۔ لوگ عموماً شکایت کرتے ہیں کہ اردو کے شاعر مناظر قدرت سے دور ہیں، عام زندگی سے دور ہیں،

معمولی درجے کے لوگوں کو نظر انداز کرتے ہیں، وغیرہ۔ لیکن میر کی مثنویاں اور ہجویں ایک نگاہ غلط انداز سے بھی دیکھ لی جاتیں تو جھوٹ کا یہ طلسم شکست ہو جاتا۔ نظیر کے بارے میں ہم نے بہت سنا ہے، لیکن نظیر اپنے شہر کے باہر کم، بہت ہی کم جاتے ہیں۔ میر تو گاؤں گاؤں گھومتے ہیں اور وہاں کے حالات میں خود کو شریک کرتے ہیں۔ وہ ہنستے بھی ہیں، مذاق بھی اڑاتے ہیں، لیکن یہ بھی بتاتے ہیں کہ ہم بھی اسی زندگی کا حصہ ہیں۔ ''تنگ نامہ'' کے یہ اشعار دیکھیے۔

ہم کو کھانے ہی کا تردد ہے
صبح بقال کا تشدد ہے
بنیا منھ کو چھپائے جاتا ہے
روٹی کا فکر کھائے جاتا ہے

☆

تم کہو دال ماش کی ہے زبوں
یاں بہم پہنچے ہے جگر ہو خوں
تم کہو آٹا کسکسا کھایا
یاں کلیجا چھنا تو ہاتھ آیا

☆

ماش کی دال کا نہ کریئے گلہ
گوشت یاں ہے کبھو کسو کو ملا
جی اگر چاہے کوئی ترکاری
گول کدو ملے بصد خواری
بھنڈی بینگن کے ناؤں ڈھینڈس تھا
اروی توری بغیر جی بس تھا

☆

گھانس ہی گھانس اس مکاں میں تمام
تس میں لساع جانور اقسام — لساع = ڈسنے والے
جیسے زنبور زرد ایسے ڈانس
کاٹ کھاویں تو اچھلو دو دو بانس
پشہ و کیک اور کھٹمل تھی
جن کے کاٹے اچھلتی پتی تھی

ننھے منے جانوروں کا کچھ حال سنانے کے بعد مناسب تھا کہ میں شکار ناموں سے کچھ اشعار ایسے نقل کرتا جن میں بڑے جانوروں کا ذکر ہے۔ لیکن طوالت کے خوف سے اشعار نہیں لکھتا، صرف چند اشعار سے منتخب کر کے کچھ جانوروں کے نام لکھتا ہوں۔ کبھی کبھی ایک ہی جانور کے لئے ایک سے زیادہ لفظ ہیں، میں نے انھیں ترک نہیں کیا ہے تا کہ شاعر کے ذخیرۂ الفاظ کا کچھ اندازہ ہو سکے:

شیر؛ پلنگ؛ شیر نر؛ نمر [تیندوا]؛ ببر؛ ہاتھی؛ بکری؛ نہنگ؛ نرہ شیر؛ چیتل؛ پاڑھا؛ ارنا [بھینسا]؛ شیر ژیاں؛ پیل دماں؛ بھیڑ؛ شترمرغ؛ گوزن؛ ہرن؛ کتا؛ گرگ؛ آہو؛ ہرن؛ فیل؛ گور [خر]؛ شغال؛ روباہ؛ ریچھ

مندرجہ بالا فہرست ''شکار نامۂ اول'' کے اولین چالیس اشعار سے اخذ کی گئی ہے۔ اب ''شکار نامۂ دوم'' سے ایک فہرست دیکھتے ہیں۔ غزلوں کو چھوڑ کر یہ فہرست اس مثنوی کے اولین پچپن (۵۵) اشعار پر مبنی ہے:

پلنگ؛ شیر ببری؛ چکارا؛ گرگ؛ شیر؛ اسد؛ بادخور [=ہما]؛ کلنگ؛ باز؛ جرہ؛ مرغابی؛ بزا [=بکرا]؛ ارنا [بھینسا]؛ غضنفر؛ ہاتھی؛ اژدر؛ گوزن؛ گور [خر]؛ قرقرہ؛ عقاب؛ زغن؛ تغدار؛ خاز [=قاز]؛ زاغ؛ کلاغ؛ شترمرغ؛ پلنگان مردم در؛ ہزبران خوں خوار؛ غرندہ شیر؛ فیلان مست؛ گینڈا؛ بھینسا؛ عصفور؛ کپی؛ لنگور؛ شاہین؛ بکری؛ گرگ کہن؛ کلنگ؛ قوچ [=مینڈھا]؛ ایل [=بارہ سنگھا]؛ رنگ [=جنگلی بیل]؛ جرہ؛ سرخاب؛ لگ لگ؛ تیتر؛ غمخوارک [=بگلا]؛ سارس؛ قاز؛ حواصل؛ طاؤس

اگر آپ کو یہ گمان گذرے کہ یہ سب نظیر اکبرآبادی کی طرح محض فہرستیں ہیں، تو میں چند شعر ادھر ادھر سے حاضر کردیتا ہوں۔ یہ انھیں اشعار میں ہیں جن سے فہرستیں اخذ کی گئی ہیں۔

سن آواز شیران نر ڈر گئے
پلنگ و نمر خوف سے مر گئے
جہاں ببر آیا نظر صید تھا
بیاباں اسی پھن سے قید تھا
پلنگان صحرا کے دل خوں کئے
نہنگان دریا ہوئے مرجئے

☆

گئے باد خور آسماں میں پلٹ
کلنگوں کی صف باز نے دی الٹ

کلنگ ایسے بازوں سے آئے ستوہ — ستوہ = اول مضموم، عاجز
کہ کابل سے آگے گئے صد کروہ
غضب کر گئے جرے نواب کے
اڑا کھا گئے خیل سرخاب کے
حواصل کو ہوتا اگر حوصلہ
تو کرتا نہ کھیتوں میں ہو وہ دلہ

اب میں مثنوی ''سگ و گربہ'' اور ''مرثیۂ خروس'' کا ذکر چھوڑ کر مثنوی ''در ہجو خانہ خود'' اور مثنوی ''در مذمت برشگال'' کا ذکر کرتا ہوں کہ معماری کی اصطلاحیں اور گھر کے مختلف حصوں اور ان کے مکینوں کے نام بھی ذرا معلوم ہو جائیں۔ مندرجۂ ذیل متفرق اشعار ''در ہجو خانہ خود'' کے آغاز سے لئے گئے ہیں۔

لونی لگ لگ کے جھڑتی ہے مائی
آہ کیا عمر بے مزہ کاٹی
جھاڑ باندھا ہے مینھ نے دن رات
گھر کی دیواریں ہیں گی جیسے پات
باؤ میں کانپتی ہیں جو تھر تھر
ان پہ ردا رکھے کوئی کیونکر
کہیں گھونسوں نے کھود ڈالا ہے
کہیں چوہے نے سر نکالا ہے
کہیں گھر ہے کسو چھچھوندر کا
شور ہر کونے میں ہے مچھر کا
کہیں مکڑی کے لٹکے ہیں جالے
کہیں جھینگر کے بے مزہ نالے
کڑی تختے سبھی دھوئیں سے سیاہ
اس کی چھت کی طرف ہمیشہ نگاہ
کبھو کوئی سنپولیا ہے پھرے
کبھی چھت سے ہزار پائے گرے
کوئی تختہ کہیں سے ٹوٹا ہے
کوئی واسا کہیں سے چھوٹا ہے

دی ہیں اڑواڑیں پھر جو حد سے زیاد
چل ستوں سے مکان دے ہے یاد
کنگنی دیوار کی نپٹ بے حال
پدڑی کا بوجھ بھی سکے نہ سنبھال
اچھے ہوں گے کھنڈر بھی اس گھر سے
برسے ہے اک خرابی گھر در سے
اکھرے پکھڑے کواڑ ٹوٹی وصید — وصید = چوکھٹ
زلفی زنجیر ایک کہنہ حدید — زلفی زنجیر = دروازے کی کنڈی

جی تو چاہتا ہے پوری مثنوی نقل کر ڈالوں لیکن طوالت مانع ہے۔ ''وصید'' اور ''حدید'' قافیوں کی داد تو سامنے کی بات ہے۔ ٹوٹے پھوٹے گھر کا اس سے بہتر بیان، اور وہ بھی مزاحیہ، اردو شاعری میں تو نہ ملے گا۔ معماری اصطلاحات سے واقفیت کا یہ عالم ہے کہ لگتا ہے کہ مہندس کی کتاب سامنے کھلی رکھی ہے۔

مثنوی ''در مذمت بر شگال کہ باراں درآں سال بسیار شدہ بود'' محض ایک عمدہ نظم نہیں، استعاروں، نئے الفاظ، اور انوکھے پیکروں کا شاہکار ہے۔ چند متفرق شعر درج کرتا ہوں۔

لے زمیں سے ہے تا فلک غرقاب
چشمۂ آفتاب ہیں گرداب
خشک بن اب کی بار سبز ہوئے
موش دشتی کے خار سبز ہوئے — موش دشتی = ساہی
لڑکوں نے کی زمانہ سازی ہے — خاک بازی = ریت یا مٹی میں کچھ چھپا کر
خاک بازی اب آب بازی ہے — ڈھونڈنے کا کھیل؛ آب بازی = تیراکی
آدمی ہیں سو کب نکلتے ہیں
مردم آبی پھرتے چلتے ہیں
کتے ڈوبے گئے کہاں ہیں اب
سگ آبی ہی ہیں جہاں ہیں اب — سگ آبی = Beaver
غرق ہے چڑیا اور گلہری ہے
خشکی کا جانور بھی بہری ہے

جیسا کہ میں نے ابھی کہا، یہ چند متفرق اشعار مثنوی کے شروع میں ہیں۔ ان سے پوری نظم کی خوبصورتی، ظرافت، تحرک، تنوع، اور بارش کی کثرت کا کسی احساس نہیں ہوسکتا۔ پوری مثنوی پڑھیے تو آپ کو لگے گا کہ آپ

خود پانی میں بھیگ گئے ہیں، لیکن ان چند اشعار سے یہ تو کوئی بھی دیکھ سکتا ہے کہ جانوروں سے میر کا شغف یہاں بھی واضح ہے۔ چند اور شعر نقل کئے بغیر یہاں چارہ نہیں، ان میں اشیا کا بیان دیکھئے۔

شعر کی بحر میں بھی ہے پانی
بہتی پھرتی ہے اب غزل خوانی
لائی بارندگی کی چالاکی
آب خشک گہر پہ نم ناکی
ہے زراعت جو پانی نے ماری
ہوگئی آب خست ترکاری
آب ہے گا جہاں کے سرتاسر
خوف سے سوکھتا ہے میوۂ تر
پانی عالم کے تا بہ سر ہے گا
خشک مغزوں کا مغز تر ہے گا
خضر کیونکر کے زیست کرتا ہے
آب حیواں میں پانی مرتا ہے

یہ آخری شعر تو تحسین اور تجزیے سے بے نیاز ہے، جیسے کسی بلند آبشار کی خوبصورتی اور موسیقیاتی شان الفاظ کی محتاج نہیں ہوتی۔

میر کے تقریباً ہم عمر یا عمر میں کچھ بڑے ہم عصروں میں نظیر کی استثنائی حیثیت کو نظر انداز کریں تو سودا، درد، قائم، میر سوز ہیں۔ قائم کے سوا کسی کے یہاں جانوروں اور موسموں کا ذکر نہیں۔ اور قائم کی بھی بس ایک مختصر مثنوی موسم سرما کے بارے میں ہے جس میں مضمون آفرینی بہر حال بہت خوب ہے۔ میر کے وہ معاصر جو میر سے عمر میں چھوٹے تھے، ان میں مصحفی اور جرأت نمایاں ہیں۔ جرأت نے ایک زبردست ہجو یہ شہر آشوب ضرور لکھا ہے جس کے ہر بند میں چڑیوں یا جانوروں کا ذکر ہے۔ لیکن وہ صفت اس ہجو میں لزوم مالا یلزم کا حکم رکھتی ہے، یعنی چڑیوں اور جانوروں کے نام لینا ہجو کے نفس مطلب کے لئے ضروری نہ تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اس التزام نے جرأت کی ہجو کو نئی اور انوکھی شان بخش دی ہے۔ لیکن اسے "جانوروں کے بارے میں نظم" نہیں کہا جا سکتا۔ فارسی میں شیخ عطار کی شاہکار مثنوی "منطق الطیر" تقریباً ساری کی ساری چڑیوں کی زبان سے ہے۔ لیکن عطار کی مثنوی اور ان کے بعد مولانائے روم کی مثنوی میں جانوروں کے بارے میں خال خال حکایتیں بھی اسی لئے میر کی طرح کی نظمیں نہیں ہیں کہ انھیں کسی اور مطلب کے ادا کرنے، مثلاً سبق آموزی، یا مثال و تمثیل کے لئے نظم کیا گیا ہے۔ فارسی ہی میں انوری اور عبید زاکانی نے جانوروں کے بارے میں حکایتیں یا حکایت نما نظمیں کہی ہیں۔

انوری کی نظمیں طنز اور ظرافت اور مختصر لفظوں میں بات پوری کرنے کے فن کا عمدہ نمونہ ہیں۔ عبید زاکانی کی فحشیات سے قطع نظر کریں تو اس کے یہاں کچھ ٹھٹھول، کچھ طنزیہ لطیفے ضرور ہیں لیکن اسے جانوروں سے کچھ محبت نہیں، جانور اس کے لئے اپنی بات کہنے کا موقع فراہم کرتے ہیں اور بس۔

فرانسیسی میں ہم بودلیئر (Charles Baudelaire) کا ذکر کر چکے ہیں۔ فرانسیسی شاعر ژاں ڈ لافونتیں (Jean de la Fontaine, 1621-1695) دنیا کا شاید واحد شاعر ہے جس کا بیشتر کلام جانوروں کی کہانیوں پر مبنی ہے۔ اس کی نظمیں بظاہر بچوں کے معیار کی معلوم ہوتی ہیں لیکن اس کی لطیف ظرافت، باریک نکتہ سنجی اور نکتہ آفرینی، برہمی اور طنز کی تیزی سے اس کی نظموں کا خالی ہونا، یہ صفات ایسی ہیں کہ اس کی ہر نظم ایک شاہکار کا درجہ رکھتی ہے۔ اکثر نظمیں تو اس قدر لطیف ہیں کہ انگریزی میں بھی ان کا ترجمہ بے مزہ لگتا ہے۔ لیکن یہ نظمیں اس صنف کی ہیں جسے انگریزی میں Fable کہتے ہیں۔ اس میں جانوروں کو انسانوں کی طرح بات چیت کرتے دکھایا جاتا ہے۔ یہ نظمیں دراصل حیات انسانی کے بارے میں تمثیلیں ہیں، جانوروں کے بارے میں نظمیں نہیں ہیں۔

مصحفی کے یہاں البتہ بعض مثنویاں جانوروں اور اشیا اور موسموں کے بارے میں ہیں۔ بلکہ یوں کہیں کہ ان کی ایک مثنوی اجوائن کی مدح میں ہے جو بہت خوب ہے۔ اس کے سوا جانوروں کے بارے میں کچھ مثنویاں ہیں جو زیادہ تر انھوں نے اپنے گھر میں کام کرنے والی عورت بی بولن کی خاطر کہی ہیں۔ کچھ مثنویاں اور بھی ہیں جو موسموں کے بارے میں ہیں۔ ایک مثنوی کھٹملوں پر ہے۔ مصحفی کے دیوان دوم کی اس مثنوی سے چند اشعار نقل کرتا ہوں، کیونکہ میر نے بھی کھٹملوں کا ذکر کیا ہے۔ مصحفی کہتے ہیں:

آخرش شام سے ہو شب بیدار
کھیلتا ہوں میں کھٹملوں کا شکار
مارے جو موٹے موٹے چن چن کر
چھینٹ کا تھان بن گئی چادر
گھسے دیوار پر جو کر کے تلاش
کر دیا گھر کو خانۂ نقاش
نہیں مرتے ہیں تو بھی یہ بد ذات
کیا انھوں نے پیا ہے آب حیات

اس میں کوئی شک نہیں کہ ظرافت، جھنجھلاہٹ، نچپنی کی مضمون آفرینی، ہر چیز کے اظہار کے لئے یہ شعر اس وقت تک اعلیٰ نمونہ قرار دیے جا سکتے ہیں جب تک آپ نے میر کو نہ پڑھا ہو۔ اب میر کی مثنوی ''در ہجو خانۂ خود'' کے یہ متفرق شعر ملاحظہ کریں۔

جنس اعلیٰ کوئی کھٹولا کھاٹ
پائے پٹی رہے ہیں جن کے پھاٹ
کھٹملوں سے سیاہ ہے سو بھی
چین پڑتا نہیں ہے شب کو بھی
شب بچھونا جو میں بچھاتا ہوں
سر پہ روز سیاہ لاتا ہوں
کیڑا ایک ایک پھر مکوڑا ہے
سانجھ سے کھانے ہی کو دوڑا ہے
ایک چٹکی میں ایک چھنگلی پر
ایک انگوٹھا دکھاوے انگلی پر
گرچہ بہتوں کو میں مسل مارا
پر مجھے کھٹملوں نے مل مارا

اور بھی شعر ہیں لیکن طوالت کے خوف سے نظر انداز کرتا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میر کے یہاں خوش طبعی اور طباعی زیادہ ہے اور مناسبت الفاظ بھی مصحفی سے بڑھی ہوئی ہے۔ لیکن ان معاملات میں میر کے حریف مصحفی بہر حال ہیں۔ اب میر کے ''شکار نامۂ اول'' سے برسات اور سردی کے جو شعر میں اوپر نقل کر آیا ہوں انھیں ذہن میں لائیے اور مصحفی کو سنئے (دیوان دوم):

طرفہ سردی ہے ان دنوں یارب
جس کے ڈر سے گلیم پوش ہے شب
سنگ و آہن جو اب بہم ہوں دو چار
برف ان سے جھڑے بجائے شرار
دیکھیو شدت شب سرما
بن بجھائے چراغ ہے ٹھنڈا
جس طرف دیکھو آگ کی ہے پکار
آگ کیا اک خدا کا ہے دیدار

ہم دیکھ سکتے ہیں کہ مصحفی کے ان شعروں میں مضمون آفرینی، بلکہ خیال بندی بہت خوب ہے، لیکن سردی کا وہ احساس نہیں جو میر کے دو ہی شعروں میں جاگ اٹھتا ہے۔

پھرے باد سے لوگ منھ ڈھانپتے
جگر چھاتیوں میں رہے کانپتے

رہا ایسی سردی میں کیدھر شکار
ہوئے لوگ خیموں کے اندر شکار

قائم چاندپوری کی مثنوی ''در ہجو شدت سرما'' میں بھی مضمون آفرینی مصحفی جیسی ہے۔

ان دنوں چرخ پر نہیں ہے مہر
گود میں کانگڑی رکھے ہے سپہر
پانی پر جس جگہ کہ کائی ہے
سبز وہ شال کی رضائی ہے
بس کہ یخ بستہ بحر تیخ ہے آب
برف کی ہے رکابی ہر گرداب

یہ شعر بھی مصحفی کے اشعار کی طرح پر لطف ہیں لیکن محسوسات کی جگہ خیال، یعنی کیفیت کے انبساط کی جگہ عقل کا پھیلاؤ ہے۔ خیال بندی میں انبساط اور فرحت ممکن ہے، لیکن غزل میں۔ غالب، ناسخ، آتش، ذوق، شاہ نصیر، آتش، نسیم دہلوی، وغیرہ کے اشعار اس کی دلیل ہیں۔ لیکن جہاں براہ راست محسوسات کا معاملہ ہو، اور وہ بھی روزمرہ زندگی کے مناظر اور تجربات کے بیان میں، وہاں خیال بندی تعقلاتی لطف تو پیدا کرتی ہے لیکن کیفیت اور جذباتی انبساط کم ہو جاتے ہیں۔

جیسا کہ میں نے اوپر بیان کیا، میر کے اشعار میں جانور جب روزانہ زندگی کا حصہ بن کر آتے ہیں تو ان میں انسانی صفات اور خصائص کا بھی رنگ آ جاتا ہے۔ جانوروں کے بیان میں میر کے اتباع میں مصحفی کچھ بہت دور نہیں جا سکے ہیں۔ لیکن وہ جانور کو کار آمد شے بھی سمجھتے ہیں، یعنی جانور میں اگر کچھ شخصیت یا انسان پن ہے تو بھی وہ انسان کے لئے کار آمد ہونے کی سطح سے برتر نہیں ہے۔ مثلاً اپنی مثنوی ''در صفت بز'' (دیوان چہارم) میں مصحفی یوں رطب اللسان ہوتے ہیں۔

ہر ادا میں ہے اس کی محبوبی
بز میں دیکھی نہیں یہ ایسی خوبی
کیا شجاعت کی اس کے لکھوں بات
ہے مقابل وہ شیر کے دن رات

لیکن مثنوی کے ختم ہوتے ہوتے مصحفی اپنا ''انسان پن'' ظاہر ہی کر دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

مثل پور خلیل لاثانی
مستعد ہے برائے قربانی
ہے فدائے وہ خنجر تسلیم
ذبح ہونے سے اس کو کیا ہے بیم

بے شک دونوں شعر اچھے ہیں۔ لیکن جس کی ہر ادا میں محبوبی ہو، اس کی گردن کٹنے کی بات کرنے، بلکہ گردن کٹنے کی توقع رکھنے کو "انسان پن" نہ کہیں تو کیا کہیں گے؟ اب مصحفی کے برخلاف میر کو دیکھئے، مثنوی "در بیان بز" میں کہتے ہیں۔

کہتے ہیں جو غم نہ داری بز بخر
سو ہی لی میں ایک بکری ڈھونڈ کر
شعر زور طبع سے کہتا ہوں چار
دزدی بز گیری نہیں اپنا شعار — بز گیری=چوری؛ مکر و حیلہ کرنا
دزد ہے شائستہ خوں ریزی کا یاں
بلکہ بابت ہے بز آویزی کا یاں — بز آویزی=ذبح کر کے الٹا لٹکانا، جس
میں پڑھوں ہوں اس کے آگے شعر گہ — طرح قصاب کرتے ہیں
اپنے ہاں گویا بز اخفش ہے یہ

نظم کی اٹھان دیکھئے: میں نے ایک بکری خریدی ہے، چرائی نہیں۔ چوری، حیلہ گری اپنا شعار نہیں۔ بلکہ میری نظر میں تو چور واجب القتل ہے، بلکہ اس لائق ہے کہ اسے بکرے کی طرح ذبح کر کے الٹا لکایا جائے۔ میں اس کے سامنے اپنے شعر پڑھتا ہوں، جس طرح اخفش کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ اپنی کتاب کے اوراق اپنے بکرے کو سناتا، اور جب بکرا سر ہلا دیتا تب وہ ان اوراق کو کتاب میں باقی رکھتا۔ اگلا شعر سنئے۔

بکروں کی داڑھی کے تیں جانے ہیں سب
تکہ ریشی بکری کی ہے بوالعجب — تکہ=بضم اول، بکرا

اب الفاظ ملاحظہ ہوں: بز گیری، بز آویزی، تکہ ریشی، ایسے الفاظ مصحفی تو کیا سودا کو بھی نہ سوجھ سکتے ہوں گے۔ اب سراپا دیکھئے۔

رنگ سر سے پاؤں تک اس کا سیاہ
چکنی ایسی جس پہ کم ٹھہرے نگاہ
چار پستان اس کے آئے دید میں
دو جہاں ہوتے ہیں دو ہیں جید میں — جید=گردن

"دید" کا قافیہ "جید" مولانا روم جیسے مثنوی نگار کو سوجھتا تو وہ بھی خوش ہوتے۔ خیر، اس کے دو بچے ہوئے اور بڑے ناز سے پالے پوسے گئے۔

زور و قوت سے حریفوں کے ہیں ڈھینگ — ڈھینگ=لمبا، زور آور
آہوے جنگی کو دکھلاتے ہیں سینگ — جنگی=بے وجہ جھگڑنے والا

ٹکر ان کی کیا جگر مینڈھا اٹھائے
قوچ سر زن سامنے ہرگز نہ آئے
تمیں ان کی دھاک سن کر مر گیا   تمیں=اول مفتوح=بکرا یا نرآہو جو
غم گوزنوں کو انھوں کا چہ گیا   اپنے گلے کا نگہبان ہوتا ہے

ان خوبیوں کے باوجود میر کو ان کا ذبح ہونا گوارا ہے، کیونکہ ان کی خوبیاں سب جانورانہ ہیں۔ بکری کے ذبح ہونے کا البتہ کوئی مذکور نہیں۔ اور ان بکروں کے لئے بھی وہ یہ کہتے ہیں کہ اب میں نے ان کے پاس جانا چھوڑ دیا ہے، کاش وہ اس طرح میری آغوش کے پروردہ نہ ہوتے۔

پاس جانا ان کے اب مسدود ہے
ذبح کرنے کو ہر اک موجود ہے

میر کے برخلاف مصحفی کی بکری، جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں ع

مستعد ہے برائے قربانی

مصحفی کا مینڈھا بھی بچارا اسی تقدیر کا مارا ہوا ہے۔ ''مثنوی قوچ کہ بزبان ہندی مینڈھا می گویند'' (دیوان چہارم) میں مصحفی کہتے ہیں کہ اس میں سب خوبیاں ہیں، وہ بھی بچپن سے مصحفی کے گھر میں پلا ہوا ہے اور آزاد پھرتا ہے۔ مصحفی اس کی پیدائش کو ''نزول فرشتۂ رحمت'' قرار دیتے ہیں۔ لیکن اس کی تقدیر یہ ہے کہ

ہے یہ وصف دویم کہ یہ حیواں
نہیں کرتا بوقت ذبح فغاں
یعنی شکوے کے لب ہیں اس کے بند
نہیں بانگ اس کی بز کی طرح بلند
ہے زبس واقف مقام رضا
جی سے عاشق ہے اس کی تیغ قضا

بچارے مینڈھے میں انسانی صفت صرف ایک ہے ع

اس نے آپ اپنا خوں کیا ہے بحل

مصحفی کی مسماۃ بولن نے طوطا پالا تو وہ بھاگ نکلا، یعنی بے وفا ثابت ہوا۔ دوسری مثنوی میں جو طوطا ہے وہ بھی بی بولن نے پالا تھا اور وہ مثنوی کے اختتام تک موجود تھا لیکن اس میں طوطے کی جتنی توصیف ہے وہ اس کی جانورانہ حیثیت کو پیش نظر رکھ کر نظم کی گئی ہے۔ (دونوں مثنویاں دیوان چہارم میں ہیں۔) اس کے برخلاف، میر نے جو مرغا پالا تھا وہ عام مرغوں سے بالکل مختلف جگر دار تھا۔

بجز کنارہ نہ سیمرغ کو بنا چارہ
کہ فیل مرغ کو بکری کی طرح سے مارا
خصومت اس کی تھی یک مادہ سگ سے شام و سحر
کبھو وہ لات اسے مارتا کبھو شہپر
قضا جو پہنچی تھی نزدیک وہ بھی جھنجھلائی
حریف ہو کے دلیرانہ سامنے آئی

بالآخر مرغا موت کے گھاٹ اتر ہی گیا۔ لیکن اس کے غم میں

ہوا کے مرغ ہوئے داغ اس کے ماتم سے
سیاہ پوش رہے طائر حرم غم سے
وہاں جو نوحۂ مرغان قدس باز ہوا
کہ مرغ قبلہ نما کا بھی دل گداز ہوا
خروس عرش ہی اس بن نہیں ہے سینہ فگار
ہزار مرغ کا اب گھر خروس پر ہے بار

خروس عرش=وہ مرغا جو آسمان پر قیام پذیر ہے اور سب سے پہلی بانگ سحر وہی دیتا ہے۔ دوسرے مرغے اس کی بانگ سن کر پکارنا شروع کرتے ہیں؛ خانہ بر خروس بار بودن=ویران ہونا

مثنوی کا آخری شعر ہے۔

خموش میر تجھی کو نہیں یہ رنج و تعب
کباب آتش غم میں ہیں مرغ و ماہی سب

اس جنگجو مرغے کے بیان میں مناسبات لفظی کی کثرت کا ذکر نہ کر کے میں صرف یہ عرض کرتا ہوں کہ اس چوبیس شعر کی مثنوی میں اکتیس جانوروں کے نام یا ان کے تلازمے آئے ہیں:

خروس؛ خروس عرش؛ مرغ انداز کرنا؛ مرغ مصلی؛ مرغ خیال؛ مرغ زریں بال؛ مرغ آتش خوار؛ بط؛ مرغ سبزوار؛ قاز؛ کلنگ؛ شتر دلی؛ شتر مرغ؛ مرغا؛ حواصل؛ سیمرغ؛ فیل مرغ؛ بکری؛ گربہ؛ سگ؛ مادہ سگ؛ ہدہد؛ ہوا کے مرغ؛ طائر حرم؛ مرغان قدس؛ مرغ قبلہ نما؛ مرغ قفس؛ طیور؛ مرغ دست آموز؛ مرغ خانگی؛ ماہی

بھلا سوچیے، کیا سودا، کیا نظیر، کیا قائم، کیا جرأت، کیا مصحفی، ان میں سے کس کو مناسبات لفظی، رعایت لفظی و معنوی، معنی کے وفور، اور نادر الفاظ پر اس قدر دسترس ہے۔ اس بات کو تو الگ ہی رکھئے کہ جانوروں کے تئیں میر کا رویہ کس قدر روشن دلانہ اور یک دردی (Empathy) سے کس قدر بھرپور ہے۔ صرف شکار ناموں میں میر نے جانوروں کو محض شکار، یا انسانی اقتدار اور اہلیت کے سامنے صید زبوں دکھایا ہے اور ان کی موت یا بے گھری پر کسی

ناپسندیدگی یا رنج کا اظہار نہیں کیا ہے۔ لیکن شکار نامہ پھر شکار نامہ ہے۔ وہاں جانوروں کا قتل عام تو لازم ہی ہے، بلکہ یہ اس کی رسومیات میں داخل ہے۔ لہٰذا میر یہاں اپنے جذبۂ یک دردی کو معطل رکھتے ہیں۔ ابھی تو آپ یہ دیکھئے کہ دیہات ہو یا شہر، میر کی نظر جانوروں اور ان کی حرکتوں پر بے محابا پڑتی ہے اور ان کے یہاں جانور، انسان، اشیا، یہ سب ایک ساتھ دکھائی دیتے ہیں۔ "تسنگ نامہ" میں کتوں، انسانوں، اور اشیا کے بارے میں معجز کلامیاں دیکھئے۔

پانی پانی تھا شور سے طوفان
دیکھ دریا کو سوکھتی تھی جان
ہرہ موج سینکڑوں گرداب
ساتھ تھی صد تری کے چشم حباب
ناؤ میں پاؤں ہم نے بارے رکھا
خوف کو جان کے کنارے رکھا
جزر و مد سب حواس کھوتا تھا
خضر کا رنگ سبز ہوتا تھا

مناسبت اور استعاروں کو کہاں تک واضح کروں، یہاں طوفان پانی پانی ہوتا ہے، دریا کو دیکھ کر جان سوکھتی ہے، حباب کی آنکھ تر ہے، یہاں پر لوگ ڈوب کر جان دینے کے خوف کو دریا کنارے رکھتے ہیں، یا جان بوجھ کر خوف کو کنارے پر رکھتے اور جان کا خطرہ مول لیتے ہیں۔ یہاں پانی کے خوف اور sea-sickness یعنی ناخوشی دریا کے باعث حضرت خضر (خضر کے معنی "سبز" ہیں) کو گرانی سر اور متلی ہے اور ان کا رنگ سبز پڑ گیا ہے، یعنی سیاہی مائل ہو گیا ہے۔ لیکن اس بات کو ملحوظ رکھیں کہ یہ تجربے انسانی ہیں، یعنی متکلم کے ہیں، یعنی یہاں انسانی احساس کا بیان ہے، "حقیقت" یہاں بہت اہم نہیں۔ خیر، اب دریا کے پار کا منظر دیکھتے ہیں۔

سو نہ جاگہ تھی نے مکان مبیت — مبیت = رات گذارنے کے لائق
چار دوکانیں ایک پھوٹی مسیت
جا کے حیراں ہوئے کدھر جاویں
سر گھسیڑیں جو ٹک جگہ پاویں
تگ و دو ہر طرف لگے کرنے
تس پہ پڑتے تھے مینھ کے بھرنے — بھرنے پڑنا = زور کی بارش ہونا
کوئی میدان میں کوئی چھپر میں
کوئی در میں کوئی کسو گھر میں

گھر ملا صاحبوں کو ایسا تنگ
جس سے بیت الخلا کو آوے ننگ

میرا خیال تھا کہ میں اشیا کا ذکر کروں گا کہ میر کی نگاہ کتنی باریک ہے، لیکن یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ گھر کے لئے ''بیت الخلا'' کا لفظ لانا، جس کے لغوی معنی ہیں، ''تنہائی کا گھر''، اور پھر ''ننگ'' کا لفظ رکھنا، کہ بیت الخلا میں لوگ کپڑے اتارتے ہیں، زبان پر ایسی خلاقانہ قدرت کا مظاہرہ ہے کہ اس پر شیکسپیئر بھی رشک کرتا۔ خیر، اب اشیا کو دیکھئے: مکان بمعنی جگہ، اور مکان بمعنی گھر؛ چار یعنی بہت کم؛ دوکانیں؛ مسجد (لفظ ''مسیت'' واد سے مستغنی ہے)، وہ بھی ٹوٹی پھوٹی؛ سر گھسیڑنے کے لئے جگہ؛ بارش کی جھرن؛ میدان؛ در؛ چھپر؛ ان چند چھوٹی موٹی باتوں میں سارا منظر بیان ہو گیا ہے۔ اب ذرا اس بستی کے کتوں سے مل دیکھئے۔

کتوں کے چاروں اور رستے تھے
کتے ہی واں کہے تو بستے تھے
دو کہیں ہیں کھڑے کہیں بیٹھے
چار لوگوں کے گھر میں ہیں پیٹھے
ایک نے پھوڑے باسن ایکو نے
کھود مارے گھروں کے سب کونے
گلہ گلہ گھروں میں پھرنے لگے
روٹی ٹکڑے کی بو پہ گرنے لگے
ایک نے آکے دیگچہ چاٹا
ایک آیا سو کھا گیا آٹا
ایک نے دوڑ کر دیا پھوڑا
پھر پیا آکے تیل اگر چھوڑا

☆

باہر اندر کہاں کہاں کتے
بام و در چھت جہاں تہاں کتے
جھڑ جھڑاوے ہے کان کو کوئی
رووے ہے اپنی جان کو کوئی
یک طرف ہے چپڑ چپڑ کی صدا
یعنی کتا ہے چکی چاٹ رہا

ایک چھنے کو منھ میں لے آیا
ایک چولھے کو کھودتا پایا
ایک کے منھ میں ہانڈی ہے کالی
ایک نے چلنی چاٹ ہے ڈالی
تیل کی کپی ایک لے بھاگا
ایک چکنے گھڑے سے جا لاگا

کتوں کو فی الحال نظر انداز کیجیے، لیکن پطرس کا مضمون ''کتے'' ضرور ذہن میں لائیے کہ پطرس اور میر ایک ہی رشتے میں پروئے ہوئے ہیں۔ اب اشیا کو شمار کیجیے:

رستے؛ گھر؛ باسن؛ گھروں کے کونے؛ روٹی؛ ٹکڑا؛ دیگچہ؛ آٹا؛ دیا؛ تیل؛ بام؛ در؛ چھت؛ جھڑجھڑاتا ہوا کان؛ چکی؛ چھنا؛ چولھا؛ کالی ہانڈی؛ چلنی؛ تیل کی کپی؛ چکنا گھڑا

ان اشعار میں کئی طرح کی چالاکیاں بھی ہیں، مثلاً حرکی اور سمعی پیکروں کی فراوانی، تجنیس حرفی، تجنیس صوتی وغیرہ، لیکن ان پر گفتگو کا موقع اس وقت نہیں، صرف اشارہ کافی ہے۔ یہاں اس بات پر غور کریں کہ بارہ شعر اور ایکس اشیا، اور سب کی سب معمولی گھریلو چیزیں۔ اور دوسری بات یہ کہ ظرافت کے ساتھ ہلکی سی جھنجھلاہٹ یا بیزاری ضرور ہے، لیکن کتوں کے خلاف کوئی کینہ یا برہمی نہیں۔ کم و بیش ایسا انداز ہے گویا کسی ڈھیٹ بچے کی شرارتیں بیان ہو رہی ہوں۔ کچھ ایسا ہی انداز پطرس کے مضمون میں بھی ہے۔ یہ فیصلہ نقادانِ فن پر چھوڑتا ہوں کہ میر جدید ہیں یا پطرس قدیم؟

اب مثنوی ''کد خدائی بشن سنگھ'' سے کچھ بہاریہ اشعار پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔

چل ہوائی سے شعلہ خیزی دیکھ
آسماں کی ستارہ ریزی دیکھ
متصل چھوٹتے جو ہیں گے انار
راہ و رستے ہوئے ہیں باغ و بہار
عشق ہے تازہ کار آتش باز
پھول گل میں ہے رنگ رنگ اعجاز
دیکھ صنعت گری صنعت گر
گل کاغذ ہے غیرت گل تر

پیکر، استعارہ، مناسبت الفاظ، چھوٹی چھوٹی اشیا سے شغف اور ان کو بڑی چیز بنا دینا (مثلاً عشق کو ''آتش باز'' کہنا، کہ آتش بازی معمولی بات ہے اور عشق بڑی بات، لیکن یہاں ان کا جوڑ کس قدر خوبصورت ہے)، نیز کہنے کی

ضرورت نہیں۔) جانور، اشیا، زندگی سے شغف، زبان پر ایسی مہارت کہ حد سحر کو بھی پار کر جائے، ان سب باتوں میں شیکسپیئر اور میر ہم پلہ ہیں۔

مثنوی کے علاوہ دیگر اصناف میں بھی میر کے یہاں بہت کچھ ہے۔ ہجویں اور خود نوشتی نظمیں بھی ہماری توجہ کی طالب ہیں۔ نادر الفاظ (خواہ فارسی عربی، خواہ اردو) کی جلوہ گری دیکھنا ہو تو مرثیے ملاحظہ ہوں۔ جزئیات سے میر کا شغف بھی ہر جگہ نمایاں ہے۔ لیکن میری گفتگو یوں ہی بہت طویل ہو چکی ہے۔ بقول میر (دیوان پنجم):

اس صنائع کا اس بدائع کا
کچھ تعجب نہیں خدائی ہے

الہ آباد، فروری مارچ ۲۰۰۷

OOO

کلیاتِ میرؔ

(جلد دوم)

نعت

مسدس ترجیع بند در نعت سرور کائنات ﷺ

(۱)

جرم کی کھو شرمگینی یا رسول اور خاطر کی حزینی یا رسول
کھینچوں ہوں نقصان دینی یا رسول تیری رحمت ہے یقینی یا رسول
رحمۃ للعالمینی یا رسول
ہم شفیع المذنبینی یا رسول

(۲)

لطف تیرا عام ہے کر مرحمت ہے کرم سے تیرے چشم مکرمت
مجرم عاجز ہوں کر ٹک تقویت تو ہے صاحب تجھ سے ہے یہ مسئلت
رحمۃ للعالمینی یا رسول
ہم شفیع المذنبینی یا رسول

(۳)

کیا سیہ کاری نے منہ کالا کیا بات کرنے کا نہیں کچھ منہ رہا
رحم کر خاک مذلت سے اٹھا میرے عفو جرم کی تخصیص کیا
رحمۃ للعالمینی یا رسول
ہم شفیع المذنبینی یا رسول

(۴)

اب ٹھہرتا ٹک نہیں پائے ثبات دستگیری کر کہ پاؤں میں نجات
جرم کیا ہیں میری کتنی مشکلات ہے کفایت ایک تیری التفات
رحمۃ للعالمینی یا رسول
ہم شفیع المذنبینی یا رسول

(۵)

دہر زیرِ سایۂ لطفِ عمیم   خلق سب وابستۂ خلقِ عظیم
تجھ سے جویاے کرم عاصم اثیم   سخت حاجت مند ہیں ہم تو کریم

رحمۃ للعالمینی   یا رسول
ہم شفیع المذنبینی   یا رسول

(۶)

ہو رہے ہیں ہم جو دوزخ کے حطب   سر پہ یہ اعمال لائے ہیں غضب
رکھتے ہیں چشم عنایت تجھ سے سب   تجھ سوا کس سے کہیں احوال اب

رحمۃ للعالمینی   یا رسول
ہم شفیع المذنبینی   یا رسول

(۷)

نیک و بد تیرے ثناخوان ہم   لطف تیرا آرزو بخش امم
ملتفت ہو تو تو کاہے کا ہے غم   تو رحیم اور مستحق رحم ہم

رحمۃ للعالمینی   یا رسول
ہم شفیع المذنبینی   یا رسول

(۸)

روؤں ہوں شرم گنہ سے زار زار   بے عنایت کچھ نہیں اسلوب کار
دل کو جب ہوتا ہے آکر اضطرار   زیر لب کہتا ہوں یہ میں بار بار

رحمۃ للعالمینی   یا رسول
ہم شفیع المذنبینی   یا رسول

(۹)

سر برپا ہوگا جب تیرا نشاں   آفتاب حشر میں بہر اماں
ہووے گی انواع خلقت جمع واں   کیوں نہ ہو سائے میں اس کے دو جہاں

رحمۃ للعالمینی   یا رسول
ہم شفیع المذنبینی   یا رسول

(۱۰)

روسیاہی جرم سے ہے بیشتر　روسفیدوں میں خجل مجھ کو نہ کر
ایک کیا آنکھیں ہیں میری ہی ادھر　تجھ سے راجی ہے بصر اہل نظر
رحمۃ للعالمینی　یا رسول
ہم شفیع المذنبینی　یا رسول

(۱۱)

کچھ بھی جو ہیں واقف راز و نیاز　عام تجھ انعام پر کر چشم باز
شعر یہ مشہور سب وے دل گداز　پڑھتے ہیں جاے دعا بعد از نماز
رحمۃ للعالمینی　یا رسول
ہم شفیع المذنبینی　یا رسول

(۱۲)

جب تلک تاثیر کا تھا کچھ گماں　گہ قرآں خواں میرؔ تھے گہ سبحہ خواں
وقت یکساں تو نہیں اے دوستاں　اب یہی ہے ہر زماں ورد زباں
رحمۃ للعالمینی　یا رسول
ہم شفیع المذنبینی　یا رسول

○

منقبت

ہفت بند در مدح حضرت علیؓ

بند اول

السلام اے رازدار داور جاں آفریں   السلام اے لامکاں کے حاکم مسندنشیں
ذات تیری جوں خدا کی ذات ہے والاصفات   بے شریک و بے عدیل و بے نظیر و بے قریں
یہ شرافت یہ سیادت یہ تقدس یہ کمال   یہ تنزہ یہ تعلّی یہ تفوق ہے کہیں
تو ولی ہے تو وصی ہے تو علی ہے تو وہ ہے   جس سے بالاتر تصور کیجیے تو کچھ نہیں
کیا تعقل کیا تحمل کیا تبختر کیا وقار   طفل مکتب درس گہ کا تیرے عقل اولیں
سید برحق شریف النفس فخر روزگار   باعث عز سپہر و موجب وقر زمیں
پیشوائے پیشوایاں سجدہ گاہ موناں   زینت بطحا و یثرب رونق اسلام دیں
مظہر صدہا عجائب مصدر لطف و کرم   زیب منبر جانشین رحمۃ للعالمیں
مقصد دل آشنایاں مدعائے عاشقاں   آرزوے اہل عرفاں مطلب اہل یقیں
وارث دیں داور عادل شفیع روز حشر   حافظ عرش بریں و حامی شرع متیں
مالک ملک ولایت حاکم عالم پسند   بادشاہ صاحب استقلال امیرالمومنیں

عہد تیرا عدل ہے سب ملک ہے تیرا سرور
مجرم و اندوہ گیں ہوں ملتفت ہونا ضرور

بند دوم

اے مرے سرمایۂ دنیا و عقبیٰ لطف کر   اے مرے مولا مرے صاحب ادھر بھی کر نظر
لطف ترا مس سے میری کیمیاسازی کرے   مکرمت یک گونہ کر یہ خاک ہوجاتی ہے زر
رحم پر موقوف ہیں سب کام اس ناکام کے   نے مجھے کچھ مکر آوے ہے نہ مجھ میں کچھ ہنر
سرفرو لانے کو جی کب چاہتا ہے سب کے پاس   ہے دماغ بے دماغان محبت عرش پر
وقت جب آتا ہے خاص اے خاص رب العالمیں   میل کلی دل کا ہوتا ہے تری جانب مگر
تو نہ پہنچے داد کو تو ہائے کیا بیداد ہے   گوش زد تیرے نہ ہو فریاد تو ہے بے اثر
وقت خوش وہ تھا مسرت بخش کتنا خلق کا   دیکھنے کو بھی نہ آتی تھی میسر چشم تر

شاہد عدل آنکھ میلی گر کرے تو خوب رو | اپنی پلکوں سے سئیں عشاق کے زخم جگر
کیا بیاں اب کریے شرم آتی ہے عرض حال سے | قدر تیری ایسی والا حاجت اپنی کس قدر
اب تو وحشت ہے طبیعت میں بسان گردباد | خاک برسر زندگانی کب تلک کریے بسر
آبیاری تیری یہ اور باغ سب سرسبز ہے | ایک شاخ آرزو اپنی نہیں لاتی ثمر

بارے بے برگی گراں ہے اور میں ہوں ناتواں
بے نسیم فیض تیرے اس چمن میں میں کہاں

بند سوم

اے شہ خوبی نسب والاحسب عالی تبار | جملہ تن عزت سراپا وقر و یکسر اعتبار
اللہ اللہ زور بازو قدر و قدرت دیدنی | ریجھنے کی جاے حشمت سیر قابل اقتدار
قدس کے باشندگاں کا ناز تیری ذات پر | نوع انساں کا تمامی تیرے اوپر افتخار
قلع خیبر مرگ اژدر کھینچنا خورشید کا | ہیں فسانے زور کے تیرے جہاں میں یادگار
جھک گئے گردن کشوں کے سر جہاں میں نے کہا | لافتیٰ الا علی لاسیف الا ذوالفقار
تو کہے جاروب تھی میدان کیں کی تیری تیغ | جس کے نکلے نے خس و خاشاک نے گرد و غبار
تونے چھیڑا ہے اگر مرکب کو اپنے کہہ کے ہاں | تو ہوا ہے اس روش اس بادپا کا گذار
جوں کوئی بجلی چمک جاتی ہے گاہے پیش چشم | پھر کھلے پر آنکھ کے رہ جاتے ہیں حیران کار
گوشۂ محراب میں راتوں کے تیں رونے سے کام | روز میداں سایۂ شمشیر میں ہنسنا شعار
کیا چھپی ہے کچھ یہ شخصیت جو میں ظاہر کروں | پر ترے اوصاف سے ہیں قریہ و شہر و دیار
ہے گہربخشی سے تیری ابر نیساں یک طرف | ہے کف ہمت کے آگے تیرے دریا یک کنار

مہرباں ہو یک نظر اس چشم نم کی اور دیکھ
دیکھ مت میری طرف اپنے کرم کی اور دیکھ

بند چہارم

کیا گدا کیا شاہ دونوں تیرے در سے کامیاب | سجدہ گاہ خلق و عالم ہے تری عالی جناب
کوئی بیگانہ تری تقلید کیوں کر کرسکے | تھا تو ایسا جب پیمبرؐ کی ہوا خویشی کا باب
حیف وہ بےتہ نہ رکھے جو کہ تیری دوستی | اک ولا کے ضمن میں تیری ہزاروں ہیں ثواب
عقل کا معقولہ تو ہے خلق کا مقبول تو | ذات تیری فرد اعلیٰ بات تیری یک کتاب
تجھ سے روے بحث کس کو غیر علام الغیوب | اس جگہ جبریل ساکت عقل اول لاجواب

جب کوئی ساقی کہیں تجھ سا بہشتی رو ملے — جن کو ہے کچھ ہوش دے تیرے بنیں مست وخراب
عنبریں گیسو ترے وا ہوں تو کھل جاتا ہے جی — مدعی کھاتے ہیں آپ ہی آپ یوں ہی پیچ وتاب
تو توقع کی جگہ سب کی تجھی سے چشم داشت — تو پناہ دہر و تو امیدگاہ شیخ و شاب
لطف بے پایاں ہے تیرا سایہ گستر خلق کا — ایک تابش اپنے ذرے پر بھی کر اے آفتاب
ہے جہاں تیری سخا واں بحر و بر کا کیا شمار — جب برسنے تو لگے گنتی میں آوے کب سحاب
شرح وسعت دامن دولت کی تیرے کیا کروں — بخش دے ہے جوہر تر پھینک دے ہے لعل ناب

تیری ہمت تیری جرأت تیری طاقت تیرا زور
تو ہی رکھے تو ہی بوجھے تو ہی دیکھے اپنی اور

بند پنجم

اے بسان کعبہ تیرے طوف میں روحانیاں — نام تیرا حاملان عرش کا ورد زباں
جوش مارے فیض کا چشمہ ترا تو بحر ہے — زمزم و تسنیم پھر ہیں ایک دو چھڑ کہاں
آب شرم رشک سے تیرے ستارہ صبح کا — خاک تیرے آستانے کی جبین راستاں
کیا بلندی قدر کی اللہ کیا شان رفیع — جس جگہ تو ہے نہیں ہرگز رہ وہم و گماں
زور ایسا کاہے کو بالقوت انسان ہے — بے مزہ ہو تو ملا دیوے زمیں و آسماں
گرچہ عالم دیدہ حضرت خضر بھی ہیں آدمی — پر نہیں ہے ان کو مطلق یاں کی صحبت کا دھیاں
تجھ پہ ظل اللہ کا اطلاق شاہا راست ہے — چتر ہے خورشید تیرا چرخ تیرا سائباں
شیر ہونا تیرا کیا سمجھے بز اخفش ہے شیخ — قشعریرے میں سدا رہتا ہے یاں ہبر ژیاں
بس طلسمات جہاں کے سب عیاں ہیں تجھ پہ راز — حاصل کون و مکاں تو واقف راز نہاں
نور سے تو ماہ کامل قدر سے چرخ بریں — حلم تیرا کوہ تیرا علم بحر بیکراں
کیا تسلط کیا تحمل کیا تمول کیا شکوہ — تو جہاں ہو ایک واں گویا کہ ہیں دونوں جہاں

یہ طرح پاتے ہیں تجھ میں سب رسول اللہ کی
شبہ ہے نام خدا تو اب رسول اللہ کی

بند ششم

اے چراغ جملہ نور خاندان مصطفٰے — اے مرے والی مرے مقصود ہم نام خدا
ہے تو تو مخلوق لیکن عقل میں آتا نہیں — دیکھ کر اندیشہ تجھ کو عرش پر جاتا رہا
تو جہاں ہے اس جگہ کیا آسماں کی قدر ہے — قدر تیری ہے جہاں واں گفتگو کو قدر کیا

گاہ احمدؐ گہ احد گاہے علی پایا تجھے
ہر زماں میں ہر مکاں میں شان تھی تیری جدا
فرط عشق اپنے سے کیا حرف و سخن اے کام جاں
تو ہماری آرزو ہے تو ہمارا مدعا
مطلب اپنا مقصد اپنا حاصل اپنی زیست کا
عشق تیرا دوستی تیری فقط تیری ولا
تجھ سے ہم خواہان مطلب تجھ سے ہم جویاے کام
تو ہی یاں حاجت روا ہے تو ہی یاں مشکل کشا
تجھ سا حاکم تجھ سا داور تجھ سا یاور چھوڑ کر
کس سے کہیے کس کنے لے جایئے پھر التجا
تو ہے وارث تو ہے مالک تو ہے صاحب تجھ سے چشم
اپنے ہاں جو ہے سو تو اے شافع روز جزا
اعتقاد اپنا یہی یارب رہے ہنگام مرگ
ہوں زبان و دل موافق جس گھڑی پہنچے قضا
دم بہ دم ہونٹھوں کے اوپر یاعلی ہو یاعلی
ہے رضامندی تو اپنی اس میں آگے جو رضا

ہم یہی فردوس سمجھے ہیں اسی کے تیں نجات
رفتگان شوق سے بس اور کیا پوچھو ہو بات

بند ہفتم

اے امام واجب التعظیم و باب احترام
اے سزاے عزت و مسجود انبوہ انام
تیری قدر و منزلت ختم رسلؐ سے پوچھیے
تیری قدر و منزلت میں ہے کسی کو کیا کلام
تجھ رخ پرنور سے نسبت نہیں ہے بدر کو
شہرگرد ایسے بہت دیکھے ہیں پھرتے ناتمام
دے جہاں عرض تجمل حشمت و شوکت تری
قیصر و فغفور واں ہوں بندگی میں جوں غلام
جب تری زورآوری کی معرکے میں دھوم ہو
سام کو تب پوچھتا ہے کون رستم ہے کدام
تجھ سوا جور فلک کا کس سے بدلہ چاہیے
تو ملیک مقتدر ہے تو عزیز ذی انتقام
دست بستہ اقتدا ہم سے کسو کی کب ہوئی
تو ہی اپنا پیشوا ہے تو ہی اپنا پیش امام
گرچہ کہتا ہے زبان ہند میں یہ منقبت
لیک حسان عرب سے کم نہیں کچھ میرا نام
اس ادا سے گفتگو اس حسن سے طرز سخن
اس فصاحت سے عبارت اس بلاغت سے کلام
ہیں متاع نیک یاں اشعار مولانا حسن
یمن مدحت سے ترے پڑھتا ہے عالم صبح و شام
تو خریداری کرے ٹک بھی تو قیمت ہو دوچند
یعنی ہووے جنس کاسد کا قبول خاص و عام

سو خدا ناکردہ ہم چشمی نہیں کرتا فقیر
آرزو ہوتی نہیں ہے غیبت ایمان میر

ترجیع بند در مدح حضرت علیؓ

(۱)

قابلِ سجدہ ہے علی کا در | باب تعظیم ہے علی کا گھر
ہے علی ہی کا نام موجودات | ہے علی افتخار نوعِ بشر
فرش رہ عرش ہو نہیں سکتا | منزلت ہے علی کی بالاتر
منبعِ لطف و مظہرِ احساں | مصدر صدہزار فضل و ہنر
تھا پرآشوب جن کے شور سے دہر | کردیے خاکوں میں انھوں کے سر
قدرت اس کی خدا کی قدرت ہے | زور اچنبھا عجیب زورآور
اعتقاد اپنے کو چھپایا ہے | یہ جو کہتے ہیں پاس ظاہر کر

ہم علی کو خدا نہیں جانا
پر خدا سے جدا نہیں جانا

(۲)

ہے علی جملہ عزت و اعزاز | جان بھی اپنی ہے علی کی نیاز
عَم شریک محمدؐ عربی | حرمت کعبہ آبروے حجاز
خاک دروازۂ علی رہیے | ہوویں یاور جو طالع ناساز
رو علی کی طرف ہی رکھ اس میں | در فردوس منھ پہ ہوگا باز
ہوسکے تو علی پرستی کر | تو ہو اسلامیوں میں تو ممتاز
ہے علی وہ کہ چرخ و ماہ و مہر | اس کی قدرت پہ سب کریں ہیں ناز
محو یاد علی ہیں جو ان کو | نے سر سجدہ نے دماغ نماز
ہیں علی سے علی طلب شب و روز | دوستی کشتگان قلب گداز
قبلہ کعبہ خدا رسول علی | گفتگو شوق کی بہت ہے دراز

ہم علی کو خدا نہیں جانا
پر خدا سے جدا نہیں جانا

(۳)

ہے علی جانشیں پیمبرؐ کا زیب مسجد ہے حسن منبر کا
زور بازو سے اس کے کیا کہیے ہے زباں زد فسانہ خیبر کا
کر گیا گم بڑوں بڑوں کے حواس چیرنا کودکی میں اژدر کا
جذب خورشید کس طرح سے کیا وقت کم تھا نماز دیگر کا
سرکشان جہاں نے جھاڑے کان سن کے احوال عمرو و عنتر کا
تیغ اس کی تھی برق ابر بہار کٹ گیا جس سے رنگ اکثر کا
بارش ابر لطف بن اس کے رفع کیا ہو غبار دل پر کا
کیا ہمارا شعور جو سمجھیں مرتبہ اس سبھوں سے برتر کا
عقل کل پر بھی کرنا مشکل ہے فرق ظاہر سے ایسے مظہر کا
ہم علی کو خدا نہیں جانا
پر خدا سے جدا نہیں جانا

(۴)

ذات پاک اس کی ہے خدا کی ذات جمع واجب کے اس میں سب ہیں صفات
علم و قدرت نہ بابت مذکور دم زدن یہ نہ جاے حلم و ثبات
وہ نہ ہوتا سبب تو پھر کیا تھا کیسے ہم تم کہاں کے موجودات
نہ تو دس عقل و نہ فلک ہوتے نہ ستارے نمود کرتے سات
حال روشن نہ روز کا ہوتا رہتی تاریکی عدم سے رات
اس کے مقدم سے نور ہے ورنہ سوجھتا کس کو ہاتھ سے پھر ہات
وہ مقوم سبھوں کا وہ سب کچھ یہی کہنے کی ایک ہے گی بات
ہم علی کو خدا نہیں جانا
پر خدا سے جدا نہیں جانا

(۵)

ہے مسبب کہیں کہیں ہے سبب ہے وہی لطف بےنہایت اب
ہے علی قابل پرستیدن ہے علی مظہر ہزار عجب

عشق ہے ہم جو لیتے ہیں یوں نام — ورنہ سجدہ بھی یاں ہے ترک ادب
دم الطاف سبز روے زمیں — جگر چرخ چاک وقت غضب
داب یکبارگی لیے دشمن — دب کیا تو نے جس گھڑی مرکب
تو بنا پاے خاک میداں پر — استخوان مزار کا مطلب
بارہا اے سوار شائستہ — ابلق چرخ نکلا تجھ سے دب
ہے تو بندہ تو اے مرے معبود — پر خدا کے سے ہیں ترے سب ڈھب
ہے تفنن کے طور پہ یہ شعر — آشنا اپنے لب سے روز و شب

ہم علی کو خدا نہیں جانا
پر خدا سے جدا نہیں جانا

(۶)

ہے علی حامی و مقوم دیں — ہے علی پیشواے اہل یقیں
ہے علی برگزیدۂ عالم — ہے علی اشرف زمان و زمیں
اس کی ہمت سے اس گلستاں میں — جیسے شبنم پڑے ہیں در ثمیں
اس کی جرأت سے قشعریرہ ہے — ان کو جو ہیں گے شیر بیشۂ کیں
خوبی اس کی کہاں تلک کہیے — خوب جانے جسے رسول امیں
اللہ اللہ تیری عزت و قدر — مجلس انبیا کا صدرنشیں
جیتے جیتے ہمارے قلب پر اب — نام اس کا ہے جیسے نقش نگیں
کبریا اس کی ہے وراے قیاس — وہم اپنا گیا کہیں سے کہیں
مانو یہ بات اس کی قدرت سے — نہیں بالقوۃ آدمی کا نہیں

ہم علی کو خدا نہیں جانا
پر خدا سے جدا نہیں جانا

(۷)

سجدہ کرنے کے ہے علی قابل — قبلہ اپنا ہے اس طرف مائل
مرگ ہے مصلحت سے دشمن کو — بے ولا اس کے زیست کیا حاصل
درس میں تیرے اے شہ علام — پیر عقل ایک کودک جاہل
تیری ہمت قبول یہ نہ کرے — کہ مکرر ہلے لب سائل

اصل مطلب کو دوستی تیری   راہ مطلوب کو ہے یہ واصل
دست بخشش سحاب بارندہ   کف ہمت محیط بےساحل
سیر کر مجمع کمال تجھے   دیکھ کر تیری قدرت کامل
طفل و برنا و پیر سارے مقر   عقل و ادراک و فہم سب قائل
یہ عقیدہ نہیں ہے اپنا ہی   کہتے ہیں سارے بالغ و عاقل
ہم علی کو خدا نہیں جانا
پر خدا سے جدا نہیں جانا

(۸)

ہے علی سایہ‌گستر دوجہاں   دیوے خورشید حشر سے وہ اماں
صورت ظاہر علی پہ نہ جا   ہے علی خلوتی راز نہاں
وہ علی کی ہے ذات پاک.جسے   جیتے رہتے ہیں اہل عالم جاں
کیا کریمی کی ہے صفت اللہ   نہیں ہے یہ نہیں یہی ہے یاں
شان ارفع ہے اپنے صاحب کی   کام کرتے نہیں قیاس و گماں
ہے جہاں رتبۂ وجوب اس کا   عقل کا درک وھاں ہے کیا امکاں
خوگر اس نام لینے سے جو نہیں   حیف صد حیف وہ دہان و زباں
دونوں یکتا ہیں ذوالفقار و علی   ایسی شمشیر ہے نہ ایسا جواں
سب ہیں حیران منزلت اس کے   قدر اس کی کہاں سپہر کہاں
ہم علی کو خدا نہیں جانا
پر خدا سے جدا نہیں جانا

(۹)

ہے علی مدعا علی مقصود   وہی مشہود ہے وہی موجود
ہے علی وہ کہ سارے صاحب دل   لیتے نام اس کا بھیجتے ہیں درود
کیا زمیں کیا سپہر کیا مہ و مہر   کی علی کے لیے سبھوں نے نمود
جمع رکھ دل علی سب ہوگا   کیا ہے اسباب اگر ہوئے مفقود
بندگی کے مقام ہیں معلوم   ہے یہ صاحب ہمارا تو معبود

مصطفےٰ مرتضےٰ خدا ہے ایک لیک آگاہ راز ہیں معدود
جھک ہی جاتے ہیں سرسن اس کا نام یعنی سب اس کو جانتے ہیں مسجود
حشر ہوگا علی کے ساتھ اپنا کیا ہے واں کا ہمیں غم بہبود
عندیہ اپنا اپنا ہے اے شیخ گوش کر اس کو تو اچھل یا کود
ہم علی کو خدا نہیں جانا
پر خدا سے جدا نہیں جانا

(۱۰)

گاہ بےگاہ کر علی خوانی ہے علی دانی ہی خدا دانی
مہر کا اس کی رہ سرآشفتہ ہے ولاے علی مسلمانی
فرش راہ علی کر آنکھوں کو یوں بچھا تو بساط ایمانی
مور بے زور ہو علی کا تو کہ جہاں میں کرے سلیمانی
چاہ میں اس کی آپ کو گم کر تا کہیں تجھ کو ماہ کنعانی
ہے وہی مہر چرخ عرفاں کا ہے وہی شاہ ظل سبحانی
قامت آرائے کبریا حق کا چہرہ پرداز نور یزدانی
ہاتھ اس کا وہی خدا کا ہاتھ بات اس کی کلام ربانی
شوق مفرط سے ہے یہ طرز سخن گو برا مانے کوئی مروانی
ہم علی کو خدا نہیں جانا
پر خدا سے جدا نہیں جانا

(۱۱)

ہے علی یاں کا مالک و مختار آگہ کار واقف اسرار
ہے علی آفتاب سا روشن کچھ چھپا ہو تو کیجیے اظہار
ہے علی بہترین خلق خدا ہے علی خویش سید ابرار
کون اس کا مقر جود نہیں اس کی جرأت کا کس کو ہے انکار
یہ شرف کس میں جمع ہوتے ہیں اشرف و حر و سید و سردار
عہد کا فخر وقت کا سلطاں خوبی بزم و گرمی مضمار
تیغ برکف اگر نمود کرے وہی قہار ہے وہی جبار

حلم کے مرتبے میں ہو تو وہی پردہ پوش و غفور ہے ستار
عشق پیشوں کو اس کے کیا وسواس کہتے ہیں اور پھر کہیں سو بار
ہم علی کو خدا نہیں جانا
پر خدا سے جدا نہیں جانا

(۱۴)

ہے علی وہ بلندقدر امیر دے دے ڈالے ہیں جس نے تاج وسریر
اس کی یکتائی میں تردد کیا جس کا نکلا نہیں عدم سے نظیر
خاک در ہو شہ ولایت کا شاہیاں لے گئے ہیں یاں سے فقیر
یوں ہے درریز دست جود اس کا جیسے برسے ہے کوئی ابر مطیر
صاحب ایسا ہی ہو تو صاحب ہے گنہ آمرز اور عذر پذیر
ہم سے بندوں کی ورنہ کیونکے نبھے دم بہ دم جن سے ہوتی ہے تقصیر
کچھ محبوں کا معتقد مت پوچھ ہے علی ہی ھوالعلی کبیر
شان سے کہتے ہیں محیط کل قدر سے قادر و خدائے قدیر
تو موالی علی پرست نصیر چاہے سو ہم کو کہہ لے اب اے میر
ہم علی کو خدا نہیں جانا
پر خدا سے جدا نہیں جانا

○

مسدس ترجیع بند در مدح حضرت علیؓ

(۱)

چیدہ خواروں میں شہ روم ترے صبح و شام   ریزہ چینی سے تری بادشہ چیں کا قیام
حبشی ہندی صفاہانی بخارائی تمام   ہیں ترے دست نگر لیجیے کس کس کا نام
یا علی کیست کہ شرمندۂ احسان تو نیست
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست

(۲)

گرسنہ چشم ترا آدم و سب اس کے خلف   تو جو دعوت کرے تو آویں فرشتے صف صف
دہر کا راتبہ ہے بحر ترا کشتی بہ کف   مہر و مہ دیکھتے ہیں تیرے ہی ہاتھوں کی طرف
یا علی کیست کہ شرمندۂ احسان تو نیست
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست

(۳)

سایہ گستر دوجہاں کا ہے ترا لطف عمیم   دے تو جنت کی نعیم اور تو ہی فوز عظیم
تجھ سے ماسول عطا سب تو کریم ابن کریم   ہووے یعقوب کہ اسحاق کہ ہو ابراہیم
یا علی کیست کہ شرمندۂ احسان تو نیست
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست

(۴)

مردی کا تری دریا نہیں رکھتا ہے کنار   ایک موجے میں ترے سینکڑوں بیڑے ہوئے پار
کاڑھے طوفان بلا سے تری ہمت نے پار   نوح ممنون ہے یونس ہے ترا شکرگزار
یا علی کیست کہ شرمندۂ احسان تو نیست
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست

(۵)

اہل عالم متمتع رہے ہیں تجھ سے مدام مائدہ طور پہنچا تھا ترے ہاں سے طعام
من و سلویٰ تھا فرستادہ کبھو بہر انام قول عیسیٰ بھی یہی تھا یہی موسیٰ کا کلام
یا علی کیست کہ شرمندۂ احسان تو نیست
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست

(۶)

ہے بچھا شرق سے تا غرب ترا دسترخوان جس پہ مہمان ہے ہر شام و سحر خلق جہان
آسماں یاں کی گدائی سے بھرے ہے انبان ماہ و خورشید کو ملتی ہیں یہاں سے دو نان
یا علی کیست کہ شرمندۂ احسان تو نیست
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست

(۷)

سر شاہان زمانہ تری خاک درگاہ کج رکھیں تیرے بھروسے پہ فقیر اپنی کلاہ
منہ ترا تکتے رہیں عارف و کامل آگاہ تجھ سے سب پہنچے ہیں مقصود کو قصہ کوتاہ
یا علی کیست کہ شرمندۂ احسان تو نیست
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست

(۸)

نام حاتم کا خنک جیسے لطیفہ مستور معن زائد کا تری بزم میں زائد مشہور
رنگ رنگ اطعمہ ہیں بذل پھر اس درجہ وفور کیا خداوندی ہے اللہ خدائی مشکور
یا علی کیست کہ شرمندۂ احسان تو نیست
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست

(۹)

لطف ہے عام ترا سب تجھی سے پاتے ہیں تیری دولت ہے جو یہ شاہ و گدا کھاتے ہیں
شکر نعمت یہ نہیں تیرا بجا لاتے ہیں اس جہاں سے بھی یہی کہتے ہوئے جاتے ہیں
یا علی کیست کہ شرمندۂ احسان تو نیست
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست

(۱۰)

ارض میں اور سماوات میں سب تیرا مال　　جس کا گھر چاہے تو کر دیوے اسے مالامال
روز بہبود کا تجھ سے سر گردوں میں خیال　　اپنی خوبی کو زمیں رات کرے تجھ سے سوال
یا علی کیست کہ شرمندۂ احسان تو نیست
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست

(۱۱)

فی الحقیقت تری مہمان خلائق ہے سب　　تیرے دروازے سے محروم کوئی آوے ہے کب
رنجھنے ہی کی ہے گوں تیری مروت کا ہے ڈھب　　جاؤں ناکام اگر میں تو نہایت ہے عجب
یا علی کیست کہ شرمندۂ احسان تو نیست
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست

(۱۲)

کاسہ لیسی تیرے مطبخ کی کریں خرد و کبیر　　ہاتھ پھیلائے رہے آگے ترے جم غفیر
ظرف ہیں جن کے بڑے سب دے یہیں کے ہیں فقیر　　آدم و جن و ملک شاہ و گدا میر و وزیر
یا علی کیست کہ شرمندۂ احسان تو نیست
بر سر خوان کرم کیست کہ مہمان تو نیست

○

مسدس ترجیع بند در مدح حضرت علیؓ

(۱)

درویش جو ہیں مقصد دلخواہ کہیں ہیں　　سالک جو ہیں وے راہبر راہ کہیں ہیں
اک واقف اسرار و دل آگاہ کہیں ہیں　　اک چرخ حقیقت کا تجھے ماہ کہیں ہیں
کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

(۲)

مذکور کہیں نام ترا کام روا ہے　　مشہور لقب ایک جگہ راہ نما ہے
ہر ایک نے کچھ حسب خرد اپنے کہا ہے　　سمجھا نہ کوئی یہ کہ حقیقت میں تو کیا ہے
کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

(۳)

من بعد نبیؐ باعث بہبود تو ہی ہے　　نزدیک خردمندوں کے مسجود تو ہی ہے
کچھ کوئی کہو خلق سے مقصود تو ہی ہے　　پہنچیں جو حقیقت کو تو معبود تو ہی ہے
کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

(۴)

جس روز سے تو تھا نہ کوئی عرصے میں آیا　　فتنے کو ترے شور نے تا حشر سلایا
بالفرض فلک سے بھی اگر ہاتھ ملایا　　اک روز میں کر خاک برابر ہی دکھایا
کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

(۵)

اس بات کو جانیں ہیں سب آگاہ تہ کار — ایوبؑ نے جب نالہ کیا کھینچ کے آزار
قدرت نے کیا حق کی ترے پردے میں اظہار — صورت سے شفا کی تو ہوا آ کے نمودار

کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

(۶)

آدم کی انابت تھی شب و روز تری اور — جپتے ہیں ملک نام ترا چرخ پہ کر شور
قائل ہیں ترے لے کے سلیمان سے تا مور — اللہ ری تری شوکت و احسنت ترا زور

کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

(۷)

ہستی میں ترا جلوہ ترا شور عدم میں — تیرا ہی تصرف ہے حدوث اور قدم میں
ہوتا نہ ترا دست حمایت کا جو یم میں — یونسؑ کی توقع نہ تھی ماہی کے شکم میں

کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

(۹)

پردے میں صدا تھی تری داؤد کا الحان — شمہ تھا تری چشم کا اک نوح کا طوفان
جاں بخش دم عیسوی میں تو ہی تھا پنہان — تھا ہاتھ ترا معجزۂ موسیٰ عمران

کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

(۱۰)

یعقوب کا تھا کلبۂ احزاں میں تو غم خوار — یوسف کا ملک ہو کے ہوا چہ میں مددگار
رحمت کا فرشتہ ہو ترے لطف نے پر مار — کی آتش نمرود براہیم پہ گلزار

کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

(۱۱)

الٹا ہے دو انگشت سے دروازۂ خیبر چیرا ہے کس انداز سے گہوارے میں اژدر
کیا ہاتھ تھا جس سے کہ گیا جان سے عنتر ظاہر ہے کہ یاں تھا وہی ظاہر وہی مظہر
کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

(۱۲)

ثانی ترا پاتے نہیں تسلیم و رضا میں ایوب سے ہو صبر ترا سا نہ بلا میں
مشہور سخاوت ہے تری شاہ و گدا میں تیں خود کے تئیں بخش دیا راہ خدا میں
کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

(۱۳)

اے وہ کہ تو ہے جان و جہاں سارا ہے قالب در پر جو اکٹھے ہوں ترے سینکڑوں طالب
اک پل میں روا کردے تو ان سب کے مطالب ہم عاجز و عاجز ہیں تو ہے غالب و غالب
کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

(۱۴)

ہے میرؔ پریشاں دل و آوارہ و مضطر کیا تیری صفت کر سکے یا حیدر صفدر
ہے وصف ترا حیز امکان سے باہر کہتے ہیں خردور تری قدرت کو نظر کر
کیا مدح ہے یہ جو تجھے ہم شاہ کہیں ہیں
سچے ہیں وہی لوگ جو اللہ کہیں ہیں

○

مسدس ترجیع بند در مدح حضرت علیؓ

(۱)

جاتی ہے شب تارے گنتے دن کو پھرتا ہوں خراب   کب تلک اس خاکداں میں جوں بگولا پیچ و تاب
دل تڑپتا ہے جدا جی کو جدا ہے اضطراب   ہر گھڑی تازہ تعب ہر دم نیا ہے اک عذاب
یا علی یا ایلیا یا بوالحسن یا بوتراب
حل مشکل سرور دیں شافع یوم الحساب

(۲)

اب گرا جاتا ہوں چشم خلق سے لے تک سنبھال   دیکھ مت اس سے زیادہ خوار و زار و خستہ حال
مرحمت کر مکرمت کر رنج سے مجھ کو نکال   کب تلک محزوں رہوں میں تا کجا کھینچوں ملال
یا علی یا ایلیا یا بوالحسن یا بوتراب
حل مشکل سرور دیں شافع یوم الحساب

(۳)

کیا لکھے اعجاز تیرے خامۂ جادوشعار   تو وہی ہے ایک لیکن نام تیرے ہیں ہزار
وقت جب ہوتا ہے تنگ اے قدرت پروردگار   نام لے لے کر ترے کہتا ہے ہر اک یوں پکار
یا علی یا ایلیا یا بوالحسن یا بوتراب
حل مشکل سرور دیں شافع یوم الحساب

(۴)

حاجت اہل جہاں وابستہ تجھ سے ہے مدام   سہل ہیں یاں مشکلیں آساں ہیں یاں دشوار کام
عارف و عامی سبھوں کا ہے وظیفہ تیرا نام   زیر لب ہر اک کے رہتا ہے یہی ہر صبح و شام
یا علی یا ایلیا یا بوالحسن یا بوتراب
حل مشکل سرور دیں شافع یوم الحساب

(۵)

تنگ ہے عرصہ نہایت دم رکا جاتا ہے آہ   یاں سے جانا بھی نہیں آتا ہے بن اے خضر راہ
لیتے ہیں آنکھیں چھپائے جن پہ جاتی ہے نگاہ   آستاں بن تیرے دکھلائی نہیں دیتی پناہ
یا علی یا ایلیا یا بوالحسن یا بوتراب
حل مشکل سرور دیں شافع یوم الحساب

(۶)

حرف زن ہوتا ہوں جب میں تنگی احوال سے   صفحہ صفحہ ورد کرتا ہے تراوش قال سے
لطف بن تیرے چھڑاوے کون اس جنجال سے   آئی ہے سر پر قیامت شامت اعمال سے
یا علی یا ایلیا یا بوالحسن یا بوتراب
حل مشکل سرور دیں شافع یوم الحساب

(۷)

آسمان بے تمیز و بے تہ و دشمن کمال   دوستی کے پردے میں کرتا ہے مجھ کو پائمال
یعنی سر سہلا کے بھیجا کھا گیا یکسر نکال   اب تلک جیتے تو ہیں پر زندگانی ہے وبال
یا علی یا ایلیا یا بوالحسن یا بوتراب
حل مشکل سرور دیں شافع یوم الحساب

(۸)

خاک سے یکساں ہوا ہوں ہو کرم سے دستیار   ہوں گدا تجھ آستاں کا کر ٹک اک امداد کار
دل کو میرے جس گھڑی ہوتا ہے شاہا اضطرار   بار بار آوے ہے منھ پر اس گھڑی بے اختیار
یا علی یا ایلیا یا بوالحسن یا بوتراب
حل مشکل سرور دیں شافع یوم الحساب

(۹)

سارے عالم سے کرے ہے کج روی چرخ نژند   قافیہ ہے تنگ ازبس امن کی راہیں ہیں بند
غم فزوکن کچھ نہیں میرا ہے یہ شعر بلند   پڑھتے ہیں سب شیخ و شاب و ناتوان و دردمند
یا علی یا ایلیا یا بوالحسن یا بوتراب
حل مشکل سرور دیں شافع یوم الحساب

(۱۰)

غالباً پہنچے ہم اب میرؔ کو بھی برگ و ساز آبلہ یک بن گیا ہے جملہ تن ہو کر گداز
شام کہتا ہے یہی رکھ خاک پر روے نیاز صبح پڑھتا ہے یہی جاے دعا بعد از نماز

یا علی یا ایلیا یا بوالحسن یا بوتراب
حل مشکل سرور دیں شافع یوم الحساب

○

مخمس در مدح حضرت علیؓ

(۱)

ہادی علی رفیق علی رہنما علی یاور علی ممد علی آشنا علی
مرشد علی کفیل علی پیشوا علی مقصد علی مراد علی مدعا علی
جو کچھ کہو سو اپنے تو ہاں مرتضےٰ علی

(۲)

نور یقیں علی سے ہمیں اقتباس ہے ایمان کی علی کی ولا پر اساس ہے
یوم التناد میں بھی علی ہی کی آس ہے بے گاہ و گاہ ناد علی اپنے پاس ہے
قبلہ علی امام علی مقتدا علی

(۳)

دیوانگان شوق کا مت پوچھو معتقد فہم اس کا تب ہو روح قدس جب کرے مدد
ظاہر اس ایک شان سے شانیں ہیں لاتعد گہ احمد اس کو کہتے ہیں گاہے اسے احد
شایان حمد و قابل صل علیٰ علی

(۴)

نے شہ سے کچھ غرض ہے ہمیں نے وزیر سے نے اعتقاد شیخ سے نے کچھ فقیر سے
رکھتے نہیں ہیں کام صغیر و کبیر سے ہے لاگ اپنے جی کو اسی اک امیر سے
مولا علی وکیل علی بادشا علی

(۵)

پہنچے ہے تیرے ہاتھ تلک کب کسو کا دست کیا سمجھے شیخ حال کو فطرت ہے اس کی پست
ہوں جوں نصیری ساقی کوثر کا محو و مست مسکن علی نگر ہے مرا میں علی پرست
پیغمبر اس جگہ کا علی ہے خدا علی

(۶)

شیوہ اگرچہ اپنا نہ یہ وعظ و پند ہے　　پر اس کو سن رکھ اے کہ تو کچھ دردمند ہے
کیا ہے جو عرصہ تنگ ہوا کام بند ہے　　دل جمع کر کہ ہمت مولیٰ بلند ہے
یعنی کرم شعار ہے مشکل کشا علی

(۷)

اپنی بساط تو ہے علی ہے وہی علیم　　کس طور جیتے رہتے نہ ہوتا جو وہ کریم
دیکھیں ہیں اس کی اور جو ہم ہوتے ہیں سقیم　　یاں کا وہی ہے شافی و کافی وہی حکیم
عارض ہو کوئی درد ہمیں ہے دوا علی

(۸)

ہے دوستی علی کی تمنائے کائنات　　بے لطف اس بغیر ہے کیا موت کیا حیات
یعنی کہ ذات پاک ہے اس کی خدا کی ذات　　کیا ان موالیوں کے تئیں ہے غم نجات
مرتے ہوئے جنھوں کے دلوں میں رہا علی

(۹)

یہ کس طرح سے راز کہوں میں زبان سے　　حالات اس روش کے پرے ہیں بیان سے
یک شب نبیؐ جو نکلے زمان و مکان سے　　ذات مبارک آئی نظر اور شان سے
تھا بزم لامکاں میں بھی رونق فزا علی

(۱۰)

خواہش مدد کی غیر سے یہ ہے خیال خام　　کرتا ہے کب قبول اسے عاقل تمام
کافی ہے دوجہان میں مولا کا میرے نام　　لاریب اس پہ آتش دوزخ ہوئی حرام
اک بار بھی زبان سے جن نے کہا علی

(۱۱)

سر تا قدم ثبات دل و جملگی ادب　　صورت پکڑ کے سامنے آیا تھا لطف رب
ظاہر ہوئے ظہور جہاں میں عجب عجب　　محراب میں نہ گرم بکا تھا کدام شب
ہنستا رہا نہ کون سے روز غزا علی

(۱۲)

عنتر کو نار خشم نے اس کی جلا دیا　　اژدر کو چیر ایک ہی دم میں کھپا دیا
خورشید کو نکال دوبارہ دکھا دیا　　ہنگامہ کفر و شرک کا آ کر مٹا دیا
تھا جانشین ختم رسلؐ کا بجا علی

(۱۳)

گو چشم دل کھلے نہ کسی روسیاہ کی　　اس تک مجال کب ہے کسو کی نگاہ کی
اللہ ری بلندی تری قدر و جاہ کی　　مرمر کے جبرئیل نے درباں سے راہ کی
شاہا ملک سپاہ جہان صفا علی

(۱۴)

دشمن کو آگہی ہے کماینبغی کہاں　　قدرت سے اس کی قدرت حق ہوتی ہے عیاں
زورآوری مزاج میں آوے تو الاماں　　کچھ بھی نہیں ہے پھر یہ جو سب کچھ ہے درمیاں
ارض و سما کے دیوے قلابے ملا علی

(۱۵)

دی تیغ ایسی کس کو کہ جیسی ہو ذوالفقار　　مرکب کہاں ہیں اس کے سے ویسے کہاں سوار
گذرے ہیں گرچہ مردم خوب آگے بھی ہزار　　پر یہ شرف خدا کی طرف سے ہے یہ وقار
خلقت تو دیکھ کعبے میں پیدا ہوا علی

(۱۶)

تھی حق کے ہاں سے احمد مرسلؐ کو سروری　　کہتی تھی ساری خلق خدا کی اسے ولی
نسبت بغیر ہوتے ہیں یہ اتحاد بھی　　لطف و سخا و ہمت و حلم و حیا نبیؐ
جود و سخا و جرأت و مہر و وفا علی

(۱۷)

نزدیک سب کے اس کو ہے درجہ قبول کا　　ایک عندیہ ہے سید و شیخ و مغول کا
کب معتبر ہے حرف کسو بوالفضول کا　　باطن علی ہے ظاہر خوب رسولؐ کا
خاک اس کے فرق پر جو کہے تھا جدا علی

(۱۸)

ہر فرد کی زباں پہ علی کی ہے گفتگو ہر شخص کے تئیں ہے علی ہی کی جستجو
عالم کو ہے علی کی تولا سے آرزو اپنا ہی کچھ علی کی طرف کو نہیں ہے رو
مقصود خلق و مطلب ارض و سما علی

(۱۹)

اک شوق ہے علی کا مرے قلب میں نہاں شاید یہی نجات کا باعث بھی ہو وہاں
اب زیر لب ہے زیست میں جو میر ہر زماں اس وقت میں کہ جان ہو یک دم کی میہماں
امید ہے کہ یوں ہی لبوں پر ہو یا علی

○

مخمس در مدح حضرت علیؓ

(۱)

ہراس روز محشر کیا محمد مصطفیٰؐ بس ہے   کرم خصلت وفا سیرت علی مرتضےٰ بس ہے
شفیع جرم سوز سینۂ خیر النسا بس ہے   نہ ٹکڑے دل کے کر مسموم امام مجتبےٰ بس ہے
لہو مت رو شہید تشنہ کام کربلا بس ہے

(۲)

رکھے کوئی توقع تو رکھے آل پیمبر سے   طلب ہووے کسی کو کچھ تو ہو اولاد حیدر سے
امانت چاہنا پھر لطف ہے یاران دیگر سے   دل اپنا جمع کر دور قمر کے شور اور شر سے
بہت ہے گرچہ ہنگامہ دلے زین العبا بس ہے

(۳)

ولا باقر کی فرض عین ہے حیدر پرستی میں   جپا کر نام کو اس کے تو ہشیاری و مستی میں
غرض رہ محو اس کا دشت میں ہو تو کہ بستی میں   عجب ہے نونہال اک سایہ دار اس باغ ہستی میں
کرم اس کا پئے ہر شخص بے برگ و نوا بس ہے

(۴)

محبت چاہیے صادق جناب پاک جعفر میں   اسی کا شوق دل میں ہو اسی کا شور ہو سر میں
وہی یاں بھی نشاں ہے تھا جو کچھ ساقی کوثر میں   عنایت کی اسی سے چشم رکھ آشوب محشر میں
بلا صد رنگ ہووے کیوں نہ ایک اس کی ولا بس ہے

(۵)

رکھے کاظم کو جو سر پر غم و غصہ سے کیا اس کو   نہ دیکھے یہ امام دیں بلا میں مبتلا اس کو
بیک چشمک زدن حاصل ہو ایسا مرتبہ اس کو   کہ رکھے کفش جس کے سر پہ دیکھو بادشا اس کو
توجہ گونہ اے مولا پئے ہر مدعا بس ہے

(۶)

جسے اے مجلس آرایان دیں بہرہ ہے ایماں سے اسے اک بندگی خاص ہے شاہ خراساں سے
نگہ کی چشم سے آتی ہے خلق ایران و توراں سے گذر جاتے ہیں اس کے نام پر جنس خوش جاں سے
جو سودا اس سے بن جائے تو ہو راضی رضا بس ہے

(۷)

جو وہ دن ہو کہ نکلے آفتاب اس روز پچھم سے موکل درمیاں لاویں سخن جنت جہنم سے
کریں پرسش بد و نیک عمل کی خلق عالم سے مخاطب ہم کسو سے ہوں نہ یارب نے کوئی ہم سے
تقی متقی ہم کو امام اتقیا بس ہے

(۸)

تقی پاک کا آکر علم جس وقت برپا ہو الٰہی ہم سیہ کاروں کی اس کے سائے میں جا ہو
وہ حامی لطف سے ہو تو کچھ اپنا کام اچھا ہو وگرنہ زشتی اعمال سے کیا جانیے کیا ہو
دوں ہی ہووے تو بس کیا اور یوں ہووے تو کیا بس ہے

(۹)

نہ ہو لشکرکشی سے غم کی اے دل اس قدر درہم کرے گا عسکری انبوہ اس اندوہ کا برہم
عدو مجروح ہے اس کا احبا کا ہے وہ مرہم رہیں گے ناامید رستگاری اس سے کیونکر ہم
وسیلہ ہم گنہگاروں کا وہ روز جزا بس ہے

(۱۰)

اگرچہ اشک آنکھوں میں لبوں پر آہ رہتے ہیں ولے مستغنیانہ ہر گہ و بے گاہ رہتے ہیں
کبھو ہیں شہر میں جاکر کبھو درگاہ رہتے ہیں کرم پر مہدی ہادی کے ہم گمراہ رہتے ہیں
ہمیں اس وادی پرخوف میں وہ رہنما بس ہے

(۱۱)

کہاں تک بت پرستی میں جفا و جور کا سہنا کہاں تک آنکھ سے رخسار پر ہر دم لہو بہنا
کہن سالی میں کس کا چاہیے ہے ہم کو کچھ کہنا دیے قشقہ صنم خانے میں کب تک روز و شب رہنا
گیا وقت ہوس کعبہ کو چلیے اب خدا بس ہے

(۱۲)

نہیں مشتاق ہم کچھ مال کے اسباب کے زر کے　　نہ اچھے فرش کے طالب نہ پاکیزہ کسو گھر کے
تجھے درویش سب کہتے ہیں لوگ ایدھر کے اودھر کے　　ہمارا حشر ہووے مر گئے پر ساتھ حیدر کے
یہی کہہ میرؔ تو بھی حق میں اپنے یہ دعا بس ہے

○

مخمس در مدح حضرت علیؓ

(۱)

زور و ثبات و تاب و تواں مرتضیٰ علی   امیدگاہ خرد و کلاں مرتضیٰ علی
مقصود خلق و خواہش جاں مرتضیٰ علی   ذکر روان و ورد زباں مرتضیٰ علی
جو کچھ کہو سو اپنے ہیں ہاں مرتضیٰ علی

(۲)

اس کی ولا ہے باعث بہبود کائنات   اس کی ولا ہی شرط پڑی ہے پئے نجات
کیا کیا نمود کرتے ہیں اتنے عجائبات   وا ہو جو چشم دل تو تماشا ہے اس کی ذات
یکتائے عرصۂ دوجہاں مرتضیٰ علی

(۳)

ہرچند کام ایسی جگہ کیا کرے سمجھ   اس راز کو سمجھ جو سکے تو ارے سمجھ
یعنی نہ ذات پاک سے اتنا ورے سمجھ   عقل نخست سے بھی اسے کچھ پرے سمجھ
ہے آں سوے خیال و گماں مرتضیٰ علی

(۴)

موجود اس کے ہونے سے روشن جہاں ہوا   اس پردے میں جو تھا پس پردہ عیاں ہوا
فرمان شاہ بحر و بر ان پر رواں ہوا   پیر زمانہ دیدۂ عالم جواں ہوا
چشم و چراغ کون و مکاں مرتضیٰ علی

(۵)

شخصیت ایسی کس کی تھی کس کو تھا یہ شرف   اس قدر سے تھا کون بغیر از شہ نجف
اللہ رے زور کوئی نہ اس کا ہوا طرف   دریاے موج خیز تھا اس کے کرم کا کف
ابن عم رسول زماں مرتضیٰ علی

(۶)

ہرچند ہے یہ عرصہ ہمیشہ سے پرغبار یاران رفتہ کے بھی تردد ہیں یادگار
لیکن کہاں یہ حرب کہاں ایسے مردکار نکلی نہ ویسی تیغ کہ جیسی تھی ذوالفقار
دیکھا نہ تھا وہ جیسا جواں مرتضےٰ علی

(۷)

پامال راہ اس کے ہیں سرہاے پرغرور نزدیک اہل عقل کے رتبہ ہے اس کا دور
شائستۂ سجود سمجھتے ہیں ذی‌شعور ہے جملہ تن منزہ و سر تا قدم ہے نور
اس بےنشاں سے دے ہے نشاں مرتضےٰ علی

(۸)

آیا ہے یہ جو شاہد غیبی شہود میں لایا ہے اس کو شوق ہی اس کا وجود میں
انداز کیسے کیسے ہیں اس کی نمود میں گہ سر فرد نہ لاوے گہے ہو سجود میں
ہے خلوتی راز نہاں مرتضےٰ علی

(۹)

کب گفتگو انھوں سے ہے جن میں ہے بےتہی کاہے کو اس طریق پہ ہیں محو گمرہی
ختم رسلؐ کو قدر سے ہے اس کی آگہی قربان اس کے در کے گدا پر سے کی شہی
خورشید چرخ عزت و شاں مرتضےٰ علی

(۱۰)

بارے چھپا ہو کوئی تو اس کو جتایئے جو بےبصر ہیں ان کے تئیں کچھ بجھایئے
خورشید کو اشاروں سے کب تک بتایئے روشن ہیں سب پہ باتیں عبث کیا بنایئے
حاجت نہیں بیاں ہے عیاں مرتضےٰ علی

(۱۱)

وہ جانے جس کو اور کسو سے کچھ ہووے کام شام و سحر یہاں تو وظیفہ اسی کا نام
میلان دل ہے میرؔ غرض اس طرف تمام سرمایہ دوجہاں کا ہے اپنا یہی امام
یاں مرتضےٰ علی ہے وہاں مرتضےٰ علی

○

مخمس در مدح حضرت علیؓ

(۱)

یا علی شاہ اولیا ہے تو محرم راز انما ہے تو
زور بازوے مصطفیٰؐ ہے تو مظہر قدرت خدا ہے تو
علم کس کو ہے یہ کہ کیا ہے تو

(۲)

گرچہ آخر کیا ہے تونے ظہور پر ترے قرب کا ہے رتبہ دور
ہے تو اللہ کا مجسم نور جانے ہیں جن کو کچھ ہے عقل و شعور
اگلے پچھلوں کا پیشوا ہے تو

(۳)

تیرے پردے میں حق ہوا موجود تجھ سے کیا کیا عجب ہوئے مشہود
جانتے ہیں تجھی کو سب معبود تھا زمین و زماں سے تو مقصود
آرزو تو ہے مدعا ہے تو

(۴)

اس زمانے میں آہ دکھ ہے عظیم ہے مری جان پر عذالب الیم
مستحق کرم ہوں میں تو کریم ملتفت ہو بہت ہے حال سقیم
میرے ہر درد کی دوا ہے تو

(۵)

فرصت وقت جوں حباب ہے کم حال مانند موج ہے درہم
ڈوب جاتا ہے جی مرا ہردم جوش زن گوکہ ہو محیط غم
غم نہیں کچھ جو آشنا ہے تو

(۶)

جلوہ تیرے ظہور کا جاوید   تجھ سے ظاہر ہوئے چھپے سب بھید
دن ہے طالع ہوا جہاں خورشید   ذرے ذرے کو تجھ سے ہے امید
سب پہ روشن ہے کیا چھپا ہے تو

(۷)

اس بھی اندوہ گیں کو کر خرم   میر کو کب تلک یہ رنج و غم
یعنی سائے میں ہے ترے عالم   منبسط ہے ترا سحاب کرم
سارے عالم میں چھا رہا ہے تو

○

مخمس در مدح حضرت علیؓ

(۱)

ہے حقیقت سے تو اگر آگہ یاد میں روز و شب علی کی رہ
کعبہ اس کا ہی در ہے اے ابلہ میرے مولا کی ذات پاک ہے وہ
جس کو کہتے ہیں لا شریک لہ

(۲)

اک تلطف میں خاک ساری زر اک توجہ میں قطرہ آب گہر
اک نظر میں نہال خشک ہو تر اک سخن میں تمام یہ بہتر
اعرج و اعمیٰ ابرص و اکمہ

(۳)

ہاتھ پکڑے دم مصائب یہ یار ہووے گہ نوائب یہ
ہے غرض مظہر عجائب یہ مستقل ہے نبیؐ کا نائب یہ
جو کہے سو یہ کچھ کرے سو یہ

(۴)

ہر نفس لب پہ گفتگو اس کی ہر زماں جی کو جستجو اس کی
پوچھ مت کچھ ولا سے تو اس کی خواہش اس کی ہے آرزو اس کی
مطلب و مدعا و مقصد وہ

(۵)

شان ارفع تری فلک کردار ایک ہے تو برابر دو ہزار
اللہ اللہ ترا ثبات و قرار حلم سے تیرے کہتے تھے کہسار
سن کے کبک دری ہنسے قہ قہ

(۶)

دیکھے سب لوگ پھر کے چاروں دانگ مردمی یاں کی ہے عجائب سوانگ
شخص ہمت کے ان کے ہاتھ نہ مانگ مانگے ہے تو جو کچھ خدا سے مانگ
جو کہے ہے سو تو علی سے کہہ

(۷)

شاد اس نام سے جو خوگر ہے اسم اعظم یہی مقرر ہے
انس کرنا اسی سے بہتر ہے یہی جنت یہی تو کوثر ہے
اس میں تو پھر بگاہ یا بیگہ

(۸)

خلق سب دیکھے اس کے ہاتھ کی اور لے سلیماں سے مفتقر تا مور
کف ہمت کی اس کے دھوم ہے زور ظرف ہوتا تو یوں نہ کرتے شور
بحر و عماں نکل گئے بے تہ

(۹)

ہے وہ امیدگاہ خلق خدا روز محشر اسی سے سب کو رجا
وہ مروت شعار و جملہ حیا بحر زخار جود و کان عطا
اس سے نفع گدا تمتع شہ

(۱۰)

مرتبہ کچھ نہ پوچھو اس گھر کا بندگی یاں کی فخر قیصر کا
شاہ چیں پیش دست قنبر کا آسماں ہے گدا اسی در کا
دیکھتے ہیں ادھر ہی مہر و مہ

(۱۱)

اس کی ہمت اسی کو بن آوے دولت اس کی جہان سب کھاوے
بار اس در پہ جو گدا پاوے ایک آواز کرکے لے جاوے
مال و اسباب و ملک و تاج و کلہ

(۱۲)

میؔر عازم ہوئے ہو کیدھر کے جو تلاشی ہو یار و یاور کے
رہگرے دوستی حیدر کے نہیں محتاج ہوتے رہبر کے
ہے اسی راہ میں خدا ہمرہ

○

مخمس در مدح حضرت علیؓ

(۱)

اے نائب مصاحب ذی القوۃ المتیں — دے دست زور خلوتی قدرت آستیں
چاہے تو ایک کردے ابھی آسماں زمیں — ٹھوکر لگے تری تو اڑے کوہ آہنیں
پایا نہ جائے جیسے پر کاہ پھر کہیں

(۲)

تو ہے کہ تیری قدر نہ آئے بیان میں — قدرت تری نہ گذرے کسو کے گمان میں
شانیں ہزار قسم ہیں اک تیری شان میں — شہرت ہے تیرے زور کی دونوں جہان میں
نکلا نہ شہربند عدم سے ترا قریں

(۳)

غیب و شہود دونوں میں مشہود ہے تو تو — ہستی ہماری وہم ہے موجود ہے تو تو
حاصل کہ دوجہان کا مقصود ہے تو تو — مسجود تجھ کو جانے ہیں معبود ہے تو تو
ناجی ہیں دے ہی لوگ جنھوں کا ہے یہ یقیں

(۴)

احوال خوش انھوں کا جنھیں تجھ سے ہے ولا — اعدا تو آسماں نے دیے خاک میں ملا
آئینہ ہے کہ دین کو تجھ سے ہوئی جلا — برپا وہی رہے گا جو تجھ تک ہے سلسلہ
یاروں نے جتنی رسمیں بٹھائیں تھیں اٹھ چلیں

(۵)

فتنے کو تیرے عہد میں سوتے گذر گئی — آشوب کی خطر سے ترے سدھ بسر گئی
آفت کہاں کہ کب کی کنارہ بھی کر گئی — آوازہ تیرا سن کے بلا جیسے مر گئی
یوں مٹ گئے فساد کہ مذکور بھی نہیں

(۶)

داور ہوا جو تو تو ملی بیکسوں کی داد   تلوار مارنے سے ترے مٹ گئے فساد
اٹھے نہ گرد زندقہ و کفر پر عناد   زنار ٹوٹے مہرے جلے بت گئے بہ باد
برہم ہوئے گھڑی میں ہزاروں برس کے دیں

(۷)

ہنگامے گرم یاروں کے سب سرد ہوگئے   چہرے منافقوں کے دوہیں زرد ہوگئے
سر در نقاب خاک بڑے مرد ہوگئے   جن سے تھا پر غبار جہاں گرد ہوگئے
گلوں میں بکریوں کے چھٹے شیر خشمگیں

(۸)

بھاگے پھرے پلنگ نمر ہانپنے لگے   رو کش جو ہونے کو تھے سو منہ ڈھانپنے لگے
رستم ہو بے حواس زمیں ناپنے لگے   ہلنے لگے پہاڑ فلک کانپنے لگے
رکھا گیا جو پیٹھ پہ مرکب کے تیرے زیں

(۹)

تلوار تیری برق تھی آنکھیں جھپک گئیں   گھوڑوں کی باگیں ہاتھ سے سب کے اچک گئیں
بھاگیں جو اضطرار سے فوجیں بہک گئیں   لاشوں کی سیر کرتے ہوئے آنکھیں تھک گئیں
لوہو کی ہر چہار طرف ندیاں بہیں

(۱۰)

نعرہ کیا ہے تو جو کبھو ہاتھ جھاڑ کر   نکلا ہے پردہ گوش فلک کا بھی پھاڑ کر
قوت جو تونے کی ہے کبھو پاؤں گاڑ کر   کوہ گراں کو پھینک دیا ہے اکھاڑ کر
پہنچا ہے ملک قدس تلک شور آفریں

(۱۱)

رکھتا ہے پائمال حوادث یہ آسماں   جا گہ نہیں رہی کہ کریں داد جا کے واں
ہو دستگیر لطف ترا تو ملے اماں   تیری طرف نہ آویں تو پھر جاویں ہم کہاں
اے عرش تخت داد گر لامکاں مکیں

(۱۲)

تو ہے کہ تجھ کو کہتے ہیں حلال مشکلات تو ہے کہ حلقہ زن ہے ترے در پہ کائنات
تو ہے کہ تجھ سے دید میں آئے عجائبات احسنت تیری قدرت و رحمت ترا ثبات
آگے سے تیرے سینکڑوں بھیڑیں سرک گئیں

(۱۳)

قدغن ہوا جو رفع کا بدعت کی ایک بار پردوں میں مطربوں نے رکھے دف طمانچے مار
نغمہ یہ سن کے یاروں نے چھیڑا کبھو نہ تار نالہ ہوا نہ بلبل طنبور سے دوچار
آواز نے کی بند ہوئی ہوگئی حزیں

(۱۴)

تردامنوں کے دیکھے تو لب خشک ہوگئے احوال میکدہ پہ بہت ابر رو گئے
معتاد مے جنھوں کی تھی سب جان کھو گئے مخمور کھینچ کھینچ کے خمیازہ سو گئے
کیا کیا خرابیاں نہ خرابات پر رہیں

(۱۵)

لا شکل اس کی دل میں وہی مصطفےٰ کو دیکھ اس رخ کا کر تصور نور خدا کو دیکھ
رنگینی جمالت شاہ ولا کو دیکھ نرگس نے غش کیا تھا کہیں اس ادا کو دیکھ
گلشن میں دلبروں کی نہ پھر انکھڑیاں ملیں

(۱۶)

عاجزنوازی تیری سے ہو مشت خاک زر برسے گدا پہ ابر کرم سے ترے گہر
جور فلک نے سیر کیا جی سے رحم کر مہماں ترے سماط پہ ہے خلق ہر سحر
حاتم یک آشنا ہے یاں معن ریزہ چیں

(۱۷)

جس دل کو ہو نہ شوق ترا ہوجیو گداز جس چشم کو نہ میل ہو تیرا نہ ہوجو باز
جو سر ترا خیال رکھے رہیو بے نیاز سجدے سے تیرے در کے جو ہوتی ہو سرفراز
مسجود ہوجو صبح سعادت کی وہ جبیں

(۱۸)

اہل نظر سے دیکھنا اودھر کا ہے عجب   آنکھوں سے تیری رہ نہ چلے واقف ادب
کس کو تھی یہ بزرگی و کس کا تھا یہ حسب   یہ قدر تھی تری مرے مولا ہوا تو جب
رونق فزاے کعبہ محمدؐ کا جانشیں

(۱۹)

کیا کہیے تیرے قرب سے اے سایۂ الٰہ   بے دانشی سے کچھ کہے کوئی دروں سیاہ
اپنی تو تجھ پہ پڑتی ہے جا کر وہیں نگاہ   فہم و گمان و وہم کو جس جا نہیں ہے راہ
ہے چشم شوق عینک شفاف دوربیں

(۲۰)

جس کو نہیں ہے تیری محبت کا کچھ خیال   افسوس اس کی زندگی و واے اس کا حال
یاں اس کے سر وبال ہے واں رنج یا نکال   تجھ سے نہ رکھے بندگی ہے کفر اور ضلال
تیری ولا ہے داخل ایمان مومنیں

(۲۱)

میرؔ شکستہ حال نہایت ہے تنگ اب   شوریدہ سر سے مارے ہے لے لے کے سنگ اب
ہر آن اس کو آپ سے رہتی ہے جنگ اب   دست تہی سے خلق جہاں کا ہے ننگ اب
خوش مت کر آہ اس سے زیادہ نہ کر غمیں

(۲۲)

افسوس ہے مدیح ترا اتنا خستہ حال   ہر لحظہ اک عذاب نیا ہردم اک وبال
تھے اس چمن میں جو روش سبزہ پائمال   یک دم میں تیرے ابر کرم نے کیے نہال
برسے انھوں پہ اوس کی جاگہ در ثمیں

○

مخمس در مدح حضرت علیؓ

(۱)

اے مرتفع نشین علی العرش استوا وے غیر ماسوائے خدا خویش مصطفیٰ
تو تھا کہ تونے دوش نبی پر قدم رکھا بت توڑ توڑ شرک کی صورت دی سب مٹا
لایا بہ زور عرصے میں یکتائی خدا

(۲)

رکھتے ہیں تجھ سے چشم کرم صاحب نظر افضل ہوئی سب سے ترے خلقت بشر
تو مجمع کمال ہے تو مصدر ہنر ہے مورد قبول دعا تیرے گھر کا در
ہے مولد شریف ترا خانۂ خدا

(۳)

ہر مو زبان ہو تو کریں وصف ہم ترا کرتا رہا ہمیشہ مسیحائی دم ترا
رونق ہوئی جہاں میں جو آیا قدم ترا برپا نہ ہووے روز جزا گر علم ترا
خورشید حشر سائے میں کس کے ہو پھر کھڑا

(۴)

تو وہ ہے نام لیتے ترا بھیجئے درود گذرے اگر تو دل میں تو کر بیٹھیے سجود
شخص کرم کی وقت دہش تیرے کیا نمود تو گرم جود ہووے تو پھر کیا بھلا ہے جود
تیری سخا کے روبرو کیا چیز ہے سخا

(۵)

آگہ ہیں تیری قدر سے کاہے کو بے تہاں جانیں ہیں فخر یاں کی گدائی کے تیں شہاں
تجھ سا کریم عرصے میں آفاق کے کہاں ہے در ترا وہ کان عطا و کرم جہاں
ہوتی ہے سیر آن کے حرص شہ و گدا

(۶)

مقدور والے عہد کے گھٹتی سہا کیے　　افسانے تیرے جود کے مردم کہا کیے
دریا گہر کے ہاتھ سے تیرے بہا کیے　　احساں پہ تیرے سینکڑوں احساں رہا کیے
ہمت نے تیری ہمت عالی سے کچھ لیا

(۷)

دکھلاوے چند چرخ نشیب و فراز کو　　پیوند کر زمیں کا غم جاں گداز کو
کر ناز ایک لطف سے میرے نیاز کو　　تو وہ امام ہے کہ جب آوے نماز کو
پچھیلیاں تمام کریں تجھ سے اقتدا

(۸)

ہر اک کو اس تقدس ذاتی سے کیا خبر　　پہنچا نہیں تجھ کو کیونکے عزیزان بے بصر
نے تصفیہ دلوں کو نہ باریکی نظر　　پر علم ہو رہے گا کہ تھا حق ہی جلوہ گر
پردہ یہ بیچ سے بشریت کا جب اٹھا

(۹)

جا کہ ہر ایک دل میں تری ہی ولا کی تھی　　تیرا ظہور آرزو ارض و سما کی تھی
تجھ سے شہان عہد کو نسبت گدا کی تھی　　قدرت جو دیکھی تیری سو قدرت خدا کی تھی
گر آسماں حریف ہوا خاک میں ملا

(۱۰)

زورآوری جہاں میں تری داستاں ہوئی　　عرصے کے پہلوانوں کی قدرت عیاں ہوئی
کتنوں کی جان سامنے تیرے رواں ہوئی　　کتنوں کی دور بیٹھے ہی خاطر نشاں ہوئی
سیسر تری کماں کی نہ کوئی اٹھا سکا

(۱۱)

فرضاً ہوا غلام سے تیرے اگر بگاڑ　　دشمن سب آئے سامنے ہر ایک جوں پہاڑ
مارا نہ ایک دو ہی کو میدان میں پچھاڑ　　جس کی کمر میں ہاتھ چلایا لیا اکھاڑ
جس کی طرف کو آن جھکا پھر جھکا دیا

(۱۲)

آیا ڈپٹ کے گھوڑے کو جس وقت بھیڑ چیر　　خرگوش تھے بھیر کے گویا جوان و پیر
سرگرم رزم جب کہ ہوا کہہ کے گیر گیر　　اس کی کماں کے ساتھ تھا پیغام مرگ تیر
تلوار اس کے ہاتھ میں تھا نامۂ فنا

(۱۳)

بہتیرے کوہ و دشت کو بھاگے کڈھب گئے　　بہتیرے زخم تن پہ اٹھا جاں بلب گئے
تھے برج سے جوان سو ہیبت سے دب گئے　　جوڑا ادھر سے تیر ادھر سہم سب گئے
چمکی ادھر سے تیغ ادھر سر ہوا جدا

(۱۴)

ہے کون دادرس جو کہوں دل کے اس سے بھید　　جور فلک سے چھاتی میں سب پڑ گئے ہیں چھید
امید ہے کہ پہنچے ترے لطف کی نوید　　کم بخت بھی پھرا نہ ترے در سے ناامید
ازبسکہ وقف کرتے ہیں واں طالع رسا

(۱۵)

ہر شب یہ دل خفا ہے یونہیں عمر ہوگئی　　ہر روز اک جفا ہے یونہیں عمر ہوگئی
جی پر غرض بلا ہے یونہیں عمر ہوگئی　　ہر شام غم غذا ہے یونہیں عمر ہوگئی
ہر صبح خون دل ہے مجھے آب ناشتا

(۱۶)

آشفتہ کوہ و دشت میں مدت پھرا ہوں میں　　آوارہ گرد بادیۂ ابتلا ہوں میں
جوں گردباد خاک میں یکسر ملا ہوں میں　　یعنی برہنگی سے تو تک بچ رہا ہوں میں
تہ گرد کی جو بیٹھے ہے تن پر سو ہے قبا

(۱۷)

اس شہر میں ہوں دیر سے آوارہ بے وطن　　مرنا بنا نہ اس سے کہ پیدا نہ تھا کفن
القصہ حال بد سے کروں تاکجا سخن　　احوال میر تجھ پہ ہویدا ہے من و عن
اظہار اس پہ ہے یہ طبیعت کا مقتضا

(۱۸)

ہوں مبتلائے رنج و بلا سینہ چاک ہوں　　پھوڑا سا پک رہا ہوں کبھی دردناک ہوں
دور آستاں سے تیرے کہاں تک ہلاک ہوں　　یہ جی میں آرزو ہے کہ جب مر کے خاک ہوں
لاوے نجف کی اور اڑاتی ہوئی صبا

(۱۹)

امداد کر کہ پہنچوں ترے آستاں تلک　　لے جاوے اشتیاق مجھے کھینچ واں تلک
ہر در پہ اضطراب پھراوے کہاں تلک　　یوں اتفاق ہو کہ کروں صرف جاں تلک
مقصد یہی ہے دل کا یہی جی کا مدعا

(۲۰)

یوں کشتۂ چند مرتبہ و جاہ کا رہوں　　کب تک ہلاک مطلب دلخواہ کا رہوں
جی چاہتا ہے خاک ہو اس راہ کا رہوں　　پامال تیرے زائر درگاہ کا رہوں
تاج شرف ہو سر پہ مرے عاقبت کو تا

(۲۱)

بے اختیار روؤں ہوں ہر صبح اور شام　　یعنی کہ شوق در کا ترے دل کو ہے تمام
مقصد اسی کو جانوں ہوں سمجھا یہی ہوں کام　　اے جد پاک حضرت موسیٰ رضا امام
اپنی تو آرزو ہے یہ آگے تری رضا

O

مخمس ترجیع بند در مدح حضرت علیؓ

(۱)

قدر کو میری بہت ہے برتری کب مری خورشید سے ہو ہمسری
حکم بز رکھے ہے یاں شیر نری کر مخالف سوچ کر ٹک اژدری
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری

(۲)

منقبت‌خوانی سے میری سب ہیں سن اس سوا مجھ میں نہیں ہے کوئی گن
ساتھ سر کے ہے علی‌گوئی کی دھن مدعی اس کان یا اس کان سن
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری

(۳)

شوق کامل سے تعجب ہے یہ کیا جو بدن ہو خاک سب بعد فنا
اور اس سے نے اگے سبزے کی جا برگ برگ اس کا کرے پھر یہ صدا
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری

(۴)

تھا کبھو عاقل تحیط تھا کبھو گاہ کرتا گفتگو گہ جستجو
اب اخیر عمر ہے یہ آرزو ایک دو دن ترک کر میں اور تو
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری

(۵)

کل منافق ہوکے آیا بیبہا پھاڑے اپنے منھ کو جیسے اژدہا
غار سا منھ کھولے بھچک ہو رہا معرکے میں میں نے جو آکر کہا
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری

(۶)

دل میں میرے ہے تمنائے کہن   ہو میسر اے خدائے ذوالمنن
جس گھڑی ہوویں جدا جان اور تن   ہو مرے ہونٹوں کے اوپر یہ سخن
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری

(۷)

ہے ولائے اہل بیت اپنا شعار   جانے ہے اس کے تئیں سارا دیار
زیر لب کہتا ہوں میں پر اب کی بار   تو سہی جو میں کہوں سب میں پکار
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری

(۸)

رخت ہستی جائے رستم ہار کر   ماروں اک مکا اگر تیار کر
چپ رہیں موذی دلوں کو مار کر   روز میداں گر کہوں للکار کر
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری

(۹)

اے مخالف بحث مت کر نابکار   بات ایسے سے ہے مجھ کو ننگ و عار
بس کہا اس آستاں کا ہوں غبار   کیا کہا تجھ سے کروں میں بار بار
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری

(۱۰)

شیخ کو نسبت نہیں تجرید سے   ہے یہ خر جکڑا ہوا تقلید سے
یہ عقائد ہوتے ہیں تائید سے   گو کہا ان نے مری تقلید سے
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری

(۱۱)

اس عقیدے ہی پہ اپنے میں رہوں   گو خوارج کے ستم اس میں سہوں
بے ولا حیدر کے ہوں میں تو نہ ہوں   لب ہلیں جب تک یہی تب تک کہوں
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری

(۱۲)

اب ہوا پیری سے تک میں مضمحل ورنہ تھا یہ شور تا چین و چگل
شوق میرا کچھ نہ تھا بے صدق دل رات دن رہتا تھا کہتا متصل
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری

(۱۳)

اے مرے سرمایۂ ہر دو جہاں عشق تیرا ہے مرے ہمراہ جاں
ہو اگر تن پر مرے ہر مو زباں بے گماں سرزد ہو اس سے ہر زماں
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری

(۱۴)

ہوں اگر یار و گدا و شاہ میں پر ہوں سر کار سے آگاہ میں
دل وہیں ہے گو چلوں سو راہ میں میرجی باور کرو واللہ میں
حیدری ہوں حیدری ہوں حیدری

○

مخمس ترجیع بند در مدح حضرت علیؓ

(۱)

عقل ہے تو مرا کہا کر تو　　محو یاد علی رہا کر تو
یک طرح یہ بھی ہے رہا کر تو　　اشک رخسار پر بہا کر تو
یا علی یا علی کہا کر تو

(۲)

نہیں ورد و وظیفہ کچھ درکار　　سبحہ گردانی سے کر استغفار
اس کو جپنا ہے عاقلوں کا شعار　　چپکے چپکے ہو یا پکار پکار
یا علی یا علی کہا کر تو

(۳)

متفق اس پہ ہیں خواص و عوام　　کہ ولا اس کی معرفت ہے تمام
ہو نماز سحر کہ طاعت شام　　سر فرو کر پس از درود و سلام
یا علی یا علی کہا کر تو

(۴)

لحظہ لحظہ جدا ہے اس کی شان　　اس کی عادت مروت و احسان
دوستی اس کی عین ہے ایمان　　چلے جب تک زباں غنیمت جان
یا علی یا علی کہا کر تو

(۵)

ایسے مظہر کا فہم ہے دشوار　　ہے یہ وہ ایک جس کے نام ہزار
گرم تسبیح اس کے ہیں ابرار　　اللہ اللہ کی جا بھی سو سو بار
یا علی یا علی کہا کر تو

(۶)

وہی احیاکن عظام رمیم وہی رحماں وہی رؤف و رحیم
دم بخشش وہی رسول کریم گہ جرأت وہی علی عظیم
یا علی یا علی کہا کر تو

(۷)

جور انواع دشمنوں کے سہ پر نہ کر یار گفتگو بے تہ
دوستی میں علی کی بیخود رہ بات یہ ہے گی اور کچھ مت کہہ
یا علی یا علی کہا کر تو

(۸)

اسم یہ ایک جو مکرم ہے سب کے نزدیک اسم اعظم ہے
یہ سب اوراد پر مقدم ہے غرض اے ہم نشیں جو آدم ہے
یا علی یا علی کہا کر تو

(۹)

رہ ولائے علی کا خواہش مند ہے یہ شیوہ خدا رسول پسند
دب کے ہرگز نہ رکھ زباں کو بند پست کرنے کو مدعی کے بلند
یا علی یا علی کہا کر تو

(۱۰)

بدرآسا علی تمام ہے نور ذات پاک اس کی ہے علیم صدور
بھول مت اس کو گر تجھے ہے شعور یاد خاطر رہے ضرور ضرور
یا علی یا علی کہا کر تو

(۱۱)

سونپ رکھ اس کو اپنی موت و حیات رحمت صرف ہے علی کی ذات
بس ہے اس کی ولا برائے نجات باتیں یوں سو ہیں پر یہی ہے بات
یا علی یا علی کہا کر تو

(۱۲)

شوق تیرے تئیں نہیں ہے ہنوز   ورنہ سینہ رہا کرے پرسوز
اس طرح جیسے طفل نوآموز   سیکھے جو حرف وہ کہے شب و روز
یا علی یا علی کہا کر تو

(۱۳)

ورد اوراد کا نہ لے تو نام   شغل و اشغال چھوڑ بیٹھ تمام
ذکر اذکار سے تجھے کیا کام   ایک دو دم ہمیشہ صبح و شام
یا علی یا علی کہا کر تو

(۱۴)

خوف محشر سے میرؔ حال ہے کیا   یہ حواسوں کا اختلال ہے کیا
اس سے محشور رہ ملال ہے کیا   ہے علی تو یہ پھر خیال ہے کیا
یا علی یا علی کہا کر تو

○

مخمس ترجیع بند در مدح حضرت علیؓ

(۱)

پارسا ہیں جو جواں پیر ہدیٰ کہتے ہیں   جو ولایت رکھے ہیں شاہ ولا کہتے ہیں
سالک مسلک دل راہ نما کہتے ہیں   ایک مولا کہیں ہیں ایک خدا کہتے ہیں
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

(۲)

آفتاب فلک عز و علا تو ہی تھا   چہرہ آرائے زمیں اور سما تو ہی تھا
جانشینی پیمبرؐ کے سزا تو ہی تھا   قالب خاکی کے پردے میں خدا تو ہی تھا
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

(۳)

ہے تری قدر سے بے ختم رسلؐ کون آگاہ   حبذا شان تری صل علیٰ تیری جاہ
زور سے تیرے اڑے کوہ بسان پر کاہ   وہ ثبات اس قد و قامت پہ یہ قدرت اللہ
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

(۴)

تجھ کو وہ خلوتی راز نہاں پاتے ہیں   جس کو اب خلق میں ہر جائے عیاں پاتے ہیں
افسر و تخت ترے در سے شہاں پاتے ہیں   سر ترے سجدے کا شائستہ کہاں پاتے ہیں
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

(۵)

پاشکستوں کی ہوئی کام روائی تجھ سے   بستہ کاروں کی ہوئی عقدہ کشائی تجھ سے
گھٹتی آئیں کی گئی ٹک نہ اٹھائی تجھ سے   رہ گئی دین محمدؐ کی بڑائی تجھ سے
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

(۶)

خشمگینی تری دشمن کے سر آفت لائی عمرو و عنتر نے سنبھلنے کی نہ فرصت پائی
روکشی مہد میں اژدر سے نہ تک بن آئی زور و قدرت نے ترے قدرت حق دکھلائی
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

(۷)

شور و ہنگامہ تھا کیسا ہی مٹایا تونے صبح محشر تئیں فتنے کو سلایا تونے
در خیبر کو دو انگشت سے ڈھایا تونے کاڑھ خورشید کو دوبارہ دکھایا تونے
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

(۸)

عالم کون و فساد آ کے کیا تونے پاک دہر گلزار ہوا جھڑ گئے خار و خاشاک
دیو سرکش ہوئے آوازہ ترا سن کے ہلاک پردۂ قاف تلک پہنچی ترے زور کی دھاک
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

(۹)

تھے قوی پنجہ ترے عہد میں سب جان سے سیر بھیڑ بکری کی طرح خوف سے رہتے تھے دلیر
ہر زبردست زمانے کا رہا تیرا زیر تونے سلماں کے لیے توڑ دیا پنجۂ شیر
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

(۱۰)

تجھ سے پایا نہ گیا بعد نبیؐ فاضل تر ہے فضیلت تری قرآن سے ثابت سب پر
قرب کیا تیرا بیاں کیجیے اے فخر بشر جس جگہ تو ہے تو وھاں جلتے ہیں جبریل کے پر
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

(۱۱)

دوش پر رحمت عالم کے رکھا تونے پا خانۂ حق سے دیا شرک کی صورت کو مٹا
عالم خاکی میں تھا مصطفیٰؐ جلوہ نما عرش اعظم سے بھی تھی ورنہ پرے تیری جا
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

(۱۲)

اے ترا مرتبہ بالاتر فہم و ادراک ایک رتبے کے تئیں پہنچی ترے جلوے سے خاک
ہیں ترے شوق میں سرگشتہ شب و روز افلاک پر کہاں عالم خاک اور کہاں عالم پاک
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

(۱۳)

اپنے اسرار کا تو آپ ہی کچھ دانا ہے ورنہ کن نے تجھے جوں چاہیے پہچانا ہے
ایک فرقے نے تجھے روح قدس مانا ہے ایک نے ذات مقدس تجھی کو جانا ہے
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

(۱۴)

شان و شوکت تری کیا کہہ سکے عاجز تقریر یعنی مداح ترا کیونکے ہو الکن ہے میرؔ
زیب دیتی ہے تجھی کو شہی کل امیر تیں فقیروں کے تئیں بخش دیے تاج و سریر
یا علی جو تجھے کہتے ہیں بجا کہتے ہیں

○

قصیده

در مدح حضرت علی مرتضےٰؓ

جب سے خورشید ہوا ہے چمن افروز حمل   رنگ گل جھمکے ہے ہر پات ہرے کے اوجھل
وقت وہ ہے کہ زبس شوق سے چشم بلبل   خوبی دلکش گل دیکھنے کو ہو احول
جوش گل یہ ہے جہاں تک کرے ہے کام نظر   لالہ و نرگس و گل سے ہیں بھرے دشت و جبل
لطف روئیدگی مت پوچھ کہ میں شبہے میں ہوں   سبزہ غلطاں ہے لب جو پہ کہ خواب مخمل
چشم رکھتا ہے تو چل فیض ہوا کو ٹک دیکھ   نرگس اگتی ہے جہاں بوئی تھی دہقاں نے بصل
سیر کر تازگی و خرمی و شادابی   خشک بھی شاخ نے اب سبز نکالی کونپل
خون خمیازہ کش عاشق و پنجۂ گل   دونوں نکلے ہیں تہ خاک سے اب دست و بغل
برگ گل فیض ہوا کرتا ہے ہر اخگر کو   آگ کی گر کہیں سلگا کے رکھے ہیں منقل

بیت بحثی کے تئیں مرغ چمن آئے ہزار
کسو گلبن کے تلے آپ بھی اب پڑھیے غزل

غزل [مطلع ثانی]

نکلے ہے لالہ زبس چاک کر اب سینۂ تل   آتش گل سے جلا کرتا ہے سارا جنگل
تیرگی اپنے ستارے کی ہے سب پر روشن   آفتاب آوے ہے یاں دن کو جلاکر مشعل
آمد گریہ قیامت ہے اگن میں جی کی   مارے ڈالے ہے یہ برسات ہماری کی کہل
غنچۂ خام کو جوں پھونک سے کھولے ہے طفل   یوں بھی کر دیکھا پہ دل عقدہ ہے مالا یحل
تو یونہی کھینچے ہے یہ نقش برآب اے منعم   کیسی محبوب گئیں صورتیں اس خاک میں رل
جنس دل مفت ہے سینے میں عجب کیا ہے جو لے   غمزے وے دزد ہیں آنکھوں سے چرالیں کاجل
شیخ کے قد کی درازی کے تئیں حال میں دیکھ   ق   یاد آتا ہے جوانوں کے تئیں رقص جمل
کودنے کو جو اٹھا سر پہ اٹھالی مجلس   دیکھیے بیٹھے جو پھر اونٹ تو بیٹھے کس کل

پردے میں دوستی کے میرؔ کا جی تک تو لیا
مدعی کتنے تھے اس کے یہ محبت تجل

کیا ہیں اندھیر فلک کے کہ نہیں ملتی داد   روز خورشید نکلتا ہے جلاکر مشعل

جو ہے سو دست بہ دل خاک بسر ہے اس سے — میں بھی نکلوں ہوں سدا منھ پہ کف خاک کو مل
موے سر تک تو عدو دیدۂ شور اس کا ہے — آج دیکھے کسو سر پر تو اسے چاہے کل
پنجۂ خور کو زراندود کیا ان نے جسے — مرتعش باندھے ہیں اکثر شعرا بعضے شل
سرخ رہتی ہے مژہ خط شعاعی سی ہنوز — چشم خورشید سے کھوئی نہ کبھو ان نے سبل
درد سر میں ہے جو موجود ہے دور اس کے میں — صبح نکلے ہے سدا ماتھے کو مل کر صندل

وقت ہے اپنے نصیری کی مدد کا یا شاہ
روز و شب رہتی ہے اس موذی ہی سے جنگ و جدل

مطلع ثالث

اے کہ اک تو ہی ہوا عالم اسرار ازل — اے کہ سو جان سے عاشق ہے ترا حسن عمل
تیری وہ ذات مقدس ہے کہ لیتے ہوئے نام — منھ سے ناخواستہ بھی صل علیٰ جائے نکل
تیری درگاہ میں جبریل کے پر کیوں نہ جلیں — یہیں ہے نور جلالی خدا عزوجل
دور ازبس کہ کھنچا عرش سے رتبہ تیرا — حرف تیرا ہے ترے شیعوں کو وحی منزل
مرحبا شاہی تری صل علیٰ جاہ ترا — کہ ہوا تخت ترا دوش نبی مرسلؐ
فرش ہونا ترے زائر کا سعادت تھی ولے — کیا کرے چادر مہتاب کہ تھی مستعمل
وہ نخستیں خرد اے عالم اسرار الہ — مانتے جس کو گئے دہر کے کامل اکمل
آخر اب آکے ترے درس میں نکتہ یہ کھلا — ناقص محض چلا جائے تھا عقل اول
جی میں گذرے بھی تو نکلے ہے ترے درس کے بیچ — معنی تازہ سے بدلا ہوا لفظ مہمل
رفع بدعت پہ جب آوے تری طبع اقدس — کیا عجب شعلۂ آواز سے جل جا زحل
لقمۂ ظلم نہیں پچتا عدالت میں تری — باز نگلی ہوئی چڑیا کے تئیں دے ہے اگل
حالت نزع میں گر نام زباں پر ہو ترا — یک رمق جان حیات ابدی سے ہو بدل
بس کہ غالب ہے ترا سعد ستارہ ہے عجب — پہنچے گر حشر تلک نوبت شاہی زحل
کیا ترے کشف بیاں کرنے کی کہیے تاثیر — طبع گوئندہ پہ یاں حال ہوا مستقبل
تو غضب ہوئے مبادا کسو اوپر کہ شہا — مرگ ٹلتی بھی ہے پر ٹلتی نہیں یہ کلول
تب ہوا دین محمدؐ کا بہ زور شمشیر — تو نے برہم کیے جب کتنے ہی ادیان و ملل
حبذا حق سے یہ نسبت کہ رہی بھی موقوف — تجھی پر مصلحت کار خداوند اجل
سن کے یہ نظم و نسق دہر میں جو تو نے کیا — جمع ہو جاتے ہیں شاعر کے حواس مختل
کوئی یوں سرکشی سے اپنی کہے کچھ لیکن — سجدہ ہی کچھ تجھے یہ ہے ترا قدر و محل

جی میں ہے اور بھی مطلع کے تئیں کریے نمود
دل کو تسکین نہیں بخشتا وصف مجمل

مطلع رابع

اے کہ طاقت ہے زمانے میں تری ضرب مثل
پنجۂ زور کے آگے ترے یہ چرخ نبل

یک طرف میں نے کیا فرض ترے بندے کو
دوسری سمت کیا جمع عدو کا دنگل

کشتنی مدعی کی اور کی میں کیسے کہوں
ہر جواں برج سا پھر کوہ کے مانند اچل

میان سے جب کہ گھسیٹی ادھر ان نے تلوار
باعث تیرگی چشم تھی وہ برق اچپل

درہمی آگئی یک بار صف اعدا میں
ایک دو ہاتھ کے چلنے میں پڑی یہ ہلچل

تیرگی بخش جہاں بس کہ ہوا سرمۂ گرد
چشم خورشید فلک پر تھی مثال مکحل

رستم و سام جسے فرض کرے تو دل میں
نعرہ کر سامنے آواز کیا جب انکل

کھل گیا دوش سے لے تا کمر اللہ اللہ
ایک ہی زخم ہے دشمن کے گلے کی ہیکل

برہمی کارگہ رزم کی مت پوچھ کہ تھا
کوہ پر کوہ فلک پر تھی زمیں دل پر دل

جمع ہو آیا تھا اس ایک پر اک جم غفیر
اکثر اس میں سے گئے مارے کچھ اک بھاگے دہل

کرکے سرگوشی جسے پوچھتے ہیں بھاگے ہوئے
آتی ہے غیب سے آواز ہوا وہ فیصل

یہ ہے یا خالی ہے میدان مگر اس کی تیغ
اژدہا تھی کہ گئی خلق کو یک دم میں نگل

کیا بیاں کیجیے اب لشکر اعدا کی معاش
مخرج خوں ہے دہاں زخم کا ہے گا مدخل

چھوٹے ہے زخم سے ہر ایک کے فوارۂ خوں
ہر طرف دشت میں جاری ہے لہو کی جدول

سرخ تر چشم شجاعاں میں نظر آتی ہے
خون سے مسلخ قصاب کی خاک مقتل

کیا لکھوں اسپ سبک سیر کی اس کے تعریف
ادہم خامہ بھی لکھتے ہوئے جاتا ہے اچھل

جب عناں اس کی اچک لیتا ہے اس کا راکب
جلدی پویہ میں دکھلاوے ہے کیا کیا چھل بل

اس فلک سیر کا میدان مقرر ہے گا
تگ و پو کے لیے اثناے ابد اور ازل

آگیا اس میں نظر جانا کسو شخص کو تو
مارتے پل کے گیا اس کو چھلاوا سا چھل

قابو پانے کے لیے اس کے سوار اس پہ سدا
کہتے ہیں مدعی اس اسپ کے تیں مارے چل

راکب اس کا کرے ہے سن کے تبسم یہ بات
یعنی ان گیدیوں کے کچھ ہے دماغوں میں خلل

جان یہ ہے ترے گھوڑے میں کہ تا روز جزا
گرد کو اس کے نہ پہنچے گی کبھو اس کی اجل

اک مصور نے اسے دیکھ کے دوڑایا خیال
دیکھوں اس باد کی مجھ سے بھی سکے شکل نکل

سر و سینہ کو کمر تک تو بنایا رکھ ہاتھ
اڑ گیا صفحۂ کاغذ پہ سے چھوتے ہی کفل

آبلے جیسے ستارے ہیں مرے دل کے بیچ　　بس کہ اس چرخ سیہ رو سے رہا ہوں میں جل
آج تجھ نیر اعظم کی خلافت کا ہے روز　　داد دے میری کہ دیکھوں میں اسے مستاصل

صاف ہو زنگ دل میرؔ کہ احباب میں ہے
واسطے تیرے مخالف کے ہیں تیغیں صیقل

○

در مدح حضرت علی مرتضےٰؓ

اک شب کیا تھا یار تری زلف کا خیال — اب تک ہے دشمنی میں مری میرا بال بال
میں مرگیا فراق میں پر اب یہ کیا ہے ظلم — جیتی گڑی ہے ساتھ مرے حسرت وصال
جنبش ہوئی مژہ کو ادھر گر گئی سناں — ابرو ہلے ترے کہ ادھر کٹ گیا ہلال
آیا ہے یاد قیس بہت اب کہ ہوں تنگ — اس کے بھلاوے مجھ کو نہیں چھوڑتے غزال
خوش وقت ٹک تو ہوں پہ کہیں کا نہیں ہوں پھر — آزردہ ہوئے مجھ سے اگر خاطر ملال
رنگ اڑ گیا تبھی کہ ہوا تجھ سے چہرہ گل — رکھے ہے اب نسیم کی سیلی سے منھ کو لال
دوزخ ہے میرے شرم گنہ کے عرق میں غرق — لیکن نہیں ہنوز مجھے ٹک بھی انفعال
خوش قامتی کو آہ کے کب پہنچتا ہے سرو — ہے یہ تو باغ رنگ شکستہ کا نونہال
حیرت بساہی جان کو اپنی تمام عمر — ٹک چشم آئینہ نے ترا دیکھ کر جمال
یک روز بےنقاب ہوا تھا تو صبح کو — اب تک ہے آفتاب جہاں تاب پر زوال
تھی سیر تیرے کوچے میں عشاق کی معاش — کتنے شکستہ دل تھے بہت تھے خراب حال
جتنے غرض تھے سب کو یقیں تھا کہ مرچکے — کوئی نہ تھا کہ جس کو ہو جینے کا احتمال
کب تک صفت بتوں کی خدا سے تو خوف کر — اے طبع رہ نہ اتنی بھی پابند خط و خال
پڑھ منقبت یہ شاہ کی جس سے نجات ہو — وہ شاہ جس کے ایک گدا کو ہے یہ کمال
بخشش سے جس کی حرف طلب محو ہوگیا — کم اس کے وقت میں ہے بہت نوبت سوال
ہے معن اس کے مطبخ عالی کا کاسہ لیس — دستارخواں کا اس کے ہے حاتم اک آشمال
آوے اگر عطا و کرم پر وہ ایک دم — خسرو کے ہفت گنج تو پھر کیا ہیں چیز مال

کہتا ہوں اب میں مطلع ثانی کہ ہوں تنگ
وسعت رکھے ہے بس کہ یہ میدان قیل و قال

مطلع ثانی

اے نائب مصاحب دادار بے ہمال — دے مشورت شریک خداوند لایزال
تو ہے کہ تیرے عدل کی نظم و نسق کو سن — اٹھ جائے دفعتہً ہی مزاجوں سے اختلال

چاہے خدانخواستہ اس کا اگر تو رُغم — تو منحرف مقام سے ہو خط اعتدال
شاہا ترا غلام ہو ایک اور اک طرف — سنگیں ہو فوج دشمن اگر کوہ کی مثال
تیر و کماں کو ہاتھ میں لے جب ہو سامنے — ہے اس کو اپنے زور شجاعت سے یہ کمال
جس دم کہ زور بازو سے آکر لگاوے تیر — پھوٹیں دوسار ہوویں اگر آہنیں جبال
چٹکی سے اس کی ہو کے جدا تیر پر لگائے — جو اس کے سامنے ہوا سے اڑ کے لاگے بھال
انگل سے جس کے سینے میں مارے ہو تیرکش — منھ دیکھو مدعی جو رکھے اپنے تیں سنبھال
پشت عدو کی اور ہو پیکان یوں نمود — جیسے کہ سانپ بیٹھے ہے بانبی سے سر نکال
بالفرض اس پہ چوٹ کرے آکے مدعی — خالی دے اس کے وار کو دیوے زمیں پہ ڈال
اس جھوک ہی میں ہاتھ مع تیغ ٹوٹ جائے — گردن کٹادے مفت گرے بس کہ ہو نڈھال
سنتے تھے وہ مثل سو یہیں ہوتی ہے درست — دست شکستہ اپنی ہی گردن کا ہے وبال
جو کوہ آہنیں ہوں ترے مدعی شہا — تنہا ترا غلام لے تلوار اور ڈھال
دو ہاتھ ایسے گڑ کے کرے سب کو دے اکھاڑ — مارے زمیں پہ جس کو پکڑ کر کمر دوال
ٹھہرے ورے پرے تو نہایت غریب ہے — تحت الثریٰ سے گر نہ پرے جائے بدسگال
یوں دیکھ ایک دو کو کنارہ کرے شتاب — میدان کارزار سے رستم بہ رنگ زال
شیر فلک کو راہ بھلا دیوے وہ دھمک — اس زلزلے میں گاو زمیں سیکھ جائے چال
من بعد اور باقی رہیں جتنے کشتنی — کر جمع ان کو زور شجاعت سے پیل پال
تلوار لے پھرے وہ تو پھر جائے روزگار — نعرہ کرے تو تن سے کرے روح انتقال
اہل سلاح ترس سے گر گر پڑیں بہت — جتنوں کے ہو گلے میں زرہ ان کا ہو یہ حال
نعرے سے اس کے لیویں بہت یوں رہ گریز — بھاگے ہیں جیسے شیر کی آواز سے شغال
حصہ رسد کوئی ہو وہ رکھ جائے ایک تیغ — گذرے نہ ایک دم بھی کہ قضیہ ہے انفصال
زخم اس کے ہاتھ کا جو لگے بہ نہ ہو کبھی — مٹ جائے کائنات مگر تب ہو اندمال
تر ہوگئی ہے بس کہ لہو میں گل زمیں — گر خشک ہووے خاک کہیں بعد ماہ و سال
ہو پھر گذار باد صبا سے یہ واں کا رنگ — اڑتا ہے جیسے ہولی کے ایام میں گلال

میلان طبع مطلع ثالث کی اور ہے
تا خیر پر قصیدۂ غرا کا ہو مآل

مطلع ثالث

لائق تری صفت کے صفت میری ہے محال — آشفتہ طبع شاعر خستہ کی کیا مجال

تو وہ در مدینۂ علم علیم ہے — جس شخص کو نہ آوے الف بے تے دال ذال
آوے تری جناب مقدس میں ایک دم — کرتے ہیں واں تو وقف سبھی طرز کے مقال
عالم ہو اس قدر کہ بیاں کیا کرے کوئی — پھر بحث اس سے عقل فلاطون پر ہے دال
لیتے ہیں تیرے در سے گدا پوست تخت فقر — پاتے ہیں تیرے در سے شہا مکنت و جلال
جب تک جیوں میں دل میں مرے آرزو ہے یہ — ہوں سر سے تیرے زائر درگہ کا پائمال
پھر بعد مرگ حوض پہ کوثر کے یا علیؑ — جاگہ مری ہو حشر کی تیری صف نعال
جب ہوں میں گرم راہ ترے سائے میں شہا — ہوجائے سرد آتش دوزخ کی اشتعال
جب تک جیے گا محو ثنا ہی رہے گا میرؔ — ہے تیری منقبت سے نپٹ اس کو اشتغال

ہوئے حرام تیرے محبوں کو درد و غم
شمشیر دوستاں پہ ہو خون عدو حلال

○

در مدح حضرت علی مرتضےؑ

غنچے ہو دل پر آتے ہیں اندوہ اب مدام
پہنچے ہے مجھ کو داغ گل جنگ صبح و شام

اے کج روش تو نامہ نہ لکھ بھیج مت پیام
قاصد کا میرے سیدھی طرح سے تو لے سلام

دل میں نہیں ہے قطرۂ خوں آنکھیں ہیں گی تر
خالی پڑا ہے شیشۂ سے بھر رہے ہیں جام

ناکامیوں سے کام رکھا میں تمام عمر
گو کام دل حصول نہ ہو مجھ کو کیا ہے کام

اے رشک ماہ عید نہ کر انتظارکش
مکھڑا دکھادے چاند سا ٹک آکے پشت بام

زنجیر پا ہے اس کی تری زلف غالبًا
مدت ہوئی نسیم نہیں کرتی اجتسام

چلتا ہے تو تو جاتے ہیں کتنوں کے جی چلے
آ اب کسو کی مان لے موقوف کر خرام

آوارگی سے دل ہی کی آسودگی کو چھوڑ
ناموس عافیت کو اڑا کیسا ننگ و نام

گر جانتا مژہ کو تری تیغ کیں تو میں
دو چار جانیں اور بھی کر لاتا قرض و وام

رونے کا تار باندھ تفرج نہیں ہے خوب
ہے آنسوؤں کا سلک گہر کا سا انتظام

اک دم تری گلی میں گیا تھا میں میر کو
لبریز بوے خوں سے ہے اب تک مرا مشام

صیاد نے اسیر کیا مجھ کو پر عبث
میں ٹک جیا نہ فرط تپیدن سے زیر دام

آنکھوں سے اس کی چشم وفا میرؔ ہے غلط
وحشی ہیں یہ غزال نہ ہوں گے کسی سے رام

چشم طمع کو سی لے ہما تو کہ جیتے جی
سرمہ ہوئے ہیں پس کے الم سے مرے عظام

اے طبع اتنی ہرزہ درائی جرس کی طرز
اس گفتگو کا فائدہ کہہ حاصل کلام

یعنی امیر شاہ نجف کی صفت پر آ
وہ شاہ جس پہ سارے کمالات ہیں تمام

وہ شاہ ہے کہ بعد نبیؐ کے وہی ہے پھر
وہ شاہ ہے کہ حق ہے وہی اولیں امام

گر چاہے دل گرفتہ جہاں میں نہ ہو کوئی
کر دے یہ تنگ غنچۂ پیکاں کو ابتسام

ورنہ شگفتگی یہ بلاے عظیم ہے
چھوڑے نہ زخم سینۂ عاشق تک التیام

مطلع ثانی

شاہا ترے گدا کا ہے مشہور احتشام
شاہان سرفراز ہیں سب اس کے پاۓ نام

ہو اسپ پر سوار کرے عزم جنگ اگر — میدان کارزار میں ادنیٰ ترا غلام
جولاں کرے جدھر کو رہے اس طرف نہ خاک — اڑ جائے خاک ادھر کی جدھر کو پھرے لگام
پامال اس قدر ہوں کہ معلوم بھی نہ ہوں — افراسیاب کون ہے رستم ہے یاں کدام
شمشیر اس کی خرمن اعدا کی ہے جو برق — آوے جو اس کے ہاتھ میں یک لحظہ بے نیام
مل جائے اور تک صف اعدا کی اور کو — بے سر ہیں پھر تو مدنظر تک بدن تمام
یہ بات میں کہوں ہوں نظر کرکے مایؤل — گر آسماں پہ جائے تہ خاک ہے مدام
شاہا ترے غلام کے حملے کی کس کو تاب — گو پہلواں ہزاروں لیے آئے اس پہ سام
وہ سام بن نریماں کہ اب تک جہاں کے بیچ — افسانے اس کے زور کے کرتے ہیں دھوم دھام
ایک ایک کو زمین میں دے گاڑ اس سمیت — تحت الثریٰ کو جائے مع اپنے ازدحام
طبقہ زمیں کا جائے اکھڑ اس کے زور سے — چنداں عجب نہیں کہ ہوا ہووے تیرہ فام
از بس اڑے ہے خاک جدھر دیکھوں تس طرف — جاتے ہیں کور چشم تماشائی ہو عوام

مطلع کروں ہوں اور بھی موزوں میں اس جگہ
تا ہو بہ خیر و خوبی قصیدے کا اختتام

مطلع ثالث

اے بعد فوت ختم رسلؐ صاحب اہتمام — دے اولیں امام و سزاوار احترام
از بس کہ تیرے نقش سے گم ہیں محرمات — رسام کھینچے نخت اگر چاہے ارتسام
عصفور کس شمار میں پر تیرے عدل سے — گنتی نہیں ہے باز شکاری نئی اعتصام
تو ہے کہ تجھ کو ذات خدا سے ہے ربط خاص — تو ہے کہ ساری خلق پہ تیرا ہے فیض عام
تو ہے کہ تیرے مہر کے سائے میں روز حشر — محفوظ آفتاب قیامت سے ہوں انام
ہیں سہل تیرے خشم کے آگے خرابیاں — مشکل یہ ہے کہ ہووے فلک کا نہ انہدام
چاہے تو اعتدال زمانہ تک ایک اگر — ایک ہی ہوا ہے پھر تو جہاں میں علی الدوام
چاہے اگر تو یہ کہ نہ روپوش ہووے روز — تہ کرکے شب اٹھا ہی رکھے پردۂ ظلام
گرمی کرے تنک بھی اعانت تری تو پھر — آجائے پختگی پہ مرا یہ خیال خام
یعنی کہ دیکھوں حضرت دہلی کی جا نواح — معلوم ہے سوائے ترے حاصل کلام

ہرگز نہ ہو حلال عدو پر ترے خوشی
ہووے تمام تیرے محبوں پہ غم حرام

○

در مدح حضرت امام حسینؓ

فلک کے جور و جفا نے کیا ہے مجھ کو شکار　　ہزار کوس پہ ہے جاے اک تپیدن وار
خراب کوہ و بیابان بیکسی ہوں میں　　بہ رنگ صوت جرس ہر طرف ہے میرا گذار
بغیر خوردن خوں کب نہار ٹوٹے ہے　　سواے گریۂ صبح اب کہاں ہے آب خمار
لگیں نہ داغ سو کیوں پھیکے میرے سینے پہ　　نمک نہیں نظر آتا بجز رخ دلدار
سو وہ بھی دیکھنا ملتا نہیں ہے گھر بیٹھے　　مگر ہوں ہند میں رسواے کوچہ و بازار
سواے نالۂ جاں سوز کون ہے دل سوز　　بغیر آہ سحرگاہ کون ہے غم خوار
جنوں میں جب سے خوش آیا لباس عریانی　　نہیں ہے دامن صحرا میں تب سے مجھ کو قرار
ہمیشہ ساتھ ہے دامن سوار لڑکوں کے　　مگر کہ خاک وفا سے بنا ہے میرا غبار
عجب ہے مجھ کو جو تو دیکھنے نہیں آتا　　رہا ہوں ایک تری انکھڑیوں کا میں بیمار

مطلع ثانی

ہوا ہوں جور فلک سے نپٹ ہی زار و نزار　　پہنچیو یا خلف الصدق حیدر کرار
شہا غلام کو تیرے یہ زور بازو ہے　　کہ وقت جنگ جو لے کر کماں کو ہووے سوار
اگر پہاڑ ہو دشمن تو اس کے سینے میں　　کماں سے چھوٹتے ہی تیر بند ہو سوفار
لگاوے پھر وہیں دوچار ایسی پے در پے　　کہ ایک کا ہو نشاں دوسرے کی جاے قرار
کرے ہے فخر بہت اوج پر فلک شاہا　　رضا جو ہو تو کروں تیرے روضے کا بستار
کہ انفعال ہو لاف و گزاف سے اس کو　　زمیں ہے صحن کی جس کے یہ گنبد دوار
کرے ہے جوہر اول نگاہ جس ساعت　　تو ایک ہاتھ سے تھانبے ہے سر اپر دستار
امام ہر دوجہاں جس کی آستاں کی خاک　　رکھے ہے رتبۂ کحل جواہر الابصار
زہے وہ روضہ جہاں دیدۂ ملک ہیں فرش　　قدم کو رکھتے ہوئے ان پہ آتے ہیں زوار
اگر طلوع ہو خورشید سامنے اس کے　　ہر ایک ذرے کو واں کے ہے یہ لب گفتار
کوئی کہے کہ یہ کیا شوخ چشم شپر ہے　　کوئی کہے کہ یہ ہے موش کور ناہموار

لیا ہے روز سیہ نے بہت اسے گھیرا — چلی ہے چھوڑ کے حیراں ہو رخنۂ دیوار
شعاع روضے کے قبے کی ہے گی عالمگیر — پھرے گا سایۂ شب اب جہاں میں ہوتا خوار
بہ صانعے کہ یہ نقاشیاں ہیں سب اس کی — زمیں ہو یا ہو فلک یا حجر ہوں یا اشجار
بہ احمدےؐ کہ نبوت ہوئی ہے اس پر ختم — بہ فاطمہؓ کہ وہ ہے بنت سید مختار
بہ مرتضےٰؓ کہ ولایت مسخر ان نے کی — بہادری ہے غلاموں کی جس کے فن و شعار
بہ آں امام کہ کشتہ ہے زہر قاتل کا — گرے ہیں لخت دل اس کے زمیں پہ کٹ کے ہزار
بہ آں شہید کہ تشنہ لب و شکستہ دل — موا ہے دشت بلا میں ہیں اب تلک آثار
کہ جب ہلال محرم نمود ہوتا ہے — جہاں میں کرتے قیامت ہیں اس کے ماتم دار
بہ سینہ سوزی داغ و بہ آتش ہجراں — بہ آہ سرد سحرگاہی و بہ نالۂ زار
بہ سردمہری شیریں بہ کینۂ خسرو — بہ گرم جوشی فرہاد و سختی کہسار
بہ عشق دیر بہ طوف حرم بہ سعی تمام — بہ لوح مشہد عاشق بہ سوز شمع مزار
بہ آب و رنگ گلستاں بہ بیکسی اسیر — کہ اس کو کنج قفس میں رہے ہے یاد بہار
بہ ساغر مئے گلگوں بہ توبۂ سنگیں — بہ دل نوازی ساقی بہ ابر دریابار
بہ دستگیری چاک و بہ بےقراری جیب — بہ سینہ کاوی دشنہ بہ زخم دامن دار
بہ حیرت رخ جاناں بہ چشم وامانده — بہ سعی باطل ناخن بہ عقدۂ دل کار
بہ قلقل و بہ سبو و بہ لغزش ہر دم — بہ مستی مئے ناب و بہ خاطر ہشیار
بہ پوچ گوئی و بے تابی و بہ بےخوابی — بہ کم زبانی صبر و بہ دیدۂ بیدار
بہ دیر و برہمن و کفر و یاصنم گوئی — بہ شیخ و مسجد و تسبیح و رشتۂ زنار
بہ سیل خانہ خراب و بہ وادی مجنوں — بہ جرگہ جرگہ غزالاں بہ دیدۂ خونبار
بہ خوشہ خوشہ سرشک و بہ داربست مژہ — بہ قطرہ قطرہ شراب و بہ جام دست یار
بہ ضعف جسم نزار و بہ طاقت سرکش — بہ جان عاشق مسکیں کہ یار پر ہے نثار
بہ خاک عاشق بےخانماں کہ باد صبا — نہیں دکھاتی اسے بعد مرگ کوچۂ یار
بہ اضطراب چراغ و بہ دشمنی نسیم — بہ خاطر دم آخر کہ اس سے ہے بیزار
بہ دورگردی رنگ قبول و یاس دعا — بہ اعتزاز اجابت بہ حلقۂ اذکار
بہ خیل خیل خرابی بہ گوشۂ صحرا — بہ خوش سوادی شہر و بہ قریہ و بہ دیار
بہ شوق وصل نگار و بہ جان مایوسی — بہ آرزوے ہم آغوشی و بہ بخت کنار

بہ سینہ کوبی زخم جگر بہ ماتم میر ۔۔۔ بہ جاں کنی گلوگیر و حسرت دیدار
قسم ہے میرے تئیں ان تمام قسموں کی ۔۔۔ کہ تجھ کو علم ہے ان سب کا کیا کروں میں شمار
یہ آرزو ہے مرے دل میں مدتوں سے شہا ۔۔۔ رہے نہ بعد مرے ہند میں یہ مشت غبار
اڑا دے اس کو صبا یاں تلک کہ لے پہنچے ۔۔۔ تجھ آستان کے آگے کہ ہے فلک کردار

رہے ہمیشہ ترے دوستوں کے ساتھ اقبال
عدو کو تیرے نہ دے فرصت ایک دم ادبار

O

در مدح بادشاہ جم جاہ، خاور سپاہ، شاہ عالم بادشاہ

جو پہنچی قیامت تو آہ و فغاں ہے — مرے ہاتھ میں دامن آسماں ہے
کوئی آج سے ہے فلک مدعی کیا — ہمیشہ مرے حال پر مہرباں ہے
کدورت بیاں کیا کروں میں کہے تو — یہ دل گرد کلفت کا یک کارواں ہے
جو روتا بھی ہوں میں غبار دلی سے — تو آنسو کا سیلاب ریگ رواں ہے
جو دل میں ہے آتا ہے کہنے میں بھی وہ — زباں میری دل کی مگر ترجماں ہے
عجب مخمصے میں ہوں جور فلک سے — حوادث کے تیروں کا سینہ نشاں ہے
سحر جام خوں ہے جو منہ دھو چکوں ہوں — یہ مفلوک ایسے کے گھر میہماں ہے
رمق ایک جی ہے سو ایک آدھ دم کا — اسے قصد اب تک مرا امتحاں ہے
اس احوال کا رنگ رو بس ہے شاہد — جو دل میں ہے میرے سو منھ پر عیاں ہے
یہ شکوہ تھا درپیش مجھ کو کہ ناگہ — پکاری خرد ہوش تیرا کہاں ہے
تو مر جائے گا یوں تو رکتے ہی رکتے — کہ اندوہ و غم آفت ناگہاں ہے
غزل لطف کر میر صاحب کی کوئی — کہ ان کی زباں بیچ سحر بیاں ہے

کہا میں نے مطلع غزل کا یہ سن کر
کہ ہر طرف سے جس کے لوہو رواں ہے

غزل [مطلع ثانی]

ترے ہاتھ جب تک کہ تیر و کماں ہے — شکار زبوں کی بھی خاطرنشاں ہے
کہے تو کہ شکل مثالی ہوں اپنی — مرا جسم اس لطف سے ناتواں ہے
تری اور اے سادہ رو بعد میرے — مرا نامہ نوشتہ ہر استخواں ہے
اسیری میں سارا قفس بوے گل سے — معطر ہوا گو دماغ اب کہاں ہے[1]
نہ پوچھ اس طلسمات عالم کی صنعت — کہ اس آشکارا میں کیا کیا نہاں ہے
خوشا مرگ بلبل کہ سائے میں گل کے — کہیں مشت پر ہے کہیں آشیاں ہے

---

(۱) نسخۂ محمود آباد

زرود اس کے تیں دیکھ کر بھیجتے ہیں　　وہ نوگل بھی صل علیٰ کیا جواں ہے[۱]
لگے ہے نہ اب عطرداں اس کے منھ کو　　نہ اس بوے خوش سا یہ گل کا دہاں ہے
غرور خرابات چل شیخ دیکھیں　　جو ترسابچہ ہے سو پیر مغاں ہے
ہے بس شاہد حال رنگ شکستہ　　جو دل میں ہے میرے سو منھ پر عیاں ہے[۲]
نہ کہہ خانوادے تھے یاں کیسے کیسے　　خرابہ ہی ہے جب تلک یہ جہاں ہے
دم امتحاں میر ہم کیا کریں گے　　ہماری گرہ میں تو اک نیم جاں ہے
چل اے طبع مشتاق وصف بتاں پر　　کہ غم ان کا دل میں مرے یک جہاں ہے
یہی شغل ہیں خوب پیش فقیراں　　کہ ذکر خدا ہے کہ وصف بتاں ہے
نہ جا اس کے خاموش رہنے پہ بلبل　　زباں غنچۂ گل کے زیر زباں ہے
نہ دے جان شیریں کو تلخی سے ناحق　　تری محنت اے کوہکن رائیگاں ہے
میں پس ماندۂ قافلہ دل جلا ہوں　　کہے تو کہ یہ آتش کارواں ہے
جو ہو راہ گم گشتہ یاں ہوکے جاوے　　کہ مجھ پاس یک داغ دل سوز یہاں ہے
سموم آوے ہے سایۂ برگ گل میں　　مگر خاک مرغ چمن پرفشاں ہے
مری آہ کیا برچھیاں مارتی ہے　　دل شب سے ہر دم صدا الاماں ہے
جگر پر جو ہیں داغ ہجراں پریشاں　　یہ گویا خزاں دیدہ اک گلستاں ہے
رخ زرد پر اشک سرخ آگئے ہیں　　ادھر بھی اک ابر بہاری سماں ہے
خط و زلف و کاکل میں دل جاکے الجھا　　نہ سمجھا یہ ناداں کہ ہندوستاں ہے
چمن زار عالم کی خوبی پہ مت جا　　دل اس بے ثباتی پہ خندہ زناں ہے
کہ یک رنگ یاں کا نہیں ہے قراری　　بہار آئی ایدھر کہ فصل خزاں ہے
حقارت سے مت دیکھ یہ پھوٹی گوریں　　کہ ہر اک فلاں بن فلاں بن فلاں ہے
خیال اور مت کر کہ مجھ میں نہیں کچھ　　مری جاں ترا وہم ہے یا گماں ہے
اٹھی رسم صوم و صلوٰۃ اس کے دیکھے　　خرابی یہ مسجد پہ جو ہے اذاں ہے
گریباں کفن کا تو رہنے دے ثابت　　مری خاک سے کیوں تو دامن کشاں ہے
رگ گل رگ جاں کر سے نہیں ہے　　تو کہتا ہے کیا یاں سخن درمیاں ہے
خط سبز لب گوشۂ چشم و کاکل　　رہے شاد وہ غم زدہ دل جہاں ہے
نہیں فرصت واشدن اس چمن میں　　گل اس غم سے اپنا گریباں دراں ہے

---

(۱) و (۲) نسخۂ محمود آباد

بہت ہرزہ خواں ہے گا اے میرؔ تو بھی وظیفہ ترا کیا یہ ذکر بتاں ہے
جو مرکوز خاطر ہے اس پر بھی آجا فراغت کا عرصہ یہی اک زماں ہے
سن اے ہم نشیں شخص غائب کی خاطر
یہ مطلع کہ مطلب سے جو تواماں ہے

مطلع ثالث

قلم چل ابھی چلتی تیری زباں ہے کہ پھر بات کہنے کی فرصت کہاں ہے
ولیکن تجاوز نہ ہووے ادب سے کہ ممدوح اب شاہ ہندوستاں ہے
دماغ اب نہیں ہے جو تمہید کریے کہ کل رات ہے اور یہ داستاں ہے
بقائے تیری مجھ یہ دل چاہتا ہے ترے شکر نعمت میں قاصر زباں ہے
ترا عہد یک سرخوشی ہے جو ہے بھی گنہگار سا یک غم مہوشاں ہے
ترے یاں ہے سب راستی و درستی مگر ما صدق سچ کا یہ خانداں ہے
زیارت کیے صدق آتا ہے جس کی ترا جبہۂ راستاں آستاں ہے
لکھے کیا شہا کوئی ہمت کو تیری جہاں صبح اس خوان پر میہماں ہے
زیادہ ہو یہ وسعت رزق تیری کہ مشرق سے تا غرب دستار خواں ہے
کرے ہم سری کیا وہ خورشید اوپر فلک پاس کیا ہے یہی ایک ناں ہے
ترے ہاتھ کی ریزش جود آگے خجالت سے یہ ابر قطرہ زناں ہے
تجھے مرجع کل کیا ہے جہاں کا ترا دست ہے فرق خرد و کلاں ہے
ولی نعمتا عدل سے تیرے اب یاں کتاں تھا سو مہ ہے جو مہ تھا کتاں ہے
ترے ہوش کے آگے ہے طفل ناداں اگرچہ یہ پیر خرد کارداں ہے
سن اے خامہ آ مطلع چار میں لکھ
کہ ممدوح کے زور کا اب بیاں ہے

مطلع رابع

ترے زور بازو کی طاقت عیاں ہے کہ بز جس کی قوت سے شیر ژیاں ہے
ترے زور کا سکہ ہے اس چمن میں گل اشرفی غنچۂ مہرگاں ہے
ترا ہاتھ پڑ جائے گر رستم اوپر جہاں میں وہ مشہور کیا پہلواں ہے
اٹھاتا نہیں اس کو سن کوئی گردن وہ اس عرصے میں ایک سنگ گراں ہے

تو یوں پھینک دے جیسے سنگ فلاخن　　　جہاں جا کے گڑ جائے سنگ نشاں ہے
کہ جو کوئی اس راہ نکلے سو دیکھے　　　یہ افسانہ ہر شہر کا ارمغاں ہے
ثنا کے ترے عرصے میں کریے جولاں　　　کمیت قلم ہاتھ کے زیر راں ہے
اچک لے جہاں باگ کیا کیا مزے ہیں　　　یہ نام خدا اسپ کیا خوش عناں ہے
سبک سیر کی تیرے کیا کہیے جلدی　　　پھر اس فربہی پر کہ تخت رواں ہے
ازل سے ابد تک ہے جولاں گہ اس کی　　　قدم ایک یاں اک قدم اس کا واں ہے
جو اس میں سوار اس کا چاہے کہ ڈپٹے　　　ارادے میں اس کے ابھی حرف ہاں ہے
نہ پہنچے وہ ہونٹوں تلک اس کے ہرگز　　　کہ یہ بادپیا کہاں کا کہاں ہے
جو میدان میں جنگ کے ہو یہ اشہب　　　تو گھوڑا نہ کہیو کہ پیل دماں ہے
لگے گر کہیں ٹاپ طبق زمیں پر　　　فلک صدمے سے آں سوے لامکاں ہے
دعا پر کروں ختم اب یہ قصیدہ　　　کہاں تک کہوں تو چنیں ہے چناں ہے
رہے وقت ایسا ہی روز جزا تک　　　کہ جو دوست تیرا ہے تو شاداں ہے

تری عمر ہو میرے طول امل سی
کرم کا سا سررشتہ اک تیری ہاں ہے

○

در مدح نواب آصف الدولہ بہادر

ہوا کیے ہیں زبس شکوۂ فلک تحریر　　سیہ ہے کاغذ مشقی کے رنگ لوح ضمیر
کروں نہ شکر جفاہاے آسماں کیوں کر　　مری خرابی میں ان نے نہ کی کبھو تقصیر
دیا ہزاروں کو دست ان نے خانہ سازی کا　　دل شکستہ کو میرے کیا نہ ٹک تعمیر
جو میں نے چاہا کہ جلد اپنا کام کریے تمام　　تو روسیاہ نے اس کام میں بھی کی تاخیر
سیا تھا چشم طمع کو میں اک سحر اس پر　　سو جام خون دیا ان نے جاے کاسۂ شیر
دماغ رفتہ شگفتن سے آشنا نہ ہوا　　کہ اس چمن میں رکھا ان نے غنچۂ دل گیر
در قبول سے نومید پہنچی میری دعا　　پھرایا عرش سے نالے کو میرے بے تاثیر
نہ دیکھا صفحۂ عالم کو میں کہ ان نے رکھا　　ہمیشہ اپنا ہی حیران کار جوں تصویر
براے یک لب ناں مجھ ضعیف کو ان نے　　ہلال وار کیا سارے شہر میں تشہیر
فلک کے شکوے میں تھا میں کہ ہم نشیں بولا　　کہ اے جوان ستم کشتۂ سپہر پیر
غزل نہ لطف کی اک تونے میرؔ صاحب کی　　سنی نہ ہم نے کوئی آشیانہ سوز صفیر

یہ سن کے فکر نے کی مطلع غزل کی فکر
فلک نے صفحۂ کاغذ پہ جو کیا تحریر

غزل [مطلع ثانی]

ہماری یار سے صحبت ہو کس طرح درگیر　　گرہ میں نالۂ آتش فشاں سو بے تاثیر
سمجھ کے زلف کے کوچہ میں پاؤں رکھیو نسیم　　کہ نکلی ہے یہیں سے راہ خانۂ زنجیر
ہزار قافلے یوں مصر سے چلے لیکن　　کیا نہ ایک نے کنعاں کی سمت کو شب گیر
کھلا نہ منھ پہ ہمارے کہ ہے زباں پر آہ　　بہ رنگ خامۂ شنجرف خوں چکاں تقریر
جگر ہے رشک کی جا اس شکار کا تیرے　　کہ صیدگاہ میں پہلے ہی آگیا سرتیر
جہاں میں اہل جہاں کو ہو کشمکش بن کیا　　کہ ایک تنگ قفس اور جس میں اتنے اسیر
سفر ہے دور کا درپیش آ ٹک آئینہ رو　　کہ زاد راہ عدم ہو نگاہ وقت اخیر
نہیں تو دیر محبت کی رسم سے آگاہ　　کرے ہیں کعبے کے سکاں کی بھی یہاں تکفیر

تمام نالہ ہوں اس بن مگر کہ روز نخست کیا تھا تن کا مرے سودۂ جگر سے خمیر
غزل کو سن کے کہا ہم نشیں نے تجھ سا شخص بجا ہو خاک ہو گر پیش آستان وزیر
وہ آستانہ کہ گویا ہے راستوں کی جبیں کرے ہے سجدہ جسے آن کر صغیر و کبیر
شرف ہے جس سے یہ اس آستاں کو کیسا ہے وزیر کہیے کہ فرماں روا ہے کوئی امیر
غرض جلیس سے شب کو کہ غم شریک جو تھا
یہ سن کے اے گنہ آمرز اور عذر پذیر

مطلع ثالث

خلل پذیر ہوا ہے دماغ خامۂ میرؔ کہ تیری مدح میں کھولا زباں کو کر تقصیر
تمام قدرت و آصف صفت سلیماں جاہ سوار دولت و گنجینہ بخش و دشمن گیر
فلک شکوہ و ستارہ حشم خدیو جہاں ترے جلال کو کن لفظوں میں کروں تعبیر
زہے یہ حشمت و جاہ و جلال و قدرت و زور کہ تیرے حکم کے آگے ہے سہل امر خطیر
ترے محرر دفتر کا ہے سدا محتاج • جہاں میں شہرہ عطارد جو ہے فلک کا دبیر
زہے علوے مراتب کہ در پہ بار نہ پائے ہزار بار اگر چرخ مارے چرخ اثیر
شریک مشورۂ کارخانۂ عالم کیا ہے تجھ کو قضا و قدر ہیں تیرے مشیر
رواں ہو صبح کا گر مرکب ظفر پیکر تو تا بہ شام کرے روم و شام تک تسخیر
کف سخا کی تری ریزش کرم کے حضور گیا ہے قطرہ زناں شرمگیں ہو ابر مطیر
ہم کو تیری بیاں کیا کروں کہ اے ممدوح ہوئے ہیں خلق ترے بخشنے کو تاج و سریر
کروں میں عرض سو کیا ہفت گنج خسرو کو کہ تیرے بخش دیے کے نہیں ہیں عشر عشیر
لکھوں سو کیا ترے خدام کی سخاوت کو نہ پاوے وقت دہش رتبۂ قلیل و کثیر
ثبات حرف کو تیرے قلم کی کیا لکھیے کبھو تو خامۂ فولاد سے کیا تحریر
برات روزی کسو کی شرف کو دستخط کے پہنچتی ہے تو نہیں مٹتی جوں خط تقدیر
نہیں ہے شہر میں نام و نشان منہیات رہی ہے نے کوئی جنگل میں سو برائے حصیر
مزاج رفع پہ بدعت کے ہو تو پھر نہ اٹھے صدائے نے کا تو کیا ذکر ہے قلم کی صریر
نسق کو کام تو فرماوے ایک آن اگر تو پھر زمانہ قیامت تلک نہ پاوے تغیر
گیا ہے شور ترے عدل کا جو گردوں تک کتاں سے آنکھ جھپکتا رہے ہے بدر منیر
بغیر غمزۂ خوباں رہا نہیں اب ایک جہاں کے پردے پہ اوباش خانہ جنگ و شریر
جو چاہے تو کہ رہے فرش چاندنی دن کو اٹھا کے تہ کرے پردے ظلام کے شب قیر

کرے ہے قطع امید آپ سے وہ ہیں دشمن | سنے ہے مجھ سے تری جب کہ صولت شمشیر
جو نکلے میان سے تو نامۂ فنا کہیے | کہ پہنچے جس کو اسے مٹنے سے نہیں ہے گزیر
رہے تو زخم لگا اس کا بہ نہ ہووے مگر | فلک زمیں سے ملے تب ہو اندمال پذیر
نہیں ہے فیل کہ زربفت پوش کوہ ہے وہ | کروں شکوہ کو اس کے سو کس روش تسطیر
رواں رکاب میں ہے آسمان زر گویا | ستارے جھول کے ایک ایک آفتاب نظیر
کمیت خامہ مرے ہاتھ کی ہے ران تلے | صفت کروں میں سمند وزیر کی تحریر
کسو کی آنکھ نہ پڑ سکتی تھی چھلاوے میں | پھرے تھا سطح زمیں پر وہ یوں سپہرمسیر
نظر جو ایک مصور کی آگیا جاتے | یہ ان نے رنجھ کے چاہا کہ کھینچئے تصویر
خیال دور سے دوڑا کے رہ گیا آخر | ہوا نہ گرد میں گردا بھی اس کا شکل پذیر
سن اس قماش کی مدحت کو مت سمجھیو یہ | کہ ہے غرض خز و دیبا و پرنیان و حریر
غرض یہ ہے کہ تری خاک آستان زہے | کہ اس کے رتبے کو ہرگز نہ پہنچے پھر اکسیر
وہ آستاں کہ گدا و غنی کا ہے مسجود | بقیہ عمر کرے صرف اس پہ یہ بھی فقیر

ہمیشہ ساتھ ترے دوستوں کے ہو اقبال
ترے عدو کی سدا مدبری کرے تدبیر

○

در مدح نواب آصف الدولہ بہادر

رات کو مطلق نہ تھی یاں جی کو تاب
آشنا ہوتا نہ تھا آنکھوں سے خواب

لوٹتا تھا سوز غم سے آگ میں
دل جگر سکتے تھے دونوں جوں کباب

ہر زماں تھی ساتھ اپنے گفتگو
کیا کروں شہر اور میں دونوں خراب

تھا کرم شیوہ جنھوں کا اٹھ گئے
بیٹھے بیٹھے کھینچئے کب تک عذاب

جایئے کس کے در اوپر کون ہے
ملیے کس سے کون ملنے کا ہے باب

لے جوانی سے پھرے پیری تلک
امتحاں میں آگئے سب شیخ و شاب

ناگہاں مجھ سے لگا کہنے سروش
رہگذر سے لطف کی کر کر خطاب

ہے کریم اب بھی وزیر ابن وزیر
آصف الدولہ فلک قدر و جناب

آسماں رتبہ ہے جس کا آستاں
ناز کر طالع پہ جو ہو باریاب

اس کی ہمت سے سخن کیا سر کروں
بات کہتے دے در و یاقوت ناب

اس کے دست و دل کے رشک و شرم سے
خون ہے دل کان کا دریا ہے آب

جم حشم انجم سپہ گردوں شکوہ
مرجع خرد و کلاں عالم تاب

دست ہمت اس کا گر دربار ہو
پانی پانی شرم سے ہووے سحاب

مال کیا ہے ہفت گنج خسروی
اک ہی کو نواب بخشے ہے شتاب

فخر سام و رستم اس کی بندگی
داخل خدام یاں افراسیاب

جس سحر جرأت سے کھینچی ان نے تیغ
ڈھال رکھے منہ پہ نکلا آفتاب

رزم کے عرصے میں ہلچل پڑ گئی
آسماں کے خیمے کی کانپی طناب

مدعی گر کوہ تھا مارا اکھاڑ
ور زمیں تھا بے سکوں پایا شتاب

خرمن آسا جل گیا انبوہ خصم
چل پڑی جو اس کی تیغ برق تاب

دیو تھے گو معرکے میں بے شمار
ایک ٹھہرا ہو مقابل کیا حساب

زین رکھا جائے مرکب پر اگر
راجا پرجا آن کر دابیں رکاب

زلزلہ پڑ جائے سارے ملک میں
ملک داروں سے کہیں ہاں سرحساب

مطلع ثانی کی اب مائل ہے طبع
کفر ہے حرف و سخن سے اجتناب

مطلع ثانی

اے ترے ڈر سے جگر شیروں کے آب — دشمنوں کو روبہانہ اضطراب
مدعی کی صف ہے کونجوں کی قطار — لشکری اس فوج کا ہر اک عقاب
موج زن جیدھر ہو وہ دریاے فوج — بستیاں اس سمت کی جیسے حباب
گرد اس لشکر کی گر ہووے بلند — پھر زمین و آسماں میں ہے حجاب
جاوے دشمن جوں سگ پاسوختہ — وقت گرگ و میش لے منھ پر نقاب
داوری و منصفی سن دلبراں — چھوڑ دیں عشاق پر کرنا عتاب
رفع بدعت چاہے تو پھر کیا مجال — اٹھ سکے جو نغمۂ چنگ و رباب
منع مے ہووے تو پھر قدرت ہے کیا — جو گلے سے شیشے کے اترے شراب
بحر کیا ہے جو کرے تہ سے سوال — کوہ تیرے حلم کا کیا دے جواب
خوبیاں ہی خوبیاں سر تا قدم — تب کیا صانع نے تجھ کو انتخاب
لطف طبع صاحب مجلس کہوں — یا لکھوں پاکیزہ اس صحبت کا داب
نکلی مستعمل نہایت ورنہ شب — چاندنی کی جاے بچھتی ماہتاب
گر نہ ہو ممدوح علم ظاہری — پر نہیں ہوتی ہے یہ راۓ صواب
جو کہے تو چاہیے وہ لکھ رکھیں — حرف ہر یک تیرے منھ کا ہے کتاب
کر دعا پر میر اب ختم سخن — تو کہے جو کچھ کرے حق مستجاب
زیردست اس کے رہیں گردن کشاں — تا قیامت وہ رہے مالک رقاب

دوست اس کے جوش زن جیسے محیط
خاک بر سر مدعی جیسے سراب

○

در شکایت نفاق یاران زماں

جہاں میں کون ہے جس کو کسی سے الفت ہے　　خراب کوچہ و بازار یاں محبت ہے
نفاق خانہ برانداز بسکہ ہے رائج　　دل اتفاق کا زیر غبار کلفت ہے
باتفاق اگر دو عزیز مل بیٹھیں　　زبان مردم بد سے انھوں پہ آفت ہے
کروں میں ہجو اگر روز ایسے عالم کی　　بجا ہے ان سے کہ میرے تئیں شکایت ہے
دروغ گوئی سے دو آشنا لڑا دینا　　کہاں کی رسم ہے یہ گر یہی مروت ہے
تو چھوڑ شہر کی یہ تنگنا نکل جاویں　　کہ گوشہ ہاے بیاباں میں بسکہ وسعت ہے
نہ دیکھوں منھ میں انھوں کا اگر ہوں آئینہ　　اسی لیے تو مرے دل نشین عزلت ہے

کہوں میں مطلع ثانی کہ طور یاراں سے
دل شکستہ مرا تنگ اب نہایت ہے

مطلع ثانی

منھوں پہ صاف ہیں لیکن نہ حفظ غیبت ہے　　مثال آئینہ دیکھے ہی کی یہ ملت ہے
اگر سخن کی مرے رشک ان کی ہے جاں سوز　　وگر دلوں میں انھوں کے غرور دولت ہے
حریف میرے یہ انَ باتوں سے نہیں ہوتے　　کہ راہ راست پہ ہوں میں انھیں ضلالت ہے
سخن کی خوبی کے میدان کا ہوں میں رستم　　مقابلے کو مرے ان میں کس کی طاقت ہے
رہا غرور زر و مال ان کا اب باقی　　سو ان کا ہونے کو روکش مری شرافت ہے
بہ خالقے کہ زمیں اور آسماں کی بنا　　نظر میں سب کی اسی کا ظہور قدرت ہے
بہ احمدے کہ بلا میم اس کو کہتے ہیں　　اسی کی شرق سے لے تا بہ غرب است ہے
بہ مرتضےٰ کہ پیمبرؐ سے اس کو ہے خویشی　　بہ فاطمہ کہ کنیز اس کی ایک عصمت ہے
بہ آں امام کہ قسمت میں اس کی زہر ہوا　　بہ آں حسین کہ وہ بیکس شہادت ہے
بہ ذوالفقار کہ وقت نبرد غازی کے　　زباں میں نام سے اس کے ہوئی یہ حالت ہے
کہ گر وہ بات کہے صف میں کافروں کی جا　　تو سر کو تن پہ خوارج کے کب یہ فرصت ہے
کہ ایک دم میں نہ پیوند ہو جدا اس کا　　ملے نہ خاک میں جب تک کہاں فراغت ہے

کہوں میں مطلع ثالث کہے ہے ہاتف غیب
کہ تیرے صدق کی شاہد تری ہی ہمت ہے

مطلع ثالث

بہ زلف یار کہ مجھ پر اسی سے شامت ہے
بہ زہرمار جو جینے میں کچھ حلاوت ہے

بہ ذوق وصل کہ اک دم نہیں ہے مجھ کو قرار
بہ اضطراب کہ وہ خانہ زاد فرقت ہے

بہ سوز شمع کہ جلتی ہے وہ بھی میری طرح
بہ انجمن کہ وہ کثرت میں رشک خلوت ہے

بہ انتظار کہ آنکھیں سفید اس میں ہوئیں
بہ نور شمع کہ وہ پائمال حیرت ہے

بہ طوف کعبہ کہ بے سعی واں نہیں ہے گذار
بہ عشق دیر کہ واں برہمن سعادت ہے

بہ غربتے کہ ہے دوری راہ اس میں رفیق
بہ منزلے کہ پہنچنا وہاں قیامت ہے

بہ طاقتے کہ اسے ضعف سے ہے ربط قدیم
بہ خاطرے کہ وہ منت کش مصیبت ہے

بہ مشہدے کہ چراغ اس کا چشم آہو ہو
بہ چشمکے کہ وہ خوں ریز اہل حسرت ہے

بہ ہمتے کہ نہ دیکھا ہو ان نے خست کو
بہ خستے کہ سراپا عدوے ہمت ہے

بہ زورقے کہ جو وہ نوح کی پناہ ہوئی
بہ طفلے کہ وہ طوفاں سے غرق خجلت ہے

بہ محنتے کہ وہ آزردہ ہوئے راحت سے
بہ راحتے کہ حقیقت میں رنج و محنت ہے

بہ عزتے کہ جو سنتی ہو نام ذلت کا
بہ ذلتے کہ وہ کہتی ہو کیسی عزت ہے

قسم ہے میرے تئیں ان تمام قسموں کی
جو میں نے کچھ بھی کہا ہو یہ مجھ پہ تہمت ہے

جو کچھ کہا ہے کنھوں نے غلط کہا ہے گا
کسو سے رنجش بیجا نہ میری طینت ہے

اگر یہ عذر ہو مقبول تو تو خیر ارنہ
خریف ہونے کا میرے نتیجہ خفت ہے

کہاں تلک میں کروں اس نفاق کا شکوہ
خموشی اب تو ہے اولیٰ کہ اس میں راحت ہے

○

مثنوی

(بہاریہ)

در بیان کدخدائی نواب آصف الدولہ بہادر

ہے جہان کہن تماشاگاہ — آصف الدولہ کا رچا ہے بیاہ
آؤ ساقی کہ کدخدائی ہے — طبع نواب ادھر کو آئی ہے
دل خوش احباب و شاد بہر دہر — بستہ آئیں دو راستہ ہے شہر
نئے سر سے جواں ہوا ہے جہاں — عیش و عشرت کے محو خرد و کلاں
ہر طرف شہر میں ہے آرائش — رہرواں کی نہیں ہے گنجائش
شیشہ باز فلک ہے آتش باز — کہکشاں سے ہوا ہوائی ساز
ماہ سے ماہتاب کی ہے طرح — کس سے ہو لطف روشنی کی شرح
نہیں رستوں میں روشنی کے دیے — نجم ہیں چشم روشنی کے لیے
کیا ستاروں کا چھوٹنا کہیے — آسماں کی طرف ہی تک رہیے
شب شادی کی دھوم کی کیا بات — روز روشن تھی روشنی سے رات
دو طرف چھوٹتے جو ہیں گے انار — راہ و رستے ہوئے ہیں باغ و بہار
آؤ ساقی کہ جمع ہیں احباب — سب مہیا ہیں عیش کے اسباب
لا وہ جوں آفتاب ساغر زر — آب گل رنگ سے لبالب کر
آج جھوما ہے ابر بخشش زور — کچھ نظر ہے تجھے ہوا کی اور
دست دستور ابر نیساں ہے — یعنی یک دست گوہرافشاں ہے
کر چمن زار دست و دل کی سیر — ہیں نہال آج آشنا و غیر
گل نمط دل شگفتہ سب کے کیے — خلعت فاخرہ سبھوں کو دیے
لا کہاں ہے وہ لالہ رنگ شراب — جس سے مست گذارہ ہوں احباب
آؤ مطرب لیے رباب و چنگ — کاڑھ منھ سے نوائے سیر آہنگ
ہر طرف رقص میں ہیں گل رویاں — پاے کوباں ہیں سلسلہ مویاں
شادمانی سے ہو نوا پرداز — دے بہار گذشتہ کو آواز
گل و لالہ سے چشم باز کرے — رنگ صحبت کو دیکھ ناز کرے

چھیڑ ساز طرب نوا کے تئیں　　باندھ آواز سے ہوا کے تئیں
وجد میں لاؤ مے پرستوں کو　　یاد دے ٹک مرد و مستوں کو
آؤ ساقی کہ روشنی ہے خوب　　محو آرائش آج ہیں محبوب
کاغذیں باغ کیا تماشا ہے　　پھول کترا کہ گل تراشا ہے
بکے سی مشعلوں کا ہوں بندہ　　نور کا ماہ نے کیا چندہ
شیشہ شیشہ شراب ہے درکار　　صحبت عیش کو چھکا یک بار
لالہ رنگ رخ نکویاں کو　　مایۂ ناز خوب رویاں کو
اس پری کو نکال شیشے سے　　رنگ مجلس میں ڈال شیشے سے
ہووے سرمست ہو تماشائی　　حکم کش ہے سپہر مینائی
چھوڑ آئین بردباری کا　　سیر کر لے تزک سواری کا
چل گلابی کو ہاتھ میں نہ لے لے　　ایک دم جام متصل دے لے
ہے سواری کے فیل کی وہ دھوم　　جیسے ابر بہار آوے جھوم
آئے دولت سرا سے ہو کے سوار　　لعل ناب و گہر ہیں صرف نثار
اک مہابت کے ساتھ فیل نشاں　　آگے مانند کوہ زر کے رواں
اور ہاتھی ہیں جھومتے جاتے　　جیسے آویں جوان مدھ ماتے
جل زربفت کی ہے ساری شب　　روکش انجم فلک ہیں سب
پلٹنیں جاتی ہیں برابر یوں　　صف ہو مژگان دلبروں کی جوں
بال بستہ رکاب میں ہیں سرنگ　　جن کے دیکھے کیت چرخ ہے دنگ
خوش سواری و خوش جلو خوش راہ　　باگ اچکی تو پھر نہ ٹھہری نگاہ
گردنوں میں پڑی حمائل گل　　ہے جلو میں بصد شمائل گل
تھا بہت تیز گام اسپ خیال　　رہ گیا دیکھ کر انھوں کی چال
تھے پری زاد چھیڑے اڑ جاویں　　آنکھ پھیرو تو کل سے مڑ جاویں
کسمسانے میں باؤ سے آگے　　ہاں کہے جیسے وہم جا لاگے
نوبتی اب طبیعتوں کو رجھاؤ　　چل سواری کا ٹک اصول بجاؤ
چوب نقارے پر لگا اس ڈھب　　کہ رکھیں گوش اس صدا پہ سب
ایک دو دم بجائے جاؤ یوں ہی　　دل کش آواز گائے جاؤ یوں ہی
پھینکتے ہیں جو دستہ دستہ گل　　رہگذر میں ہیں رستہ رستہ گل

وہ جو دیوے تو کیا لیا جاوے | خوشہ خوشہ گہر دیا جاوے
ساقیا وے وہ ے جو باقی ہے | شادی ایسی بھی اتفاقی ہے
ہو مبارک یہ جشن خوش انجام | دور گردوں بہ کام عیش مدام
آ مغنی غزل سرائی کر | کچھ مزے سے بھی آشنائی کر
پڑھ غزل میرؔ کی جو ہووے یاد | ان کو تو اس میں کہتے ہیں استاد

غزل

موسم ابر ہو سبو بھی ہو | گل ہو گلشن ہو اور تو بھی ہو
کب تک آئینے کا یہ حسن قبول | منہ ترا اس طرف کبھو بھی ہو
ہو جو تیرا سا رنگ گل کا ہے | رنجھیں ہم تب جب ایسی بو بھی ہو
ہے غرض عشق صرف ہے لیکن | شرط یہ ہے کہ جستجو بھی ہو
سرکشی گل کی خوش نہیں آتی | ناز کرنے کو ویسا رو بھی ہو
کس کو بلبل ہے دم کشی کا دماغ | ہو تو گل ہی کی گفتگو بھی ہو

دل تمناکدہ تو ہے پر میر
ہو تو اس کی ہی آرزو بھی ہو

○

در جشن ہولی و کتخدائی

آؤ ساقی شراب نوش کریں   شور سا ہے جہاں میں گوش کریں
آؤ ساقی بہار پھر آئی   ہولی میں کتنی شادیاں لائی
شادیاں بے شگوں سراسر ہیں   کوچے سو شہر کے برابر ہیں
دست دستور ہے جو زرافشاں   پھر جہان کہن ہوا ہے جواں
دولوں رستے عمارت خوش ہے   تازہ کاری شہر دلکش ہے
اور بازاری رنگ لائے ہیں   سارے رنگیں ستوں لگائے ہیں
جس طرف دیکھو معرکہ سا ہے   شہر ہے یا کوئی تماشا ہے
چشم بد دور ایسی بستی سے   یہی مقصد ہے ملک ہستی سے
لکھنؤ دلی سے بھی بہتر ہے   کہ کسو دل کی لاگ ایدھر ہے
آئیں بستہ ہوا ہے سارا شہر   کاغذیں گل سے گلستاں ہے دہر
ایسے گل پھول ہیں جو صرف کار   راہ رستے ہوئے ہیں باغ و بہار
بستہ آئیں دکانیں ہیں یکسر   جن میں سستی متاع لعل و گہر
میوۂ نورس و رسیدہ بہت   گل خوش رنگ و بوے چیدہ بہت
شب شادی کو لڑکے ہوں جو سوار   لیں صغیر و کبیر بہر نثار
تخت بہر زنان رقص کناں   چنے رستوں میں بے چنیں و چناں
گل کاغذ سے شہر ہے گلزار   تو کہے آئی ہے بہار اے یار
ساقیا عیش کا ہو بزم آرا   سارے لوگوں میں جام مے کو پھرا
جس میں تہ پادے اس پری کو دے   ورنہ شیشے کی شیشے میں رکھ لے
ہوگی مجلس جو مست آسائش   کون دیکھے گا لطف آرائش
آؤ ساقی قرار ہے باہم   کہ تماشا کناں پھریں خرم
زن رقاص پہ نگاہ کریں   کسو سادے سے چل کے راہ کریں
کسو دلبر کے کھینچ لیویں ہاتھ   کسو محبوب کو اٹھالیں ساتھ
کسو خوش رو کے منھ پہ منھ رکھ لیں   کنج لب کا کہیں مزہ چکھ لیں

خوش تنوں سے کریں ہم آغوشی   کسو نازک بدن سے ہم دوشی
کہیں دو جام مے سے ہوں سرمست   جائیں گے تھوڑی دور دست بہ دست
مچلے بن جائیں گے کسو کو دیکھ   پھر منیں گے کسو کے رو کو دیکھ
اب گلابی کو لیں گے بھر بھر ہم   باتی ساقی پئیں گے پھر کر ہم
کہیں آرائش آ کے دیکھیں گے   کاغذیں باغ جا کے دیکھیں گے
کسو مہوش سے ہودیں گے گل باز   کھینچیں گے ایک دو دم اس کے ناز
آؤ ساقی مئے دوآتشہ دے   اس مے کا بغل میں شیشہ لے
گرم ہو جو دماغ انساں کا   لطف آوے نظر چراغاں کا
جس طرف دیکھیے چراغاں ہے   شیشہ و شمع ہی نمایاں ہے
باغ سے روشنی ہوئی ہے زیاد   ہے یہ ہنگامہ تا جلال آباد
شمع و فانوس کا بہت ہے ہجوم   شمعی رنگوں نے کر رکھی ہے دھوم
لوبیے ان گلوں کی اب تو بہار   گو کسو کے گلے کا ہوجیے ہار
اب تو اودھم ہی مچ گیا ہر سو   دارو پی کر پھریں چلیں ہم تو
تارے سے ہیں چراغ چار طرف   آسماں پر زمیں رکھے ہے شرف
غنچہ غنچہ دیوں کو دیکھیں جہاں   کسو نوگل سے رکھیں صحبت واں
کہیں نوبت کو چل کے سنیے گا   نے کے بجنے پہ سر کو دھنیے گا
نوبتی خوش سلیقے سارے ہیں   نےنوازوں نے جان مارے ہیں
آج نوبت کے بجنے پر ہے رنگ   عقل ہوتی ہے سن نکورے دنگ
جھانجھ کے سننے کی رہی ہے جھانجھ   صبح جوں توں کے ہم کریں ہیں سانجھ
بیچ میں ہولی آئی ہے ساقی   پھیرے سرخوش ہیں تابکے ساقی
شیشہ شیشہ شراب اب تجھے   بلکہ خم منھ لگا کے سب تجھے
سیر کریے کنار نہر و گشت   لالہ و گل کھلے ہیں تا سر دشت
انھیں پھولوں کے انعکاس سے آب   تو کہے لالہ رنگ سب ہے شراب
سبد گل ہوئی ہے ہر کیاری   ایک ہے گل زمیں زمیں ساری
درمیاں اک شجر نہیں بدبرگ   ہے ہزارہ کہ لالۂ صد برگ
جوش لالہ سے تا النگ و سنگ   شفقی ہوگیا ہوا کا رنگ
تخت کیونکر نہ ہو دماغ خاک   دشت در دشت ہے گل تریاک

پھر لبالب ہیں آب گیر رنگ — اور اڑے ہے گلال کس کس ڈھنگ
پاس آتے ہیں مرغ گلشن بھول — تھے وے دلبر گلاب کے سے پھول
زعفرانی لباس تھے سب کے — رسمے آئے صبح کو شب کے
پگڑیاں جامے بھیگے سو سو ہیں — ان کو گل ہاے تر کہیں تو ہیں
چھڑیاں پھولوں کی دلبروں کے ہاتھ — سیکڑوں پھولوں کی چھڑی سے ساتھ
قمقمے جو گلال کے مارے — مہوشاں لالہ رخ ہوئے سارے
خوان بھر بھر عبیر لاتے ہیں — گل کی پتی ملا اڑاتے ہیں
جشن نوروز ہند ہولی ہے — راگ رنگ اور بولی ٹھولی ہے
عشق ہے اے گروہ آتش زن — دونوں رستے چراغ ہیں روشن
ٹھاٹھ کیا روشنی کے باندھ دیے — شہر میں نام روشن اپنے کیے
دور دو تھے خیال و سوانگ آئے — گھوڑے دامن سوار کیا لائے
روشنی وار سے ہے پار تلک — گل کا کاغذ ہے فرق خار تلک
در دولت سے لے کے تا سر آب — ہے چراغ اور شمع ہی کی تاب
پھر سر پل سے تا عمارت نو — جلتے ہیں مجتمع دیے سو سو
ہاتھی رنگے گئے پڑی ہے دھوم — جیسے ابر سیاہ آئے جھوم
خیمہ استادہ کرچکے شب باز — چیلیوں نے کیا خرام ناز
یاں کی صحبت کا تھا نمونہ سب — شاہ دستور حکم و کار ادب
آئے شکلیں بنا کے صورت باز — ڈوم ڈھاڑی بنے بجا کر ساز
نقل معقول کی سو حاجی بنے — بج کے عمامے سر پہ کتنے جنے
کوئی جوگی کوئی فقیر بنا — کوئی ڈاڑھی لگا کے پیر بنا
کوئی بنیا بنا کوئی اوباش — نقل کرنی تھی ان سبھوں کی معاش
کوئی شاعر بنا نہ جس کی نظیر — جیسے مستغرق خیال تھا میر
کچھ سپاہی بنے تھے کچھ تجار — کوئی زاہد ہوا کوئی خمار
جس کی تقلید کی سو ویسی طرح — اصل ہوتی نہیں ہے ایسی طرح
کرکے سعی و تلاش چاروں دانگ — خوب دیکھا تو ہے یہ عالم سوانگ
آؤ ساقی نہ رکھ خراب احوال — دیے جا جام بادہ مالا مال
چل سواری کا سیر بھی ہے بڑا — ایک عالم ہے دونوں رستہ کھڑا

جل زربفت پوش فیل نشاں　　کوہ زر سا ہے پیش پیش رواں
کدخدا ہونے کو چلا دولہ　　یال گوپال عظم سے جوں شہ
گل کی پاکھر پڑی ہوئی یک بار　　ہاتھی آیا بہ رنگ ابر بہار
زری پوشوں کا پیش و پس انبوہ　　اللہ اللہ ری ان کی شان و شکوہ
قور میں کتنے سونے کے سے پہاڑ　　آگے روپے کے روشنی کے جھاڑ
موتی کرتے تھے ہر طرف سے نثار　　تھا مگر فیل ابر گوہربار
ہیں جلو میں زمینیاں حاضر　　جاہ کے آسمانیاں حاضر
عمدہ سب ساتھ ہیں وزیر سمیت　　شاعراں مدح خواں ہیں میرؔ سمیت
تازی ترکی عراقی و عربی　　کوتل آگے تھے خوش جلو میں سبھی
رہ میں رکھ لو جہاں کہ منھ کے نرم　　چھیڑے باد سموم سے ہوں گرم
آؤ ساقی پلا شراب ہمیں　　روشنی کی نہیں ہے تاب ہمیں
روشنی بھی ہے کوئی ہنگامہ　　میر میں گرم ہوگیا جامہ
گرمی سے مشعلوں کی آئے تنگ　　دود مشعل ہے جاے کاہی رنگ
دو طرف سیم بندی کردی ہے　　سونے روپے سے راہ بھر دی ہے
شمعیں لاکھوں کنول میں ہیں روشن　　زور پھولا ہے کاغذیں گلشن
واہ آتش زنان آتش دست　　دارو پی کر پھرو ہو کیسے مست
توپیں کیا ڈھالیں ہیں ستاروں کی　　کھوئی رونق فلک کے تاروں کی
تارے موقوف کچھ سما پہ نہیں　　توپیں چھوٹیں مگر ہوا پہ نہیں
ماہ بھی چشم روشنی کے لیے　　ہے چراغاں ستارگاں سے کیے
گنج چھوٹے ہیں یا کہ باڑ جھڑی　　یا ہوائی ہے جگنیوں کی چھڑی
گل فشاں ہیں پڑی جو پھل جھڑیاں　　کھلتیاں ہیں دلوں کی گل جھڑیاں
چھوٹتے ہیں انار و مہتابی　　رنگ ہیں دلبروں کے مہتابی
باؤ سے دو دیے ہوئے گر ماند　　دغیں مہتابیاں کہ نکلے چاند
آؤ اے مطربان سیرآہنگ　　ساتھ اپنے لیے رباب و چنگ
ہو غزل خوان بزم عیش و طرب　　پر نہ کریو خیال ترک ادب
منعقد مجلس شہانہ ہے　　ادب آصفؔ زمانہ ہے
آؤ ساقی مجھے قرابہ دے　　در بغل شیشہ ساتھ اپنے لے

بحر بخشش کی لہریں اب آئیں زر و گوہر کی کشتیاں لائیں
ہے بلند اس کرم کا کیا پایہ دیتے ہیں خلعت گراں مایہ
طرہ ہاے زری و بادلہ تاس تختہ ہاے دوشالہ تحفہ لباس
بہت ان میں سیے بہت نہ سیے ایک دم میں سبھوں کو بخش دیے
خاص ملبوس نوع نوع تمام لے گئے شاد بہر کے مردم عام
کیا بچھا ہے فراخ دسترخوان جس پہ ہے خلق یک جہاں مہمان
تورہ بندی ہوئی تکلف سے کھانے نکلے نئے تصرف سے
لطف کے ساتھ نعمتوں کا وفور زیر ہر جعبہ قاب ہے پرنور
عام تھا ان لطافتوں سے طعام دیتے لیتے تھے ہر سحر ہر شام
کس کو اسباب یہ میسر ہیں ظرف سیمین جعبۂ زر ہیں
ہیں جو مہمان پادشاہ و گدا حرص دونوں کی سیر ہے یکجا
عمر و دولت ہو اس کی حد سے زیاد ہے اسی سے جہاں نشاط آباد
آؤ ساقی غزل سرا بھی ہو لذت شعر سے مزہ بھی ہو

غزل

اب کی بہار کیا کیا دریا پہ رنگ لائی یک شہر نکلے لالہ پھر اس میں ہولی آئی
کی فکر سال تاریخ آواز غیب آئی ہم نے کبھو نہ دیکھی اس رنگ کدخدائی
۱۲۰۸ ہجری مطابق ۱۷۹۳
آنکھوں کی روشنی تھی اپنی ہوئی دوچنداں طالع نے چاندنی میں کیا روشنی دکھائی
ہو باد جس طرف کی آنکھیں ادھر ہیں اس کی نرگس کا اس ہوا میں دیدہ بھی ہے ہوائی
بے گل رہے نہ یک دم بلبل کے آہ و نالے محبوب سے کسو کو یارب نہ ہو جدائی
گل تک ہنسا نہ مجھ سے بلبل نہ بولی ہرگز کس کس کی بے دماغی بے یار میں اٹھائی
ہم بھی رہے ہوا وہ جب تک جوان جاہل کی عمر رفتنی نے بارے نہ بے وفائی
اخواں زمانہ کے تو کیا جانیں دل لگی کو لگتی ہے جس کے دل کو وہ جانتا ہے بھائی
ہے دام گاہ دنیا ہر جا فریب اس میں دیتی نہیں دکھائی اپنی مجھے رہائی
گذری جو کچھ سو گذری یاری میں دلبروں کی
میر اب کسو سے تم تو کریو نہ آشنائی

○

در بیان ہولی

ہولی کھیلا آصف الدولہ وزیر — رنگ صحبت سے عجب ہیں خرد و پیر
جشن نوروزی اہل ہند سب — ہے بھی تب محو عشرت ہیں گے اب
شیشہ شیشہ رنگ صرف دوستاں — صحن دولت خانہ رشک بوستاں
اس چمن میں باغ پر گل سرخ و زرد — نکہت گل جھاڑیں گے واں آ کے گرد
پھول گل آویں نظر دیکھو جدھر — لالہ و صدبرگ سب باغ نظر
دستہ دستہ رنگ میں بھیگے جواں — جیسے گلدستہ تھے جوؤں پر رواں
زعفرانی رنگ سے رنگیں لباس — عطرمالی سے سبھوں میں گل کی باس
رنگ افشانی سے پڑتی ہے پھوہار — رنگ باراں تھا مگر ابر بہار
مرغ گلشن گل رخاں کو جان پھول — بیٹھتے ہیں پاس آ کر پھول پھول
قمقمے جو مارتے بھر کر گلال — جس کے لگتا آن کر پھر منھ ہے لال
برگ گل ملواں اڑاتے تھے عبیر — تھی ہوا میں گرد تا چرخ اثیر
روشن الدولہ نے کی تھی روشنی — کب ہوئی تھی لیکن ایسی روشنی
وہ چراغاں گرچہ تھے درگاہ تک — تھے تماشائی گدا و شاہ تک
راہ میں ترپولیے مینار تھے — روشنی کے کوچہ و بازار تھے
گرم کچھ ہنگامہ یہ بھی کم نہ تھا — اس روش کی دھوم کا اودھم نہ تھا
اب تو ہفت اقلیم کا عالم ہے یاں — دیکھو تو ہر جنس کا آدم ہے یاں
ٹٹیاں دریا کے باندھیں دو طرف — کیا چراغاں آسماں کی ہو طرف
تھا جہاں تک آب دریا کا بہاؤ — واں تلک تھا اس چراغاں کا دکھاؤ
ایک عالم دیکھتا تھا دور سے — رات دن تھی روشنی کے نور سے
کوچہ و بازار بام و در بنے — روشنی کے دونوں رستے گھر بنے
سوانگ کیا کیا بن کے آئے درمیاں — پیکھنے کا سوانگ تھا سارا جہاں
آئے کس کس رنگ سے دامن سوار — باد کے رنگوں جنھوں کا تھا گزار

ہاتھی آئے کوہ پیکر کیا بنے جیسے مدھ ماتے جواں ہوں انمنے
کیسی کیسی دیکھیں شکلیں تازیاں سحر کرتے تھے کہ صورت بازیاں
ان دیوں کے عکس سے دریا کا آب آئینے کے سطح کی رکھتا تھا تاب
کشتیوں میں جو دیے بھر کر چلے پانی میں شعلوں کے ریلے ہی چلے
منعکس تھے جو چراغاں تہ تلک آب کی وسعت تھی بر نجم فلک
کیا ہوائی چھوٹنے کا ہے بیاں ذو ذنب جیسے ستارے ہوں عیاں
جاہی جوہی چھوڑنا ہے یاد بود روشنان ذو ذوانب تھے نمود
گنج چھوٹے ایک سے روشن تھے جھاڑ دوطرف جس طرح سے جھڑتی ہے باڑ
اس روش سے تھے ستارے چھوٹتے ناگہاں جو ہوویں تارے ٹوٹتے
دیکھے جاتے تھے چراغاں آب میں شعلے تھے لہروں کے پیچ و تاب میں
ہر دو جانب چھن گئے ناری انار گل فشانی سے انھوں کی تھی بہار
ماہتابی اک طرف سے جو دغی چاند سا نکلا ہوئے حیراں سبھی
آفریں صناع لوگو آفریں کیا لگایا باغ آکر کاغذیں
گل کتر کر پھول گل ہی کر دیے رنگ تازے کاغذوں میں بھر دیے
متصل توپیں ستاروں کی دغیں لوگوں کی آنکھیں فلک سے جا لگیں
دیکھیاں کیا کیا نہ شعلہ خیزیاں تھیں ہوا میں سے ستارہ ریزیاں
نذر کو نواب کی اہل فرنگ لے کے آتش بازی آئے رنگ رنگ
عرصہ گل ریزی سے گلشن ہوگیا چرخ ان تاروں سے روشن ہوگیا
داغیاں توپیں ہوائی ایک بار پھیلے تارے آسماں پر بے شمار
کیا ہوائی باد میں لہرا گئی تاری سانپوں کے سے من پھیلا گئی
کیا ہی آتش دستیاں دے کر گئے شعلوں سے پانی کی لہریں بھر گئے
رحمت اے آتش زناں کیا لاگ ہے تہ بساط آب دریا آگ ہے

لکھ غزل اب میر رنگیں تر کوئی
سن کے ہو محظوظ جس کو ہر کوئی

غزل

لالہ کنار دریا نکلا ہے کیا زمیں سے اٹھتی نہیں ہیں آنکھیں دیکھو ادھر کہیں سے
بالیدگی سے پہنچے گل آدمی کے سر تک ہو واں تو رنگ ٹپکے جیب اور آستیں سے

خوش رنگ تر ہے ہر گل رخسار سے پری کے   صد برگ واں طرف ہے خورشید کی جبیں سے
منہ پر عبیر عاشق اصرار سے ملے ہیں   کب ہاتھ کھینچتے ہیں معشوق کی نہیں سے
صندل بھری جبیں سے کیا صبح چہرہ ہووے   اس قطعۂ چمن کے محبوب خوش نشیں سے
یک سو گلال منہ پر خوباں کے مل رہے ہیں   الجھے ہیں ہاتھ یک سو گیسوے نازنیں سے

جب میر جان دینا بوسے کے بدلے ٹھہرا
تب خوف کیجیے کیا پیشانیوں کی چیں سے

○

در تہنیت کدخدائی بشن سنگھ

آؤ ساقی کہ بزم عشرت ہے چشم بد دور خوب صحبت ہے
ازسرنو جواں ہوا ہے جہاں کدخدائی بشن سنگھ ہے یہاں
فرط شادی سے دل ہے جشن آباد ہر طرف ہے بہم مبارک باد
باؤ کرتی پھرے ہے پھول نثار گلشن دہر میں ہے تازہ بہار
آؤ مطرب لیے رباب اور چنگ کاڑھ منھ سے نوائے سیر آہنگ
شادمانی سے ہو نواپرداز اہل مجلس ہیں گوش برآواز
یاں سوا دل خوشی کے کام نہیں چپکے رہنے کا یہ مقام نہیں
آؤ ساقی کہ جمع ہیں احباب سب مہیا ہیں عیش کے اسباب
لا وہ جوں آفتاب ساغر زر آب گل رنگ سے لبالب کر
آج جھوما ہے ابر بخشش زور کچھ نظر ہے تجھے ہوا کی اور
دست راجا ہیں ابر نیسانی متصل کرتے ہیں درافشانی
کر چمن زار و دشت دلکش سیر ہیں نہال آج آشنا و غیر
گل نمط دل شگفتہ سب کے کیے خلعت فاخرہ سبھوں کو دیے
زر و گوہر دیے زبس ساقی کچھ نہیں بحر و کان میں باقی
لا کہاں ہے وہ لالہ رنگ شراب جس سے مست گزارہ ہوں احباب
آ مغنی غزل سرائی کر کچھ مزہ سے بھی آشنائی کر

پڑھ غزل میر کی جو ہووے یاد
اس کو اس فن میں کہتے ہیں استاد

غزل

ساقیا موسم جوانی ہے گرو بادہ کامرانی ہے
دے پیالہ کہ نقل مجلس عیش خوب رویاں کی بدزبانی ہے
لاؤ آب کشادہ دل کو گھول عین الطاف و مہربانی ہے

روے خوباں سے بزم کا ہے فروغ شمع خجلت سے پانی پانی ہے
رشک گلزار ہے یہ صحبت عیش
شش جہت جوش گل فشانی ہے

آؤ مطرب ہوں زمزمہ پرداز دے بہار گذشتہ کو آواز
گل و لالہ پہ چشم باز کرے رنگ صحبت کو دیکھ ناز کرے
چھیڑ ساز طرب نوا کے تئیں باندھ آواز سے ہوا کے تئیں
وجد میں لاؤ مے پرستوں کو یاد دے ٹک سرودمستوں کو
آؤ ساقی کہ روشنی ہے خوب گرم عشرت ہیں ہر طرف محبوب
نار مشعل نے نائرہ کھینچا نور کو مہ نے دائرہ کھینچا
کثرت روشنی سے شب ہے روز خشت سیمیں ہے ماہ دل افروز
صبح صادق کے منہ پہ کب ہے فروغ اس کو دعویٰ جو تھا وہ سب ہے دروغ
اب تو شیشہ شراب لا ساقی صحبت عیش کو چھکا ساقی
لاؤ رنگ رخ نکویاں کو مایۂ ناز خوب رویاں کو
چاہیے ہے گلابی مئے ناب جام ہے چشم روشنی کا باب
اس پری کو نکال شیشہ سے رنگ مجلس میں ڈال شیشہ سے
لطف کر ٹک وہ دل کی آسائش تا نظر آوے لطف آرائش
آؤ ساقی کہ ہوں تماشائی گرم خدمت ہے چرخ مینائی
چل ہوائی سے شعلہ خیزی دیکھ آسماں کی ستارہ ریزی دیکھ
متصل چھوٹتے جو ہیں گے انار راہ و رستے ہوئے ہیں باغ و بہار
عشق ہے تازہ کار آتش باز پھول گل میں ہے رنگ رنگ اعجاز
دیکھ صنعت گری صنعت گر گل کاغذ ہے غیرت گل تر
دیکھ ساقی تزک سواری کا چھوڑ آئین بردباری کا
چل گلابی کو ہاتھ میں لے لے ایک دو جام متصل دے لے
فیل یوں ہیں گے جھومتے جاتے جیسے آویں جوان مدھ ماتے
نوبتی اپنی اپنی نوبت ہے صرف کر جو ہنر کی طاقت ہے
دور ہے اب سپہر کا دلخواہ ہیں وضیع و شریف سب ہمراہ
آ سواری کا ٹک اصول بجاؤ طبع موزون اہتزاز میں لاؤ

ساتھ راجا سوار ہوتا ہے	شہر باغ و بہار ہوتا ہے
جل زربفت سے ہے فیل و نشاں	آگے مانند کوہ زر کے رواں
زور گوہر نثار کرتے ہیں	خلق کو مایہ دار کرتے ہیں
دیوے راجا تو کیا لیا چاہیے	خوشہ خوشہ گہر دیا چاہیے
پھینکتے ہیں جو دستہ دستہ گل	رہگذر میں ہیں رستہ رستہ گل
برق پارہ جو جستہ جستہ ہیں	سینکڑوں ویسے بال بستہ ہیں
گردنوں میں پڑیں حمائل گل	ہیں جلو میں بصد شمائل گل
لاؤ ساقی گل گلاب شراب	دے مجھے اب کہیں شتاب شراب
ہے شگفتہ دماغ دل وا ہے	نشہ اس عیش کا دوبالا ہے
رائے صاحب لباس زر در بر	نشۂ عیش و دلکشی در سر
زیر راں ایک اسپ خوش رفتار	گرم رفتن ہو تو ہے برق شعار
خوش سواری و خوش جلو خوش راہ	چھیڑ دیجے تو پھر نہ ٹھہرے نگاہ
کسمسانے میں ران کے اڑ جائے	ہاتھ ملتے ہیں جیسے کل مڑ جائے
ہے تو گلگوں بہار کا خوش رنگ	کام ہے اس پہ اس کے حسن سے تنگ
دوردو ہے اگرچہ اسپ خیال	بھول جاتا ہے اس کے آگے چال
ہیں مرصع جو اس کی زین و لگام	چشم کرتی ہے خیرگی ہر گام
باگ اس کی جو ٹک اچک جائے	پارۂ برق سا چمک جائے
دے نہ وہ شیشہ اب جو باقی ہے	حسن ایسا بھی اتفاقی ہے
جب سے ہے اس جہاں کی آبادی	تب سے ایسی نہیں ہوئی شادی
ہو مبارک یہ جشن خوش انجام	دور گردوں بہ کام عیش مدام

آؤ ساقی پڑھیں غزل کوئی
درمیاں اب نہیں خلل کوئی

غزل

موسم ابر ہے سبو بھی ہو	گل ہو گلشن ہو ایک تو بھی ہو
کب تک آئینہ کا یہ حسن قبول	منھ ترا اس طرف کبھو بھی ہو
کس کو بلبل ہے دم کشی کا دماغ	ہو تو گل ہی کی گفتگو بھی ہو
ہے غرض عشق صرف ہے لیکن	شرط ہے یہ کہ جستجو بھی ہو

ہو جو تیرا سا رنگ گل گاہے   رنجھیں ہم تب جب ایسی بو بھی ہو
دل تمناکدہ تو ہے پر یہاں   ہو تو تیری ہی آرزو بھی ہو
سرکشی گل کی خوش نہیں آتی   ناز کرنے کو ویسا رو بھی ہو
پا سکے اس کمر کو دست شوق   جو نمایاں بقدر مو بھی ہو

رد کش میرؔ ہوتے ناشاعر
جب انھیں ویسی آبرو بھی ہو

○

ساقی نامہ

ہے قابل حمد وہ سرانداز　　جو سب میں ہوا ہے جلوہ پرداز
اس کو مئے حسن نے چھکایا　　ہستی کا نشہ اسی سے آیا
پی ان نے شراب خودپرستی　　طاری ہوئی اس پہ زور مستی
وہ مست شراب ناز ہے فرد　　خورشید ہے اس کا جام پرورد
ہے گردش چشم اس سے افسوں　　پھر جائے ہے جس کے ساتھ گردوں
ظلمت ہے دوئی کی تجھ سے احول　　آخر ہے وہی وہی ہے اول
عالم ہے قرابۂ مئے خام　　ہے دور سپہر گردش جام
مشہور جہاں جو کیف و کم ہے　　بے نشہ جو ہووے تو ستم ہے
وہ مست نیاز ہے حرم میں　　وہ رفتۂ ناز ہے صنم میں
ہے آب رخ زمانہ اس سے　　روشن ہے تمام خانہ اس سے
مینا میں جو سرکشی ہے وہ ہے　　صہبا میں جو دلکشی ہے وہ ہے
شمشاد ہے سرفراز اس سے　　گل دیدۂ نیم باز اس سے
خوگر اسے نازپیشگی ہے　　وہ ہے کہ جسے ہمیشگی ہے
عکس اس کا پڑا ہے جام مے میں　　آتی ہے صدا اسی کی نے میں
ہے جلوہ گری میں یاں بصد ناز　　وہ مست گزارہ و سرانداز
سو رنگ ہیں اس کے یاد رکھ تو　　ہر جلوہ سے دل کو شاد رکھ تو
عالم میں جو کچھ نمود میں ہے　　ہر لحظہ اسے سجود میں ہے
کر یاد اسی کو اور مے پی　　جیتا رہے کوئی دن تو خوش جی
اب روے سخن چمن کو کریے　　مینائے دل اور مے سے بھریے
آئی ہے بہار مے گساراں　　پھولے ہیں چمن میں گل ہزاراں
آئی ہے بہار و ہر خیاباں　　ہے لطف ہوا سے گل بہ داماں
آئی ہے بہار زہدکیشاں　　ہے توبۂ بادہ دل پریشاں

آئی ہے بہار مرغ گلزار کرتا ہے نوائے سینہ افگار
لایا ہے بہ زور اس کا نالہ مجھ کو بھی برائے سیر لالہ
ساقی جو کروں میں بے ادائی معذور رکھ اب بہار آئی
گل باد صبا کے تا کمر ہے دامان بلند ابر تر ہے
غنچہ کی گلابیاں بھری ہیں تکلیف کی منتظر دھری ہیں
ظالم مئے ناب دے ہوا ہے یک جرعہ شراب دے ہوا ہے
ہر سر میں ہے شور فصل دے کا جھمکے ہے ہوا سے رنگ مے کا
اطراف چمن کھلا ہے لالہ ہر پھول شراب کا ہے پیالہ
آیا ہے چمن پہ ابر جوشاں آب رخ کار سبز پوشاں
تحریک نسیم دم بہ دم ہے تکلیف ہوائے گل ستم ہے
ابروں نے بھی کی ہے مے پرستی اٹھتے ہیں بصد سیاہ مستی
بوندوں کا جو لگ رہا ہے جھمکا رنگ گل و لالہ زور چمکا
ہے گل کی ہوا سبو کشی میں بلبل کا دماغ بو کشی میں
ہر شاخ ہے شوخ جام در دست نرگس ہے کسو کی نرگس مست
ہے رنگ ہوا کا آفتابی جھومیں ہیں نہال جوں شرابی
ہے سرو جوان نشہ در سر لوٹے ہے روش پہ سبزۂ تر
چشمک کرے ہے حباب جو کا یعنی کہ ہے دور اب سبو کا
ساقی قدحے کہ ذوق مل ہے
مطرب غزلے کہ فصل گل ہے

غزل

شب وہ جو پیے شراب نکلا جانا یہ کہ آفتاب نکلا
قربان پیالۂ مئے ناب جس سے کہ ترا حجاب نکلا
تجھ بن جو پیا تھا قطرہ مے کا آنکھوں سے ہو خون ناب نکلا
مستی میں شراب کی جو دیکھا عالم یہ تمام خواب نکلا
شیخ آتے تو مے کدے میں آیا پر ہو کے بہت خراب نکلا
یک جرعہ شراب ہی میں واعظ ہر مسخرگی کا باب نکلا

تھا غیرت بادہ عکس گل سے
جس جوے چمن سے آب نکلا

ہو صرف شراب کاش ساقی — یہ شیشۂ عمر ہے جو باقی
بے ساغر مے خنک ہے جینا — رکھتا ہے شگوں شراب پینا
لا بادۂ کہنہ سال نو ہے — سجادہ بھی بابت گرو ہے
دروازۂ مے کدہ کھلا ہے — ہر پیر و جواں کو الصلا ہے
اینڈے ہے ہر ایک مست جوں تاک — لیتے نہیں نام دامن پاک
ہر مغبچہ فتنہ زیر سر ہے — ہر گوشے میں عالم دگر ہے
مستی نگاہ عقل دشمن — خوبی خرام مرد افگن
کہتے گئے صاحب کرامات — ہم ہی نہیں قابل خرابات
جو لوگ کہ اس جگہ سے اٹھے — کب حلقہ و خانقہ سے اٹھے
یاں پیتے ہیں جام بےخودی کا — ہے دور تمام بےخودی کا
مستی سے ہر ایک صبح صد بار — خورشید کا سر ہے اور دیوار
ہے قابل سیر خرقہ پوشاں — دریا دلی شراب نوشاں
ان لوگوں کی ہر کمینہ صف میں — کشتی ہے شہ و گدا کی کف میں
ہر کوچے میں رہتی تھی منادی — تا رسم خرددری اٹھا دی
از خود شدن اک مقام ہے گا — وہ مرتبہ یاں مدام ہے گا
ہرچند ہے دور پر کہاں تک — اک لغزش پا میں یاں سے واں تک
بے خود ہو کہ یہ حجاب اٹھے — دل یاں سے کہیں شتاب اٹھے
پہنچیں ہیں فنا کو بےخودی سے — پاتے ہیں خدا کو بےخودی سے
پی جرعہ و ہوش کو دعا کہہ — ہر بادہ فروش کو دعا کہہ
جوشش میں ہے بادۂ کہن سال — عبرت ہو جسے خوش اس کا احوال
اب دل میں مرے بھی جوش آیا — اب وقت وداع ہوش آیا
کھینچوں میں کہاں تلک دم سرد — ساقی وہ شراب شعلہ پرورد
وہ داروے درد بے حضوراں — وہ مایۂ نور چشم کوراں
سرمایۂ عمر جاودانی — یعنی وہی آب زندگانی
وہ میوۂ خوش رسیدہ بارے — وہ عیش دل گزیدہ بارے

آئینۂ حسن خود پسنداں — زینت دہ عنبریں کمنداں
وہ رنگ رخ بہار یعنی — وہ ، بادۂ خوش گوار یعنی
یاقوت گداز دادۂ عشق — یعنی وہی جام بادۂ عشق
وہ لطف ہوا وہ سیر مہتاب — وہ شعلۂ غوطہ خوردہ در آب
وہ کام دل سبو بدوشاں — یعنی کہ وہی شراب جوشاں
وہ موجب دل خوشی کہاں ہے — وہ داروے بے ہشی کہاں ہے
وہ جس کی طرف کو ہے تہ دل — یعنی وہی ماہ شیشہ منزل
وہ آتش تیز آب آمیز — وہ عربدہ جو وہ فتنہ انگیز
وہ مقصد جان ناامیداں — وہ روسیہی روسفیداں
وہ رونق کارگاہ شیشہ — وہ شوکت بارگاہ شیشہ
وہ جس سے ہے توبہ مو پریشاں — وہ جس سے ہو گفتگو پریشاں
وہ دامن خشک جس سے جل جائے — ثابت قدموں کا پاؤں چل جائے
وہ سرخی چشم خوب رویاں — اسباب خرابی نکویاں
وہ دلبر خودسر و شلائیں — وہ رہزن راہ دین و آئیں
وہ جس سے غبار دل سے دھوؤں — مینا کے گلے سے لگ کے روؤں
مستی کی مجھے بھی خواہشیں ہیں — اس عقل سے دل کو کاہشیں ہیں
لا اس کو جو آستین جھاڑوں — پھر ہاتھ چلے تو جیب پھاڑوں
بے ہوش شراب ناب رہیے — یوں تا بہ کجا کباب رہیے
ہے مستی بے خودی ضروری — کھل جائے مقام بے شعوری
دل غم سے بھرا ہے زور میرا — تا عرش گیا ہے شور میرا
ہے دل میں کہ گل کی اور رو ہو — شیشہ ہو بغل میں اور تو ہو
ہر گام پہ لغزش قدم ہو — تکلیف شراب دم بہ دم ہو
جب سجدہ کناں ہوں صبح خیزاں — جب کاکل صبح ہو پریشاں
جب نکلے ستارۂ سحرگہ — کر نعرۂ الصبوح یک رہ
ہے ذوق شراب صبح گاہی . بے لطف نہیں ہے روسیاہی
جب ہووے نشہ ترنگ آوے — مستی مجھے باغ میں لٹاوے
شیشہ مرے منہ کو تو لگاوے — کر ایسی نگاہ جو چھکاوے

جب بے خودی تمام آوے   سر پر مرے ہوش رو کے جاوے
رخصت ہے تجھے کہ میں نہ ہوں گا   بے ہوش و خرد ہی پھر رہوں گا
بیٹھا تو کروں گا شکر تیرا
ہو ورنہ قبول عذر میرا

مقولۂ شاعر

کیا میرؔ شراب تونے پی ہے   بیہودہ یہ گفتگو جو کی ہے
یا آب سیہ ترے قلم نے   یہ تجھ سے عجب کیا ہے ہم نے
تو کاہے کو اتنا ہرزہ گو تھا   کب در گرو شراب تو تھا
بس مے سے زباں کو اب نہ تر کر   مستی سخن پہ ٹک نظر کر
ہے نشۂ سامعہ دوبالا
پھر حرف نہ جائے گا سنبھالا

○

مثنوی

(عاشقانہ)

شعلۂ عشق[1]

محبت نے ظلمت سے کاڑھا ہے نور — نہ ہوتی محبت نہ ہوتا ظہور
محبت مسبب محبت سبب — محبت سے آتے ہیں کار عجب
محبت بن اس جا نہ آیا کوئی — محبت سے خالی نہ پایا کوئی
محبت ہی اس کارخانے میں ہے — محبت سے سب کچھ زمانے میں ہے
محبت سے کس کو ہوا ہے فراغ — محبت نے کیا کیا دکھائے ہیں داغ
محبت اگر کارپرداز ہو — دلوں کے تئیں سوز سے ساز ہو
محبت ہے آب رخ کار دل — محبت ہے گرمی آزار دل
محبت عجب خواب خوں ریز ہے — محبت بلاے دل آویز ہے
محبت کی ہیں کارپردازیاں — کہ عاشق سے ہوتی ہیں جانبازیاں
محبت کی آتش سے اخگر ہے دل — محبت نہ ہووے تو پتھر ہے دل
محبت کو ہے اس گلستاں میں راہ — کلی کے دل تنگ میں بھی ہے چاہ
محبت ہی سے دل کو رو بیٹھیے — محبت میں جی مفت کھو بیٹھیے
محبت لگاتی ہے پانی میں آگ — محبت سے ہے تیغ و گردن میں لاگ
محبت سے ہے انتظام جہاں — محبت سے گردش میں ہے آسماں
محبت سے روتے گئے یار خوں — محبت سے ہو ہو گیا ہے جنوں
محبت سے آتا ہے جو کچھ کہو — محبت سے ہو جو وہ ہرگز نہ ہو
محبت سے پروانہ آتش بجاں — محبت سے بلبل ہے گرم فغاں
اسی آگ سے شمع کو ہے گداز — اسی کے لیے گل ہے سرگرم ناز
محبت ہی ہے تحت سے تا بہ فوق — زمیں آسماں سب ہیں لبریز شوق
محبت سے یاروں کے ہیں رنگ زرد — دلوں میں محبت سے اٹھتے ہیں درد
گیا قیس ناشاد اس عشق میں — کھپی جان فرہاد اس عشق میں

---

(۱) اس مثنوی کا عنوان نسخۂ آسی اور نسخۂ نولکشور میں ''شعلۂ شوق'' ہے، لیکن کسی باعث ''شعلۂ عشق'' نام مشہور ہوگیا۔ لہٰذا یہی عنوان یہاں باقی رکھا گیا ہے۔ میر کے زمانے کے ایک مخطوطے میں بھی اس مثنوی کا عنوان ''شعلۂ شوق'' ہے۔ مرتب

ہوئی اس سے شیریں کی حالت تباہ   کیا اس سے لیلیٰ نے خیمہ سیاہ
سنا ہوگا وامق پہ جو کچھ ہوا   نل اس عشق میں کس طرح سے موا
جو عذرا پہ گذرا سو مشہور ہے   دمن کا بھی احوال مذکور ہے
ستم اس بلا کے ہی سہتے گئے   سب اس عشق کو عشق کہتے گئے
اس آتش سے گرمی ہے خورشید میں   یہی ذرے کی جان نومید میں
اسی سے دل ماہ ہے داغ دار   کتاں کا جگر ہے سراسر فگار
نئے اس کے چرچے حکایت نئی   کبھے شکر گاہے شکایت سنی
اسی سے قیامت ہے ہر چار اور   اسی فتنہ گر کا ہے عالم میں شور
کوئی شہر ایسا نہ دیکھا کہ واں   نہ ہو اس سے آشوب محشر عیاں
کب اس عشق نے تازہ کاری نہ کی   کہاں خون سے غازہ کاری نہ کی

زمانے میں ایسا نہیں تازہ کار
غرض ہے یہ اعجوبۂ روزگار

آغاز قصہ

عجب کام پٹنے میں اس سے ہوا   عجب اہل عالم کو جس سے ہوا
کہ واں اک جواں تھا پرس رام نام   خوش اندام و خوش قامت و خوش خرام
جوانی کے گلشن کا وہ آب و رنگ   گلستاں پہ کام اس کی خوبی سے تنگ
جدھر نکلے رنگیں ادائی کے ساتھ   چلے جائیں جی خوش نمائی کے ساتھ
کھلے بال چلتا تھا وہ سرو ناز   قدم بوس کو آتی عمر دراز
جدھر کو وہ ٹک گرم رفتار ہو   قیامت ادھر سے نمودار ہو
نگہ گرم اس کی جدھر جا لڑی   کہے تو کہ اودھر کو بجلی پڑی
وہ کافر بھویں ہوویں مائل جہاں   کریں سجدہ اس جا پہ اسلامیاں
نگہ تیغ مجروح جس کے پڑے   پلک سیل جوں دل میں جاکر گڑے
سیہ چشم اس کے دو بدمست تھے   نگاہوں سے شمشیر در دست تھے
رخ اس کا کہاں اور مہ و خور کہاں   تفاوت زمیں آسماں کا ہے یاں
دو لب لعل کو جن سے شرمندگی   دم حرف سرمایۂ زندگی
دہن کی جو تنگی نظر کیجیے   تو آگے سخن مختصر کیجیے
نہ ہم تم زنخ دیکھ حیراں رہیں   سبھی دست زیر زنخداں رہیں

سراپا میں اس کے جہاں دیکھیے
وہیں روے مقصود جاں دیکھیے

خراماں نکلتا وہ جس راہ سے
قیامت تھی واں نالہ و آہ سے

فدا اس پہ جی جان ہر ایک کا
کہ مقصود دل تھا بد و نیک کا

کئی گرد و پیش اس کے وارفتگاں
کئی ایدھر اودھر جگر تفتگاں

بہت رفتگان ادائے کلام
بہت مبتلائے بلائے خرام

کوئی کشتۂ شوق رفتار کا
کوئی نیم جاں ذوق دیدار کا

کوئی والۂ خندۂ برق وش
کسو کے تئیں جنبش لب سے غش

کسو کی نظر میں کمر کی لچک
کسو کے جگر میں پلک کی کسک

کوئی حیرتی طرز گفتار کے
کوئی آرزوکش بروبار کے

کوئی زلف سے اس کی مجنوں رہے
کسو کا تبسم سے دل خوں رہے

کوئی دل ستم کشتۂ یک نگاہ
کوئی جان ہونٹوں پہ موقوف آہ

کسو پر فسوں گردش چشم کا
کسو پر غضب غمزہ و خشم کا

کوئی دست بر دل کوئی بے قرار
کوئی بے خبر کوئی بے اختیار

انھوں میں سے اک عاشق زار تھا
اس آفت کو اس سے سروکار تھا

محبت میں تھا جذب کامل اسے
مراد دل اپنی تھی حاصل اسے

شب و روز ہم بستر کام دل
ہمیشہ ہم آغوش آرام دل

دم اس کے میں یاں تک تو تاثیر تھی
کہ صحبت اس آتش سے درگیر تھی

بہم ربط چسپاں بہم اختلاط
نہ کم ہوتی گرمی نہ کم اختلاط

مرو کوئی غم سے کوئی ہو ہلاک
وہ شعلہ اسی خس سے رکھتا تپاک

کہاں حسن میں تھا وفا کا یہ پاس
یہ سنیے کہ ہے گا خلاف قیاس

بہت سے بہت اس کا مالوف تھا
اسی کی تسلی سے مصروف تھا

کہ ناگہ وہ دلبر ہوا کدخدا
رہا اپنے عاشق سے چندے جدا

زن و شو سے اخلاص باہم ہوا
اس آشفتہ سے رابطہ کم ہوا

نگاہیں بہم دل میں کاوش کریں
سخن سے وفائیں تراوش کریں

ہوا ربط چسپاں بہم اس قدر
کہ دشوار اٹھے ہم دگر سے نظر

رہیں دونوں دست و بغل روز و شب
کبھو منھ پہ منھ ہو کبھو لب پہ لب

وفا نے جو تکلیف کی ایک روز — گیا اپنے عاشق کے وہ دل فروز
کئی دن میں جاکر جو اس سے ملا — کیا اس نے حد سے زیادہ گلہ
کہ اے نازنیں آہ کن نے کہا — کہ تو حال سے میرے غافل رہا
مگر سد رہ تھا کسو کا فریب — ملا کوئی تجھ سے بھی دشمن شکیب
کوئی زلف زنجیر پا ہوگئی — کہ مسدود راہ وفا ہوگئی
طرح کس کی چتون کی دل میں کھبی — جگر میں پلک شوخ کس کی چبھی
کسو چشم نے تجھ کو جادو کیا — مرے جام عشرت کو لوہو کیا
کہا ان نے تھی کدخدائی مری — نہ تھی بےسبب یہ جدائی مری
رکھ اب مجھ کو معذور ناچار ہوں — محبت کا میں نوگرفتار ہوں
نہ فرصت مجھے صبح ہے اب نہ شام — طرف اس کے ہے دل کو میل تمام
اسے بھی مرے ساتھ اخلاص ہے — دلوں کو بہم رابطہ خاص ہے
اسے مجھ سے ہے نسبت عاشقی — وہ رہتی ہے بے طاقت عاشقی
نہیں اس کو یک لحظہ تاب فراق — جدائی مری اس پہ گذرے ہے شاق
نکلتا ہوں گھر سے جو میں ایک آن — تو پاتا ہوں جاکر اسے نیم جان
نہ دیکھے جو مجھ کو تو مر جائے وہ — وہیں جی سے اپنے گذر جائے وہ
جو پہنچے مری جھوٹھ اسے بدخبر — تو کر بیٹھے بچ اپنے جی کا ضرر
غرض اس کو تاب و تحمل نہیں — شکیبائی ہجر بالکل نہیں
یہ سن کر کہا اس دل افگار نے — ستم کشتۂ دوری یار نے
کہ مجھ کو نہیں تیری باتیں قبول — یہ مکر زناں ہیں تو ان پر نہ بھول
وفا کن نے ان ناقصوں میں سے کی — موا شوے کس کا کہ وہ پھر نہ جی
یہ ظاہر میں ہر چند ہوں رشک ماہ — ولیکن ہیں باطن میں مار سیاہ
خدا مکر سے ان کے دے ہے خبر — نہیں ان سے کوئی فریبندہ تر
جہاں میں فریب ان کا مشہور ہے — زبانوں پہ مکر ان کا مذکور ہے
پئے امتحاں عاقبت یک نفر — مقرر ہوا تاکہ جا اس کے گھر
کہے غرق دریا ہوا پرس رام — ہوئی زندگانی کی صبح اس کی شام
گیا تھا نہانے کو وقت سحر — سو ڈوبا وہ خورشید روشن گہر

کیا موج دریا نے سر سے گذار — اٹھا طبع نازک سے اس کے غبار
وہ گیسو جو بکھرے تھے بالائے آب — سو اب موج دریا کو ہے پیچ و تاب
پھرے تھیں جو وے انکھڑیاں آب میں — سو وے گردشیں اب ہیں گرداب میں
تمنا میں تھے جس کے سب دل فگار — سو دریا کو اب ہے وہ بوس و کنار
نہ سمجھا وہ نافہم اسرار عشق — نہ سوچا وہ ناتجربہ کار عشق
کہا غرق دریا ہوا پرس رام — ہوا کام اس رشک مہ کا تمام
کہے تو کہ موجوں کو تھا انتظار — کہ دست و بغل ہوگئیں ایک بار
گیا بیٹھ پانی میں ایسا شتاب — کہ گویا لب آب کا تھا حباب
کنارے پہ دریا کے اک شور ہے — بحال خراب ایک جمہور ہے
گرے ہیں کئی آشنا آب میں — کئی آتش غم سے ہیں تاب میں
کوئی سر پہ اس غم سے ڈالے ہے خاک — کسی نے کیا ہے گریباں کو چاک
ہمیں داغ وہ در تر دے گیا — بہت آب یہ ماجرا لے گیا
سنا اس کی ہمسر نے جب یہ سخن — ہوا موج زن بحر رنج و محن
نگہ اک طرف در کے مایوس کی — دم سرد کھینچا گیا ڈوب جی
وہی بےخودی رخصت جان تھی — وہ اک دم کی گویا کہ مہمان تھی
گری ہو کے بے جان وہ دردمند — ہوا شور نوحے کا گھر سے بلند
موئی غم میں اس جملہ تن ناز کے — گئی جان ہمرہ سخن ساز کے
وہ آیا جو تھا دل پریشاں گیا — کہ اس واقعے سے پشیماں گیا
خبر لے گیا اس کنے زود تر — جو تھا درپئے امتحاں بے خبر
کہ وہ رشک مہ امتحاں دے گئی — محبت کے ناموس کو لے گئی
موا سن پرس رام کے تیں موئی — مرے اک سخن میں قیامت ہوئی
اگرچہ نہ کچھ ان نے منھ سے کہا — دیا جی دلے جی اسی میں رہا
یہ سن کر وہ نافہم حیراں ہوا — خجالت میں سر در گریباں ہوا
گیا ہوش سن کر پرس رام کا — دوانہ ہوا عشق کے کام کا
اٹھا بےخود و بےخرد بے حواس — گرا آکے اس پیکر مردہ پاس
لگا کہنے اے مایۂ زندگی — مجھے منھ سے تیرے ہے شرمندگی

کیا جلد رخت سفر تونے بار ۔۔۔ نہ میرا کیا آہ تک انتظار
نہ میری سنی کچھ نہ اپنی کہی ۔۔۔ مرے تیرے دونوں کے جی میں رہی
زمیں پر سے آخر اٹھایا اسے ۔۔۔ لب آب جاکر جلایا اسے
جب آگ اس کے پیکر پہ سب چھا گئی ۔۔۔ محبت عجب داغ دکھلا گئی
یہ سرگرم فریاد و زاری ہوا ۔۔۔ لہو اس کی آنکھوں سے جاری ہوا
جگر غم میں یک لخت خوں ہوگیا ۔۔۔ رکا دل کہ آخر جنوں ہوگیا
گئے ہوش و صبر اس کے یک بارگی ۔۔۔ طبیعت میں آئی اک آوارگی
سراسیمگی سے بگولا ہوا ۔۔۔ پھرے اس طرح جیسے بھولا ہوا
نہ جی کو تسلی نہ دل کو قرار ۔۔۔ کف غم میں سررشتۂ اختیار
کبھو یاد کر اس کو نالاں رہے ۔۔۔ کبھو ٹک جو بھولے تو حیراں رہے
کبھو یاں کبھو واں بحال خراب ۔۔۔ وہی بے قراری وہی اضطراب
رہے گھر تو آشوب کہ وہ گلی ۔۔۔ چمن میں جو لے جائیں تو بے کلی
کبھو متصل ہونٹھ پر آہ سرد ۔۔۔ کبھو دست بر دل کہ دل میں ہے درد
ہوئی رفتہ رفتہ جو وحشت زیاد ۔۔۔ لگا بھاگنے سب سے وہ نامراد
کچھ اپنے بد و نیک کی سدھ نہیں ۔۔۔ نکل جائے تنہا کہیں کا کہیں
کبھو جاکے صحرا سے لاویں اسے ۔۔۔ کبھو روتے دریا پہ پاویں اسے
کبھو خاک ملتا ہے منھ پر کھڑا ۔۔۔ کہیں ہے خرابی میں بے سدھ پڑا
سر شام اک روز دریا گیا ۔۔۔ ہوئی رات واں سے نہ آیا گیا
کنارے پہ رہتا تھا اک دام دار ۔۔۔ رہا رات اس کے یہ قرب و جوار
کہا اس کی عورت نے اس رات کو ۔۔۔ نہیں تجھ سے جی چاہتا بات کو
تجھے فکر کچھ اب ہماری نہیں ۔۔۔ تو جاتا نہیں شام کو اب کہیں
ترا شب کو دریا میں پڑتا تھا دام ۔۔۔ تو چلتا تھا بارے معیشت کا کام
تو جاتا نہیں شب کو جس روز سے ۔۔۔ معیشت ہے اندوہ جاں سوز سے
نہیں طاقت صبر ہم کو تنک ۔۔۔ بہت دیر ملتا ہے نان و نمک
وہ بولا کہ میں بھی پریشان ہوں ۔۔۔ بہت تنگ دستی سے حیران ہوں
کہوں کیا کئی روز سے شام کو ۔۔۔ اٹھاتا ہوں میں اس سبب دام کو

کہ یک شعلۂ تند پرپیچ و تاب فلک سے اترتا ہے نزدیک آب
کوئی دم تو رہتا ہے سرگرم گشت کبھی سوے دریا کبھی سوے دشت
ٹھہرتا جو ہے پھر کنارے پہ واں کہے ہے پرس رام تو ہے کہاں
یہ آتش مرے دل کی کیونکر بجھے عدم میں بھی میں نے نہ پایا تجھے
کیا عشق نے مجھ کو آتش کا باب نہ چھڑکا مری آگ پر تونے آب
گیا وہ یہ کہہ کر سوے آسماں رہے ہے مجھے رات دن خوف جاں
سنا حال شعلے کا صیاد سے دھواں اک اٹھا جان ناشاد سے
ہوا شعلۂ شوق دل سے بلند رہا لوٹتا آگ میں جوں سپند
گئی رات جوں توں ہوئی صبح جب زیادہ ہوئی عشق کی تاب و تب
محبت نے کی اشتعالک کہ وہ سراسیمہ آیا چلا اس جگہ
جہاں سے اٹھی تھی یہ آتش سلگ پھر اس کے جگر کو لگی گھر کو لگ
تبسم کناں واں یہ ان نے کہا کہ کلفت میں غم کی بہت میں رہا
چلو سیرگشتی کو ہنگام شب لب آب خالی کریں دل کو سب
ہوا سو ہوا یوں ہی تقدیر تھی جہاں سوز الفت کی تاثیر تھی
نہ ہوتے جو دل گیر یاں متصل نہ ہوتی یہ آتش کبھو مشتعل
کیاں عقل کی ان نے باتیں جو واں وہ عاشق جو تھا درپئے امتحاں
لگا کہنے یہ آرزو تھی مجھے کہ اک روز ہشیار دیکھوں تجھے
سو یہ دن خدا نے دکھایا مجھے سخن تیرے منھ کا سنایا مجھے
ندامت سے ہوں تنگ شاہد ہیں سب گرفتار ہوں میں بحال عجب
نہ خجلت سے رو ہے جو کچھ میں کہوں نہ قدرت اجل پر کہ مر بھی رہوں
نہ تقدیر کا میں نے سمجھا فریب نہ جانا کہ اتنی ہے وہ ناشکیب
ہوا اک سخن میں مرے یہ غضب خرابی کا تیری ہوا میں سبب
کروں گا زمانے میں جب تک معاش رہوں گا اسی درد سے دل خراش
مقرر کیا ہے کئی دن سے یہ کہ آئندہ رہیے تری خاک رہ
جواس میں ہے خوش تو تو ہوں میں بھی ساتھ رہیں گے لب آب نت آج رات
دل پر کو خالی کریں گے بہم پھریں گے ترے ساتھ خوش کوئی دم

ہوئے عاقبت سوے دریا رواں — نہ پیدا کسو پر یہ راز نہاں
کہ اِک آگ سلگی ہے واں یک کنار — محبت کہیں میں ہے سرگرم کار
کسو اشتعالک کی ہے منتظر — جہاں سر کو کھینچا قیامت ہے پھر
ہوئے ناؤ پر شام گہ جب سوار — کہا ان نے یاں ایک ہے دام دار
جہاں قفل ہو راہ دریا تو وھاں — کفایت ہے اس کی کلید زباں
اسے ساتھ لو تو بھلی بات ہے — کہ دریا میں پھرنا ہے اور رات ہے
لیا آخرالامر ہمرہ اسے — بٹھایا قریب اپنے کہہ کہہ اسے
تنک دور چل کر کیا یہ سوال — مجھے ہے ترے حرف شب کا خیال
کہاں شعلۂ سرکش آتا ہے یاں — کدھر پیچ و تاب آکے کھاتا ہے یاں
کہاں لے ہے دریا پہ اک دم قرار — کدھر مضطرب ہو کرے ہے گذار
ٹھہرتا ہے کس جا وہ آتش فگن — طرف کون سے ہو ہے گرم تخن
یہ صیاد سے تھا ہی محو سراغ — جگر آتش شوق رکھتی تھی داغ
کہ ہوکر فروغ اک سوے آسماں — تڑپنے لگا جیسے آتش بجاں
کوئی دم میں دریا پہ آیا فرود — ہوا نیزہ بالا سبھوں کو نمود
لب آب وہ شعلۂ جاں گداز — تڑپ کر بہت بازبان دراز
پکارا کہاں ہے پرس رام تو — محبت کا ٹک دیکھ انجام تو
کہ میں جملہ تن آتش تیز ہوں — دل گرم سے شعلہ انگیز ہوں
بھڑکتی ہے جب آگ دل کی مرے — لب آب اتروں ہوں غم میں ترے
مگر سوزش دل ہو کم آب سے — بجھے جی مرا اس تب و تاب سے
سو یہ آب رکھتا ہے روغن کا کام — کیا عشق نے آہ دشمن کا کام
یہ بے تاب سن کر ہوا بے قرار — سفینے سے اترا بصد اضطرار
ہوا ہمدم اس آتش انگیز سے — کہا اس بلاے دل آویز سے
کہ میں ہوں پرس رام خانہ خراب — مرا دل بھی اس آگ سے ہے کباب
مرے بھی جگر میں یہی سوز ہے — یہی مجھ کو جلنا شب و روز ہے
محبت تری برق خرمن ہوئی — تری دوستی جی کی دشمن ہوئی
سخن مختصر کچھ وہ شعلہ چلا — کچھ اک اپنی جاگہ سے یہ دل جلا

بہم گرم جوشی سے یک جا ہوئے　　کہ گذری تھی مدت بھی تنہا ہوئے
وہ شعلہ رہا ایک جا مشتعل　　کچھ تو تسلی ہوئے جان و دل
یکایک بھڑک کر وہ جلنے لگا　　پھر ایدھر ادھر پھرنے چلنے لگا
کیا پاس پانی کے آکر صعود　　رہی روشنی سی کوئی دم نمود
پھر آگے کسو پر نہ پیدا ہوا　　نہ جانا کہ وہ شعلہ پھر کیا ہوا
خبردار ہو اہل کشتی تمام　　لگے کہنے باہم نہیں پرس رام
اٹھے ڈھونڈنے ہوکے سب ناصبور　　کنارے پہ دریا کے نزدیک و دور
نہ پایا کہیں اس کو حیراں ہوئے　　نہایت ہی خاطر پریشاں ہوئے
وہ صیاد بولا کہ دوں میں نشاں　　گیا تھا سوے شعلہ یہ نوجواں
یہ اور آگ دونوں ہوئے ہم سخن　　وہ شعلہ ہوا اس پہ آتش فگن
یہ جوشش تو یاں سے تھی مدنظر　　پھر آگے نہیں اس کی مجھ کو خبر
نہ ہو آتش غم سے پہلے ہی داغ　　چلو اس طرف کو جو نکلے سراغ
گئے مضطرب حال سارے رواں　　تڑپتا تھا وہ شعلہ آکر جہاں
تلاش اس کی کی اور لے لے کے نام　　پکارے بہت پر کہاں پرس رام
محبت نے ایسا کھپایا اسے　　کہ ہرگز کسھوں نے نہ پایا اسے
یقینی ہوا یہ کہ وہ تیز آگ　　اسی نیم کشتہ سے رکھتی تھی لاگ
لپٹ اس کو شعلہ ہی وہ لے گیا　　عجب طور کا داغ یہ دے گیا
پھرے خوار ہو ہو کے ناچار سب　　کسی کو تحیر کسی کو عجب
کوئی منفعل ساتھ آنے سے تھا　　کوئی بر لب آب جانے سے تھا
خصوصاً وہ عاشق ہوا پرخجل　　ندامت ہوئی یہ جسے متصل
نہ تھا اگلی خجلت ہی سے روے حرف　　ہوا دوسرا ماجراے شگرف
تفکر کے دریا میں ڈوبا ہوا　　کنارے پہ بیٹھا تھا روتا ہوا
کہ پوچھیں گے جو اس کے واماندگاں　　تو یہ واقعہ کیا کروں گا بیاں
کہوں کیونکے یک بار وہ جل گیا　　کف خاک ہو خاک میں رل گیا
کھنچی جرم کو بے گناہی مری　　ہوئی شہر میں روسیاہی مری

وہ شعلہ جلاتا مجھے کاش کے
لیے ساتھ جاتا مجھے کاش کے

مقولۂ شاعر

اگر ہے یہ قصہ بھی حیرت فزا ولے میرؔ یہ عشق ہے بدبلا
بہت جی جلائے ہیں اس عشق نے بہت گھر لٹائے ہیں اس عشق نے
فسانوں سے اس کے لبالب ہے دہر جلائے ہیں اس تند آتش نے شہر
محبت نہ ہو کاش مخلوق کو
نہ چھوڑے یہ عاشق نہ معشوق کو

○

دریاے عشق

عشق ہے تازہ کار و تازہ خیال — ہر جگہ اس کی اک نئی ہے چال
دل میں جاکر کہیں تو درد ہوا — کہیں سینے میں آہ سرد ہوا
کہیں آنکھوں سے خون ہوکے بہا — کہیں سر میں جنون ہو کے رہا
کہیں رونا ہوا ندامت کا — کہیں ہنسنا ہوا جراحت کا
گہ نمک اس کو داغ کا پایا — گہ پتنگا چراغ کا پایا
واں طپیدن ہوا جگر کے بیچ — یاں تبسم ہے زخم تر کے بیچ
کہیں آنسو کی یہ سرایت ہے — کہیں یہ خوں چکاں حکایت ہے
تھا کسی دل میں نالۂ جاں کاہ — ہے کسو لب پہ ناتواں اک آہ
تھا کسو کی پلک کی نم ناکی — ہے کسو خاطروں کی غم ناکی
کہیں باعث ہے دل کی تنگی کا — کہیں موجب شکستہ رنگی کا
کہیں اندوہ جان آگہ تھا — سوزش سینہ ایک جاگہ تھا
کہیں عشاق کی نیاز ہوا — کہیں اندوہ جاں گداز ہوا
ہے کہیں دل جگر کی بے تابی — تھا کسو مضطرب کی بے خوابی
کسو چہرے کا رنگ زرد ہوا — کسو محمل کی رہ کی گرد ہوا
طور پر جا کے شعلہ پیشہ رہا — بے ستوں میں شرار تیشہ رہا
کہیں نے بست کو لگائی آگ — کہیں تیغ و گلو میں رکھی لاگ
کبھو افغان مرغ گلشن تھا — کبھو قمری کا طوق گردن تھا
کسو مسلخ میں جا قتارہ ہوا — کوئی دل ہو کے پارہ پارہ ہوا
ایک عالم میں دردمندی کی — ایک محفل میں جا سپندی کی
ایک دل سے اٹھے ہے ہوکر دود — ایک لب پر سخن ہے خون آلود
اک زمانے میں دل کی خواہش تھا — اک سمیں میں جگر کی کاہش تھا
کہیں بیٹھے ہے جی میں ہوکر چاہ — کہیں رہتا ہے قتل تک ہمراہ

خار خار دل غریباں ہے انتظار بلا نصیباں ہے
کہیں شیون ہے اہل ماتم کا کہیں نوحہ ہے جان پر غم کا
آرزو تھا امیدواروں کی دردمندی جگر فگاروں کی
نمک زخم سینہ ریشاں ہے نگہ یاس مہر کیشاں ہے
حسرت آلود آہ تھا یہ کہیں شوق کی یک نگاہ تھا یہ کہیں
کشش اس کی ہے ایک اعجوبہ ڈوبا عاشق تو یار بھی ڈوبا
کوئی محروم وصل یاں سے گیا کہ نہ یار اس کا پھر جہاں سے گیا
کام میں اپنے عشق پکا ہے ہاں یہ نیرنگ ساز یکہ ہے
جس کو ہو اس کی التفات نصیب ہے وہ مہمان چندروزہ غریب
ایسی تقریب ڈھونڈھ لاتا ہے
کہ وہ ناچار جی سے جاتا ہے

آغاز قصۂ جاں گداز

ایک جا اک جوان رعنا تھا لالہ رخسار و سرو بالا تھا
عشق رکھتا تھا اس کی چھاتی گرم دل وہ رکھتا تھا موم سے بھی نرم
شوق تھا اس کو صورت خوش سے انس رکھتا تھا وضع دل کش سے
تھا طرح دار آپ بھی لیکن رہ نہ سکتا تھا اچھی صورت بن
کوئی ترکیب اگر نظر آتی صورت حال اور ہو جاتی
دیکھتا گر وہ کوئی خوش پرکار رہتا خمیازہ کش ہی لیل و نہار
زلف ہوتی کسو کی گر برہم دیکھتے اس کے حال کو درہم
دیکھتا گر کہیں وہ چشم سیاہ دل سے بے اختیار کرتا آہ
سر میں تھا شور شوق دل میں تھا عشق ہی اس کے آب و گل میں تھا
الغرض وہ جوان خوش اسلوب ناشکیبا رہے تھا بے محبوب
ایک دن بے کلی سے گھبرایا سیر کرنے کو باغ میں آیا
کسو گل پاس وہ صنم ٹھہرا کہیں سبزے میں ایک دم ٹھہرا
اک خیابان میں سے ہو نکلا ایک سائے تلے سے رو نکلا
نہ تسلی ہوا دل بے تاب نہ تھا چشم تر سے خون ناب
دل کی واشد سے بے توقع ہو ہر شجر کے تلے بہت سا رو

دیکھ گلشن کو ناامیدانہ — منھ کیا ان نے جانب خانہ
دل کے رکنے کا اس کو اک غم تھا — راہ چلنے میں خیال درہم تھا
ناگہ اس کوچہ سے گذار ہوا — آفت تازہ سے دوچار ہوا
ایک غرفے سے ایک مہ پارہ — تھی طرف اس کے گرم نظارہ
پڑ گئی اس پہ اک نظر اس کی — پھر نہ آئی اسے خبر اس کی
تھی نظر یا کہ جی کی آفت تھی — وہ نظر ہی وداع طاقت تھی
ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ — صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ
بے قراری نے کج ادائی کی — تاب و طاقت نے بے وفائی کی
منھ جو اس کا طرف سے اس کے پھرا — مضطرب ہوکے خاک پر یہ گرا
وہ تو رکھتی نہ تھی خیال اس کا — بے طرح ہووے گو کہ حال اس کا
جھاڑ دامن کے تیں وہ مہ پارہ — اٹھ گئی سامنے سے یک بارہ
وہ گئی اس کے سر بلا آئی — خاک میں مل گئی وہ رعنائی
دل پہ کرنے لگا طپیدن ناز — رنگ چہرے سے کر چلا پرواز
ہاتھ جانے لگا گریباں تک — چاک کے پھیلے پاؤں داماں تک
طبع نے اک جنوں کیا پیدا — اشک نے رنگ خوں کیا پیدا
سوزش دل نے جی میں جا کہ کی — داغ نے آ جگر کو آتش دی
بستر خاک پر گرا وہ زار — درد کا گھر ہوا دل بیمار
خاطر افگار خار خار ہوئی — جاں تمناکش نگار ہوئی
اس کے منھ پر پڑی جو اس کی نگاہ — ناامیدی کے ساتھ ہی سر کی آہ
خو ہوئی نالۂ حزیں کے ساتھ — رابطہ آہ آتشیں کے ساتھ
ہونٹھ سوکھے تو خون ناب ملا — خواب و خور دونوں کو جواب ملا
خلق اس کی ہوئی تماشائی — پر نہ وہ دیکھنے کبھو آئی
کچھ کہا گر کسو نے شفقت سے — رو دیا ان نے ایک حسرت سے
ہماکے اس کے قریب در بیٹھا — قصد مرنے کا اپنے کر بیٹھا
دل نہ سمجھا کہ اضطراب کیا — شوق نے کام کو خراب کیا
جو کہ سمجھے تھے اس کو دیوانہ — رحم کرتے تھے آشنایانہ
عاشق اس کو کسو کا جان گئے — سب برا اس ادا کو مان گئے

کیونکہ باہم معاش تھی سب کی   ایک جا بود و باش تھی سب کی
وارث اس کے بھی بدگمان ہوئے   درپئے دشمنی جان ہوئے
مشورت تھی کہ مار ہی ڈالیں   دفعتہً اس بلا کے تیں ٹالیں
پھر یہ ٹھہری کہ ہوں گے ہم بدنام   سن کے آخر کہیں گے خاص و عام
کیا گنہ تھا کہ یہ جواں مارا   کن نے مارا اسے کہاں مارا
ہووے یہ خون خفتہ گر بیدار   کھینچنی ہووے خفت بسیار
کیجیے ایک ڈھب سے اس کو تنگ   تا نہ عائد ہو اپنی جانب ننگ
تہمت خبط رکھیے اس کے سر   کیجیے سنگ سار اس کو پھر
دے کے دیوانہ اس جواں کو قرار   ہوگئے سارے درپئے آزار
ایک نے سخت کہہ کے تنگ کیا   ایک نے آ کے زیر سنگ کیا
ایک آیا تو ہاتھ میں شمشیر   ایک بولا کہ اب ہے کیا تاخیر
کی اشارت کہ کودکان شہر   آئے لبریز غصہ و پرقہر
گرچہ ہنگامہ اس کے سر پر تھا   لیک روے دل اس کا اودھر تھا
محو تھا اس کے یہ خیال کے بیچ   تھا گرفتار اپنے حال کے بیچ
ہونٹھ پر حسن کا بیاں اس کا   تھا سر و سنگ آستاں اس کا
ایک دم آہ سرد بھر اٹھنا   نالۂ گرم گاہ کر اٹھنا
جی میں کہتا کہ آہ مشکل ہے   اس طرف یک نگاہ مشکل ہے
دوست کو میرے نام سے ہے ننگ   دشمنوں سے ہے جی پہ عرصہ تنگ
چشم تر سے لہو بہا کرتا   صبح کی باد سے کہا کرتا
کاے نسیم سحر یہ اس سے کہہ   مت تغافل کر اور غافل رہ
ان بلاؤں میں کوئی کیونکے جیے   جان پر آ بنی ہے تیرے لیے
جان دوں تیرے واسطے سو تو   آنکھ اٹھاکر ادھر نہ دیکھے کبھو
رفتہ رفتہ ہوا ہوں سودائی   دور پہنچی ہے میری رسوائی
نام کو بھی ترے نہ جانا آہ   تجھ سے کیونکر سخن کی نکلے راہ
ناامیدانہ گر کروں ہوں نگاہ   دیکھتا ہوں ہزار روز سیاہ
سخت مشکل ہے سخت ہے بیداد   ایک میں خوں گرفتہ سو جلاد
کوئی مشفق نہیں کہ ہووے شفیق   بیکسی بن نہیں ہے کوئی رفیق

نالہ ہوتا ہے گر کبھی دلجو — گریہ آنکھوں سے پونچھتا ہے رو
آہ جو ہمدمی سی کرتی ہے — اب تو وہ بھی کمی سی کرتی ہے
چشم رکھتا ہے وصل کی یہ دل — جی ہے اس سے اسیر آب و گل
ورنہ ترکیب یہ کہاں ہوتی — صورت اک معنی نہاں ہوتی
اب ٹھہرتا نہیں ہے پائے ثبات — ایک میں اور کتنے تصدیعات
سنگ باراں سے سخت ہوں دل تنگ — شیشۂ دل نہیں ہے پارۂ سنگ
محرم یک نگاہ بیش نہیں — کم ہے سینے میں جاکہ ریش نہیں
کیونکے کہیے کہ تو نہیں آگاہ — اک قیامت بپا ہے یاں سر راہ
کچھ چھپا تو نہیں رہا یہ راز — اک جہاں اس سے ہے خبر پرداز
پس تغافل ہوا ترحم کر — گوش دل جانب تظلم کر
کون کہتا ہے رہ نہ محو ناز — پر نہ اتنا کہ جی سے جائے نیاز
ان بلاؤں پہ ان نے صبر کیا — اختیار اپنے جی پہ جبر کیا
اس طرف کا نہ دیکھنا چھوڑا — اس کے اندوہ سے نہ منھ موڑا
اور یہ ماجرا ہوا مشہور — شور رسوائیوں کا پہنچا دور
دیکھ کر اس کو بےخور و بےخواب — جانا ہر اک نے عاشق بےتاب
منھ پر اس کے جو رنگ خون نہیں — عشق ہے اس کو یہ جنون نہیں
ہے نگاہ اس کی جس طرف مائل — اس طرف ہی گیا ہے اس کا دل
جب ہوا ذکر اقل و اکثر میں — چاہ ثابت ہوئی اسے گھر میں
عشق بےپردہ جب فسانہ ہوا — مضطرب کدخدائے خانہ ہوا
گھر میں جا بہر دفع رسوائی — بیٹھ کر مشورت یہ ٹھہرائی
یاں سے یہ غیرت مہ تاباں — جا کے چندے کہیں رہے پنہاں
شب محافے میں اس کو کرکے سوار — ساتھ دے ایک دایۂ غدار
پار دریا کے جلد رخصت کی — اس طرح فکر رفع تہمت کی
گھر تھا اک آشنا کا مدنگاہ — واں ہو روپوش تا یہ غیرت ماہ
ہووے جب اس بلا سے خاطر جمع — نورافزائے خانہ ہو جوں شمع
گھر سے باہر محافہ جو نکلا — اس جواں ہی کے پاس ہو نکلا
طپش دل سے ہو کے یہ آگاہ — ہو لیا ساتھ اس کے بھر کر آہ

واں کے رہنے سے اس کو کام نہ تھا   وہ گلی اس کا کچھ مقام نہ تھا
جس سے جی کو کمال ہو الفت   جس سے دل کی درست ہو نسبت
جنبش اس کی پلک کو گرداں ہو   دل میں یاں کاوش نمایاں ہو
واں اگر موشگست کا ہو باب   یاں رگ جاں کو ہووے پیچ و تاب
واں اگر پاؤں میں لگے ہے خار   دل سے یاں سر نکالے ہے یک بار
یار کو درد چشم اگر ہووے   چشم عاشق لہو میں تر ہووے
چاک دامن میں واں پئے زینت   یاں گریباں ہے چاک گل کی صفت
واں دہن تنگ یاں ہے دل تنگی   حسن اور عشق میں ہے یک رنگی
دست افشاں وہ پاے کوباں یہ   تھا مخالف کے ساتھ گرم رہ
قطرہ زن اشک سا وہ راہ تمام   درپئے یار تھا وہ بے آرام
ہر قدم تھا زبان پر جاری   خواب ہے یا کہ ہے یہ بیداری
ہمسری اس کی تھی میسر کب   ہے مجھے بخت واژگوں سے عجب
شوق مفرط نے بےتہی کی سخت   نوشکیبی نے دل سے باندھا رخت
رفتہ رفتہ سخن ہوئے نالے   اڑنے لاگے جگر کے پرکالے
اضطراب دلی نے زور کیا   ان نے بے اختیار شور کیا
دل کے غم کو زبان پر لایا   آفت تازہ جان پر لایا
کاے جفا پیشہ و تغافل کیش   اک نظر سے زیاں نہیں کچھ بیش
منھ چھپایا ہے تونے اس پر بھی   نگہ التفات ایدھر بھی
صبر کس کس بلا سے کر گذروں   چارہ اس بن نہیں کہ مر گذروں
منزل وصل دور میں کم پا   تجھ کو اس مرتبے میں استغنا
ہے تو نزدیک دل سے اے طناز   لیک تجھ تک سفر ہے دور دراز
ناز نے یک نفس نہ رخصت دی   آئینے نے تجھے نہ فرصت دی
تو تو واں زلف کو بنایا کی   جان یاں پیچ و تاب کھایا کی
تجھ کو تھی اپنے خال رخ پہ نگاہ   دل مرا مبتلاے داغ سیاہ
تجھ کو مدنظر تھی اپنی چال   میں ستم کش ہوا کیا پامال
بستر خواب پر تجھے آرام   مجھ کو خمیازہ کھینچنے سے کام
واں لب لعل تیرے خنداں تھے   یاں فشردہ جگر پہ دنداں تھے

ناز و خوبی نے دل دیا نہ تجھے　　رحم سے آشنا کیا نہ تجھے
اب تغافل نہ کر تلطف کر　　حال پر میرے ٹک تاسف کر
گوش زد دایہ کے ہوئے یہ سخن　　تھی وہ استاد کار حیلہ وفن
پاس اس کو بلا تسلی کی　　وعدۂ وصل سے تشفی کی
کاے ستم دیدۂ غم دوری　　ہوچکا اب زمان مجبوری
زار نالی نہ کر شکیبا ہو　　عشق کا راز تا نہ رسوا ہو
دل قوی رکھ نہ جی کو کاہش دے　　چل کوئی دم کو داد خواہش دے
تخت دل تنگ تھی یہ غیرت ماہ　　قطع تجھ بن نہ ہوسکی تھی راہ
گرچہ یہ حسن اتفاق سے ہے　　اس کی بھی جذب اشتیاق سے ہے
تیرے آنے سے دل کشادہ ہوا　　نشۂ دوستی زیادہ ہوا
بزم عشرت کریں گے باہم ساز　　ہوجو اب اپنے دوست کا دم ساز
دے کر اس کو فریب ساتھ لیا　　دل عاشق کو اپنے ہاتھ لیا
لیک در پردہ ان نے یہ ٹھانی　　کیجیے اس سے مخصمی جانی
یہ تو دل تفتۂ محبت تھا　　سخت دارفتۂ محبت تھا
وقت نزدیک تھا جو آپہنچا　　تا سر آب پا بہ پا پہنچا
آب کیسا کہ بحر تھا ذخار　　تند و مواج و تیرہ و تہ دار
موج کا ہر کنایہ طوفاں پر　　مارے چشمک حباب عماں پر
ہم کنار بلا ہر اک گرداب　　لجہ سرمایہ بخش تیرہ سحاب
گذر موج جب نہ تب دیکھا　　ساحل اس کا نہ خشک لب دیکھا
کشتی اک آن کر ہوئی موجود　　ہو فلک سے ہلال جیسے نمود
کی کنارے پہ لاکے استادہ　　تھا محافہ رکوب آمادہ
اس سفینے میں جلد جا پہنچا　　یہ بھی واں ساتھ ہی لگا پہنچا
بیچ دریا میں دایہ نے جاکر　　کفش اس گل کی اس کو دکھلاکر
پھینکی پانی کی سطح پر اک بار　　اور بولی کہ او جگر افگار
حیف تیرے نگار کی پاپوش　　موج دریا سے ہووے ہم آغوش
غیرت عشق ہے تو لا اس کو　　چھوڑ مت یوں برہنہ پا اس کو
اس طرف اس کے تیں اترنا ہے　　اس نواحی کی سیر کرنا ہے

پاؤں اس کے جو ہیں نگار آلود — ظلم ہے ہوویں گر غبارآلود
جس کف پا کو رنگ گل ہو بار — منصفی ہے کہ خار سے ہو فگار
ان پہ نرمی میں گل سے ہوں جو پرے — آبلہ چشم کو سیاہ کرے
یہ روا ہے تو اپنے حال پہ رو — مفت ناموس عشق کو مت کھو
جی اگر تھا عزیز اے ناکام — کیوں عبث عشق کو کیا بدنام
سن کے یہ حرف دایۂ مکار — دل سے اس کے گیا شکیب و قرار
بے خبر کار عشق کی تہ سے — جست کی ان نے اپنی جاگہ سے
تھا سفینے میں یا کہ دریا میں — موج زنجیر ہوگئی پا میں
کھنچ گیا قعر کو یہ گوہر تاب — تھی کشش عشق کی مگر تہ آب
کہتے ہیں ڈوبتے اچھلتے ہیں — لیکن ایسے کوئی نکلتے ہیں
ڈوبے جو یوں کہیں وہ جا نکلے — غرق دریاے عشق کیا نکلے
عشق نے آہ کھو دیا اس کو — آخر آخر ڈبو دیا اس کو
جب کہ دریا میں ڈوب کر وہ جواں — کھو گیا گوہر گرامی جاں
دایۂ حیلہ گر ہوئی دل شاد — واں سے کشتی چلی بہ رنگ باد
خارخار دلی سے فارغ ہو — لے گئی پار اس گل نو کو
یہ نہ سمجھی کہ عشق آفت ہے — فتنہ سازی میں اک قیامت ہے
خاک ہو کیوں نہ عاشق بے دل — کام سے اپنے یہ نہیں غافل
وصل جیتے نہ ہو میسر اگر — لادے معشوق کو یہ تربت پر
یاں سے عاشق اگر گئے ناشاد — خاک خوباں بھی ان نے دی برباد
قصہ کوتاہ بعد یک ہفتہ — آئی وہ رشک مہ زخودرفتہ
کہنے لاگی کہ اب تو اے دایہ — ہوگیا غرق وہ فرومایہ
اب تو وہ ننگ درمیاں سے گیا — آرزومند اس جہاں سے گیا
تھے جو ہنگامے اس کے حد سے زیاد — ساتھ اس کے گئے وہ شور و فساد
شور فتنے تھے اس تلک سارے — اب تو بدنامیاں نہیں بارے
دل تڑپتا ہے متصل میرا — مرغ بسمل ہے یا کہ دل میرا
وحشت طبع اب تو افزوں ہے — حال جی کا مرے دگرگوں ہے
بے دماغی کمال ہوتی ہے — جان تن کے وبال ہوتی ہے

دل کوئی دم میں خون ہووے گا　　آج کل میں جنون ہووے گا
بے کلی جی کو تاب دیتی ہے　　طاقت دل جواب دیتی ہے
جی میں آتا ہے ہوں بیابانی　　پر کہوں ہوں کہ ہے یہ نادانی
مصلحت ہے کہ مجھ کو لے چل گھر　　ایک دو دم رہیں گے دریا پر
گاہ باشد کہ دل مرا وا ہو　　ورنہ کیا جانیے کہ پھر کیا ہو
دایہ بولی کہ اے سراپا ناز　　حسن کا در پہ تیرے روے نیاز
اب تو میں فتنے کو سلایا ہے　　اس بلا کے تئیں بٹھایا ہے
کون مانع ہے گھر کے چلنے کا　　سد رہ کون ہے نکلنے کا
ہو محافے میں دل خوشی سے سوار　　شاد شاداں کر آب سے تو گذار
دل سے اپنے پدر کے غم کم کر　　مادر مہرباں کو خرم کر
کر ملاقات ہمدموں سے تو　　گرم بازی ہو محرموں سے تو
یہ نہ سوچی کہ بدبلا ہے عشق　　گھات میں اپنی لگ رہا ہے عشق
جس کسو سے یہ پیار رکھتا ہے　　عاقبت اس کو مار رکھتا ہے
جذب سے اپنے جب کرے ہے کام　　عاشق مردہ سے بھی لے ہے کام
صبح گاہاں وہ غیرت خورشید　　اس جگہ سے رواں ہوئی نومید
پہنچی نصف النہار دریا پر　　روئی بے اختیار دریا پر
حد سے افزوں جو بےقرار ہوئی　　دایہ کشتی میں لے سوار ہوئی
حرف زن یوں ہوئی کہ اے دایہ　　یاں گرا تھا کہاں وہ کم مایہ
موج سے تھا کدھر کو ہم آغوش　　تھا تلاطم سے کس طرف ہم دوش
تجھ کو آیا نظر کہاں آکر　　پھر جو ڈوبا تو کس جگہ جاکر
مجھ کو دیجو نشان اس جا کا　　میں بھی دیکھوں خروش دریا کا
ہوں میں ناآشناے سیر آب　　ناشناساے موجہ و گرداب
لجہ کیا لطمہ کس کو کہتے ہیں　　گھر میں ہم نام سنتے رہتے ہیں
ہیں میسر کہاں یہ سیر عبور　　اتفاقی ہیں اس طرح کے امور
مکر میں گرچہ دایہ تھی کامل　　لیک تہ سے سخن کے تھی غافل
یہ نہ سمجھی کہ ہے فریب عشق　　ہے یہ مہ پارہ ناشکیب عشق
بیچ دریا کے جا کہا یہ حرف　　یاں ہوا تھا وہ ماجراے شگرف

یاں وہ بیٹھا حباب کے مانند پھر نہ تھا کچھ سراب کے مانند
سنتے ہی یہ کہاں کہاں کر کر گر پڑی قصد ترک جاں کر کر
موج ہر اک کمند شوق تھی آہ لپٹی اس کو بہ رنگ مار سیاہ
دام گستر وہ عشق تھا تہ آب جس کے حلقے تمام تھے گرداب
حسن موجوں میں یوں نظر آوے نور مہتاب جیسے لہراوے
تھیں وہ اس کی حنائی انگشتاں غیرت افزاے پنجۂ مرجاں
سر پہ جس دم کہ آب ہو کے بہا سطح پانی کا آئینہ سا رہا
کشش عشق آخر اس مہ کو لے گئی کھینچتی ہوئی تہ کو
کودے غواص و آشنا سارے تابہ مقدور دست و پا مارے
کھینچ کر کوفت سب ہوئے بیتاب نہ لگا ہاتھ وہ در نایاب
جا ہم آغوش مردہ یار ہوئی تہ میں دریا کے ہم کنار ہوئی
پاک کی زندگی کی آلائش ہو کے دست و بغل کی آسائش
سر پٹکتی جو گھر گئی دایہ آفت اک لے گئی نئی دایہ
اب و عم مادر و برادر سب خاک افشان و آہ و نالہ بہ لب
دار و دستہ تمام اس گل کا ترک آئین کر تحمل کا
سوے دریا رواں ہوئے گریاں آتش غم سے دل جگر بریاں
خلق یک جا ہوئی کنارے پر حشر برپا ہوئی کنارے پر
دام داروں سے سب نے کام لیا آخر ان کو اسیر دام کیا
نکلے باہم دلے موئے نکلے دونوں دست و بغل ہوئے نکلے
ربط چسپاں بہم ہویدا تھا مر گئے پر بھی شوق پیدا تھا
ایک کا ہاتھ ایک کی بالیں ایک کے لب سے ایک کو تسکیں
جو نظر ان کو آن کرتے تھے ایک قالب گمان کرتے تھے
کیا لکھوں مل رہے وہ وصلی وار ہم دگر سے جدا ہوئے دشوار
کیوں نہ دشوار ہووے ان کا فصل جان دے دے ہوا ہو جن کا وصل

حیرت کار عشق سے مردم
شکل تصویر آپ میں تھے گم

مقولۂ شاعر

میرؔ اب شاعری کو کر موقوف عشق ہے ایک فتنۂ معروف
قدرت اپنی جہاں دکھاتا ہے اس سے جو تو کہے سو آتا ہے
کتنی وسعت ترے بیاں میں ہے کتنی طاقت تری زباں میں ہے
لب پہ اب مہر خامشی بہتر
یاں سخن کی فرامشی بہتر

○

معاملات عشق

کچھ حقیقت نہ پوچھو کیا ہے عشق / حق اگر سمجھو تو خدا ہے عشق
عشق ہی عشق ہے نہیں ہے کچھ / عشق بن تم کہو کہیں ہے کچھ
عشق تھا جو رسول ہو آیا / ان نے پیغام عشق پہنچایا
عشق حق ہے کہیں نبی ہے کہیں / ہے محمدؐ کہیں علیؓ ہے کہیں
عشق عالی جناب رکھتا ہے / جبرئیل و کتاب رکھتا ہے
عشق حاضر ہے عشق غائب ہے / عشق ہی مظہر عجائب ہے
عشق کیا کیا مصیبتیں لایا / روز کو رات کرکے دکھلایا
عشق میں لوگ زہر کھاتے ہیں / عشق سے رنگ سبز پاتے ہیں
عشق سر تا قدم امید ہوا / زیر تیغ ستم شہید ہوا
مجھ سے مت پوچھ یہ کہیں ہے عشق / عشق ہے ان ہی کو جنھیں ہے عشق
عشق سے رنگ زرد ہوتا ہے / عشق سے دل میں درد ہوتا ہے
رہتے ہیں عشق ہی میں مژگاں تر / یہیں دیکھی ہیں آنکھیں آتے بھر
عشق ہی کا خراب ہے کنعاں / عشق ہے ایک خانہ آباداں
عشق لایا ہے آفتیں کیا کیا / اس سے آئیں قیامتیں کیا کیا
قیس کیا رنج کھینچ کھینچ موا / سر پہ فرہاد کے سنا جو ہوا
عشق نے چھاتیاں جلائی ہیں / آگیں کس کس جگہ لگائی ہیں
عشق میں ایک جی کو کھو بیٹھے / ایک آنکھوں کو رو کے رو بیٹھے
ایکوں کا جیب تا بہ دامن چاک / ایک ڈالے ہے سر کے اوپر خاک
شان ارفع ہیں جن کی خوار ہیں یاں / عقل والے جنوں شعار ہیں یاں
خستۂ عشق کچھ نہ میر ہوئے / بادشہ عشق میں فقیر ہوئے
کوئی دل تنگ ہو کنویں میں گرا / کوئی ڈوبا کوئی گیا نہ پھرا
جب پتنگا ہوا تھا اس سے داغ / تب دیا جی کو ان نے پیش چراغ

عشق کی فاختہ ستم کش ہے　　عشق سے عندلیب دم کش ہے
عشق باعث ہوا وطن چھوٹے　　مرغ پکڑے گئے چمن چھوٹے
مایۂ درد و رنج سب ہے عشق　　متصل رونے کا سبب ہے عشق
پڑ گئے دل جگر میں آخر چھید　　کچھ نہ پایا کنھوں نے عشق کا بھید
اپنی تیغ ستم جو اینچے عشق　　حاے بہتوں کے خوں میں کھینچے عشق
عشق سے قمری ہے حریف سرو　　مہ سے آنکھیں لڑا رہا ہے تذرو
عشق کے دل فگار سارے ہیں　　ان نے کیا کیا جوان مارے ہیں
کہیں حق ناحق ان نے خون کیے　　کہیں سر پر کھڑا ہے تیغ لیے
کوئی محو گزاف ہیں اس سے　　کہیں میدان صاف ہیں اس سے
اس سے یک جمع نے لیا ہے جوگ　　ایک فرقے کا ہے یہ جی کا روگ
ایک کے لب پہ آہ ہے اس سے　　ایک کا دن سیاہ ہے اس سے
ایک کا شیوہ اس سے نالہ کشی　　ایک کو بے دلی ہے جیسے غشی
ایک ناشاد زندگانی سے　　ایکوں کے دل گداز پانی سے
ایک کے پھول گل پہ نالے ہیں　　ایک کے جان ہی کے لالے ہیں
ایک نے کوہ اس سے توڑ دیے　　ایک تنگا کر ان نے چھوڑ دیے
چپ لگی ہے کسو کو اس کے سبب　　بند رہتے نہیں کسو کے لب
کوئی باتیں کرے ہے شوق کے ساتھ　　کوئی چپکا ہوا ہے ذوق کے ساتھ
ہے تواجد کسی کو حال کہیں　　کہیں نقصان ہے کمال کہیں
ایک محو لباس عریانی　　ایک سرگرم دامن افشانی
کسو کا ذکر کوئی ذاکر ہے　　کوئی صابر ہے کوئی شاکر ہے
کہیں وسعت کہیں ہے تنگ اوقات　　عشق کے ہیں گے مختلف حالات
سیر قابل ہیں اس کے دیوانے　　سننے کے گوں ہیں اس کے افسانے
وصل میں جن کے دل رہیں بے جا　　فصل ہو تو انھوں کا حال ہو کیا
اس بلا سے مجھے بھی کام ہوا　　عاشق زار میرا نام ہوا

قصہ میرا بھی سانحہ ہے عجب
کس پہ گذرا ہے یہ ستم یہ غضب

معاملۂ اول

ایک صاحب سے جی لگا میرا   ان کے عشووں نے دل ٹھگا میرا
ابتدا میں تو یہ رہی صحبت   نام سے ان کے تھی مجھے الفت
خوبی ان کی جو سب کہا کرتے   گوش میرے ادھر رہا کرتے
بخت برگشتہ پھر جو یار ہوئے   اک طرح مجھ سے وے دوچار ہوئے
کیا کہوں طرز دیکھنے کی آہ   دل جگر سے گذر گئی وہ نگاہ
چپکے منھ ان کا دیکھ رہتا میں   جی میں کیا کیا یہ کچھ نہ کہتا میں
وے تو ہر چند اپنے طور کے تھے   پر تصرف میں ایک اور کے تھے
کرتے ظاہر میں احتیاط بہت   مجھ سے بھی رکھتے اختلاط بہت
بات کی طرز میری ہی بھاتی   میری آزردگی نہ خوش آتی
پیار چتون سے پھر نکلنے لگا   دیکھنا دل کو میرے ملنے لگا
کہیں دیکھوں تو بات دیر کہیں   بے دماغ اور بے گمان رہیں
کچھ کچھ آزار مجھ کو دینے لگے   قسم اقسام مجھ سے لینے لگے
میں جو کھاتا قسم تو ہو برہم   کہنے لگتے کہ کیا گدا کی قسم
ایک دو دن میں بعد رفع ملال   لطف سے پوچھتے کہو کچھ حال
جو گذرتی تھی مجھ پہ میں کہتا   یا کوئی اشک آنکھ سے بہتا

دیکھ کر روتے آپ بھی روتے
دل دہی کرتے جب تلک سوتے

معاملۂ دوم

ایک مدت تلک یہ صحبت تھی   کبھو الفت کبھو یہ کلفت تھی
رفتہ رفتہ سلوک بیچ آیا   ہاتھ پاؤں کو اپنے لگوایا
گاہ بے گاہ پاؤں پھیلاتے   میری آنکھوں سے تلوے ملواتے
چل کر آتے تھے جب کبھو ایدھر   پاؤں رکھتے تھے میری آنکھوں پر
دیکھنے میں تو پائمالی تھی   حسن سے چال یہ نہ خالی تھی
جلتی چھاتی تو ہوتا میں سائل   کہ ٹک اے سرو ہو ادھر مائل
کف پا رکھیے یاں تو احساں ہے   تیرے پاؤں تلے مری جاں ہے

ہنس کے سینے پہ پاؤں رکھ دیتے　　دل مرا یوں بھی ہاتھ میں لیتے
کیا کہوں کیسا قد بالا ہے　　قالب آرزو میں ڈھالا ہے
ایک جاگہ سے ایک جاگہ خوب　　پیکر نازک اس کے سب محبوب
موے سر ایسے جی بھی کریے نیاز　　بل ہی کھایا کرے یہ عمر دراز
اس کے کاکل سے حرف سر نہ کرو　　کاکلِ صبح پر نظر نہ کرد
کچھ بھی نسبت ہے تم کو سودا ہے　　کالے کوسوں کی بات کا کیا ہے
اس کی زلفوں میں دل گئے نہ پھرے　　رہے سنبل کے بیچ پاچ دھرے
اس جبیں سے ہے دل کی کب جاذب　　صبح صادق کے دعوے ہیں کاذب
دیسی بھوئیں کشیدہ بھی ہیں کہیں　　یہ کمانیں کسو سے کھنچتی نہیں
پھری پلکوں کی اور سب کی نگاہ　　چشم پر میری تیری چشم سیاہ
کہوں چتون کے دیکھنے کے طور　　اس قیامت پہ وہ قیامت اور
سطح رخسار آئینے سے صاف　　جو نہ ٹھہرے نگہ تو رکھیے معاف
لطف بینی کا فہم ہے دشوار　　ایک باریک بینی ہے درکار
کیا جھمکتا ہے ہائے رنگ قبول　　جیسے مکھڑا گلاب کا سا پھول
ہے دہن تنگی سے سخن کوتاہ　　کچھ نکلتی نہیں سخن کی راہ
اس سے گل کیا چنے کوئی ہمدم　　غنچۂ ناشگفتہ سے بھی کم
برگ گل سے زباں ہے نازک تر　　پھول جھڑتے ہیں بات بات اوپر
کیا کہوں کم ہیں ایسے شیریں گو　　وہ زباں کاش میرے منہ میں ہو
دم بدم سوے گوش اشارۂ صبح　　گوہر گوش یا ستارۂ صبح
جب بناگوش ان نے دکھلایا　　صبح کا سا سماں نظر آیا
ان لبوں کا مزا لیا سو بھانت　　تس کے اوپر ہمارا بھی ہے دانت
تم نہ گل برگ و لعل ناب کہو　　بات جب تک نہ ٹھہرے چپکے رہو
کوئی جاں بخش یوں کہے سو کہے　　ہم تو مرتے ہی ان لبوں پہ رہے
کنج لب آرزوے جان و دل　　آگے چلنا نگاہ کو مشکل
ان لبوں سے جو کوئی کام رکھے　　قند و مصری کو کیوں نہ نام رکھے
جو حلاوت انھوں کی کہیے اب　　ہم دگر سے جدا نہ ہوویں لب
جب وے کھاتے ہیں بیڑۂ پاں کو　　رو نہیں دیتے لعل و مرجاں کو

ایسی ہوتی نہیں ہے سرخ لبی
رنگ گویا ٹپک پڑے گا ابھی

ہو تبسم سے لعل کا دل خوں
ہنستے دیکھا تھا سو مجھے ہے جنوں

نہیں دیکھے مسی ملے دنداں
برق ابر سیہ ہے تب خنداں

کیسے کیسے چمکتی ہے بے تہ
جگ ہنسائی کرے ہے اپنی یہ

بو اگر کچھ اس زنخ کا سیب
جائے سر سے جنون کا آسیب

رہے گردن میں ان کی میرا ہاتھ
یہ تو یارب ہے میرے جی کے ساتھ

بس چلے تو گلے لگا ہی رہوں
تیغ سے پھر جدا کریں تو نہ ہوں

اس میں ہرچند جی کا نقصاں ہے
مدعا اختلاط چسپاں ہے

خوش و پرکار کب پری ان سی
اور ہو تو کہاں ہے ہم جنسی

دیکھے ازبس برآمدہ سینے
ایسا معلوم دل جو یوں چھینے

کیا نظرگاہ کی کروں خوبی
نظریں اٹھتی نہیں یہ محبوبی

شانہ و دست و ساعد و بازو
دلکشی میں تمام یک پہلو

اس کے تو پہلو سے میں ہوکے جدا
درد پہلو سے تنگ دل ہی رہا

ہائے اس سے خدا جدا نہ کرے
دور اس سے جیوں خدا نہ کرے

یوں نہیں سرخ اس کی ہر انگشت
ڈوبی ہیں میرے خون میں یک مشت

وہ کف دست راحت جاں ہے
کاش سینے پہ رکھ دے غم یاں ہے

کیا بیاں خوبی شکم کو کرے
دیکھنے سے کبھو نہ پیٹ بھرے

صدر کے نیچے سے لے تا ناف
چپ کی جاگہ ہے کیونکے کہیے صاف

اس سے پھر آگے غنچۂ گل ہے
یاں سخن بابت تامل ہے

پردے میں بھی جو کچھ کہا جاوے
آپ سے تو نہ تک رہا جاوے

گئی نظروں سے وہ کمر باریک
ہو نہ آنکھوں میں کیوں جہاں تاریک

اور کیا دل زدے کو بات آوے
کہیں یارب شتاب ہاتھ آوے

نازکی اس میاں کی کیا کہیے
بنے تو ہاتھوں میں لیے رہیے

تک اگر لچکے تو قیامت ہے
پھر قیامت تلک ندامت ہے

کیوں پڑی ران پر نظر تا ساق
اس بن اب زندگی ہوئی ہے شاق

پائے جاناں سے گفتگو ہے اب
خاک میں ملنے کا یہی ہے ڈھب

وہ قدم کاش فرق سر پر ہو
ساق سیمیں مری کمر پر ہو

وہ کفِ پا قریب ہو میرے — ٹھوکر اس کی نصیب ہو میرے
پنڈلی نازک ہے شاخ سنبل کی — پشت پا پنکھڑی سی ہے گل کی
یوں نصیبوں سے ہو حنا کا ناؤں — ورنہ ڈوبے ہیں میرے خوں سے پاؤں
ناخن پا حنائی ہیں ایسے — برگ گل پائے سرو ہوں جیسے
ہو خراماں تو اس طرف نگہیں — گل کفش اس کی لوگ دیکھ رہیں
گل و بلبل سبھی تماشائی — آگئے جس طرف بہار آئی
رنگ رفتار دیکھ مجنوں ہو — طرز گفتار جیسے افسوں ہو
سر سے پاؤں تلک وہ محبوبی — ساتھ ان خوبیوں کے یہ خوبی
کہ بہت دل ہے آشنائے رحم — دردمندوں کو جانے جائے رحم
اب جو ثابت ہوئی ہے میری چاہ — اس کو مدنظر ہے مجھ سے نباہ
طعن و تعریض بیچ میں آئے — کچھ نہ خاطر میں وہ مجھے لائے
رستے میں اک طرف وفا کے لیے — چلے جاتے ہیں مجھ پہ لطف کیے
نہیں آزار کی رواداری — مہرورزی ہے یا وفاداری
پر جو معشوقی آب و گل میں ہے — چھیڑ رکھنے کا شوق دل میں ہے
میں کروں تو کہیں خوش آتا ہے — تیرا آزار جی سے بھاتا ہے
خواہ ناخواہ وہ نہیں منظور — کہ رہے دل‌شدہ مرا رنجور

یہ بھی شوخی سے ہے کبھو گاہے
پر اس انداز سے کہ جی چاہے

معاملۂ سوم

ایک دن فرش پر تھا میرا ہاتھ — باتیں کرتے تھے وے بھی میرے ساتھ
پاؤں سے ایک انگلی مل ڈالی — لطف سے درد وہ نہ تھا خالی
درد سے کی جو میں نے بے‌تابی — دست نازک سے دیر تک دابی
یاد آتے ہیں ایسے لطف جو اب — گذرے ہیں جان غم‌زدہ پہ غضب
تن بدن دیکھ جی نہ رہتا تھا — میں جو گستاخ ہو کے کہتا تھا
کہ یہ جاگہ تم اس فقیر کو دو — متبسم ہو کہتے وے یہ لو
یہ بھی کیا کیا خیال رکھتے ہیں — آرزوے محال رکھتے ہیں
پھر گھڑی بھر میں کہتے ہو نہ ملول — مار کھانے کی باتیں سب ہیں قبول

جب سلوک ان کا یاد آتا ہے
کیا کہوں جی ہی بھول جاتا ہے

معاملۂ چہارم

ایک دن پان وے چباتے تھے سرخ لب ان کے مجھ کو بھاتے تھے
کہہ اٹھا میں اگر اگال مجھے منھ سے دو تو کرو نہال مجھے
بولے یوں ہی ہے میں کہا ہاں بچ جھوٹا کھاتے ہیں میٹھے کی لالچ
ہنس کے اس وقت مجھ کو ٹال دیا پھر اسی رنگ سے اگال دیا
ایسی صدرنگ مہربانی تھی تب سیہ رو کی زندگانی تھی
اب کے سے رنگ گر فلک لاتا
خاک کے رنگ میں مجھے پاتا

معاملۂ پنجم

منقبت ایک مجھ سے کہوایا جس کا میں نے صلہ انھیں پایا
پھر وہی کرتے میں جو کچھ کہتا ایک پردہ سا بیچ میں رہتا
دوستی رابطہ وفا اخلاص ساتھ میرے تھا ان کو رابطہ خاص
ٹک تقاضائی ملنے کا رہتا مختلط ہونے کو سدا کہتا
میری تسکیں تھی ہر زماں منظور آپ بھی کرتے ملنے کا مذکور
وصل کے وعدے ہی رہا کرتے آج کل رات دن کہا کرتے
دل تو تھا رحم آشنا ازبس کڑھتے تھے جان کر مجھے بے کس
جانتے تھے کہ ہے یہ دل دادہ سید خستہ خاک افتادہ
دیکھتے مجھ کو جو پریشاں دل کہتے اے میرؔ کچھ نہیں حاصل
دیکھ ٹک تو ہی تیرا حال ہے کیا جانے دے اب بھی یہ خیال ہے کیا
آفت جاں ہے دوستی کرنا کب تلک گھٹ کے اس طرح مرنا
میں جو دیوانہ ان کے رو کا تھا شیفتہ پیچ دار مو کا تھا
کچھ نہ سمجھی گئی کہن ان کی اب جدائی جو ہے سکھن ان کی
یاد کرتا ہوں اور روتا ہوں
وعدہ بن ہی ہلاک ہوتا ہوں

معاملۂ ششم

گل رووں بن جگر ہے داغ کباب	گیسووں بن ہے جی کو پیچ وتاب
صورت ان کی خیال میں ہردم	خواب میں جو ہوں وہ مژہ باہم
میں تو بستر پہ دل شکستہ اداس	چاند سا منھ انھوں کا تکیے پاس
میں بچھونے پہ بےخود و بےخواب	ایک پیکر پری کا سا ہم خواب
فرش پر پاؤں یہ غبار آلود	ان میں دے دونوں پا نگارآلود
میں تو افتادہ محو عجز و نیاز	بازو میرے کسو کی بالش ناز
جلتی آنکھوں کنے گل رخسار	جس پہ کچھ بکھرے موے عنبربار
پاس منھ کے دے لال تر نازک	دست گستاخ پر کمر نازک
فرش اس گل بدن سے سب بویا	پھول میں نے بچھائے تھے گویا
شب کٹی صورت خیالی سے	دن کو ہوں میں شکستہ حالی سے
گرچہ روزانہ بھی تصور تھا	لیکن اندوہ سے مکدر تھا
کہیں تصویر سی نظر آئی	کہیں منھ پھیر جیسے شرمائی
کبھی دل ان کے رودمو میں رہے	کبھی ملنے کی آرزو میں رہے
صورت حال اور کچھ ہر دم	گاہ لب خشک گاہ مژگاں نم
میں بھی مقدور تک وفا کی ہے	جان غمناک پر جفا کی ہے
برسوں تک میں پھرا ہوں سرگرداں	روز و شب دونوں تھے مجھے یکساں
نے فقط جان سے جہاں سے گیا	زن و فرزند خانماں سے گیا
کیچ پانی ہو مینھ ہو یا برسات	روز روشن ہو یا اندھیری رات
ان تلک میرے تیں پہنچ رہنا	بیٹھے منھ دیکھنا نہ کچھ کہنا
آشنا یار سارے بیگانے	کہ ہوئے میر جی تو دیوانے
رشتۂ ربط انھوں نے توڑ دیا	ملنا جلنا سبھوں نے چھوڑ دیا
نظر آتے نہیں ہیں مدت سے	انس پیدا کیا ہے وحشت سے
صبح ہوتے ہی گھر سے چلتے ہیں	جیسے کھوئے گئے نکلتے ہیں
چلتے جاتے ہیں دیکھتے ہی راہ	پر کہیں کی کہیں پڑے ہے نگاہ
مل گیا جو کوئی تو بچ نکلے	سڑی خبطی دوانے بچ نکلے
شوق سے ان کے حال دیگرگوں	پارہ پارہ دل و جگر سب خوں

رنگ ہردم مزاج کا کچھ اور　　کل کا کچھ اور آج کا کچھ اور
کیا بیاں کریے بے قراری کا　　ذکر کیا حال اضطراری کا
جی پڑا ترے ساتھ سونے کو　　دل پریشان جمع ہونے کو
پاس ان کے رہوں تو دل کو قرار　　پھر نہ ٹھہرے ٹک ایک کریے ہزار
گئی برباد عزت ان کے لیے　　جلف لوگوں نے منھ پہ طعنے دیے
گھورے پر سے جو اٹھ نہ سکتے تھے　　وے بھی کناس پوچ بکتے تھے
سفر آیا جو ان کے تئیں درپیش　　ساتھ اس رنج میں بھی تھا درویش
کیا کہوں جو اذیتیں دیکھیں　　ہر قدم پر قیامتیں دیکھیں
جو پڑھے گا تنگ نامہ یاں　　ہوگی ساری حقیقت اس پہ عیاں

یاں نہ تفصیل کرنے کا تھا مقام
کہ محبت سے یاں ہے حرف کلام

معاملۂ ہفتم

بارے کچھ بڑھ گیا ہمارا ربط　　ہوسکا پھر نہ دو طرف سے ضبط
تب ہوا بیچ سے یہ رفع حجاب　　جب بدن میں رہی نہ مطلق تاب
ایک دن ہم وے متصل بیٹھے　　اپنے دل خواہ دونوں مل بیٹھے
شوق کا سب کہا قبول ہوا　　یعنی مقصود دل حصول ہوا
واسطے جس کے تھا میں آوارہ　　ہاتھ آئی مرے وہ مہ پارہ
کہ گہے دست دی ہم آغوشی　　ہم سری ہم کناری ہم دوشی
چند روز اس طرح رہی صحبت　　پیار اخلاص رابطہ الفت
کچھ کہوں جو انھوں کی ہو تقصیر　　نارسائی تھی طالعوں کی میر
ہوگئے بخت اپنے برگشتہ　　پھر کیا آسماں نے سرگشتہ
بات ایسی ہی اتفاق پڑی　　کہ ہوئی سر پہ فرقت آن کھڑی
لگی کہنے کہ مصلحت ہے یہ　　کتنے روزوں جدا تو مجھ سے رہ
یوں بھی آتا ہے عشق میں درپیش　　کہ نشان بلا ہوں الفت کیش
میں اٹھایا نہیں ہے تجھ سے ہاتھ　　کڑھیو مت تو ہے میری جان کے ساتھ
اس جدائی کا مجھ کو بھی غم ہے　　کیا کروں آبرو مقدم ہے
میں کہوں کیا مجھے نہ اپنا ہوش　　جیسے تصویر سامنے خاموش

آنسو آنکھوں میں پر پیے جاؤں — دے کہیں کچھ تو ہاں کیے جاؤں
ان سے رخصت ہوئے جو بعد شام — تیرہ دیکھا جہان کو ہر گام
دل ٹھہرتا نہ تھا ملالت تھی — جان کو رفتگی کی حالت تھی
یوں ہوا ان کے کوچے سے آنا — جیسے ہووے جہان سے جانا
اب جو گھر میں ہوں تو فسردہ سا — چارپائی پہ ہوں تو مردہ سا
جی انھوں میں فسردہ قالب یاں — متحرک ہو کیا تن بے جاں
حال دل کا کہوں جو ہمدم ہو — کروں پیغام کچھ جو محرم ہو
جی میں کچھ آیا رو کے بیٹھ رہا — دل زدہ چپکا ہوکے بیٹھ رہا
کوئی آیا جو واں سے جی آیا — سو نہ آیا کبھی کبھی آیا
دیکھیے چند یوں رہیں گے جدا — چاہے ہے کیا ہمارے حق میں خدا
خون دل کب تلک پییں گے ہم — رنگ یہ ہے تو کیا جئیں گے ہم
آہ کیا کیا بیاں کروں خوبی — دل وہی حال پری محبوبی
تند ہوکر نہ بات کو کہنا — ملتفت حال زار پر رہنا
لطف مبذول حال پر ہر آن — تازہ ہردم مروت و احسان
لب سے جاں بخش حرف سے دل جو — لطف سے پوچھنا کہ خوش ہے تو
یاد کر روؤں ان کی کون سی بات — کس طرح کاٹوں ہجر کے اوقات
ملنا ان سے ہو پھر گھٹے غم بھی — آئے جیتوں میں جاییے ہم بھی

مدت ہجر اگر تمام ہوئی
ورنہ اپنی تو صبح شام ہوئی

○

جوش عشق

ضبط کروں میں کب تک آہ اب   چل اے خامے بسم اللہ اب
کر تنک دل کا راز نہانی   ثبت جریدہ میری زبانی
یعنی میر اک خستۂ غم تھا   سرتاپا اندوہ و الم تھا
آنکھ لڑی اس کی اک جاگہ   بے خود ہوگئی جان آگہ
صبر نے چاہی دل سے رخصت   تاب نے ڈھونڈھی اک دم فرصت
تاب و توان و شکیب و تحمل   رخصت اس سے ہوگئے بالکل
سینہ فگاری سامنے آئی   بے تابی نے طاقت پائی
کرتے آئے داغ سیاہی   کام جگر کا کرنے تباہی
خون جگر ہو بہنے لاگا   پلکوں ہی پر رہنے لاگا
خواب و خورش کا نام نہ آیا   ایک گھڑی آرام نہ پایا
چاک جگر سے محبت ٹپکی   آنسو کی جاگہ حسرت ٹپکی
سوز سے چھاتی تابہ گویا   اور پلک خونابہ گویا
آہ سے اس کی مشکل جینا   درد فقط تھا سارا سینہ
دل میں تمنا داغ جگر میں   شیون لب پر یاس نظر میں
نالے شب کو اس کے سن کر   مر گئے کتنے سر کو دھن کر
آہ و فغاں ہے اس کے لب پر   روز ہے اب تک آفت سب پر
روے و جبیں پہ خراش ناخن   داغوں سے خوں کے قیامت گلبن
زخم سینہ دل تک پہنچا   کوئی نہ اس گھائل تک پہنچا
آبلہ دل کا جب کوئی پھوٹا   فوارہ لوہو کا چھوٹا
غم نے تو دل میں کیا ہے پھوڑا   بر میں تھا اک پکا پھوڑا
سو نہ گیا یک دم وہ بے کل   بخت نہ جاگے اس کے اک پل
کام رہا ناکامی ہی سے   تسکیں بے آرامی ہی سے

رخساروں پر خون رواں ہو   دل میں ہو سو منھ پہ عیاں ہو
دشنۂ غم سے سینہ کوچا   ناخن سے منھ سارا نوچا
دل آماجگہ غمناکی   اور نفس اک تیر خاکی
نے طاقت نے یارا اس کو   ضعف دلی نے مارا اس کو
نالۂ دل میں حزینی اس کے   خاطر میں غمگینی اس کے
رنگ اڑے چہرے کا ہر دم   تھا گویا گل آخر موسم
دست بہ دل ہر آن رہے وہ   بے طاقت بے جان رہے وہ
رنگ شکستہ بس کہ فسردہ   کہنے کو زندہ لیکن مردہ
خوں باری سے چہرہ گل گوں   حلق بسمل دیدۂ پرخوں
جدول جاری چاک گریباں   گوشۂ دامن وقف مژگاں
دیدۂ تر کے دریا قائل   ساحل خشک لبی کے سائل
ہردم ہو ہر سمت کو جاری   خوں باری سے سیل بہاری
تشنہ لبی اک منھ پر پیدا   لب چش جس کا ہووے نہ دریا
خاک بسر آشفتہ سری سے   شور قیامت نوحہ گری سے
سر تا پا آشفتہ دماغی   داغ جنوں دے جس کو چراغی
غم سے گرچہ دم بھی کہیں تھا   جامے میں اک تار نہیں تھا
وادی پر جب اپنے آوے   صحرا صحرا خاک اڑاوے
کلفت دل جب خاک فشاں ہو   اشک کی جاگہ ریگ رواں ہو
گل ان نے ازبسکہ کھائے   پھولوں کی چھڑیاں ہاتھ بنائے
دل کے غبار نے راہ جو پائی   شہر میں گویا آندھی آئی
سر پر اس کے سنگ ہمیشہ   جی پر عرصہ تنگ ہمیشہ
آہ سرد کرے وہ عریاں   بید سا کانپے موے پریشاں
گرد کی تہ اس کا پیراہن   دامن صحرا جس کا دامن
بار دامن تار گریباں   دامن قرب و جوار گریباں
پامالی میں مثل جادہ   نقش قدم سا خاک افتادہ
دشت تلک گئی آبلہ پائی   دور کھنچی اس کی رسوائی

اس کے جو پامال ہوئے سب　　خار بیاباں اال ہوئے سب
جن نے دیکھا اس کو یک دم　　ان نے کہا یہ بھول کے سب غم
چندے یہ ناشاد رہے گا　　پر مدت تک یاد رہے گا
جلنا اس سے کرے نہ کنارہ　　جیسے چراغ وقف بچارا
لوہو ٹپکے آہ سحر سے　　نالہ گتھواں لخت جگر سے
رکھتا سدا تھا وہ دیوانہ　　ورد زباں یہ شعر دانا
صارَ فوادی شقاً شقاً　　حقاً حقاً حقاً حقاً
ہوش و خرد ناشاد گئے سب　　دین و دل برباد گئے سب
درد دل سے کچھ نہ کہے وہ　　ہر اک کا منھ دیکھ رہے وہ
حسرت اس کی ایک اعجوبہ　　آب دہن کی موج میں ڈوبا
غیر سے بولے نہ یاروں ہی سے　　بات کہے تو اشاروں ہی سے
سمجھو تو کوئی داد کو پہنچو　　عاشق کی فریاد کو پہنچو
ورنہ رہے من مار کر اپنا　　سر دے مارے ہار کر اپنا
کیوں کر غم سے ہو آزادی　　جان کے ساتھ اس کی ناشادی
کوئی نہ اس پر سایہ گستر　　اپنا ہاتھ اپنے ہی سر پر
نے کعبے نے دیر کے قابل　　مذہب اس کا سیر کے قابل

کیا کہیے کیسا کچھ تھا
القصہ وہ ایسا کچھ تھا

درصفت دلبرے کہ با او علاقۂ دل بود

وہ کیسا تھا جس پر عاشق　　جی سے تھا وہ عاشق صادق
دیدۂ گل میں جاگہ اس کی　　نکہت گل گرد رہ اس کی
چشم برہ سارا چمن اس کا　　نقش قدم تھا یاسمن اس کا
آگے اس کے کبھو نہ آیا　　یہ رو گل نے کہاں سے پایا
گل آشفتہ اس کے رو کا　　سنبل اک زنجیری مو کا
جب وہ چہرہ تابندہ ہو　　ماہ دو ہفتہ شرمندہ ہو
زلف اس چہرے پر تابندہ　　کاکل صبح سے خوش آئندہ

دیکھ اس گل کی نورافشانی　شمع مجلس پانی پانی
ہو ہر چند یہ بدر کامل　اس چہرے کے ہو نہ مقابل
حوصلہ کتنا اس بے تہ کا　منھ دیکھو آئینہ مہ کا
رکھتی تھی دعویٰ خوش‌چشمی پر　لیکن اس کی چشم نظر کر
بہتوں کی جب جانیں گھل گئیں　نرگس کی بھی آنکھیں کھل گئیں
دور چشم ہے اس کا جب سے　فتنہ اک سوتا نہیں تب سے
رخ لب سے جاں‌بخش عالم　بلکہ سراپا جانِ مجسم
عیسیٰ کو گر لب دکھلاوے　ہرگز اس کو بات نہ آوے
کوئی مرو انداز حیا پر　چشم اس کی تھی پشت پا پر
کچھ مت پوچھو تنگی دہن کی　مشکل تھی واں جاے سخن کی
کرکے شمیم زلف گذارہ　پھیلاوے ہے عنبر سارا
خط آیا ہے گرد اس لب کے　شاید شکر تنگ ہو اب کے
دونوں لب اس کے لعل بدخشاں　دست حنائی پنجۂ مرجاں
تھا دیکھا یک رہ پردے میں　برق خرمن مہ پردے میں
جس دم برقع منھ سے اٹھاتا　خورشید اس دم ڈوبا جاتا
پار دلوں کے خدنگ مژہ کا　کاوش کم کم تنگ مژہ کا
بھوں کی کشش کا دوانہ عالم　تیر نگہ کا نشانہ عالم
تیغ و تبر تھی ابرو اس کی　آتش تھی سرکش جو اس کی
ناز کی مے سے مست رہے وہ　اکثر دست بدست رہے وہ
زلفوں کے سب تار پریشاں　سر اوپر دستار پریشاں
سائے سے اس کے سرو بنایا　خاک رہ سے تدرو بنایا
ہووے خراماں جب وہ کافر　کبک کی ہووے جان مسافر
چشم کرشمہ جان تغافل　شایاں اس کے شان تغافل
کیا جانے وہ حال کسو کا　پتھر دل اس آئینہ رو کا
پاتے ہی ابرو کا اشارہ　غمزے نے اک خنجر مارا
جب وہ خرام ناز کرے ہے　جی کو جور نیاز کرے ہے

رخصت دے گر عشوہ گری کو ایک ہی جلوہ بس ہے پری کو
ہنسنے میں وہ صفاے دنداں برق خرمن عالم امکاں
رشک سحر کو صافی تن پر خون صراحی اس گردن پر
آہ صفائی اس سینے کی غیرت افزا آئینے کی
شکل چیں میں یہ ناز کہاں ہے صورت ہے انداز کہاں ہے
ایسا خوب جہاں میں کہیں ہے رحم ہے اس پر اب جو نہیں ہے
جب وہ شکل نظر آتی تھی کلفت دل کی نکل جاتی تھی
رنگیں اس کے اس کف پا سے جائیں نکویاں اپنی جا سے
چشم کرو انصاف کی گر وا یوسف و شیریں لیلیٰ عذرا
کون ہوا اس محبوبی سے خوبی تو تھی پر اس خوبی سے
بار نزاکت کیونکے اٹھاوے شاخ گل سا لہکا جاوے
ہےگی رگ گل یا رگ جاں ہے پر نازک اسرار میاں ہے
صید ملک قربانی اس کا یوسف اک زندانی اس کا
اور جو خوباں پاویں اس کو یک دیگر دکھلاویں اس کو
جاویں اس پر جان سبھوں کے تیغ رہے درمیان سبھوں کے
تھانبا جائے کس کے کنے وہ غصے ہو تو پھر نہ منے وہ
کیا کوئی شوخی اس کی بتاوے کچھ ٹھہرے تو کہنے میں آوے
کیا ہے اس کے آب و گل میں آرزو اس کی سب کے دل میں
سب کو میل اس بت کی ادا کا بندہ کون رہا ہے خدا کا
دیکھے نہ عاشق زار کو اپنے پوچھے نہ بیمار کو اپنے
عاشق ظلم و جور و جفا کا دشمن جانی اہل وفا کا
کوچہ رشک فزاے کعبہ واں پہنچے نہ دعاے کعبہ
ہر شب اک فریاد و تظلم اٹھ گئی واں سے رسم ترحم
آہیں جن کی درود و وظائف
سو دل خستے وھاں کے طائف

رخصت شدہ رفتن یار و بے تاب شدن عاشق بے قرار

کر اے خامہ وہ تحریر اب آوے زباں پر جو تقریر اب
یعنی میرؔ اس خستۂ غم کا سرتاپا اندوہ و الم کا
یار سفر کا مائل ہوکر حب وطن کو جی سے دھوکر
رخصت کو اس پاس بھی آیا جلتے کے تیں اور جلایا
وقت وداع قیامت گذرا سر سے آب حسرت گذرا
اک دم بے خود ہوکے رہا وہ اس سے آگے آپ گیا وہ
آنکھیں لگیں ناسور ہو بہنے دیکھ کے اس کو لگا یہ کہنے
ظلم ہے لوہو پیتے رہیے جان گئے پر جیتے رہیے
عمر عزیز چلی یوں جاوے اور فلک آنکھوں سے دکھاوے
آخر کرکے خدا کے حوالہ آئینے پر پانی ڈالا
تاکہ وہ منھ دکھلاوے شتابی راہ دور سے آوے شتابی

یار گئے پر میرؔ جو اب ہے
جان سے خالی اک قالب ہے

راقم غم ہے وہ دل تفتہ نامہ بر اس کا رنگ رفتہ
غم سے فرصت اس کو کہاں ہے قاصد اشک ہمیشہ رواں ہے
خط لکھتا ہے اس مضموں سے تر ہو بال کبوتر خوں سے
خط سے ایک آتش سر ہووے جس سے کباب کبوتر ہووے
جب درد دل ان نے لکھا ہے شعلہ خط میں لپیٹ دیا ہے
سوز کے آوے جب وہ بیاں پر شعلہ اک جوں شمع زباں پر
جب کرے خون جگر سے انشا یار کا اپنے شوق کف پا
ہو انگشت بریدہ خامہ اور حنائی کاغذ نامہ
راہ یہ بیٹھا وہ سرگشتہ دیکھے راہ عمر گذشتہ
آگے تھا کب ہجراں دیدہ آہ وہ تازہ ظلم رسیدہ
کیا کیا بے طاقت ہوتا ہے ہر دم جی رخصت ہوتا ہے
حال عجب ہے رنجوری سے مرنے قریب ہے وہ دوری سے

جب وہ درد دل کو جتاوے   باتوں پہ اس کے رونا آوے
دستہ دستہ داغ بسر ہے   پرکالہ پرکالہ جگر ہے
اشک نہیں آنکھوں سے ٹپکتا   ہے یہ گرہ اک دل کی تمنا
داغ دروں ہے گلشن گلشن   گل یہ چنے وہ دامن دامن
چھوڑے نہ راہ و رسم وفا کو   دے پیغام ہمیشہ صبا کو
پاس اس کے گر تیرا ہو جانا   بھولے ہوؤں کو یاد دلانا
زیر لب اس کے بات یہی ہے   شام و سحر دن رات یہی ہے
کھینچیں گے کب تک یہ سختی ہم   پھر بھی ملیں گے جیتے جی ہم
بس اے خامہ رکھ لے زباں کو   تاب نہیں ہے اہل جہاں کو

قصۂ غم کو نہایت کب ہے
اس سے خموشی اب انسب ہے

○

اعجازِ عشق

ثنائے جہاں آفریں ہے محال — زباں اس میں جنبش کرے کیا مجال
کمالات اس کے ہیں سب پر عیاں — کرے کوئی حمد اس کی سو کیا بیاں
کہوں کیا میں اس کی صفات کمال — کہ ہے عقل کل یاں پریشاں خیال
خرد کنہ میں اس کی حیران ہے — گماں یاں پریشاں پشیمان ہے
زمین و فلک سب ہیں اس کے حضور — مہ و خور ہیں اس سے ہی لبریز نور
یہ صنعت گری اس ہی صانع سے آئے — کف خاک کو آدمی کر دکھائے
نہ آوے کسی کے جو ادراک میں — سو رکھ جائے وہ اس کف خاک میں
بری ہے گا تمثیل و تشبیہ سے — منزہ ہے وہ بلکہ تنزیہ سے
وہی حاصل مزرع آسماں — کیے ان نے دانے میں خرمن نہاں

سفید و سیہ کو نہیں اس کی بار
ورے ہے زمانے کی لیل و نہار

درتوحید انشا طراز حسینے کہ فقرۂ یکتائی او بہ عالم دویدہ

سوا اس کے نقصاں ہے گر دیکھیے — کمال اس کے ہی ہیں جدھر دیکھیے
سر رشتہ ہے خلق کا اس کے ہاتھ — وہ شب باز ان پتلیوں کے ہے ساتھ
سبھوں میں نمود اس کی ہی شان ہے — یہ قالب ہیں سارے وہی جان ہے
گل و غنچہ و رنگ و بو و بہار — یہ سب رنگ اللہ ہی کے ہیں یار
اگرچہ ہیں یاں سب کی طرحیں جدا — یہ سب طرحیں ہیں ایک نام خدا
سما ارض و خورشید یا ماہ ہے — جدھر دیکھو اللہ ہی اللہ ہے
نظر کر کے ٹک دیکھ ہر جا ہے وہ — نہان و عیاں سب میں پیدا ہے وہ
بہرصورت آئینہ ہے گا جہاں — یہ سب عکس اس کے ہی پڑتے ہیں یاں
ملک جن و حیواں جماد و نبات — جو اس بن ہیں تو حیف ہے کائنات
وجود و عدم اس سے دونوں ہیں شاد — وہی ہے گا مبدا وہی ہے معاد

مجھے ساقی دے کوئی جامِ عقیق ولیکن لبالب ہو اس میں رحیق
رکھے آپ میں جس کی آمد مجھے
کہ درپیش ہے نعتِ احمدؐ مجھے

در نعت سید المرسلین

ثنا جانِ پاکِ محمدؐ کے تیں درود و تحیات احمدؐ کے تیں
رسولِ خدا و سرِ انبیا زہے حشمت و جاہ صلِّ علےٰ
دیا مجلسِ کبریا کا ہے وہ شرف دودمانِ قضا کا ہے وہ
سب اس صفحے میں ہیں ظہورِ خدا پر اس سے عبارت ہے نورِ خدا
جہاں وہ ہے واں جبرئیل امیں اڑے حشر تک تو پہنچتا نہیں
کروں اس کی قربت کا کیا میں بیاں کہ تھا قابَ توسین اَدنیٰ مکاں
مرا زیرِ پا اس کے فرقِ نیاز کیا جس کی خلقت پہ صانع نے ناز
بہ صورت اگر عبدِ مشہود ہے حقیقت کو پہنچو تو معبود ہے
نہیں پاشکستوں کا اب دست گیر محمدؐ بن اور آل بن اس کے میر
گنہگار ہوں چشم لیک اس سے ہے توقع شفاعت کی ایک اس سے ہے
درود آل پر اس کے ہر صبح و شام وہ ہے شافعِ حشر و خیر انام
پلا ساقیا بادۂ لعل گوں کہ ہو جائیں سرخ آنکھیں مانندِ خوں
ہے اب حرفِ مستانہ کا دل میں جوش
کر آویزۂ گوش گر کچھ ہے ہوش

مناجات بہ طورِ عاشقانِ زار در بلاے جدائی گرفتار

مرا زخم یارب نمایاں رہے پس از مرگ صد سال خنداں رہے
رہے دشمنی جیب سے چاک کو صبا دوست رکھے مری خاک کو
مژہ اشکِ خونیں سے سازش کرے غمِ دل بھی مجھ پر نوازش کرے
جگر سے طپیدن موافق رہے مرا دردِ دل مجھ پہ عاشق رہے
جو نالہ ہو شب گیر کا روشناس وہ آٹھوں پہر ہی رہے میرے پاس
مژہ گرمِ افسوس و نم ناک ہو کہ سیلاب آتش پہ خاشاک ہو
کرے نیزہ بازی یہ آہِ سحر کہ خورشید کی پھوٹ جاوے سپر

خموشی سے مجھ کو رہے گفتگو — اڑے پر لگا کر مرا رنگ رو
نہ مرہم سے افسردہ ہو داغ دل — شگفتہ رہے یہ گل باغ دل
سدا چشم حیرت سے نسبت رہے — مجھے دیکھ رہنے کی فرصت رہے
اگر ضعف تک کسب طاقت کرے — مری ناتوانی قیامت کرے
مری بیکسی ناز بردار ہو — مروں میں تو مرنے کو تیار ہو
بیاباں میں آشفتہ حالی کروں — کہیں تو دل پر کو خالی کروں
کریں دونوں عالم ملامت مجھے — ڈبو دیوے اشک ندامت مجھے
مرا ہاتھ ہو چاک کا دستیار — کہ تا جیب و دامن ہو قرب و جوار
جنوں میرے سر پر سلامت رہے — بیاباں میں مجھ سے قیامت رہے
بھٹکنے سے مجھ کو نہ ہو وارہی — بھلا دے خضر کو مری گمرہی
جو ہو گرم رہ پائے پرآبلہ — تو ہوجائے سرد آتش قافلہ
ارے ساقی اے غیرت آفتاب — کہاں تک ہمیں خون دل کی شراب

کبھو ساغر بادہ کا دید ہو
محرم ہمارا کبھو عید ہو

در تعریف عشق خانماں آباد و آزادگان برنا نہاد

زہے عشق نیرنگ سازی تری — کہ ہے کھیلنا جی پہ بازی تری
تجھی سے ہے آب رخ زرد زرد — تجھی سے مرے دل میں اٹھتا ہے درد
تجھے ربط کفار و دیں دار سے — تجھے رشتہ تسبیح و زنار سے
تجھی سے ہے بلبل کو نوحہ گری — تجھی پر ہے قمری بھی خاکستری
ترا جذب دریا کو بہنے نہ دے — ترا شور صحرا کو رہنے نہ دے
تجھی سے دل شاد غم ناک ہے — تجھی سے مرا سینہ صد چاک ہے
تمنا کو تونے کیا ہے شہید — تجھی سے نہ برآئی میری امید
تجھی سے ہے مجنوں صحرانورد — تجھی سے ہے فرہاد کوہوں پہ مرد
تجھی سے گلوبند ہے خستگی — تجھی سے ہے وابستہ دل بستگی
تجھی سے دل عاشقاں ہے کباب — تجھی سے ہے پروانہ آتش کا باب
ترا کام دینا ہے بدنامیاں — تری ریجھ دیکھے ہے ناکامیاں
تجھی سے سراسیمہ ہیں یار لوگ — تری تیغ سے قیمہ ہیں یار لوگ

تجھی میں ہیں یہ کارپردازیاں ‌ تجھی پر ہیں موقوف جانبازیاں
مجھے اس کے چھپنے کا سودا رہا ‌ ولیکن ترا راز رسوا رہا
لہو اپنا عاشق پیا ہی کیے ‌ ترے جرم پر جی دیا ہی کیے
ترا ہی نمک خوار ہے زخم دل ‌ کہ مرہم سے بیزار ہے زخم دل
تجھے اک ہے مژگاں سے یہ ربط اشک ‌ کہ مشکل ہوا ہے مجھے ضبط اشک
کدھر ہے تو اے ساقیِ لالہ فام ‌ نہ لغزش ہے تجھ بن نہ بہکا کلام

کہاں تک کوئی خونِ دل کو پیے
کوئی کیونکے اس رنگ ظالم جیے

زبانی درویش جگر ریش کہ ایں بلا در سفر آمدش پیش

کسو معتبر سے روایت ہے ایک ‌ کہ درویش سے یہ حکایت ہے ایک
کہ اک ملک میں میں قضارا گیا ‌ جواں ایک واں مفت مارا گیا
وہ جس طور مارا گیا اب کہوں ‌ تعجب میں اس کے کہاں تک رہوں
سن اب آ جو کچھ اس کے جی پر ہوا ‌ مصیبت زدہ بن اجل ہی موا
اٹھا سیر کرنے کو میں ایک روز ‌ پشیمانی اس کی ہے مجھ کو ہنوز
نظر جا پڑی جو مری ایک سو ‌ سر راہ بیٹھا تھا اک خوب رو
فقیروں کی سی جھولی ایک اس کے پاس ‌ گلے میں نہایت مکلف لباس
سر اوپر تھا ہنگامہ اک اس کے جمع ‌ پتنگے اکٹھے ہوں جوں گرد شمع
لقب اس کا دیوانۂ عشق تھا ‌ کہ شہرت میں افسانۂ عشق تھا
جوانی کے گلشن کا وہ تازہ گل ‌ کرے جس کی خاک قدم غازہ گل
اسی کی سی مقدور تک سب کہیں ‌ سدا اس کا منہ دیکھتے ہی رہیں
وہ اک دودماں کا تھا روشن چراغ ‌ جلاتے تھے سارے اسی پر دماغ
ولے اس کے دل میں اک آتش نہاں ‌ کہ دیجے جلا اس سے سارا جہاں
سب آرام چاہیں اسے اضطرار ‌ سراپا تلک ایک دل بے قرار
نہ کچھ ہوش گھر جانے کا اس کو تھا ‌ تشتت نہ مرجانے کا اس کو تھا
نہ طاقت تھی تن میں نہ کچھ جی میں تاب ‌ نہ دل پاس نے صبر و آرام و خواب
سر راہ دل قیمہ قیمہ لیے ‌ یہ کہتا تھا مرجایئے بس جیے
سن اس نوگل عشق کی بے کلی ‌ رہا کرتی ماتم سرا وہ گلی

دل و صبر و ہوش و توان و حواس — رہیں اس کی وحشت سے سارے اداس
نہ ناموس کا ننگ نے نام کا — بلا دوست دشمن تھا آرام کا
شب و روز فریاد کرنا اسے — کئی بار اک دم میں مرنا اسے
تماشے کا دیوانہ پیدا ہوا — زمانے کو چندے تماشا ہوا
جو دم لے طپش تو شتابی کرے — تسلی دل کی خرابی کرے
کرے طرح داغوں سے وہ باغ کو — روائی اسی سے زر داغ کو
دل غم زدہ سے محبت اسے — قیامت خوشی سے عداوت اسے
وہ بے تابیوں سے بہت کم فراغ — کہاں صبر کرنے کا اس کو دماغ
اٹھے اس کے جی سے فغاں کے شرر — رہے برچھیاں سہتی آہ سحر
وہ ہرچند ہر صبح کو ہو ملول — ولیکن دعا اس کی کیا ہو قبول
نہ آنسو کو اس کے تھی اس پر نظر — نہ آہ سحر میں تھا اس کے اثر
کہے رنگ رد کیوں مرا زرد ہے — رکھے ہاتھ دل پر کہ کچھ درد ہے
کرے دیدۂ اشک افشاں پہ ناز — بدے لخت دل رونے کی کچھ نیاز
وہ کاندھے پہ نعش تمنا کے تیں — کرے تعزیت خانہ دنیا کے تیں
سنے نہ کسو کی نہ اپنی کہے — بیاں اس کا کچھ گومگو ہی رہے
لے آ ساقی گر بادۂ شوق ہے — یہ مستی کا ہم کو بھی ذوق ہے

کھلا چاہتا ہے گل راز عشق
کہ پردے میں کب تک بجے ساز عشق

رفتن درویش پیش آں جوان رفتہ از خویش و دل دہی کردن او بیش از بیش

یہ قصہ جہاں میں فسانہ ہوا — مجھے بھی سخن کا بہانہ ہوا
ولے گاہ وہ شمع مجلس فروز — کئی بیتیں پڑھتا تھا وہ سینہ سوز
کہ جن کا یہ مضمون تھا دوستاں — جلے ہے گی تقریر کرتے زباں
بڑی آتش عشق سرکش ہے یاں — جگر کیوں نہ جل جائے آتش ہے یاں
نظر آ کہیں جارہا ہے یہ جی — کہ آنکھوں میں اب آرہا ہے یہ جی
زن و مرد کی ہوں زباں سے بتنگ. — ہوا ہوں میں سارے قبیلے کا ننگ
سدا خون دل میں طپیدہ ہوں میں — کہ آہ بہ لب نارسیدہ ہوں میں
تری دوری میں پہنچی ہے اے حبیب — وداع دم واپسیں بھی قریب

جگر تو ہو پانی بہا غم کے بیچ — یہ دم بھی ہوا ہے کوئی دم کے بیچ
سمجھنا یہ بھی اے مرے سر پہ خاک — کس امید پر میں ہوا ہوں ہلاک
تو جب سے در اوپر نظر آگئی — رہیں آفتیں میرے سر پر نئی
نہ نامہ نہ پیغام نے رسم و راہ — یونہی ہوتی جاتی ہے حالت تباہ
دل و دیدہ سب مدعی ہوگئے — تماشائی مجھ پر بہت رو گئے
کئی بار جاں لب پر آ پھر گئی — کہاں ہے تو اے گل ہوا پھر گئی
یہ حیران ہوں صبر آتا نہیں — تصور ترا جی سے جاتا نہیں
خراش جگر سے ہے چھاتی میں درد — کہ جس سے ہوا جائے ہے رنگ زرد
رہا کرتی ہے داد بیداد یاں — دل شب سے گذرے ہے فریاد یاں
سر رہ تک آ دیکھ یہ خستہ حال — کہ ہے نقش پا کی طرح پائمال
ترے دور غم میں تو جوں کیمیا — سنا ہی گیا نام مہر و وفا
نہ آتا نظر ہی ادا ہے ولیک — نہ اتنا کہ جاتا رہے جی سے ایک
ترے غم میں اے آفت روزگار — ہزاروں بلائیں ہیں یاں روبکار
کہاں ہے تو محمل نشین حیا — سر راہ نالاں ہوں مثل درا
کہہ اس طرز سے حال دل کا تمام — خموشی کو پھر اس نے فرمایا کام
کہاں ہے تو اے ساقی گل عذار — کہ دے مجھ کو جام مئے خوش گوار

کہوں قصۂ عشق بے کیف و کم
قلم بے خودانہ کرے کچھ رقم

مجھے آہ اک اس کے دل کی لگی — کہے تو کہ سینے میں برچھی لگی
گیا زہرۂ تاب دل آب ہو — کہا آگے جاکر میں بے تاب ہو
کہ اے ناز پرورد مہر و وفا — کوئی اپنے جی پر کرے ہے جفا
مثل ہے کہ جی ہے تو ہے گا جہاں — وگرنہ موئے پر ہے کیا میری جاں
تلف یوں نہیں جان کرتا کوئی — نہیں اس سلیقے سے مرتا کوئی
نہ دل ہو معلوم تا بول تک — تو مژگان خوں بستہ کو کھول ٹک
سخن حسرت آلود کہنے پہ آ — کچھ اک دل کی باتیں زباں پر بھی لا
وگرنہ تو رک رک کے مرجائے گا — یہ ہے عشق کام اپنا کر جائے گا
تو ہے صرصر غم سے آتش بجاں — دیا سا نہ بجھ جائیو اے جواں

تو اے شمع خامش زباں ٹک ہلا — کہ کس مجلس افروز سے تو جلا
تو کس آتش تند پر ہے سپند — ترا دود دل یہ ہوا ہے بلند
جلاتی ہے آتش تری میرے تیں — کیا داغ کس شعلے نے تیرے تیں
گھٹا پاتے ہیں تجھ کو ہر صبح و شام — نہ کاہیدہ ہو تو ہے ماہ تمام
ترا درد پنہاں ہے گو آشکار — یہ مجھ سے بیاں کر کہ ہوں رازدار
کہیں دل لگا ہو تو یہ مجھ سے کہہ — کہوں اس سے جاکر غمیں تو نہ رہ
جہاں کو تو بھیجے وہاں جاؤں میں — کہے کام جو تو بجا لاؤں میں
جو حور بہشتی بھی ہو تیری یار — کروں میں ملک کی طرح واں گذار
خدا جانے کیا جی میں بات آگئی — کہ یہ میری دل جوئی ہی بھا گئی
یہ سن کر جوان زخود رفتہ نے — جگر سوختہ اور دل تفتہ نے
کیا سوز دل کو لبوں پر نمود — زباں تاب کھانے لگی جیسے دود
سخن ہونے لاگے نمودار کچھ — لگا کرنے پیچیدہ گفتار کچھ
کہ جس سے یہ معنی ہوئے مستفاد — کہ اے غم گسار دل نامراد
جو دل جوئی میری ہے مدنظر — تو یاں اک محلہ ہے ٹک قصد کر
نہیں اس کو درکار کچھ جستجو — سرا ایک ترسا کی ہے قبلہ رد
زبانی مری در پہ یہ جا کے کہہ — کہ احوال سے میرے غافل نہ رہ
ترے واسطے خوب رسوا ہوا — مرے سر پہ ہنگامہ برپا ہوا
تسلی شکیبائی مطلق نہیں — پر اب تاب تنہائی مطلق نہیں
رہی جب تلک تن میں تاب و تواں — اٹھایا تحمل کا بار گراں
شتابی سے دے ساقیا جام عشق — کہ لکھنے لگا ہوں میں پیغام عشق

ہوا آخر اب دل کا سب خون ناب
پیوں کب تلک اک گلابی شراب

کہے سے جواں کے غرض قصد کر — گیا بندہ ترسا کے دروازے پر
سن آواز دستک کی اک رشک حور — مہ چاردہ سی نپٹ باشعور
دوچار آکے مجھ سے ہوئی ایک بار — گیا جس کے دیکھے سے صبر و قرار
ہوئی دیکھے سے جب حقیقت عیاں — کہا میں کہ تاجر پسر تھا جہاں
بشر کیا ہے دیکھ ایسی آفت کے تیں — فرشتہ بھی رو بیٹھے عصمت کے تیں

کہا میں نے پیغام جو آیا بن — پہ خوبی سے اس کی کروں کیا سخن
مژہ بخت عاشق کی برگشتگی — نگہ ایک عالم کی سرگشتگی
قد و قامت اس کا کروں کیا بیاں — قیامت کا ٹکڑا ہوا تھا عیاں
وہ نازاں جدھر آتی تھی اچپلی — قیامت بھی آتی جلو میں چلی
میں سودائی اس زلف تاریک کا — ہر اک مو سبب رنج باریک کا
شکن اس کی کاکل کا دام بلا — ہر اک حلقۂ زلف کام بلا
بھووں کی کمانوں سے لگ زلف تار — الٹتے تھے اڑ اڑ کے جوں تیرمار
اگر ابرو اس کی جھمک جاتی تھی — مہ نو کی گردن ڈھلک جاتی تھی
ہلے اس کے ابرو جدھر کرکے ناز — کرے اس طرف ایک عالم نماز
کمان اس کے ابرو کی عاشق کمیں — خدنگ اس کی مژگاں کے سب دل نشیں
نہ آنکھوں کی مستی کی اس کو خبر — خرابی نہ عاشق کی مدنظر
نگہدار تھی سرخی چشم کی — طرفدار تھی اپنے ہی خشم کی
شہید اس کی چشمک کے دل خستگاں — نشانے . نگاہوں کے دل بستگاں
مژہ موجب قتل جمع کثیر — غرض سب تھے یہ ایک ترکش کے تیر
چھپیں اس کے غمزے میں کتنی سناں — نمایاں ہوئی سب پہ مرگ جہاں
جبیں کھول دی اس پری زاد نے — کہ چیں مانی خوبان نوشاد نے
رواں اس شب افروز سے اشک شمع — یہیں سے ہے روشن کہ تھی رشک شمع
وہ مردوں کو زندہ دوبارہ کرے — مسیحا جہاں سے کنارہ کرے
پری منفعل رنگ رخسار سے — خجل کبک انداز رفتار سے
خضر تشنہ اس کے ہے دیدار کا — مسیحا شہید اس کے بیمار کا
سوا اس کی باتوں کے سب باتیں ہیں — جسے سن کے مردے بھی جی جاتے ہیں
غرض اور سب یونہی کہنے کو ہیں — مسیحا کے لب یونہی کہنے کو ہیں
لب سرخ اس کے وہ گل برگ تر — چھپیں جن میں دنداں کے سلک گہر
تبسم میں اپنے وہ برق بہار — دم حرف ہوتے گئے آبدار
دہن غنچۂ ناشگفتہ سے کم — سخن رہرو راہ تنگ عدم
تبسم تک اک گر وہ دلکش کرے — تو گلشن میں گل صد چمن غش کرے
نہ دیکھا کسی نے جو تن اس کا صاف — نظر گر نہ ٹھہرے تو کیجے معاف

کمر اس کی ممکن نہیں ہاتھ آئے　　مگر صاحب دست غیب اس کو پائے
نہ رنگ حنا ہی فقط تن پہ تھا　　کہ مینا کا خون اس کی گردن پہ تھا
کیا ان نے پامال فتنوں کا خوں　　حنا اس کے ہاتھوں میں کتنوں کا خوں
ادا اس کی عاشق کے جی کی بلا　　نہ میری تمھاری سبھی کی بلا
اگر جلوہ گر ہو وہ محشر خرام　　تو معلوم ہے پھر جہاں کا قیام
خراماں خراماں جدھر آگئی　　قیامت ہی گویا ادھر آگئی
اسے لغزش پا مئے ناز سے　　وہ مست سرانداز انداز سے
نہ ہووے وہ دن جس میں ہووے نقاب　　چلا جائے پردے ہی میں آفتاب
اسی بت کا ہر اک تئیں ذکر ہے　　خدا کو خدائی کا اب فکر ہے
چڑھادے اگر ہاتھ سے آستیں　　تو پھر دست موسیٰ بھی کچھ ہے نہیں
ہوئیں طرح اس سے جفاکاریاں　　نکالی ہیں ان نے دل آزاریاں
ترحم کو پاؤں تلے وہ ملے　　ستم اس کے کوچے سے بچ کر چلے
جو آمد ہو اس کی نصیب چمن　　کرے ترک گل عندلیب چمن
گلی اس کی فردوس کا تھی شرف　　بہشت اک گنہگار سی اک طرف
زمیں اس کی یک دست گلزار تھی　　نسیم چمن واں گرفتار تھی
گلی اس کی وہ قتل گاہ عجیب　　شہادت وہاں خضر کو ہو نصیب
وہی جاے باش دل عاشقاں　　اسی پر معاش دل عاشقاں
صبا گر اڑا دے تنک واں کی خاک　　تو نکلے زمیں سے دل چاک چاک
کئی نعرہ کش واں کئی نعرہ زن　　کئی خوں گرفتہ کئی بے کفن
کئی بے وطن واں سفر کر گئے　　سسکتے ہیں کتنے کئی مر گئے
ہر اک جان ہر شخص ناکام کی　　ہوادار اس کے لب بام کی
پھروں گرد ساقی نشے میں ترے　　گلابی ہی منہ کو لگادے مرے

مجھے مست آب سیہ دے کے کر
چلوں جوں قلم پھر میں مطلب اپر

سنا وہ جگرسوز پیغام جب　　کیے آشنا حرف سے لعل لب
پڑھی اک رباعی نہ کر اعتنا　　کہ مضمون جس کا یہ موزوں ہوا
کہ ہجراں میں جو بے قراری کرے　　سر راہ فریاد و زاری کرے

نہ سونے دے نالوں سے ہمسایہ کو ۔۔۔ بھلی مرگ ایسے فرومایہ کو
محبت کی رہ میں یہ پہلا ہے کام ۔۔۔ کہ سر سے گذر جایئے شاد کام
نہیں شرط الفت میں چین جبیں ۔۔۔ اگر پیش آوے دم واپسیں
جو پھوٹا ہی پڑتا ہو جوں آبلہ ۔۔۔ وہ ہے دم میں واماندۂ قافلہ
نہ جو ہوسکے ہجر کا پائمال ۔۔۔ تو بہتر ہے ہونا ہی اس کا وصال
گیا میں جواب اس سے لے کر ادھر ۔۔۔ سر رہ تھا پامال غم وہ جدھر
حقیقت بیاں کی سب اس جاے کی ۔۔۔ جواں نے یہ سنتے ہی اک ہائے کی
گئی ساتھ اس ہائے کے اس کی جاں ۔۔۔ گرا خاک پر ہوکے بے دم جواں
ٹکے تھا مگر رہ سفر کر گیا ۔۔۔ کہ اک بات کی بات میں مر گیا
نہ دیر اس کو ہوتے ہوئے جی سے سیر ۔۔۔ مجھے بات کے کہتے لاگی بھی دیر
مری بات میں خون بلبل ہوا ۔۔۔ دیا سا وہ جلتا جو تھا گل ہوا
میں یہ واقعہ دیکھ گھبرا گیا ۔۔۔ کہ یوں یہ گل تازہ مرجھا گیا
نہ سوجھا مجھے اور کچھ اس سوا ۔۔۔ کہ کریے بیاں طرف ثانی سے جا
ملامت کروں اس کو میں یک جہاں ۔۔۔ کہ اے بے حقیقت گئی اس کی جاں
ترے ناز بیجا کا تو کیا گیا ۔۔۔ پر اک بے گنہ اس میں مارا گیا
رہی گھر میں خوبی پہ تجھ کو نظر ۔۔۔ سر رہ گیا ایک جی سے گذر
ہے اب مشت خاک اس کی ذلت کا باب ۔۔۔ ترے آستاں بن ہے مٹی خراب
یہ ٹھہرا میں اودھر روانہ ہوا ۔۔۔ ادھر مرنا اس کا فسانہ ہوا
بلا ساقی ماہ وش ایک جام ۔۔۔ گیا کاستن ہی میں ماہ تمام

کہاں ہے وہ خون کبوتر سی مے
کہ پی کر فغاں کیجیے مثل نے

غرض جوں توں کر قطع میں راہ کی ۔۔۔ گیا تھی جہاں منزل اس ماہ کی
کی آواز دستک کہ بار دگر ۔۔۔ ہوئی گھر میں القصہ میری خبر
در خانہ پر آئی اک پیرزن ۔۔۔ لگی کرنے عشق جواں سے سخن
کہ کیوں دوسری بار آیا ہے تو ۔۔۔ شگوفہ مگر اور لایا ہے تو
کوئی رہ گیا تھا پیام جواں ۔۔۔ جو تو پھر شتابی سے آیا یہاں
بیاں کر جو کہنا ہو تجھ کو شتاب ۔۔۔ کہ ہے منتظر غیرت آفتاب

کہا میں نے اے پیرزن کیا کہوں　　عزادار اس نوجواں کا میں ہوں
پیام اس کا لایا تھا میں اس لیے　　کہ وہ بے اجل مرتا ہے تک جیے
سو یاں سے گیا لے کر ایسا جواب　　کہ جس سے نکلتا تھا ناز و عتاب
نہ تھی تاب حرف درشت اس کے تیں　　کیا غم نے تھا نیم کشت اس کے تیں
نہ مشغول یوں ہی وہ زاری سے تھا　　وہ بے تاب بے اختیاری سے تھا
نہ سمجھی یہ رشک پری اس کے تیں　　دکھائی دی عشوہ گری اس کے تیں
چڑھا ان نے تیوری اک انداز سے　　کہا بے مزہ ہو کے یوں ناز سے
کہ جس کو نہ ہو تاب لانے کی تاب　　شتابی سے مرنا ہے اس کا صواب
ہوا سامنے اس کے میں حرف زن　　یہ اس کی زباں سے کہا میں سخن
جواں سنتے ہی کرکے ایدھر نگاہ　　سفر کر گیا جان سے بھر کر آہ
یہی ماجرا کہنے آیا ہوں یاں　　خبر اس کے مرنے کی لایا ہوں یاں
کہہ اس سے کہ اے کشتۂ غم کی جاں　　گیا آخرالامر جی سے جواں
یہ کہہ دس قدم واں سے میں تھا چلا　　کہ اک شور کانوں میں میرے پڑا
گذرنے لگی دل سے آواز آہ　　لگا ہونے آنکھوں میں عالم سیاہ
صدا ایک نوحے کی آنے لگی　　کہ یعنی وہ دختر ٹھکانے لگی
محبت نے کام اپنا پورا کیا　　کہ ان دونوں لعلوں کو چورا کیا
فقیر آن کر سخت نادم ہوا　　کہ میرے سبب دونوں کا جی گیا
یہ بھی جائے گریہ ہے ساقی سنا　　کہ بدلے گزک کے ہے یاں دل بھنا

تھوڑی[1] دارو دے سایۂ تاک میں
بہ رنگ گل اب لوٹیے خاک میں

مقولۂ شاعر

عجب کی نہیں جا نہ کھا پیچ و تاب　　یہ اے میرؔ ہے عشق خانہ خراب
سنا ہے کہ فرہاد پر کیا ہوا　　پھر اس عشق نے شیریں سے کیا کیا
عزا کا ہے مجنوں کی نوحہ پڑا　　سیہ خیمہ لیلیٰ کا بھی ہے کھڑا
گئی جان وامق کی کس رنگ سے　　ہوا چاک عذرا کا سر سنگ سے
گئی آہ نل کی فلک سے ادھر　　دمن ہے بگولہ زمیں کے اپر

(۱) بروزن فعل

بہت عشق کی آگ میں جل گئے   بہت اٹھتے جاتے ہیں شعلے نئے
گئی جل کے آخر پتنگوں کی جاں   چراغوں سے اک دود دل ہے کشاں
ہے بے تاب ذرہ اسی سے کباب   جلے ہے اسی آگ میں آفتاب
دل اس داغ سے مہ کا بھنتا ہی ہے   کتاں کا جگر چاک سنتا ہی ہے
سیہ رنگ اگتا ہے سرو سہی   وہی رنگ قمری ہے خاکستری
بھنور کے بھی جی پر پڑے گل گئی   کنول کی کھلی آنکھ پھر مند گئی
کوئی نالہ بلبل سے ہے یادگار   خزاں اس چمن میں ہے گل کی بہار
کہیں ساقی دے آب گل رنگ کو   کشادہ بھی کر اس دل تنگ کو

گلے لگ کے مینا کے ٹک رویئے
فسانہ بھی آخر ہے اب سویئے

○

خواب و خیال

خوشا حال اس کا جو معدوم ہے　　کہ احوال اپنا تو معلوم ہے
رہیں جان غمناک کو کاہشیں　　گئیں دل سے نومید سو خواہشیں
زمانے نے رکھا مجھے متصل　　پراگندہ روزی پراگندہ دل
گئی کب پریشانی روزگار　　رہا میں تو ہم طالع زلف یار
وطن میں نہ اک صبح میں شام کی　　نہ پہنچی خبر مجھ کو آرام کی
اٹھاتے ہی سر یہ پڑا اتفاق　　کہ دشمن ہوئے سارے اہل وفاق
جلاتے تھے مجھ پر جو اپنا دماغ　　دکھانے لگے داغ بالائے داغ
زمانے نے آوارہ چاہا مجھے　　مری بیکسی نے نباہا مجھے
رفیقوں سے دیکھی بہت کوتہی　　غریبی نے اک عمر کی ہمسری
مجھے یہ زمانہ جدھر لے گیا　　غریبانہ چندے بسر لے گیا
بندھا اس طرح آہ بار سفر　　کہ نے زاد رہ کچھ نہ یار سفر
دل اک یار سو بے قرار بتاں　　غبار سر رہگذار بتاں
گرفتار رنج و مصیبت رہا　　غریب دیار محبت رہا
چلا اکبرآباد سے جس گھڑی　　در و بام پر چشم حسرت پڑی
کہ ترک وطن پہلے کیونکر کروں　　مگر ہر قدم دل کو پتھر کروں
دل مضطرب اشک حسرت ہوا　　جگر رخصتانے میں رخصت ہوا
کھنچا ساری رہ دامن چاک دل　　رہا بر قفا روے غمناک دل
پس از قطع رہ لائے دلی میں بخت　　بہت کھینچے یاں میں نے آزار سخت
جگر جور گردوں سے خوں ہوگیا　　مجھے رکتے رکتے جنوں ہوگیا
ہوا خبط سے مجھ کو ربط تمام　　لگی رہنے وحشت مجھے صبح و شام
کبھو کف بہ لب مست رہنے لگا　　کبھو سنگ در دست رہنے لگا
کبھو غرق بحر تحیر رہوں　　کبھو سر بہ جیب تفکر رہوں

یہ وہم غلط کار یاں تک کھنچا ۔۔۔ کہ کار جنوں آسماں تک کھنچا
نظر رات کو چاند پر گر پڑی ۔۔۔ تو گویا کہ بجلی سی دل پر پڑی
مہ چاردہ کار آتش کرے ۔۔۔ ڈروں یاں تلک میں کہ جی غش کرے
توہم کا بیٹھا جو نقش درست ۔۔۔ لگی ہونے وسواس سے جان سست
نظر آئی اک شکل مہتاب میں ۔۔۔ کمی آئی جس سے خور و خواب میں
اگرچند پرتو سے مہ کے ڈروں ۔۔۔ ولیکن نظر اس طرف ہی کروں
ڈروں دیکھ مائل اسے اس طرف ۔۔۔ بحدے کہ آجائیں ہونٹوں پہ کف
پڑی فکر جاں میرے احباب کو ۔۔۔ اڑا دیویں سب گھر کے اسباب کو
کوئی پاس کوئی تفاوت سے ہو ۔۔۔ سراسیمہ کوئی محبت سے ہو
کوئی فرط اندوہ سے گریہ ناک ۔۔۔ گریباں کسو کا مرے غم سے چاک
جو دیکھوں تو آنکھوں سے لوہو بہے ۔۔۔ نہ دیکھوں تو جی پر قیامت رہے
کیے چشم بندی کو ہر یار و غیر ۔۔۔ ولے منزل دل میں اس مہ کی سیر
وہی جلوہ ہر آن کے ساتھ تھا ۔۔۔ تصور مری جان کے ساتھ تھا
اگر ہوش میں ہوں وگر بے خبر ۔۔۔ وہ صورت رہے میرے پیش نظر
اسے دیکھوں جیدھر کروں میں نگہ ۔۔۔ وہی ایک صورت ہزاروں جگہ
نگہ گردش چشم سے فتنہ ساز ۔۔۔ مژہ آفت روزگار دراز
عجب رنگ پر سطح رخسار کا ۔۔۔ مگر وہ تھا آئینہ گلزار کا
جو آنکھ اس کی بینی سے جاکر لڑے ۔۔۔ دم تیغ پر راہ چلنی پڑے
مکاں کنج لب خواہش جان کا ۔۔۔ تبسم سبب کاہش جان کا
دہن دیکھ کر کچھ نہ کہیے کہ آہ ۔۔۔ سخن کی نکلتی تھی مشکل سے راہ
سزا ہے جگر اس کسو کے لیے ۔۔۔ جو سیب ذقن اس کا بوکر جیے
گل تازہ شرمندہ اس رو سے ہو ۔۔۔ خجل مشک ناب اس کے گیسو سے ہو
سراپا میں جس جا نظر کیجیے ۔۔۔ وہیں عمر اپنی بسر کیجیے
کہیں مہ کا آئینہ در دست ہے ۔۔۔ کہیں بادۂ حسن سے مست ہے
کہیں نقش دیوار دیکھا اسے ۔۔۔ کہیں گرم رفتار دیکھا اسے
کہیں دلبری اس کو درپیش ہے ۔۔۔ کہیں مائل خوبی خویش ہے
کہیں جملہ تن مہر صرف سلوک ۔۔۔ کہیں مجھ سے سرگرم حرف سلوک

لطافت سے یک جان ہووے تمیز
سبک سیر مانند عمر عزیز

کہیں جلوہ پرداز وہ عشوہ ساز
کہیں ایستادہ بصد رنگ ناز

ہر اک جاے لے ناز سے وہ سبق
در و بام تصویر کا سا ورق

رہے سامنے اس طرح پر کبھو
رکھے وضع سے پاؤں باہر کبھو

بغل میں کبھو آرمیدہ رہے
کبھو اپنے برخویش چیدہ رہے

کبھو صورت دلکش اپنی دکھائے
کبھو اپنے بالوں میں منھ کو چھپائے

کبھو گرم کینہ کبھو مہرباں
کبھو دوست نکلے کبھو خصم جاں

کبھو یک بہ یک یار ہو جائے وہ
کبھو دست بردار ہو جائے وہ

گلے میں مرے ہاتھ ڈالے کبھو
طرح دشمنی کی نکالے کبھو

کبھو چیں بہ ابرو کبھو ہنس کے بات
کبھو بے وفائی کبھو التفات

جو میں ہاتھ ڈالوں وہاں کچھ نہیں
بجز شکل وہمی عیاں کچھ نہیں

ہر اک رات چندے یہ صورت رہی
اسی شکل وہمی سے صحبت رہی

دم صبح ہو گرم رہ سوے ماہ
کہ درپیش آوے یہ روز سیاہ

کہ جھوما کروں بید مجنوں کی طرز
رہے یاد اس سرو موزوں کی طرز

رہوں زرد میں گاہ بیمار سا
پریشاں سخن گہ پری دار سا

پری‌خواں کو لا کوئی افسوں پڑھائے
کسو سے کوئی جاکے تعویذ لائے

طبیبوں کو آخر دکھایا مجھے
نہ پینا جو کچھ تھا پلایا مجھے

دوا جو لکھی سو خلاف مزاج
کھنچا اس خرابی سے کار علاج

کہ سررشتہ تدبیر کا گم ہوا
دل اوپر ہجوم توہم ہوا

دروں خودبخود بے حواسی رہی
پریشاں دلی اور اداسی رہی

کروں بے کلی جاؤں تا ہر کہیں
نہ گھر میں لگے جی نہ باہر کہیں

قیامت جنوں کا رہے سر میں شور
کھنچا جائے دل کوہ و صحرا کی اور

رہے شوق سر در گریبان دل
ہوا کھینچے صحرا کو دامان دل

سر آشفتہ زلف گرہ گیر کا
قدم حلقہ در گوش زنجیر کا

جنوں آہ درپے ہوا جان کے
مجوز ہوئے یار زندان کے

کیا بند اک کوٹھری میں مجھے
کہ آتش جنوں کی مگر واں بجھے

لب نان اک بار دینے لگے
دم آب دشوار دینے لگے

کہاں علم کا کسب فرصت نہ آہ　　ہوا کا بھی واں گشت روزن کی راہ
نہ آوے کوئی ڈر سے میرے کنے　　کہ کیا جانیے کیسی صحبت بنے
وہ آشفتہ سر ہوش مندی سے دور　　نہیں رابطہ مقتضائے شعور
وہ حجرہ جو تھا گور سے تنگ تر　　در اس کا نہ کھلتا تھا دو دو پہر
جو اس میں کبھو میں سنبھل بیٹھتا　　تو باہر بھی اک دم نکل بیٹھتا
سر شام بیٹھا تھا میں ایک روز　　افاقت نہ آئی تھی مجھ کو ہنوز
کہ یاروں نے برجستہ تدبیر کی　　مرے خون میں کچھ نہ تقصیر کی
اگرچند کہنے کو خوں کم کیا　　لیا لوہو اتنا کہ بے دم کیا
بڑی دیر تک خون جاری رہا　　میں بے ہوش وہ رات ساری رہا
جگایا سحر مجھ کو اک شور سے　　کھلی آنکھ میری بڑے زور سے
وہی دست فصاد میں نیشتر　　وہی رنگ صحبت کا پیش نظر
وہی لوہو لینے کا ہنگامہ پھر　　وہی تر لہو میں مرا جامہ پھر
لگے نشتر ایسے کہ لگتے نہیں　　چبھے جیسے مژگاں کسو کے تئیں
ہوا خون سے دامن و جیب تر　　رگ جاں تلک زخم پہنچا مگر
ٹپکتا رہا دیر تک خون ناب　　مجھے لے گئی بےخودی کی شراب
سخن ضعف سے سخت دشوار تھا　　پلک کا اٹھانا بھی اک بار تھا
کئی روز بالیں پہ یہ سر رہا　　خمار ایک مدت تلک پھر رہا
کھڑا ہوں اگر پاؤں لغزاں رہے　　بدن بید کی طرح لرزاں رہے
چلا جائے سر پاؤں تھرتھر کرے　　نسیم سحر کار صرصر کرے
جفا ضعف سے مجھ کو کیا کیا نہ تھی　　افاقت گئی یوں کہ گویا نہ تھی
پس از چند آنکھیں ٹھہرنے لگیں　　نگاہیں بھی کچھ کام کرنے لگیں
بندھا ناتوانی کا رخت سفر　　کیا طاقت رفتہ نے منھ ادھر
کسے تھا مری زندگانی کا دھیان　　ولیکن نہایت تھا میں سخت جان
لگی جان سی آنے اعضا کے بیچ　　کوئی روز رہنا تھا دنیا کے بیچ
پھرا ناتواں میں بہت دور سے　　کہ نزدیک تھا عالم گور سے
غلط کاری وہم کچھ کم ہوئی　　وہ صحبت جو رہتی تھی برہم ہوئی
وہ صورت کا وہم اور دیوانگی　　لگی کرنے درپردہ بیگانگی

پس از دیر آنکھوں میں آنے لگی   نہ دو دو پہر منھ لگانے لگی
نہ دیکھے مری اور اس پیار سے   غریبانہ سر مارے دیوار سے
کہیں ٹک تسلی کہیں بے قرار   کہیں شوق سے میرے بے اختیار
کہیں واسطے میرے روتی ہے خون   کہیں دست زیر زنخ ہے ستون
کہیں دل کو اپنے دکھاوے مجھے   مری بے وفائی جتاوے مجھے
کہیں دست بر دل وہ رشک قمر   کہیں حسرت آلودہ مجھ پہ نظر
کہیں بے دماغانہ سرگرم ناز   کہیں آتش شوق سے جاں گداز
کہیں چشم گریاں سے دامان پاک   کہیں سو جگہ سے گریبان چاک
کہیں کام دل کی شکایت سے ہے   کہیں نقش دیوار حیرت سے ہے
کہیں مجھ سے کہتی ہے رخصت مجھے   کہ مطلق نہیں غم کی طاقت مجھے
کہیں لب پہ وہ شکوۂ خوں چکاں   کہ ٹپکا کرے جس سے آزار جاں
کہیں وہ نگہ جس سے یہ پایئے   کہ یہ درد دل ہے تو مر جایئے
کہیں وہ روش جس سے نکلے عتاب   کہیں وہ طرح جس سے رہیے خراب
کہیں حرف زن اس طرح ناز سے   کہ دیکھا گیا دل کس انداز سے
کہیں وہ ادا جس سے معلوم ہو   کہ جیسے وہ عاشق کہ محروم ہو
کہیں وہ سخن جو جگر خوں کرے   کہیں طرز ایسی کہ مفتوں کرے
کہیں وضع ایسی کہ بیگانہ ہے   کہیں آشنا ہے تو دیوانہ ہے
کسو جا ہے جلوے میں اس آن سے   کہے تو کہ بیزار ہے جان سے
کسو وقت اس کا یہ اسلوب ہے   کہ شرم محبت سے محجوب ہے
کبھو بے قراری ہے اس رنگ سے   کہ پھرتی ہے سر مارتی سنگ سے
کبھو بے ادائی و دشنام ہے   کبھو باؤ کے ہاتھ پیغام ہے
کہ اے بے وفا آہ دل نرم کر   محبت کے منھ سے بھی کچھ شرم کر
کبھو وہ تبختر کہ پروا نہیں   کبھو کیونکے کہیے کہ سودا نہیں
کبھو یہ سخن جس سے ہو مستفاد   کہ اے بے وفا حرف من یاد باد
کہ ظاہر میں میرؔ اب تو آنا گیا   کہ وہ دوستی کا زمانہ گیا
غرض ناامیدانہ کر اک نگاہ   وہ نقش توہم گیا سوے ماہ
نہ آیا کبھو پھر نظر اس طرح   نہ دیکھا اسے جلوہ گر اس طرح

مگر گاہ سایہ سا مہتاب میں	کبھو وہم سا عالم خواب میں
دل خونپذیر وصال دوام	رہے خواب میں روز و شب صبح و شام
اگر وصل خواب فراموش تھا	ولیکن وہی خواب کا جوش تھا
پلک سے پلک آشنا ہے وہی	زخود رفتگی کی ادا ہے وہی
کھڑا ہوں تو سوتا ہوں اک ذوق میں	رگ خواب دل ہے کف شوق میں
جو بیٹھا ہوں خواب گراں ہے مجھے	وہ غفلت جہاں در جہاں ہے مجھے
خیال اس کا آدے کہ سن ہو رہوں	تلے سر کے پتھر رکھوں سو رہوں
مجھے آپ کو یوں ہی کھوتے گئی	جوانی تمام اپنی سوتے گئی
دکھایا نہ اس مہ نے رو خواب میں	نہ دیکھا پھر اس کو کبھو خواب میں
بہت بےخود و بےخبر ہوچکا	ہم آغوش طالع بہت سوچکا

نہ دیکھا کبھو میرؔ پھر وہ جمال
وہ صحبت تھی گویا کہ خواب و خیال

○

در حال عشق

ہے غبار وادی وحدت جہاں   کثرت اعیان ہوگی اب عیاں
پرفشاں تھا تک جو طاؤس قدم   آسماں پر آسماں پہنچے بہم
عشق اپنا آپ ہی شیدا ہوا   تھا جو پنہاں پردے میں پیدا ہوا
نظم کل کا ڈول ڈالا عشق نے   انس سے انساں نکالا عشق نے
وہ حقیقت سب میں یاں ساری ہوئی   ہے گی ہر شے عشق کی ماری ہوئی
چار سو ہنگامہ آرا عشق ہے   عشق کیا کہیے کہ کیا کیا عشق ہے
عشق ہی کا ہے جہاں میں سب ظہور   نور و ظلمت ہو کہ ہو غل و حرور
عشق گل ہے عشق بلبل عشق بو   عشق ہے سرو چمن عشق آبجو
ہے کہیں بندہ کہیں ہے یہ خدا   عشق کی ہے ہر جگہ شان جدا
عشق ہر کشور میں لاتا ہے کتاب   عشق کے لوگوں سے ہیں کیا کیا خطاب
یاں سے پیغمبر ہے لایا عشق کا   عشق کو پیغام آیا عشق کا
مسجد و منبر کیے تازہ بنا   واں امام پاک خود آکر بنا
عشق کے آغاز دیکھے رنگ رنگ   موم دے دل ہوگئے جو دل تھے سنگ
سنگ سے پھر لعل نکلا بے بہا   یعنی وہ دل جملگی خوں ہوگیا
کچھ بہا یاقوت سیلانی ہوا   بستہ قطرہ لعل رمانی ہوا
عاشق و معشوق رفتہ عشق کے   یعنی دونوں سینہ تفتہ عشق کے
بھڑکی آتش عشق کی دونوں جلے   ڈوبے دریا میں ہوں گو پانی تلے
یا جلایا ایک ہندستاں کے طور   جا جلے ہے زن بھی اس بے جاں کے طور
جل چکے کو ہندی کہتے ہیں ستی   ست بمعنی استقامت واقعی
آگ میں جا بیٹھے زن کا ظرف کیا   عشق ہی کا جاذبہ دے ہے جلا
گرمی ہنگامہ اس کا قہر ہے   پھونک دیوے گر دیار و شہر ہے
عشق پردہ در نہ ہو رسوا کرے   پھر تماشا ہے جو کچھ پردہ کرے

عشق کو ہے خون کرنے کا مزہ　　مار ہی رکھتا ہے اپنے ڈھب چڑھا
مارگیری اس کی سیکھے اژدہے　　عشق نے معشوق و عاشق چٹ کیے
عشق و دل میں ہے قدیمی دشمنی　　عشق سے ہے دل گدازی جاں کنی
عشق کا پا درمیاں آیا جہاں　　دل ٹھہرتا واں نہیں ہرگز نہ جاں
عشق دشمن ہے بلاے جان و دل　　عشق ہے ہم دل شکن ہم جاں گسل
ہے سلوک عشق کا مارا جہاں　　خاک میں ان نے ملایا آسماں
کون راہ عشق کو کرتا ہے سر　　ہر طرف ہے جان کو اس میں خطر
عشق زورآور سے سب ہیں ترس ناک　　کشتی اس کی ہوگئی عالم سے پاک
عشق کا ہے بادیہ مشکل گذر　　دیکھے اودھر مر ہی جاتے ہیں نمر
روبہ اس جنگل میں ہے شیر دلیر　　وہ کوئی واں جائے جو ہو جی سے سیر
دڑ کہ ہاتھی کم کرے ہے کوئی میل　　بچ کے نکلے ہے ادھر سے تند سیل
بالا بالا دیوقد گینڈا گیا　　اینڈا اینڈا راہ واں اس پر چلا
یوز ہیں گے فکر ترک گشت میں　　کب گیا کفتار ایسے دشت میں
عشق کے جنگل میں ہیبت سے طیور　　پرفشاں ہوتے نہیں ہیں دور دور
قو نہیں پر مارتا ازبس ہراس　　کب اڑا سیمرغ اس کے آس پاس
کیا درندہ کیا چرندے کیا پرند　　دل ہے جن کے عشق ہے ان کا کشند
آدمی سے خاص اس کو لاگ ہے　　بہر انساں عشق کی تیز آگ ہے
دل بڑا ہے اس کا ہر کار کلاں　　یک بیک کرتا قبول اس کو بجاں

ہمت عاشق جو ہے ازبس بلند
کار باطل ہی ہیں اس کے حق پسند

○

درحال افغاں پسر

°

چمن سے عنایت کے بادام وار
الٰہی زباں دے مجھے مغزدار

صفت عشق کی تا کروں میں بیاں
رہوں عشق کہنے سے میں تر زباں

عجب عشق ہے مرد کارآمدہ
جہاں دونوں اس کے ہیں برہم زدہ

جہاں جنگ صف کی یہ ظالم لڑا
صف الٹی جہاں ایک مارا پڑا

اگر لوگ مارے گئے سربسر
ولے فتح اس کی ہے یہ طرفہ تر

کوئی کشتنی جو طرف ہوگیا
تہ تیغ اس کے تلف ہوگیا

جہاں جس کسو سے اسے چاہ ہے
وہیں اس کے تا قتل ہمراہ ہے

کسو سے اگر ہوگئی لاگ سی
درونے میں اس کے لگی آگ سی

ہوا ملتفت یہ کسو سے کہیں
تو نام و نشاں اس کا پھر واں نہیں

وفاق اس کا نکلا سراسر نفاق
پڑا عاشقوں میں عجب اتفاق

جواں کیسے کیسے موئے عشق میں
بہت گھر خرابے ہوئے عشق میں

بہت عشق میں لوگ روگی ہوئے
بہت خاک مل منہ پہ جوگی ہوئے

گئے دشت میں کچھ نمد مو ہوئے
کچھ اک شہر میں پھر کے یکسو ہوئے

نہ مرغ چمن ہی ہے نالاں و زار
گئے داغ کہسار سے لالہ وار

کسو کا جگر غم سے خوں ہوگیا
کسو کوہکن کو جنوں ہوگیا

کوئی زار باراں بہت رو چکا
کوئی برق سا جل بجھا ہوچکا

غرض عشق کا ہر طرف شور ہے
نئی روز شہروں میں اک گور ہے

بہت جان ناکام دیتے گئے
تمنائے دل ساتھ لیتے گئے

بہت اہل اسلام کافر ہوئے
بہت اول عشق آخر ہوئے

بہت جرم الفت پہ مارے گئے
جوا عشق بازی کا ہارے گئے

ہوئے خانداں کیسے کیسے خراب
جواں جوں جوانی گئے کیا شتاب

کیا عشق جس دن سے مرتے رہے
جیوں ہی کا اندیشہ کرتے رہے

کسے عشق نے جی سے مارا نہیں — یہی درد ہے درد چارہ نہیں
دوا عشق کی سخت نایاب ہے — سرِ عاشقاں ننگ کا باب ہے
جو ہو عشق عارض تو پھر یاس ہے — عبث کوئی دن جینے کا پاس ہے
محبت ہے نیرنگ ساز عجیب — فسانے ہیں اس کے عجیب و غریب
کوئی عشق کرنا دھرا تھا ورے — گئے مے کدے سے بھی صوفی پرے
نہ واں مکر و نے شید و طامات ہے — خرابات جانا کرامات ہے
کہیں عشق نے آرزوکش کیے — گئے خوش جو عاشق سو ناخوش کیے
کہیں سہل تر یار مرنے لگے — کہیں لوگ دشوار مرنے لگے
کہیں کام ان نے کیے ہیں عجب — فسانہ ہوئی بزم عیش و طرب
کہیں بادشہ اس سے درویش ہیں — کہیں اس سے درویش دل ریش ہیں
لیا کاہ کا کوہ سے کیں کہیں — ملائے کہیں آسماں و زمیں
کہیں پڑ گئے اس سے فتنے فساد — رہے زیرِ شمشیر حد سے زیاد
یہ عالم کا آشوب ہے دہر سے — مراد خطرگہ ہے اس شہر سے
ہوئے عشق میں زہدکیشاں خراب — رہے دل شکستہ پریشاں خراب
اٹھا عشق کا شور عزلت گزیں — گئے دشت گردی کو کر ترک دیں
ہوا عشق سے مجلس حال دہر — تواجد لگے کرنے شیخان شہر
کیا عشق میں ترک صوم و صلوٰۃ — گئے اہل مسجد سوے سومنات
مسلماں ہوئے عشق میں برہمن — گئے کعبہ کو چھوڑ دین کہن
نہ سبحہ نہ زنار نے کفر و دیں — جہاں سب ہے عشق اور کچھ بھی نہیں
محبت کے ساغرکش اہل صلاح — یہ بےہوش دارو ہے ان کی فلاح
کوئی ہوش میں اپنے رہتا نہیں — ہر اک چپ ہے کچھ کوئی کہتا نہیں
رباطی ہیں خانہ سیہ عشق میں — مصلے ہوئے ان کے تہ عشق میں
ہمہ خاندان تفاوت خراب — خرابے سے ہیں بےتفاوت خراب
یہی عشق جس سے کہ حاصل ہے کام — یہی عشق ہے جس سے نکلا ہے نام
اسی عشق سے روسیہ روسفید — رکھیں عشق سے نامیداں امید
یہی عشق ہے عقدۂ دل ہے یہ — یہی عشق حلال مشکل ہے یہ
کہیں اس کو لڑنے سے پایا معاف — کہیں ان نے میدان مارے ہیں صاف

کہیں مومنانہ اسے درد دیں کہیں کافرانہ ہوا بے یقیں
غرض عشق ہے طرفہ نیرنگ ساز
کہیں ناز یکسر کہیں ہے نیاز

حکایت

حکایت ہے عشقی حکایات میں کہ افغاں پسر ایک گجرات میں
جواں خوش تھا پرکار و پرہیزگار بہت حسن کا اس کے واں اشتہار
بہ صورت بہ طاعت بہ داماں پاک نہ دامن پہ مانند گل گرد خاک
اگر ہووے حور بہشتی دوچار وہ دریاے حسن اس سے ڈھونڈھے کنار
وگر آگے سے ہو پری کا گذر حیا سے نہ اس پر کرے ٹک نظر
رہے محو پاکیزگی و صلوٰۃ نہ ہوں ترک سہواً کبھی واجبات
تناسب بہت اس کے اعضا سے خوب سراپا میں دیکھو تو ہر جا سے خوب
زباں نرم طالع وری و صلاح نہ طنز و کنایہ نہ رمز و مزاح
خوش اندام و خوش رو و پاکیزہ خو کسو وقت رہتا نہ تھا بے وضو
جوانی کا ہنگام طاعت کا صرف لب سرخ پر دلبروں کا نہ حرف
حیا کو سیاہی سے پلکوں کی راہ نکلتی تھی باہر نہ گاہے نگاہ
بہت پاک دامن معیشت ہوئی نظافت نزاہت میں مدت ہوئی
کہ ناگاہ اس راہ یک زن گئی جیوں پر خدا جانے کیا بن گئی
جواں کی نظر شرم گیں جا لڑی وہ شرمائی آنکھ اس کے اوپر پڑی
نہ دل مستقل ناشکیبا ہوا دل طرف ثانی بھی بیجا ہوا
حیادار تھی زن گئی اپنے گھر وفادار تھا یہ رہا دیکھ ادھر
کیا چند شرط وفا ہی کا پاس لگے رہنے دونوں گھروں میں اداس
کئی دن میں ہندو زن آنے لگی لیے پانی اس راہ جانے لگی
نگاہیں ہوئیں ہم دگر آشنا محبت کا دونوں نے پانی بھرا
یہی مدتوں دیکھادیکھی رہی دلوں کی کسو سے نہ ہرگز کہی
جیوں میں شب و روز مرتے رہے ولے پاس ظاہر کا کرتے رہے
رہے دیر تک دونوں ناکام عشق نہ آیا لبوں پر کبھو نام عشق
یہ کیا دخل اظہار الفت کریں یہی بستہ لب مشق حیرت کریں

گھروں میں نگاہیں تھیں کلفت بھری   در و بام پر پڑتیں حسرت بھری
لبوں پر نہ آیا کبھو حرف عشق   اگرچہ ہمہ تن رہے صرف عشق
بجایا کیے پردے میں ساز دل   نہ نکلا کوئی نغمۂ راز دل
روانوں میں تو گرم جوشی رہی   دہانوں پہ مہر خموشی رہی
کریں حسرت آگیں نگہ چار اور   لب ان کے یہ ساکت سروں میں یہ شور
کسو سے نہ حرف و حکایت انھیں   محبت سے شکر و شکایت انھیں
کہیں درد دل سو کبھو زیر لب   وگرنہ سکوت ان کو تھا جب نہ تب
شب و روز دونوں تھے صورت مثال   بہم محو خوبی و صرف خیال
پیے جائیں آنکھیں بھری بہر ضبط   کہ جاتا نہ جاوے یہ آپس کا ربط
کبھو آہ اٹھتی تو دم سرد ہو   کہیں منکشف تا نہ یہ درد ہو
دلوں میں جو تھی چاؤ خوں ہوگئے   گرفتہ رہے سو جنوں ہوگئے
بیاباں کی جانب کھنچے دل بہت   کہ تھا شہر میں کام مشکل بہت
ارادے ہوئے یہ دلوں میں ہی خوں   کیا پھر بھی دونوں نے صبر و سکوں
صبا سے رہے دو طرف کے پیام   کہ اے باد کہیو یہ بعد از سلام
خیالات ملنے کے جاتے نہیں   قرار و سکوں دل تک آتے نہیں
شب و روز رہتا ہے یاں اضطراب   کیا شوق نے کام کو کیا خراب
کوئی طور ملنے کا ایجاد کر   نہ جو رحم سے ہو تو بیداد کر
پیام ایک کا یہ کہ اے باد نرم   کہہ اس کو محبت سے کچھ بھی ہے شرم
تن زار بے جان کیوں کر جیے   جگر میں نہ ہو خوں تو کیا خوں پیے
ملاقات کا رکھے کیوں کر خیال   رہے کیونکے جاں ناامید وصال
اگر دیکھیں آنکھیں ہیں دو اس طرف   وگر منھ ہمارا ہے سو اس طرف
اسے دیکھنا ہی ہے ارمان بھی   ادھر ہی چلی جائے ہے جان بھی
کہہ اس سے کہ مرتے ہیں تیرے لیے   کیا عشق یا جرم ہم نے کیے
نہیں صبر آتا ترے بن ملے   لبوں سے جگر تک بھرے ہیں گلے
کسو سے کسو کو نہ ہو جائے لاگ   کبھو تو لگائی ہے سینے میں آگ
کسو کا کسو سے نہ لگ جائے دل   کہ کہنا پڑے ہائے دل وائے دل
کسو کی نہ اچھی لگے کوئی آن   کہ جان الم ناک دیجے ندان

کسو کے مجعد نہ کھل جائیں بال　　کہ ہو دل کے عقدوں کی واشد محال
کسو لالہ رخ کا نہ اٹھے نقاب　　کہ ہوں داغ دونوں مہ و آفتاب
قدآرا نہ ہو فتنہ درسر کوئی　　کہ سر پر قیامت رکھے ہر کوئی
کسو کے نہ چاہ زنخ میں گریں　　مبادا کہ واں سے نہ جیتے پھریں
کسو کے نہ انداز پر جا سے جا　　صبا ہوئے کیا جانیے کیا سے کیا
کسو کی نہ آنکھوں کو دیکھا کریں　　کہ لوگ اس کا آخر پریکھا کریں
کسو کے نہ ایمائے ابرو پہ جائیں　　فریب فریبندگاں تا نہ کھائیں
صبا چلتے اس سے یہ کہہ آیئو　　کہ غافل ہی ہم سے نہ ہو جایئو
دل زار تجھ بن ہے بےکل بہت　　نہ جی کو مرے بن ملے کل بہت
گئے ہم سے پھر ہاتھ آتے نہیں　　یہ گم گشتہ پھر پائے جاتے نہیں
انھیں کا نہیں رہتا نام و نشاں　　کوئی ان کو ڈھونڈھے تو پھر یہ کہاں
کہیں یوں فراموش ہوتے ہیں یار　　ہمارا ترا عشق ہے یادگار
ترحم کہ اب بھی گیا کچھ نہیں　　تلطف کہ ہم میں رہا کچھ نہیں
نہ کر یوں کہ افسوس باقی رہے　　گل تر پہ چند اوس باقی رہے
گھٹی جان جاتی ہے یوں ہر زماں　　تلف جیسے ہر دم ہو آب رواں
نہ ہوجاتی اے کاش الفت ہمیں　　اٹھانی نہ پڑتی یہ کلفت ہمیں
نہ آنکھیں لگی ہوتیں ناگاہ کاش　　کہ چھاتی کی دل تک نہ جاتی خراش
نہ دل کو ہوئی ہوتی چسپیدگی　　کہ داغوں کو ہوتی نہ بالیدگی
نہ پڑتی مری آنکھ گر اس کی اور　　تو اٹھتا نہ سر سے جنوں کا یہ شور
ہوئی آتش عشق آخر بلند　　جگر دل ہوئے اس کے دونوں سپند
زبانے تھے اس آگ کے کیا دراز　　ہوئی دونوں بےتابوں کی جاں گداز
پڑی آگ وہ دل جگر جل گئے　　جگر دل نہ بل دونوں گھر جل گئے
ہوا ناگہاں شوہر زن مریض　　نہایت ہوئی تپ طویل و عریض
تشتت ہوا تپ کا پھر دل کے تیں　　کھنچی رفتہ رفتہ دق و سل کے تیں
نزاری سے دل ہوگیا زارتر　　ہوا خشک ہوکر وہ بیمارتر
بدن کاہ سا رنگ کاہی ہوا　　بہت حال اس کا تباہی ہوا
دموں پر بھی وہ رفتنی کم رہا　　ٹھہر کر گئے دم ہوا ہوگیا

فنا یعنی طاری ہوئی ہو چکا　　اسے دارو دستہ بہت رو چکا
جلانے کی تیاری کرنے چلے　　چلی زن بھی تا ساتھ اس کے جلے
کھلی دعویِ سوختن میں زباں　　کیا پاس ظاہر سے نقصان جاں
لگی جلنے چھوڑا نہ اصرار کو　　خبر پہنچی اس نو گرفتار کو
اٹھا واں سے بے تاب آیا چلا　　اسے دیکھ جلتے بہت جی جلا
جھکا آگ کی اور کر اضطراب　　کہ جی میں نہ طاقت تھی مطلق نہ تاب
کہا ہم کو کیا کہتی ہو اس گھڑی　　نظر اس کی جلتے جو اس پر پڑی
کہا آئے ہو تو چلے آؤ تم　　شتابی کرو جو ہمیں پاؤ تم
یہ بے تاب تھا آگ پر پھر پڑا　　پتنگا سا اس شعلے پر گر پڑا
لگے آتے تھے کتنے انفار ساتھ　　وہیں کھینچ لائے اسے ہاتھوں ہاتھ
چلے ادھ جلا لے کے سب اس کو گھر　　ہوا گرم ہنگامہ اک یہ ادھر
کیا لوگوں نے اس کے سر پر ہجوم　　ہوئی شہر میں شور محشر کی دھوم
قدم کتنے چل کر وہ آتش بجاں　　ہوا یوں سخن زن کہ اے دوستاں
تعب کش ہوں میں آتش تیز کا　　اسے قصد تھا میرے خوں ریز کا
لے آئے مجھے گری سے تم نکال　　کیا گھر بھی لے چلنے کا اب خیال
نہیں متصل راہ چلنے کی تاب　　کہ ہوں نیم سوز آگ کا میں کباب
کہیں مجھ کو سائے میں ٹھہرائیے　　جو دم ٹھہرے تو آگے لے جائیے
کوئی دم مرا کھینچیے انتظار　　کہ گرمی سے ہوں بے خود و بے قرار
توقف کیا سب نے زیر درخت　　کہا واقعی رنج کھینچا ہے سخت
نہ جانا کہ ہے مانع راہ عشق　　رکھے ہے عجب جذب جانکاہ عشق
نہ آتش نہ گرمی نہ بے طاقتی　　بہانے ہیں سب جذب ہے الفتی
عجب تر نظر آتے ہیں کار عشق　　نہیں سمجھے جاتے ہیں اسرار عشق
اٹھانے کو کہتے تو کہلائے تھا　　دل اس کا ادھر ہی چلا جائے تھا
اگر آنکھیں کھلتیں تو اودھر نظر　　ہوئی خاک معشوقہ جل کر جدھر
گیا منتظر اس کو وہ دن تمام　　نظر کرکے کیا دیکھتا ہے کہ شام
خراماں چماں آتی ہے وہ پری　　وہی ناز عشوہ وہی دلبری
وہی صورت اس کی ہے جلوہ نما　　وہی رنگ رو گل کا غیرت فزا

اسی طرز و انداز و خوبی کے ساتھ　　اٹھایا اسے ہاتھ میں لے کے ہاتھ
گئی اس طرف لے جدھر تھی جلی　　نظر کرتے تھے واقعی یہ سبھی
ولے مانعیت کا کس کو جگر　　کہ حیران سب رہ گئے دیکھ کر
ہوئے جاتے جاتے نظر سے نہاں　　گیا عشق کیا جانے لے کر کہاں
بہت سے ہوئے لوگ گرم سراغ　　کنھوں نے نہ پایا نشاں غیر داغ
نہ کر میرؔ اب عشق کی گفتگو　　قلم اور کاغذ کو رکھ دے بھی تو
فسانے ہیں اس کے ہزاروں ہزار　　یہی کشت و خوں کا ہے یہ گرم کار
بہت خاک جل جل کے یاں ہوگئے　　رہ عشق میں جی بہت کھو گئے

غرض ایک ہے عشق بےخوف و باک
کیے دونوں معشوق و عاشق ہلاک

مورنامہ

دشت سے بستی میں آیا ایک مور　　زور تھا واں حسن کا رانی کے شور
اڑ کے گھر راجا کے پہنچا بےقرار　　دیکھ اس کو ہوگیا حیران کار
جاذبہ تھا حسن کا اس کے کمال　　جانور بھی ہوگیا محو جمال
تھی نگہ رخسار پر حیرت کے ساتھ　　چشم تھی رفتار پر الفت کے ساتھ
گر خرام ناز سے جی لے گئی　　خوش نگاہی جان تازہ دے گئی
خستۂ انداز اس کا ہر بشر　　رفتہ اس کے ناز کا ہر جانور
دیکھتا تھا سیر میں جلوہ گری　　جا نشینہ میں جو بیٹھی وہ پری
روبرو جاکر ہوا وہ بھی کھڑا　　ٹک ٹھہر کر مضطرب ہو گر پڑا
اضطراب عشق نے تاثیر کی　　دل دہی کرنے اٹھی دل گیر کی
پیار سے کہنے لگی مت ہو اداس　　پاس رہ میرے کروں گی میں بھی پاس
تو ہے وحشی اس قدر مانوس ہے　　انس انساں کو نہ ہو افسوس ہے
ہے مزاج اپنے پرائے سے نفور　　بھاگوں ہوں مانند وحشی سب سے دور
پاس رہنے سے ترے ہے دل خوشی　　ہے بلا اس بال و پر میں دلکشی
اس کشش کی تھی نہ مجھ کو کچھ خبر　　ہوش اڑا کر لے گئی یہ مشت پر
اب تو دل بھی لگ گیا ہے تیرے ساتھ　　یک بیک سب سے اٹھایا میں نے ہاتھ
پاس رہ کر پاس ظاہر ہے ضرور　　آوے راجا گھر میں تو پھر دور دور
وہ مبادا ربط سے ہو بدگماں　　دوستی ہو جاوے تیری خصم جاں
رنگ رنگ اس عشق کے ہیں گے سلوک　　رنگ ہردم بدلے ہے کین ملوک
رنگ صحبت دیکھ کر رنگ اور لائے　　اس کو چسپاں اختلاطی خوش نہ آئے
دل ہی راجا کا جو بدبر ہو تو پھر　　ترک ہی کرنا پڑے دونوں کو سر
دل بلائے بد ہے جو چاہے کرے　　کچھ نہیں پروا اسے کوئی مرے
دل نہ ہوتا تو نہ جاتی دل کی تاب　　دل بدن میں ایک ہے خانہ خراب

دل سے کیسے کیسے گھر ویراں ہوئے   لوگ کیا کیا بے سر و ساماں ہوئے
دل اپنے شہ فقیری کر گئے   جنگلوں میں شہر سے جا مر گئے
مرغ گلشن دل لگی آئے گیر   بے کلی سے اس کے ظاہر ہیں اسیر
دل نہ ہوتا کاشکے اجسام میں   کرنی تھی ایسی عطا اجرام میں
کرتے تا معلوم قدر عافیت   ہوتی اس عالم کی بھی ایسی ہی گت
مختلط رہنے سے بعد از چند روز   شور بدنامی اٹھا اک سینہ سوز
کھل گئی غماز لوگوں کی زباں   سب پہ ظاہر ہوگیا راز نہاں
کان راجا کے بھرے دشمن ہوا   بدگمان و بدبر و بدظن ہوا
کار ظن بد کھنچا اک طول کو   سمجھا نامعقول وہ معقول کو
اب یوں ہی کرتا ہے ظاہرداریاں   ورنہ ہیں کینہ کی باتیں ساریاں
دھوم رسوائی کی ہوئی اقران میں   کسر شاں اس کی ہوئی اعیان میں
آنا جانا گھر میں کا اب ہوچکا   پاس ربط و رابطہ سب ہوچکا
بدگمانی سے ہوا ہے کینہ ورز   ہے نمودار آنکھ سے تعصی کی طرز
گھر میں لاتے ہیں کبھو تو گھیر کر   بات کہتا ہے تو منھ کو پھیر کر
راہ میں ہے یا کبھو پھر جائے ہے   پھر گیا تو دیر میں پھر آئے ہے
چار سو چھوٹے ہوئے جاسوس ہیں   ہم دگر کے درپئے ناموس ہیں
مصلحت ہے دور رہ ٹک آج کل   اس میں شاید مٹ بھی جاوے کل مکل
سر پہ لایا ہے بلا آفت کا ربط   جی بچے ہیں شوق کا گر ہووے ضبط
دل لگی تو اک خدا کا ہے غضب   اس سے پھر یارب ہے لب پر روز و شب
دل گرفتہ دل شکستہ دل زدہ   ان نے مارے مرد کیا کارآمدہ
بے دلاں بے دل رہے تو خوب ہے   تن بدن میں ایسے اک آشوب ہے
دل کے جائے ہی ملے ہے امتیاز   اہل دل کہتے ہیں جو ہو دل گداز
دل بلائے جاں ہے اے طاؤس ہائے   اس کے پہلو سے ہے لب پر ہائے وائے
ہے گی یہ دل بستگی خانہ خراب   دربدر پھرنے کا کر دیوے ہے باب
خانہ ویرانی نہیں میری ہی اب   ہے خرابی جہاں کا دل سبب
اپنے تو گھر بار کا ہے ہی فسوس   گھر ترا بھی دیسے ہے بار خروس
کیا اڑایا ہے تجھے اے مشت پر   خاک سے لے کر گیا افلاک پر

واں سے چلکے دیکھیے کیونکر تجھے	ساتھ آوارہ کرے کیدھر مجھے
سن کھڑا طاؤس سب سنتا رہا	درد و غم سے دیر سر دھنتا رہا
بے زبانی تھی نہ کچھ کہنا بنا	چپکے ہی آزردہ دل رہنا بنا
حزن کے ساتھ اک حزیں آواز کی	گرتے پڑتے دوقدم پرواز کی
دیر سر دیوار سے مارا کیا	صبر سے ناچار پھر چارہ کیا
پاس سے کچھ دور ہی رہنے لگا	جور ہجر یار کے سہنے لگا
بے دل و آزردہ گاہے ہے کھڑا	سر جھکائے گاہ یک سو ہے پڑا
مضطرب ہو شور کرتا ہے گہے	دل پہ رکھ دیتا ہے سر تا ٹک رہے
دور دور اس سے پھرے الفت کے ساتھ	پھر کے دیکھے اس طرف حسرت کے ساتھ
آوے راجا یا نہ آوے یہ گیا	صبر کرنا اس کو اس بن ہے بنا
نوشکیبی دل لگی پر ہے عذاب	جی طلے ڈالے ہیں غم کے پیچ و تاب
عشق و بےصبری بہت مشکل ہے کام	مرگ عاشق کا ہے یہ بھی ایک نام
جی کے گھبرائے ہوا تھا پرفشاں	طاقت پرواز اس میں تھی کہاں
فرط دل تنگی سے ہوکر دل گرا	اک پرافشانی میں سر کے بل گرا
پاؤں میں نے زور تھا نے سر میں شور	ناتواں طاؤس تھا مانند مور
دوڑی محبوبہ یہ اس کا حال دیکھ	رہ سکی نہ عاشقانہ چال دیکھ
اشک ریزاں سر پہ اس کے رو رکھا	خوف طعن خلق کا یک سو رکھا
ہو تسلی جاتی بارے رہ گیا	جان کا بھی ڈر کنارے رہ گیا
چشم وا ہونے لگی اس زار سے	کی نظر رانی کے منھ پر پیار سے
سب لگے کہنے کہ اب تو یہ جیا	جان رفتہ نے منھ ایدھر پھر کیا
ہوگئی چتون بھی اس کی اب درست	پانی چھڑکو تاکہ ہووے گرم و چست
پھڑپھڑاوے پانی چھڑکے بال و پر	اڑ چلا رانی کا کہنا یاد کر
کی نظر جاتے ادھر الفت بھری	الفت ایسی جوکہ ہو حسرت بھری
اس نظر سے رانی نے بھی رو دیا	ہوش سر سے صبر دل سے کھو دیا
روتے روتے خواب گہ میں جا گری	پھر نہ اس گھر میں کوئی دن آ پھری
یہ گیا ہو پرفشاں دیوار پر	بیٹھا لیکن منھ ادھر سے پھیر کر
لوگ تا جانیں کہ یہ بھی ہے اداس	پھر نہ آوے شاید اب رانی کے پاس

واں سے اڑ کر ایک کوٹھے پر گیا
گم ہوا واں ایسا جیسے مر گیا

یاں کھلی تمام لوگوں کی زباں
کہتے تھے راجا سے جا کیا کیا نہاں

اختلاط ان دونوں کا ظاہر کیا
اس حقیقت کا اسے ماہر کیا

وہ تو کافر آگے ہی تھا سنگ دل
اور ان کے کہنے سے ہو تنگ دل

کہہ اٹھا میں فکر میں ہوں آج کل
صاف دیتا ہوں مٹا سارا خلل

جان سے ماروں گا میں اس مور کو
پھر نہ سنیے گا کبھی اس شور کو

ہے یہی ہنگامہ آرا جانور
قطع کے شایاں تھے اس کے بال و پر

تا نہ آتا شہر میں یہ دشت سے
باز رہتا ایسے سیر و گشت سے

یوز کاش اس کو کوئی کرتا شکار
شیر بچہ اس کو رکھتا کوئی مار

چشم سے ہردم پڑا ٹپکے ہے زہر
اس کی چتون ہے بلائے شہر و دہر

کج خرامی کا ہے فتنہ پیش خیز
چلنا اس کا جوں چلے شمشیر تیز

مت اسے حیوان صاحب جانیو
بدبلا اس کو کہیں تو مانیو

رقص سے ہنگامہ پردازی کرے
پرفشاں ہو تو بداندازی کرے

بولے تو آواز اس کی دل خراش
کرم خوار و مارخوار و بدمعاش

رانی تھی ناقص جو خود مائل ہوئی
مفت لعن و طعن کی قائل ہوئی

بن ملے اس کے رہے ہے وہ اداس
میں کھڑا رہنے نہ دوں اپنے تو پاس

گھر میں آکر ان نے جو کی بود و باش
تھی اسے خانہ خرابی کی تلاش

رانی نے جو منھ لگایا سر چڑھا
قدر سے مقدار سے آگے بڑھا

پاؤں پھیلا گھر کا مالک ہوگیا
اس روش سے اپنا ہالک ہوگیا

اب نہ کریے اس کے تیں جب تک ہلاک
گھر نہیں ہوتا نظر آتا ہے پاک

اس میں گو رانی بھی جاوے جان سے
وہ بھی خوش ہو میری کسر شان سے

فکر میں طاؤس کی راجا رہا
منھ پہ رانی کے نہ ہرگز کچھ کہا

کی تسلی اور تا کھاکر فریب
ہو شکیبا کوئی دن یہ ناشکیب

قصہ کوتہ اڑ گیا یاں سے جو مور
منھ چھپا ایسا گیا جیسے کہ چور

کس طرف جاتا رہا ہو پرفشاں
کچھ نہ پیدا پھر ہوا اس کا نشاں

کچھ خبر اس کی نہیں کیدھر گیا
یاں کہیں جیتا ہے وہ یا مر گیا

یہ تاسف رانی کا جی کھا گیا
دل جو اس کا گل تھا سو مرجھا گیا

کس سے پوچھے کس کنے جاکر کہے　　جوں خزاں کا پھول مرجھائی رہے
کیا بہار عشق کے دیکھے ہے رنگ　　زرد اس کا ہے گل تر دل ہے تنگ
آنکھیں اس کی دو گل عنبر عجب　　سو خبر کی راہ پر وا روز و شب
آوے جو کوئی منھ اس کا تک رہے　　دیکھیں حیرانی اسے کب تک رہے
وہ تو گم گشتہ کہیں پیدا نہیں　　یاں تسلی یہ دل شیدا نہیں
بے کلی اس گل کو رہتی ہے کمال　　رنگ اڑے ہے مور کا کرتے خیال
ہوش سر سے جائے ہے پرواز کر　　ہوتی ہے بےخود حزیں آواز کر
غش پڑی رہتی ہے اس اوسیر میں　　پھر بحال آتی ہے ٹک تو دیر میں
دل کی حالت ہے وہی اندوہ میں　　وہم لے جاتا ہے دشت و کوہ میں
کہتی رہتی تھی کہ اے باد سحر　　لا کبھو طاؤس کی مجھ کو خبر
جی اسے ڈھونڈے ہے پر پاتی نہیں　　اڑتی سی بھی یاں خبر آتی نہیں
دل انھیں دو طرحوں میں ٹھہرے صبا　　یا اسے لا یا مجھے واں لے کے جا
ناقبول عشق ہوں میں تو ملول　　اس طرف آتی ہے گر باد قبول
سن کے میرا حال ہوجاتی ہے سن　　گرم رفتن ہوتی ہے پھر سر کو دھن
کام اس سے بھی نکلتا کچھ نہیں　　مجھ کو وہ ناکام چھوڑے ہے یہیں
آئے ہے جو اس طرف باد دبور　　کچھ کچھ اس سے بھی کہا ہے بالضرور
ان غموں کا کچھ نہ دے کر وہ جواب　　سر جھکائے یاں سے نکلے ہے شتاب
باد صرصر سے بھی درد دل کہا　　سرسری سا ان نے بھی کچھ سن لیا
جھکڑ آیا اس سے بھی تھی گفتگو　　پھر نہ ایدھر رو کیا ان نے کبھو
لگ چلے ہے مجھ سے گر رنگ ہوا　　گرم ہوکر اس سے میں کیا کیا کہا
کہتے کہتے میں ہوئی یوں ہی سبک　　کی نہ ان باؤں نے تسکیں دل کی ٹک
بے قراری دل کی میرے ہے وہی　　درہمی ہے حال کی سو ہے یہی
صبر ہوسکتا نہیں میں کیا کروں　　کب تلک بے طاقتی سے دن بھروں
جی تو ٹک آتے ہی آتے رک گیا　　تن بدن آتش سے غم کی پھک گیا
بےقراری سے کہوں کیا اے صبا　　جو نہ کہنا تھا سو تجھ سے میں کہا
صبح کو جو آنکلتی ہے نسیم　　اس سے بھی ہے درمیاں حال سقیم
وہ بھی کچھ کرتی نہیں دل کی دوا　　سن کے سب ہوجاتی ہے درہیں ہوا

جذب عشق اس جانور کا ہے بلا — مجھ کو برگ خشک سا دے ہے اڑا
جی کھنچا جاتا ہے میرا اس طرف — کر رہے گا جاذبہ اس کا تلف
آپ کو کھویا گیا پر مجھ کو بھی — کر گیا کھویا گیا سا چلتے ہی
رات دن آرام اب مجھ کو نہیں — خواب و خور سے کام اب مجھ کو نہیں
چیت چڑھے گلہائے بال و پر ہیں اب — چپ کہ بلبل میں ہوں نالاں روز و شب
درہمی حال طاؤس اب سنو — عشق ہے تم کو بھی تو ٹک سر دھنو
یاں سے وہ واسوختہ اڑتا گیا — دیر اس کا منھ ادھر مڑتا گیا
پھر نہ ظاہر کچھ ہوا کیدھر گیا — وادی آبادی کہیں جا مر گیا
الغرض اک بن میں جا پنہاں رہا — دل جو آگے ہی گیا تھا یاں رہا
آب و دانے کی نہ کرتا تھا تلاش — دل ہی کے غم سے کیا کرتا معاش
سرنگوں افتادہ رہتا دیر دیر — غم سے محبوبہ کے ہی ہوتا تھا سیر
حیرتی عشق واں رہتا رہے — آتے جاتے باؤ سے کہتا رہے
جائے تو رانی سے کہیو واشگاف — پھیکے خط کے حرف سا مٹتا ہوں صاف
کیا لکھوں میں تو نہیں دست و قلم — پھر نہیں ہے محرم آلام و غم
اب تلک جیتا تو ہوں پر زندگی — دور تجھ سے ہوگئی شرمندگی
آنکھیں رہتی ہیں لگی تیری ہی اور — کرتا ہوں اندھا سا میں فریاد و شور
شور و فریاد آہ دونوں بےاثر — تجھ تلک پہنچیں تو دے مجھ کو خبر
صبر ٹک کرتا نہیں میں ناصبور — اب کھنچا ہے کام بیتابی کا دور
باؤ اودھر کی جو آتی ہے کبھو — منھ ادھر کرتی نہیں بیگانہ خو
یاں سے جز صرصر کوئی جاتا نہیں — سرسری بھی پھر ادھر آتا نہیں
اڑ کے پہنچوں کس طرح تیرے کنے — ست بال و پر دل و جاں انمنے
شوق ہردم کھینچے ہے اودھر مجھے — ہے نصیبوں میں تو دیکھوں گا تجھے
کوئی جھکڑ آنکلتا ہے کبھو — دیر اس سے رہتی ہے یہ گفتگو
کہیو جو ہو اس طرف تیرا گذر — مور اک جنگل میں کرتا تھا بسر
سر میں اس کے عشق کا سا شور ہے — مضطرب دن رات نالاں زور ہے
زار نالی سے طیور اس دشت کے — ترک کرنے پر ہیں سیر و گشت کے
شور سے ہوتا ہے جب وہ نالہ کش — طائر اس جنگل کے کر جاتے ہیں غش

اب کوئی اس راہ سے جاتا نہیں — جا نکلتا ہے تو پھر آتا نہیں
صبح اس کے نالوں سے ہے دھوم دھام — طائروں کا شام تک ہے ازدحام
شور کرتے کرتے پھاٹا ہے گلا — اب جو نالے کرتا ہے سو تلملا
پاؤں پر پھیلا کے جب کھینچے ہے دم — آہوان دشت کر جاتے ہیں رم
روکے درندہ کسو کے کب رکے — خاک کے نیچے گزندہ جا چھپے
شور الحاصل ہے اس کا چار سو — شہر و دہ میں اب یہی ہے گفتگو
راو راجا سب کے ہاں مذکور ہے — مور کا سررفتہ پر مشہور ہے
رفتہ رفتہ یہ خبر یاں آ گئی — رانی بھی سن کن کہیں سے پا گئی
آئی دل میں فکر جان طاؤس کی — کشتہ مردہ ہوگئی افسوس کی
کین راجا کا خیال آیا اسے — کیا کہوں کیا کیا ملال آیا اسے
گر پڑی غش کر گئی مرجھا گئی — ناگہاں مانند گل کمھلا گئی
کیا خبر آئی کہ وہ تھی بے خبر — چوٹ کیسی پڑگئی تھی جان پر
بات منھ سے کچھ نکلتی ہی نہ تھی — دیر گذری تھی سنبھلتی ہی نہ تھی
کھل گئیں آنکھیں جو دل پر تھا بہت — کیا کرے ہاتھوں تلے رکھا بہت
ہر طرف کی حسرت آلودہ نگاہ — لب پہ آئی ناتواں سینے سے آہ
آہ کر پوچھا کہ راجا ہیں کہاں — ان کے کینے سے مجھے ہے خوف جاں
یہ خبر ان کو نہ پہنچی ہووے کاش — وے تو جی ماریں گے اس کا کر تلاش
بدگمانی کا کھنچا ہے دور کام — مور کا لیتا نہیں کینے سے نام
مجھ پہ بھی اس جرم سے آیا غضب — کشت و خوں کے سب ہیں درپے اس سبب
یہ لگائی لاگ سے لوگوں نے آگ — گھر جلاتی رہتی ہے آگے سے لاگ
دیکھیے کیا درمیاں آوے سلوک — آگ ہے بھڑکی ہوئی کین ملوک
لوگوں کی پھر اشتعالک دم بدم — قہر ہے بیداد ہے ظلم و ستم
آج کل سے یہ تو آئی ہے خبر — جب نہ تب ہیں گوش راجا کے ادھر
کلول ایسے جان پر سے کیا ٹلے — کیا عجب آنکھیں ملے پاؤں تلے
ہم کو پاتا ہے چھری پاتا نہیں — کب بچے خوں ریز یاں آتا نہیں
دشمنی کی بات ہی کچھ اور ہے — نے ترحم ہے نہ مطلق غور ہے
جانور کا انس کچھ ثابت نہیں — انس انساں کی سی یہ تہمت نہیں

غیرت اپنی بھی نہیں ہے مقتضی   جیتی رہتی عشق کی ہو تہمتی
زندگانی کیا ہے جب غیرت گئی   مفت ذلت ہوگئی عزت گئی
جب تلک آئی نہیں جیتے ہیں ہم   لوہو اپنا ہر زماں پیتے ہیں ہم
جو مخاطب تھا کہا ان نے کہ ہاں   اس خبر کا اب نہیں اودھم کہاں
سن کے راجا نے کہا یہ اس کی دھوم   دامداروں کو بلا کاے قوم شوم
لو خبر ہے کس طرف وہ خارزار   آپ جاؤں گا ادھر بہر شکار
گوکہ ہو وہ بادیہ پر شر و شور   راہ چلتے ہوں عصا سے مار و مور
ہر طرف راجا کے پہنچے دامدار   ہو تلاشی تا کدھر ہے دشت خار
صیدپیشہ دے گئے ہر چار اور   دیکھیں کس جنگل میں ہے وہ مورشور
کس بیاباں میں ہے اس کی بود و باش   کون سے ہے دشت و بر میں بدمعاش
راہ میں ان سب کو یہ آئی خبر   جس بیاباں میں ہے وہ تفتہ جگر
خار کا جنگل نہیں ہے دشت مار   روز روشن میں بھی ہے تیرہ و تار
دم کش اژدر نکلے ہے گر سیر کو   دور سے کھینچے ہے وحش و طیر کو
جلتے ہیں آتش زبانی سے بہت   پتلے ہوجاتے ہیں پانی سے بہت
یعنی دم سے طیر ہوتے ہیں گداز   ہے زبانہ آگ کا اس کی دراز
ایسے ایسے سو پھریں ہیں واں سدا   جن کی وحش و طیر ہے اکثر غذا
اور بھی رہتے ہیں واں اقسام مار   گھر انھوں کے ہیں اسی جنگل کے غار
ہے عجب ماروں میں مور آکر رہے   مار بھی پھر کیسے اژدر اژدہے
مرغ کر جاتے ہیں مرغ انداز دس   کیا کریں اک مور کے کھانے سے بس
مار کھاجا مور کا ہے یاں کے مار   مور دس دس کھا گئے ہیں ایک بار
گرد ہے اس دشت کے کوہ گراں   اس سے اژدر جھانکے ہے پیدا نہاں
جانور اڑتے جو ڈھب پر آگئے   چار چار ایک ایک ان کو کھا گئے
ہے زمانے سے بھی دھیمی ان کی چال   جن کے ہیں کیڑے مکوڑے پائمال
جیب کو اپنی گزوں تک دیں ہیں طول   خشت و سنگ و خاک تک کھادیں اکول
ان کے چاٹے دشت میں کم ہیں درخت   چٹ کیے ہیں کوہ تک کے سنگ سخت
مار یہ پتھرچٹے مشہور ہیں   ریزہ دنداں ان کے پتھر چور ہیں
قدرت حق سے رہا ہے ان میں مور   پھر قیامت کا سا اس کے سر میں شور

مور کیا چوری چھپے آیا ہے یاں　　عشق کا اعجاز اسے لایا ہے یاں
فتنہ در سر عشق کے یہ کام ہیں　　مور اژدر رانی راجا نام ہیں
عشق ہے ہنگامہ ساز شور و شر　　قصے قضیے عشق سے ہیں مختصر
دشت ماراں خاک ہوگا جل جلا　　اژدہے مر جائیں گے سب تلملا
بھیڑ لے کر ساتھ راجا آئے گا　　کل مکل میں مور مارا جائے گا
خاک میں مل جائے گا کوہ گراں　　خاک سی اڑ جائے گی آخر کو واں
رانی ہوگی فرط غیرت سے ستی　　جانور کے عشق کی ہے تہمتی
طعن مردم سے ہوئی ہے بسکہ تنگ　　زندگی کو جانتی ہے اپنا ننگ
رفتہ رفتہ راجا کا گھر جائے گا　　عشق کام ان پردوں میں کر جائے گا
لے گئے القصہ جاسوساں خبر　　جیتے مرتے پہنچے کچھ راجا کے گھر
کی حقیقت اس جگہ کی تب بیاں　　حال واں کا ہوگیا سب پر عیاں
راہ کی مشکل گذاری سب کہی　　سننے والے لوگوں کو حیرت رہی
جنگلوں میں خارزاری نقل کی　　راہ واں نکلی نہ ہرگز عقل کی
دشت ہر یک خارزار لق و دق　　پاؤں چلتے چلتے جاسوسوں کے شق
سختی سنگستاں کی بیش از بیش تھی　　سالکوں کی واں کف پا ریش تھی
غنچہ غنچہ اک بیاباں میں تھے خار　　غیر گل خار وھاں برگ اور نہ بار
پاؤں ریگستاں میں تا زانو جلے　　راہ سر کے بھل گئے کیوں کر چلے
گرم تر اک دشت میں تھا آفتاب　　سایہ واں پیدا نہ تھا نے قطرہ آب
تشنگی سے کیا عجب ہے غش بھی ہو　　آب تو واں تھا نہ جو لب چش بھی ہو
شہری اس کے شور سے یکسر تھے داغ　　نکلے تھے دس بیس ہم بہر سراغ
پھرتے پھرتے جنگلوں میں تھک گئے　　کتنوں کے تیں شیر و اژدر بھک گئے
چلتے چلتے دور تک آئے نکل　　پڑ گئے تھے آبلے تلووں میں چل
اور ابھی جنگل بڑے درپیش ہیں　　پاؤں دونوں شل ہیں تلوے ریش ہیں
دیکھیے ہوتا ہے واں کیونکر نباہ　　ہے بہت مشکل گذر کانٹوں سے راہ
ہر قدم خطرہ کہ ہیں شیر و پلنگ　　اس پہ سر ماریں کہ رہ پرخار و سنگ
پھر تراکم چار سو اشجار کا　　پھر ہراس اس میں گڑھے کا غار کا
ہاتھی ارنے خوک کی واں باش و بود　　کرگدن کی دھوم سے اکثر نمود

ہیں بیاباں مہلکی یہ تو سبھی　　زندگی کیونکر کرے واں آدمی
قافلہ جاسوسوں کا اودھر چلا　　آدھا پر واں سو گیا گذرا کھپا
زندگی سے جمع یہ مایوس ہے　　ہر خطرگہ خانۂ جاسوس ہے
کیا کرے جو رزق یوں مقسوم ہے　　واں ملے مرنا جہاں معدوم ہے
کچھ ہو دشت مار تک جانا ہمیں　　مور کی واں سے خبر لانا ہمیں
آب و دانہ لے چلا ہے اب تو واں　　آب و دانہ کچھ نہیں ملتا جہاں
دیکھیے جانا ہو کیونکر اتفاق　　بھوکوں مرنا راہ چلنے میں ہے شاق
سوچ کر آپس میں وے آگے گئے　　دن گئے تھے رات بھی جاگے جگے
طے ہوئے وے دشت جوں ہی ہولناک　　دشت ماراں پہنچے کچھ بےخوف و باک
راہ میں دوچار فاقے بھی کیے　　کتنے ان میں سے موئے کتنے جیے
دیکھی اس کے ناحیہ میں ایک دھوم　　تھا چرندوں کا درندوں کا ہجوم
جمع رہتے تھے طیور دشت بھی　　صبح سے تھی ترک سیر و گشت بھی
شور بیتابی سے بعضے تھے دہم　　سن کے نالے بعضے کر جاتے تھے رم
حزن سے ہوتا ہے جس دم نالہ کش　　پاس ہی کچھ جانور کرتے ہیں غش
دیکھ وا منقار اس کی رحم کر　　کچھ نہ کچھ رکھ دیتے منہ میں جانور
کوئی دانہ بوند پانی گھاس پات　　کاٹتا تھا اس طرح دن اور رات
یا رکا تو ست سی پرواز کی　　اس بیاباں میں حزیں آواز کی
کچھ اڑا بیتاب کچھ رکنے لگا　　سنگریزے کنکری چکنے لگا
گر کہیں دوچار دانے پا گیا　　شکر کر اپنی زباں میں کھا گیا
جو کسو تالاب سے پانی پیا　　آسماں کی اور منھ اپنا کیا
تو نہ دے تو یعنی مجھ کو کون دے　　پرشکستہ کی خبر یوں کون لے
سن کے راجا یہ خبر شاداں ہوا　　خشمگیں تر خانہ آباداں ہوا
حکم کش لوگوں سے اپنے یہ کہا　　دیر اس موذی کے غم میں میں رہا
اب یہ مژدہ لائے ہیں جاسوس جا　　ان بنوں میں ایک بن میں وہ بھی تھا
مجھ کو جانا اس طرف کا ہے اہم　　کھا گیا ہے جان اس دشمن کا غم
لوگ میرے گرچہ ہیں حاضر یراق　　پھر رکھو کچھ اور بھی بہر یساق
جنگ حیوانات سے ہے بیشتر　　ہیں طرف اژدر نمر شیراں شتر

یہ لڑائی طول کو گر کھنچ گئی ہمت مردانہ سنیو بچ گئی
ہے لڑائی سخت کوہستان کی پھر بہم حیوان اور انسان کی
منہ پسارے اژدہے ہیں گرم جنگ کھینچ کر نگلے ہیں دم سے خشت و سنگ
آئے ہاتھی بھی اتر گر کوہ سے ہوسکے گا پھر نہ کچھ انبوہ سے
ہوگیا باراہ سد راہ گر لیویں گے جاکر نفر راہ دگر
ہو اگر جاموش دشتی سے مصاف تو کوئی دم ہی کو ہے میدان صاف
کرگدن آکر اگر ہوگا طرف تو الٹ دیوے گا کوئی صف کی صف
منہ چڑھیں گے اس کے مردم کم بہت اک طرف ہو جاوے گا عالم بہت
ہوگئی گر خرس سے استادگی درمیاں آجائے گی افتادگی
منہ اگر گرگ بغل زن آگیا دیکھیو پیٹھ اک جہاں دکھلا گیا
یوز و گرگ و شیر اگر آجائیں گے بددلوں کی فوج کو کھا جائیں گے
مست ہاتھی ہوگئے چہرہ اگر منہ چھپا لیں گے سپاہی بیشتر
سامنے ہوگا اگر مار سیاہ سامنے اس کے نہ ہووے گی سپاہ
گرم کیں اژدر کوئی گر آگیا کھا گیا چٹ کر گیا جیتا گیا
لوگ رکھو الغرض صاحب جگر پہنچیں سر پر مدعی کے بیشتر
جدول ان کی تیغ کی جاری رہے ان کی تردستی سے وہ عاری رہے
ساتھ راجا کے گیا جم غفیر ہم صغیر و ہم جوان و ہم کبیر
راو راجا ساتھ جب سارے گئے کچھ نہ بولے شرم کے مارے گئے
منزلیں طے ہوکے آئے دشت و در اترے واں جا لوگ لشکر سربسر
بھڑکی آتش عشق کی جنگل جلے دوں لگا وہ طائر و اژدر چلے
آگ پھیلی ان بنوں میں دور تک جل گئے حیواں کئی لنگور تک
مار و اژدر اژدہے بھلسے گئے شیر و گرگ و کرگدن جھلسے گئے
جل گیا طاؤس بھی اس آگ میں جی گئے بہتیرے دل کی لاگ میں
مور کا مردہ گیا راجا کے پاس اور جھلسے بھلسے طائر بےحواس
پھر پڑی جو آگ سب لشکر جلا اور راجا کا بھی اودھر گھر جلا
یعنی رانی نے سنی جو یہ خبر آتش غم سے جلا اس کا جگر
کھینچ آہ سرد یہ کہنے لگی عشق کی بھی آگ کیا بہنے لگی

بن جلا کر بستیوں میں آلگی   پھیل کر یاں دل جگر کو جالگی
جمع کر خاشاک و خار و خس شتاب   جل گئی دے آگ وہ بھی بس شتاب
کیا لگی تھی دل کو رانی جل گئی   خاک ہوکر خاک ہی میں رل گئی
عشق ہی کی ہیں یہ تازہ کاریاں   عشق نے پردے میں جانیں ماریاں
مور کے بدلے جلایا دشت مار   مار و اژدر جل گئے چندیں ہزار
جل کے لشکر ہوگیا تھا بے چراغ   یہ خبر سن ہوگیا راجا بھی داغ
عشق سے کیا میرؔ اتنی گفت وگو   خاک اڑا دی عشق نے ہر چار سو
درمیاں نے کوہ نے انبوہ ہے   رانی کا راجا کا اب اندوہ ہے
طائر و طاؤس و حیواں اژدہے   سب کچھے کیا عشق کی کوئی کہے

یہ فسانہ رہ گیا عالم کے بیچ
بازماندہ ان کے ہیں سب غم کے بیچ

○

در حال مسافر جواں

خدا ایک فرقے میں مانا ہے عشق　　کہ لظم کل ان سب نے جانا ہے عشق
نہ ہو عشق تو انس باہم نہ ہو　　نہ ہو درمیاں یہ تو عالم نہ ہو
یہ آفت زمانے کی معروف ہے　　زمانے میں جو ہے سو ماؤف ہے
نہیں اس سے خالی جہاں میں بشر　　سبھوں میں ہے ساری یہی فتنہ گر
کہیں داغ ہوکر جگر پر جلا　　کہیں زخم سینہ ہوا برملا
مزہ ہے یہ عاشق جہاں ہوگیا　　عزا ہے جو ان دونوں پر رو گیا
کسو دل میں جاکر ہوا درد یہ　　کسو چہرے کو کر گیا زرد یہ
کسو کے لیے ہے بیاباں نورد　　کسو کی رہ دور کا ہے یہ گرد
کسو جان میں ہے تمنائے وصل　　کسو دل سے اٹھا مہیائے فصل
کہیں سبزے میں چشمک گل ہوا　　کہیں نالۂ زار بلبل ہوا
کہیں سرو برچیدہ دامن ہے یہ　　کہیں قمری کا طوق گردن ہے یہ
کہیں پھول لالے کا ہے داغ دار　　کہیں اس سے ہے مضطرب لالہ زار
کہیں عشق و عاشق ہے معشوق ہے　　کہیں خالق و خلق مخلوق ہے
یہی عشق خلوت میں وحدت کے ہے　　یہی عشق پردے میں کثرت کے ہے
عجب عشق یہ شعبدہ باز ہے　　موافق گہے گاہ ناساز ہے
غرض طرفہ ہنگامہ آرا ہے عشق　　تماشائی عشق و تماشا ہے عشق
مساعد نہ تھا ایک سے روزگار　　کیا ان نے ترک وطن اختیار
پریشانی لائی کہیں سے کہیں　　بجز بیکسی ساتھ کوئی نہیں
سرا ایک تھی شہر کے درمیاں　　فرود آیا واں یہ مسافر جواں
ہوا آب گردش سے بیمار یہ　　رہا اس سبب کوئی دن اس جگہ
کھنچا طول کو رفتہ رفتہ مرض　　دوائے طبیباں سے آئے عرض
مراعات اسباب کی چند روز　　دوا سے بڑھا اور کچھ دل کا سوز

کیا ترک نومید ہوکر علاج　　کہا لوگوں سے خوش ہے میرا مزاج
مجھے حال ہی پر مرے چھوڑ دو　　نہ لکھ پڑھ کے دل کو مرے توڑ دو
دوا چھوڑی غیرت سے وحشت ہوئی　　جنوں کرنے کی اس پہ تہمت ہوئی
خیال اس کا لوگوں نے چھوڑا ندان　　تعرض نہ کرتے تھے دیوانہ جان
پھرا کرتا تھا ایدھر اودھر خموش　　نہ کچھ دل میں طاقت نہ کچھ سر میں ہوش
شب و روز اپنے بسر یوں کرے　　معیشت زمانے میں جوں توں کرے
یکا یک ہوا قافلہ اک نمود　　قریب اس کے حجروں میں آیا فرود
تھی ساتھ اس کے اک دختر بے مثال　　گلستان خوبی کی تازہ نہال
پری شرمگیں اس کے رخسار سے　　غشی حور کو اس کی رفتار سے
قیامت ادا فتنہ درسر تھی وہ　　عجب طرح کی آہ دلبر تھی وہ
نکلتی نہ پلکوں سے کم راہ تھی　　نگہ لیک تا قتل ہمراہ تھی
نظرگاہ کا جوکہ مفتون ہو　　گریباں کرے چاک مجنون ہو
قنات آگے حجروں کے لی کھینچ سب　　لگی رہنے وہ رشک مہ روز و شب
پدر مادر اس کے نہ تھے درمیاں　　قبیلے کے کچھ لوگ لائے تھے یاں
کہ شادی کہیں اس کی کر دیجیے　　گئے لوگوں کا چندے غم کیجیے
سو نسبت ہوئی ہے کسی سے درست　　اہم کتخدائی ہے اس کی نخست
عروس اور داماد بعد از فراغ　　وطن ان کو لے جائیں گے خوش دماغ
معونت کو دونوں کے ملک و معاش　　کفایت ہے بے کوشش و بے تلاش
مسافر ہوا اس پری سے دوچار　　ہوا اس پہ سو جان و دل سے نثار
پری دار سا آنے جانے لگا　　جنوں کرتے شور اک اٹھانے لگا
کبھی بات کرتے جو اس کو سنا　　بڑی دیر تک ان نے سر کو دھنا
کبھی چلتے پھرتے جو آئی نظر　　روش سے ہوئی اس کی حسرت دگر
بہت نازک اندام و شیریں کلام　　قد و قامت اس کا قیامت تمام
نگہ دل زدے کو مسل ڈالتی　　طرح سے جگر جان مل ڈالتی
ادا اک غضب ناز اک قہر تھا　　کرشمہ خرابی کن شہر تھا
سخن عشوہ غمزے سے کیا کوئی کرے　　کہ آنکھ اس کی اک پل پڑے تو مرے
بلا زیر سر فتنہ گر ناز تھا　　چمک برق خاطف کی انداز تھا

مژہ اس کے برگشتہ جی میں کھبے
نگہ اس کی سرتیز دل میں چبے

کشیدہ بھویں دو کمانیں تھیں پاک
جھکیں جب حریفاں بہت ہوں ہلاک

صفا سے وہ رخسار آئینہ وار
دکھائی دے منھ ان میں ہوتے دوچار

دہن غنچہ لب اس کے گل برگ تر
دل آویز گیسو و عنبر نظر

گل اندام گل پیرہن گل بدن
دل آرام و دلچسپ دلکش سخن

سراپا سے اس کے یہ حیرت رہے
کھڑی اس کی ہر جاے صورت رہے

مسافر بھی حیران رفتار تھا
بکا جاتا تھا جو خریدار تھا

لٹک کر جو چلتی دل آویز تھی
کفک پاؤں کی کیا بلاخیز تھی

اس آفت نے اک روز مہندی لگا
سر پا سے فتنے ہزاروں جگا

دیے چھاپ شوخی سے دیوار و در
رہا نازک ان انگلیوں کا اثر

اٹھے نقش پنجوں کے اس ڈھنگ سے
کہ چھاپے کے گل کب ہوں اس رنگ سے

جو نقاش وہ نقش کرتا نظر
تو رہ جاتا ہاتھوں کو بھی کھینچ کر

کئی دن میں شادی قریب آ رہی
سرا میں سے اٹھ شہر میں جا رہی

یہ افسانہ یہاں کا یہیں رہ گیا
مسافر سے عشق اس کا کیا کہہ گیا

پریشاں دلی اس کی اس حد ہوئی
کہ طبع خوش اس سے بہت بد ہوئی

پھرے تو پھرے جیسے آفت زدہ
رہے تو رہے جیسے محنت زدہ

چلے تو پریشاں پری دار سا
گرے فرش پر ست بیمار سا

جو سونے کو ہو تو کہاں اس کو خواب
پری یاد آوے ہوں آنکھیں پرآب

نہ سایہ خوش آوے نہ دھوپ اس کو بھائے
جہاں جائے وحشت لیے ساتھ جائے

کبھو جیسے دیوانہ رووے ہنسے
کبھو شہر سے دشت میں جا بسے

کھڑا ہے کہیں ہو پریشان سا
کہیں دیکھتا ہے تو حیران سا

کسی سے کرے بات تو دل کہیں
نہ ہرگز لگے دل کی مشکل کہیں

جو آنکھیں تھیں اس کی نظر میں سو تھیں
جو پلکیں چبھی تھیں جگر میں سو تھیں

شب و روز اس کو یہی تھا خیال
کہ کیا خوب صورت ہیں کیا لمبے بال

کہوں خوبی کب تک کہ ہر جا سے خوب
تکلف نہیں کچھ سراپا سے خوب

قیامت ہے اس کی کمر کی لچک
سرکتی تھی دھچکے سے سر کی لچک

نظر سیمیں ساعد پہ کیا جا پڑے
کہ بجلی سی ایدھر چمک آ پڑے

کف دست سینے پہ رکھے نہاں — تو راحت اٹھادے گی صد رنگ جاں
قیامت کا ٹکڑا تھا وہ قد راست — یہ حرف وسخن ہیں مرے راست راست
خرام اس کا دل ہاتھ سے لے گیا — کلام اس کا مردوں کو جی دے گیا
سخن کرنے لگتی وہ محبوب جب — تو دلکش قیامت تھی تحریک لب
اگر ہنستی آئے ہے وہ کامنی — تو یوں دانت چمکے ہیں جوں دامنی
نہال قد اس کا تھا گلبن مثال — کف پا تھے گلبرگ پاے نہال
سرا میں مسافر جو شب آرہا — وہیں مہترانی نے جاکر کہا
کہ اے نوسفر عشق کی راہ کے — جدائی کش اس غیرت ماہ کے
تو اس حجرے میں جو رہا چند ماہ — سو گلخن سا ہے حال حجرہ تباہ
نہ لیپا گیا ہے نہ جھاڑا گیا — خرابہ سا ہے وہ اکھاڑا گیا
ہوا مزبلہ سا خس وخار سے — کہ صحبت رہی تجھ سے بیمار سے
تو اس حجرے میں چار دن جاکے رہ — رہی تھی جہاں آکے وہ رشک مہ
کروں سیم کل جھاڑ خاشاک و خاک — یہ گھر بھی ہو پرنور و صاف اور پاک
پھر آرہیو اس میں ترا ہے مکاں — کوئی کھینچ کر لے گیا اس کی جاں
مسافر اسی گھر میں اٹھ جا رہا — سکونت کو ان نے جہاں تھا کہا
منقش نظر آئے دیوار و در — حنائی انھیں پنجوں کا تھا اثر
نشاں اس کے ہاتھوں کا دل لے گیا — ہر اک نقش صدرنگ غم دے گیا
کہیں حیرتی نقش دیوار سا — کہیں عشق سے ست بیمار سا
اکیلا جو اس حجرے میں پا گیا — غم عشق اسے زندہ ہی کھا گیا
اٹھا اونٹ کر خوں ز جوش جنوں — یہ ہوتا چلا زرد و زار و زبوں
ہوا فرش خواب اس کا فرش مرض — کہ تھی عشق کو مرگ اس کی غرض
بڑھی ناتوانی نہ طاقت رہی — نہ اک بات کرنے کی فرصت رہی
کئی دن رہا بس طلب چشم وا — وہیں شوق‌کش جی عدم کو گیا
مسافر سرا سے نہ واں اٹھ گیا — یہ جی اس سرا ہی میں اس کا اٹھا
گیا چھوڑ پایاں سرا نوسفر — لیے ساتھ ہجراں میں داغ جگر
نہ وارث تھا کوئی کہ اس کو اٹھائے — رکھے نعش کاندھے پہ تا گور جائے
کچھ اس مہترانی نے تزئین کی — مروت سے تجہیز و تکفین کی

جنازہ نکالا بڑی شان سے — نماز اس کی کی سو مسلمان سے
کیا اس سرا ہی میں مدفوں اسے — کیا تھا محبت نے مجنوں اسے
سیوم کرکے اس کا نہ ماتم کیا — تمام اس سفرکردہ کا غم کیا
نہ وارث تھا کوئی جو لے تعزیہ — کیا کچھ تو للہ سب نے کیا
سنا جب کہ یہ واقعہ ہوچکا — تو شادی سے وہ جمع فارغ ہوا
زن وشو وطن کے تئیں جائیں گے — کوئی روز رہ کر یہاں آئیں گے
سرا کے ہے سب لوگوں کو انتظار — کہ کب آوے گی رشک باغ و بہار
سرا اس کے رہنے سے گلزار تھی — کرم خصلت و لطف کردار تھی
کہا شو نے منزل کریں گے جہاں — کوئی دن رہیں گے ضرورت کو وھاں
پھر اس میں سرا ہو مکاں ہو کوئی — بیاباں ہو یا گلستاں ہو کوئی
ہمیں اس سرا میں نہ جانا ہے خوب — جہاں سے اٹھے پر نہ آنا ہے خوب
مبارک نہیں رجعت قہقری — خدا جانے پیش آوے ہم سب کو کیا
زن اصرار کر اس ہی جا میں گئی — کشش عشق کی لے سرا میں گئی
اترتے دگرگوں ہوا حال دل — وہی کوٹھری میں تھی پتھر کی سل
کھنچا عشق کے جذب سے یہ تعب — کہ مطلق نہ ملتے تھے وہ لعل لب
وہ آنکھیں کہ تھیں رشک چشم غزال — ٹھٹھک رہ گئیں آئینے کی مثال
وہ گوندھے ہوئے بال الجھے کیے — پریشاں ہوئے پھر نہ سلجھے کیے
گل سرخ رخسار مرجھا چلے — شکن کھا بہار اس کی لٹوا چلے
گیا طائر رنگ پرواز کر — ملامت رہی عشق کی سازگر
لگی رونے آزردہ ہو زار زار — گیا جذب الفت سے صبر و قرار
جگر چھن گیا عشق سے سو طرف — ندان ایسی آفت میں ہوگئی تلف
طرح اس کی جینے کی سی اب نہیں — کوئی دم نہیں دل کی تسکیں کہیں
وہی مضطرب ہے وہی بے حواس — وہی جذب سے عشق کے ہے اداس
سفرکردہ کا حال پرساں ہوئی — بہت سی بہت دل پریشاں ہوئی
کہا سو کہا مہترانی سے یہ — کہ وہ یھاں جو رہتا تھا کیدھر ہے کہہ
خیال اس کا جاں سے مجھے لے گیا — مسافر عجب داغ اک دے گیا
سرا میں فرود آئی میں کس گھڑی — مسافر کی صورت تھی آ کے کھڑی

مثنوی

(واعظانہ)

کھنچی جو گئی گرد اس گور سے　　مسافر بھی آیا بہت دور سے
بغل گیر عاشق ہوئی زیر خاک　　ہوئی ہمکناری میں آخر ہلاک
زمیں مل گئی جب یہ آخر ہوئی　　مسافر سے مل کر مسافر ہوئی
گیا ہوش اس کا جو ہمراہ تھی　　زباں پر فغاں تھی بلب آہ تھی
اچنبھا سا یہ سانحہ ہوگیا　　عجب طور کا واقعہ ہوگیا
حواس اڑ گئے اس کے جن نے سنا　　ٹھٹھک ہی گیا دیر تک سر دھنا
سرا میں گئی شور سے غم کیا　　بہت حال کو اپنے درہم کیا
خبر شوے ناساز کو بھی ہوئی　　کہ وہ نازنیں جا سرا میں موئی
گریباں دراں خاک افشاں گیا　　لب گور خاطر پریشاں گیا
کہا گور کھولیں پھر اب بیلدار　　کہ بن آنکھوں دیکھے نہیں ہے قرار
کھلی گور دیکھا تو چسپاں تھی وہ　　گلے لگ رہی تھی پہ بے جاں تھی وہ
جدا کرتے مشکل جدا وہ ہوئی　　کمال اشتیاق اس کو تھا جو موئی
نئی گور کر دفن اس دم کیا　　نہ غیرت سے شوہر نے ماتم کیا
بنا ایک روضہ پئے صالحہ　　موافق کیا رسم کے فاتحہ
گیا شو گیا شہر سے بھی گیا　　کہ ہمسر کے یوں مرنے کے تھا جیا
یہ ہے میر وہ عشق خانہ خراب　　کہ جی جن نے مارے ہیں یھاں بے حساب

محابا کسو کا اسے کچھ نہیں
رہا بے محابا سدا ہر کہیں

مثنوی

(واعظانہ)

تنبیہ الجہال

صحبتیں جب تھیں تو یہ فن شریف
کسب کرتے جن کی طبعیں تھیں لطیف

تھے ممیّز درمیاں انصاف تھا
خار و خس سے کیا یہ عرصہ صاف تھا

دخل اس فن میں نہ تھا اجلاف کو
کچھ بتاتے تھے بھی سو اشراف کو

تھے جو اس ایام میں استاد فن
ناکسوں سے وے نہ کرتے تھے سخن

پھر حصول اس سے نہ دنیا ہے نہ دیں
کوئی حاجت اس سے وابستہ نہیں

گر چمار اس کارخانے میں نہ ہو
ٹوٹے جوتے کو کہاں لے کر پھرو

چار ناچار اس کنے جانا پڑے
کوڑیاں دے جوتی گٹھوانا پڑے

حاجت اس فرقے سے مطلق یاں نہیں
جو نہ ہو شاعر تو کچھ نقصاں نہیں

یہ تو دنیا میں ہے اس فن کو کمال
دین کا اس فرقے کے پوچھو نہ حال

کذب ہو جس جاے رونق بخش سمع
واں کی دینداری رکھو اور دل کو جمع

جھوٹ آوے اس قدر جب درمیاں
تو یقیں ایمان کیسا دیں کہاں

ہم تلک تھی بھی وہی رسم قدیم
یعنی جن کے ہوتے تھے ذہن سلیم

پیار کرتے تھے انھیں استاد فن
ان کے ہوتے رہبر راہ سخن

جلف واں زنہار پاتے تھے نہ بار
شاعری کاہے کو تھی ان کا شعار

نکتہ پردازی سے اجلافوں کو کیا
شعر سے بزازوں ندافوں کو کیا

الغرض یاروں نے قیدیں دیں اٹھا
جو کوئی آیا اسے دی پاس جا

ٹک نہ استعداد سے کی گفتگو
کچھ نہ رکھی شاعری کی آبرو

چار سکھیاں کہہ کے دیں ناکس کے ہاتھ
پھر اسے مجلس میں لائے اپنے ساتھ

آپ بیٹھے صدر میں وہ دست چپ
کرنے لاگے شاعری سے حرف گپ

بولے ان کو آج کل سے ہے خیال
ذہن ان کا تیزی رکھتا ہے کمال

ہو رہیں گے کچھ اگر صحبت رہی
اور ہم سے بھی انھیں الفت رہی

جو ہوا ثابت وہ ان کا مستفید
سب نے جانا اس کو شاگرد رشید

کی اشارت تا کہ وہ کھولے دہن آگے استادوں کے ہو گرم سخن
ان کے ایما سے وہ کچھ پڑھنے لگا صاحبانِ فن کے منھ چڑھنے لگا
نیم قد اٹھ اٹھ کے یہ سننے لگے جا و بیجا سر کے تیں دھننے لگے
وہ سراپا جہل تا کہ وقت کار ہم سے تم سے کرنے لاگا اعتذار
سر میں رکھ کر دعویِ طبع لطیف میر و مرزا کا ہوا آخر حریف
کیسی کیسی یوں گئیں طبعیں بہ باد آفریں شاگرد و رحمت اوستاد
جب تلک یاں تھی تمیز زشت و نیک کاہے کو یوں شعر کہتا تھا ہر ایک
اہل فن کی رہتی تھی سب کو تلاش ان کے ہاں کرتے تھے جاکر بود و باش
جوکہ خودسر رکھتے استادوں سے عار ان کے تیں ہرگز نہ ہوتا اعتبار
زندگی بلکہ انھوں پہ شاق تھی ہاتھ گر لگ جاتی تھی شلاق تھی

حکایت

شائق فن تھا وزیر اصفہاں ایک دن آیا ہلالی اس کے ہاں
حاجبان در سے ہو آگاہ کار کی اشارت تا اسے دیں گھر میں بار
عزت و تعظیم کی حد سے زیاد پاس لے مسند پہ بیٹھا شاد شاد
ان نے کھینچی اس کی مرزائی بہت بیٹھے بیٹھے رات جب آئی بہت
شعر کی تقریب لاکر درمیاں کرنے لاگا شاعری کا امتحاں
شعرخوانی کی پڑھا سو تھا غلط سنتے ہی بھڑکا وہ شعلہ کی نمط
غصہ ہو بولا کہ ہاں فراش و چوب کھینچ لا میداں میں کی شلاق خوب
اس قدر مارا کہ بے دم ہوگیا سوج دست و پا ہر اک تھم ہوگیا
کھینچ کر ڈلوا دیا دربار میں یہ خبر پہنچی جو ہر بازار میں
وارث اس کے لے گئے آ رات کو جب بخود آیا تو پایا بات کو
یعنی دستور زباں دشمن نہ تھا یا وہ کچھ ناآشنائے فن نہ تھا
غالبًا پایا غلط اشعار کو خوش نہ آیا اس کرم کردار کو
ورنہ شیوہ اس کا ہے لطف و کرم جائزے میں دے ہے دینار و درم
مجھ کو کیوں شلاق کرتا اتنی شب کاہے کو بدنام ہوتا بے سبب
پس مجھے ہے تربیت اپنی ضرور جا کے بیٹھوں اک سرآمد کے حضور
صحبت اکثر رکھوں اس استاد سے شاید اس کی دولت ارشاد سے

پہنچے اک رتبے کو میری قیل و قال ہو مجھے اس فن میں یک گونہ کمال
اٹھ کے آیا مولوی جامی کنے مشق کی یک چند اس نامی کنے
جب ہوا کچھ شعر کا رتبہ بلند اور مولانا لگے کرنے پسند
پھر گیا اک دن در دستور پر حاجب درگاہ نے کی جا خبر
کاے امیر اس روز کا شلاق خوار آج در اوپر ہے پھر خواہان بار
کی اشارت سد رہ کوئی نہ ہو قصد ہے برخورد کا تو آنے دو
سامنے آیا تو کی نیچی نظر دھوپ میں جلتا رہا دو اک پہر
بعد ازاں ایماے ابرو کی کہ ہاں صحن ہی میں سے ہوا وہ مدح خواں
پھر وہیں سے دے صلہ رخصت کیا اک مصاحب نے جگر کر کر کہا
اگلی صحبت کی تھی عزت اس قدر سو ہوئی شلاق حد سے بیشتر
اب کی اس کو جائزہ دے کر گراں تونے فرمایا مرخص واں سے واں
میں نہ سمجھا یہ کہ وہ کیا تھا یہ کیا در جواب اس برگزیدہ نے کہا
ایسی ہی ہوتی ہیں تضحیک سلف دست ہو تو ان کے تیں کریے تلف
اس قدر اس کا تنبہ تھا ضرور تاکہ پہنچے یہ خبر نزدیک و دور
جو سنے سو خودسری سے باز آئے تربیت ہونے کو استادوں کے جائے
ورنہ کرتا پوچ گوئی ہر دبنگ رفتہ رفتہ شاعری ہوجاتی ننگ
تب جو میں شلاق کی یہ خام تھا اب جو آیا لائق انعام تھا
قصہ کوتہ تھے ممیز درمیاں کاہے کو تھے گلہ گلہ شاعراں
اب جو دیکھو ہر طرف ہے ازدحام ننگ ہے کرم مزابل پر بھی کام
بے تمیزی سے ہے رائج ابتری جس کو دیکھو خودنمائی خودسری
نے بیاں کا ہے سلیقہ نے زباں اس پہ ہے ہر ایک سحبان زماں

بس قلم وقت زباں بازی نہیں چپ کہ دوران سخن سازی نہیں
کون حرف خوب کو کرتا ہے گوش بات کی فہمید کا ہے کس کو ہوش
بے تمیزوں سے بھرا ہے سب جہاں
اب دماغ حرف ہم کو بھی کہاں

○

در بیان دنیا

سنو اے عزیزان ذی ہوش و عقل — کہ اس کارواں گہ سے کرنا ہے نقل
پیمبر ہے شہ ہے کہ درویش ہے — سبھوں کو یہی راہ درپیش ہے
کہوگے کہ آگے تھا کہتا کوئی — نہیں اس سرا بیچ رہتا کوئی
بجا ہی کیا کوس رحلت مدام — کنھوں نے نہ بجا سنا یاں مقام
یہ بیٹھے جو ہیں سامنے ہیں کہاں — جہاں جملہ ہے ایک بزم رواں
جسے دیکھو چلنے کا گرم تلاش — یہ منزل نہیں جاے بود اور باش
گدا ہو کہ ہو شاہ عالی تبار — تہ خاک سب کا ہے دارالقرار
نہ یک بوے خوش ہی ہوا ہوگئی — وہ رنگینی باغ کیا ہوگئی
ملے خاک میں جھڑکے گل ہاے تر — پریشاں ہوئے مرغ گلشن کے پر
پتنگوں نے گر خاک مسکن کیا — چراغوں نے بھی خانہ روشن کیا
گئی خاک دامن فشانی کے ساتھ — رہا آب سو بھی روانی کے ساتھ
رہی راکھ ہوکر اگر آگ تھی — رکن ہے جہاں باد کی لاگ تھی
نہ جدول رہے گی نہ سرو رواں — گلستاں کو پاویں گے ہو کا مکاں
زمیں کا رہے گا یہی کیا سبھاؤ — لپٹ جائیں گے آسماں جیسے تاؤ
سکوں یاں کا دیکھا سراسر شتاب — چلے جاتے ہیں کوہ جیسے سحاب
جہاں ایک ماتم سرا ہے عجب — نہیں جاے باش اور جا ہے عجب
بھلا جی کے جانے کا کیا ہے بیاں — عیاں ہے کہ کہتے ہیں جاں کو رواں
جوانی گئی موسم شیب ہے — شہود ایک دو روز کو غیب ہے
ہنسوں کیونکے ہستی میں دنداں نما — کہ ہے جاے دنداں ہی دنداں نما
گیا شور سر سے جھکا ہے بہت — گئی واشد اب دل رکا ہے بہت
نہ وہ ذائقہ ہے نہ وہ ہے مشام — مزہ کچھ نہیں ہوچکی صبح شام

کریں لمس کیا ہر گھڑی ہے صداع نہیں لذت اکل و شرب و وقاع
بلا ارتعاش تن زار ہے ہر اک عضو چلنے کو تیار ہے
ہوا حافظہ بسکہ نسیاں کا صرف نہیں یاد آتا ہے دوشینہ حرف
ہوئے شعر کیا کیا فراموش ہائے کہوں کیا گذرتی ہے خاموش ہائے
نہ پوچھو لب و لہجہ بےطور ہے سخن کرنے کا ڈھنگ ہی اور ہے
نہیں گور کے کام سے کچھ فراغ کسے ذوق صحبت کہاں ہے دماغ
نہ کچھ یوں ہی عینک نظر چڑھ گئی بصارت کی بےطاقتی بڑھ گئی
نہ رکھیے جو عینک نہ آوے نظر کہے تو کہ اعمیٰ ہیں ہم بےبصر
رہیں دیکھ بھو حرف زن ہو حریف رہا سننے کے گوں نہ سمع شریف
صد افسوس لطف سماعت نہیں صدا دور سے جیسے آوے کہیں
شباب آہ داغ جگر دے گیا قد خم زمیں کی طرف لے گیا
نہ کچھ زور بازو بہت کم ہوا جھکا سر سو زانو کا ہمدم ہوا
جوانی کی شب کیا بسر ہوگئی سفیدی مو سے سحر ہوگئی
بدن زار اعضا سبھی رعشہ دار کرے کون خوباں سے بوس و کنار
جو یہ چال ہے جا رہے ہیں ہم اب دموں پر غرض آرہے ہیں ہم اب
کھڑے ہوں تو تھرائے ران اور ساق جنیں بیٹھیں کیوں کر کہ جینا ہے شاق
جو یوں پاؤں چلتے بچلتے رہے تو دیکھوگے ہم یاں سے چلتے رہے
اگر ضعف سے چپ ہی رہتے ہیں ہم یہ سوچو تو کیا کیا نہ کہتے ہیں ہم
کہے میں نہیں اپنے ٹک پادست کیا خاک میں مجھ کو پیری نے سخت
جو بازو ہیں اپنے وہ بازو نہیں اگر منہ کو دیکھو تو وہ رو نہیں
بدن کی ہوئی میرے صورت ہی اور دے آنکھیں نہیں دے نہ چتون کے طور
جسد ناتواں جاے مہمان تنگ سخن منہ پہ آوے دوائی کے رنگ
لبوں پر نہایت ضعیف ایک آہ در و بام پر حسرتوں سے نگاہ
شکن جلد میں دل کو پژمردگی غریزی حرارت میں افسردگی
برودت بہت جسم میں آگئی مزاجی تھی گرمی سو ٹھٹھرا گئی
چھڑکتا رہوں منہ پہ میں آب کاش کہ ہوتا رہے روح کا انتعاش

وگرنہ دیا سا بجھا جائے ہے　　پھر اٹھ بیٹھوں تو جی چلا جائے ہے
سیہ روے شیب اک ستم کر گیا　　لکھوں کیا کہ میں جیتے جی مر گیا

قلم رکھ دے کر میرؔ ختم کلام
تمام اپنی صحبت ہوئی والسلام

O

در بیان کذب

اے جھوٹھ آج شہر میں تیرا ہی دور ہے — شیوہ یہی سبھوں کا یہی سب کا طور ہے
اے جھوٹھ تو شعار ہوا ساری خلق کا — کیا شہ کا کیا وزیر کا کیا اہل دلق کا
اے جھوٹھ تجھ سے ایک خرابی میں شہر ہے — اے جھوٹھ تو غضب ہے قیامت ہے قہر ہے
اے جھوٹھ رفتہ رفتہ ترا ہوگیا رواج — تیری متاع باب ہے ہر چار سو میں آج
اے جھوٹھ کیا کہوں کہ بلازیر سر ہے تو — اے جھوٹھ سچ یہ ہے کہ عجب فتنہ گر ہے تو
اے جھوٹھ کب ہے عرصہ میں تجھ سا حریف اب — تیرے ہی حکم کش ہیں وضیع و شریف اب
اے جھوٹھ تیرے شہر میں ہیں تابعیں سبھی — مر جائے کیوں نہ کوئی دے سچ بولیں نے کبھی
کہنے سے آج ان کے کوئی دل نہ شاد ہو — فردا کہیں تو اس سے قیامت مراد ہو
وعدے گھڑی کے پہروں کے سب آزما چکے — برسوں تک انتظار کیا جی ہی جا چکے
اے جھوٹھ رنگ تیرے کرے کوئی کیا بیاں — رکھتا ہے جیسے غنچہ زباں تو تہ زباں
یوسف کہ تھا نبی و صداقت شعار تھا — پھر حسن ظاہری سے بھی باغ و بہار تھا
پایان کار تیرے سبب چاک پیرہن — زنداں میں جا کے برسوں رہا چھوڑ کر وطن
اے جھوٹھ تو تو ایک دل آویز ہے بلا — آشوب گاہ تجھ سے زمانہ رہا سدا
کس جاں کنی سے کوہ کنی کوہ کن نے کی — تصویر کھود شیریں کی پیش نظر رکھی
نزدیک جب ہوا کہ وہ مطلوب سے ملے — اب صبح و شام غنچۂ مقصود دل کھلے
دلالہ کے تو پردے میں آ کام کر گیا — دو باتوں میں وہ عاشق دل خستہ مر گیا
اے جھوٹھ تجھ سے فتنے ہزاروں اٹھا کیے — ہنگامہ و فساد ہی ہر سو رہا کیے
اے جھوٹھ راستی سے نہیں گفتگو کہیں — کہنے کو ہاں کہیں ہیں حقیقت میں ہے نہیں
اے جھوٹھ اس طرح ہیں بہت جی سے جا چکے — وعدوں میں آہ لوگوں کے وعدے ہی آ چکے
اے جھوٹھ اس زمانے میں کیونکر چلے معاش — ہے تنگ جھوٹھ بولنے سے عرصۂ تلاش
سردار جس سے سب متعلق ہے کاروبار — سچ بولنا ہے اس کے تئیں سخت ننگ و عار

پھر سب مدار کار دروغی و مفتری
صدق و صفا و راستی کے عیب سے بری

جھوٹا سوار دولت ابھی کا ہے یہ امیر
ورنہ قسم کسو کی بھی تھی حرف بارگیر

مشکل حصول کام ہے یاں حاصل کلام
باتوں ہی باتوں کام ہوا خلق کا تمام

اے جھوٹھ دل مرا بھی بہت دردناک ہے
ان کاذبوں سے صبح نمط جیب چاک ہے

اک فرد دستخطی تھی مری ایک شخص پاس
دیکھا جو خوب اس کو تو مطلق نہیں حواس

تھا میں فقیر پر نہ گیا شاہ کے حضور
اتنے لیے کہ رتبۂ عزت مرا ہے دور

آداب سلطنت سے نہیں مجھ کو رابطہ
حرکت نہ ہوئے مجھ سے کوئی غیر ضابطہ

مرزائی مجھ سے کھنچتی نہیں ہر عزیز کی
پھر شعر و شاعری بھی نہیں ہے تمیز کی

صحبت خدا ہی جانے پڑے کیسی اتفاق
کیا بات آوے بیچ میں بے رتبگی ہے شاق

میں مضطرب گھر اس کے گیا اٹھ کے پانچ بار
کہنے لگا زباں سے یہ ہوتے ہی وہ دوچار

تقصیر میری اس میں نہ کریے گا کچھ خیال
صاحب کہیں خوشی کروں میں یہ کیا مجال

لیکن یہ حرف اس بھی سیہ رو کا رکھیے یاد
انداز سے یہ لوگ سخن کرتے ہیں زیاد

بہتیری ایسی فردیں یہ رکھتے ہیں جیب میں
رکھتے ہیں یوں ہی لوگوں کو برسوں فریب میں

دکھلاؤں گا چلا ہوں سوال آپ کا لیے
میں نے کہا فقیر کہو کس طرح جیے

بولا نہ ہوگا سعی میں ایدھر سے کچھ قصور
پھر دیکھیے کہ پردے سے کرتا ہے کیا ظہور

اک آدھ ایسی بات بناکر کھسک گیا
دل اس خبر کے سننے سے میرا دھڑک گیا

یہ عرضیاں حضور کو بھیجیں میں صبح و شام
دستخط جو ہو کے آئے کوئی سو اسی کے نام

یعنی وہ اب کی آن کے کچھ دیوے گا شتاب
دل جمع رکھیں کاہے کو کرتے ہیں اضطراب

دو چار بار آیا بھی وہ پر نہ کچھ ہوا
مجھ کو جو اضطرار تھا میں بے اجل موا

مدت مدید گذری مجھے کرتے انتظار
خجلت ہوئی جو حال لکھا میں نے بار بار

اس فرد دستخطی کو ہے یہ ماہ ہفتمیں
تنخواہ کا نہیں ہے ٹھکانہ ابھی کہیں

آیا جو وہ لطیفۂ غیبی اب اپنے گھر
میں مضطرب ہو آپ گیا ملنے اس کے گھر

بارے نہ اتفاق ہوا یہ کہ ہو ملاپ
کھویا تھا اضطرار سے عز و وقار آپ

گھر آ کے ایک بھائی کو بھیجا پیام دے
آئے وے اس کے پاس سے جو کچھ جواب لے

حضرت سے کہیو پہلے بہت بندگی مری
پھر کہیو اب اتری ہے شرمندگی مری

دو چار دن میں بھیجے گا کچھ گھر ہی آپ کے
درپے نہ اتنے ہوجیے میرے ملاپ کے

تب سے وے بھائی جاتے ہیں ہر روز صبح وشام   اب تک تو ملتوی ہے زمانے زدے کا کام
دن دیکھتے ہیں وعدے کے بھی ہیں بہت قریب   پھر ترک شہر کیجیے گا کہہ کے یا نصیب
برسوں ہوئے مہینوں کے وعدے ہوئے وعید
سچ کہتے ہیں کہ کچھ نہیں ان جھوٹھوں سے بعید

○

مثنوی

(مدحیہ)

در تعریف آغا رشید کہ خطاط بود و بہ فرمائش میاں اعزالدین کہ فقیر و خوشنویس بودند

میرؔ خطاط یک قلم دیکھے   لیکن آغا سے لوگ کم دیکھے
یعنی عبدالرشید تھا استاد   خوشنویسی کی جن نے دی ہے داد
خط کی خوبی کا اس کے اب تک ڈھنگ   صفحۂ روزگار پر ہے رنگ
وہ تصرف کہیں جو کرتا ہے   شکل نقاش رنگ بھرتا ہے
حیرت افزا ہے حسن ہر تحریر   مشقی اس کی ہے قطعۂ تصویر
خط شیریں جو اس کا پاتے ہیں   ہم حلاوت بہت اٹھاتے ہیں
لگ گئی ہے قلم تو جادو ہے   مد جہاں ہے کسو کی ابرو ہے
سطر لکھتا نہیں خفی کی وہ   خط ہے خوباں کی پشت لب کا وہ
ایسا لکھنا کسو کی طاقت ہے   ہے جلی بھی تو ایک بابت ہے
خط میں کیسا ہی کوئی کامل ہو   اس کا کب نقطۂ مقابل ہو
حرف کس کس ادا سے لکھتا ہے   کون ایسی صفا سے لکھتا ہے
ہے الف قامت نکورویاں   لام ہے زلف سلسلہ مویاں
دال کا خم رہے ہے ایسا خوب   جیسے جھکتے ہیں مست ہو محبوب
میم جس لطف سے لبالب ہے   دہن تنگ مہوشاں کب ہے
ہے کشش فاژۂ تن خوباں   دائرہ دور دامن خوباں
دائرہ نوں کا اس نمط کھینچا   کہ خط دلبراں پہ خط کھینچا

مدعی کو جو خط دکھادیں ہم
جیسے حرف غلط اٹھادیں ہم

○

مثنوی

(ہجویہ)

تسنگ نامہ

پاؤ توفیق ٹک تو سر کو دھنو
یہ بھی اک سانحہ ہے میرؔ سنو

ہم کو درپیش تب سفر آیا
جب کہ برسات سر ہی پر آیا

ابر ہونے لگے سپید و سیاہ
پانی رستوں میں کیچ ساری راہ

بیچ میں ہوتے کچھ اگر اسباب
منہ اٹھانے کی جی میں ہوتی تاب

سو تو کمل نہ پٹو نے لوئی
سایہ گستر نہ ابر بن کوئی

ابر ہی بیکسی پہ روتا تھا
ابر ہی سر کا سایہ ہوتا تھا

کیچ پانی میں کپڑے خوار ہوئے
ووہیں گاڑی میں جا سوار ہوئے

رہروی کا کیا جو ہم نے میل
بھینس چھلے کے تھے بہل کے بیل

آسماں آب سب زمیں سب کیچ
خاک ہے ایسی زندگی کے بیچ

شب کہ دریا پہ ہوکے راہ پڑی
پانی کے سطح پر نگاہ پڑی

لجے لطمے کا کیا کہوں میں اوج
باتیں کرتی ہے آسماں سے موج

دامن ابر پاٹ دریا کا
دے گرہ تو کہے کہ باندھا تھا

ہوش جاتا تھا دیکھ جوش آب
گوش کرتا تھا کر خروش آب

آب تہ دار اور تیرہ بہت
لہر اٹھتی جو تھی سو خیرہ بہت

پانی پانی تھا شور سے طوفان
دیکھ دریا کو سوکھتے تھے جان

ہمرہ موج سیکڑوں گرداب
ساتھ تھی صد تری کے چشم حباب

ناؤ میں پاؤں ہم نے بارے رکھا
خوف کو جان کے کنارے رکھا

جزر و مد سب حواس کھوتا تھا
خضر کا رنگ سبز ہوتا تھا

جب کہ کشتی رواں ہوئی واں سے
جسم گویا کہ تھا نہ تھی جاں سے

موجہ اٹھنے لگا جو طوفاں زا
لجہ آیا نظر سو عماں زا

کیا کہیں ڈوب ہی چلے تھے ہم
ناخدائی خدا نے کی اس دم

بلی لگتی نہ تھی نہ کچھ تھی تھاہ
عقل گم کردہ لوگ تھے ہمراہ

ریلا پانی کا جب کہ آتا تھا   خوف سے جی بھی ڈوبا جاتا تھا
خطر غرق سے تھی طاقت طاق   بےخودی سے ہوا تھا استغراق
بہتا پھرتا تھا خضر کشتی پاس   غوطے کھاتے تھے حضرت الیاس
بدبلا سے تھے ہم کنار ہوئے   تھا خدا ہی تو چلّے پار ہوئے
کسو درویش کا تھا یمن قدم   جا کے پہنچے جو اس کنارے ہم
ورنہ اعمال نے ڈبویا تھا   گوہر جاں سے ہاتھ دھویا تھا
اس کنارے کا جو اثر پایا   ہم تلاطم‌کشوں میں جی آیا
اس طرف اترے آب کے جاکر   میر اور پیر صاحب و چاکر
شکر لب پر دلوں سے محو گلہ   کس و ناکس سبھوں سے خضر ملا
پار کا گنج تھا جو شاہدرہ   سب نے رہنا وہیں کا جی میں دھرا
فاصلہ ایک کوس کا تھا بیچ   راہ یاں سے تھی واں تلک سب کیچ
تھے بہت بیچ میں نشیب و فراز   پہنچے واں شام کھینچ رنج دراز
سو نہ جاگہ تھی نہ مکان مبیت   چار دوکانیں ایک پھوٹی مسیت
جاکے حیراں ہوئے کدھر جاویں   سر گھسیڑیں جو ٹک جگہ پاویں
تنگ و دو ہر طرف لگے کرنے   تس پہ پڑتے تھے مینھ کے بھرنے
کوئی میداں میں کوئی چھپر میں   کوئی در میں کوئی کسو گھر میں
گھر ملا صاحبوں کو ایسا تنگ   جس سے بیت الخلا کو آوے ننگ
بیٹھنے دیں نہ جب کہ صاحب کو   کون پوچھے نفر مصاحب کو
ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے سرا پائی   ویسے گھر چھوٹے دیسی جا پائی
رہنا بھٹیاری کے غنیمت جان   جو کہا ان نے ہم گئے سب مان
کچھ پکانے کا جب سوال کیا   میں نے اظہار اپنا حال کیا
یاں جو لائے ہیں مجھ کو اپنے ساتھ   زندگانی مری ہے ان کے ہاتھ
پہنچے ہے ان کے روبرو سے طعام   صبح کا صبح مجھ کو شام کا شام
اور پکوایئے تو زائد ہو   خامی سے اپنے اور عائد ہو
جو کچھ آیا سو کھا لیا میں نے   کچھ رہا سو اٹھا دیا میں نے
سن کے اک دل سے کھینچی ان نے آہ   اور بولی کہ واہ صاحب واہ
ہم تو جانا تھا آدمی ہو بڑے   چار پانچ آدمی ہیں پاس کھڑے

کچھ یہ کھاویں گے کچھ کھلاویں گے ہم کچھ ان کے سبب سے پاویں گے
سو تو نکلے ہو کورے بالم تم ہو گدا جیسے شاہ عالم تم
کھانے پینے کی کچھ نہیں ہے بات دیکھیے کس طرح سے گذرے رات
صدقے ہیں ایسے بھی اتارے کے سوگئے بخت گھر ہمارے کے
میں کہا مہترانی جی کچھ لو مجھ سے آزردہ دل نہ اتنی ہو
بعضے کھاتے ہیں کچھ کھلاتے ہیں بعضے مجھ سے بھی آتے جاتے ہیں
بارے جوں توں ہوئی وہ رات تمام صبح کو صاحبوں کا ٹھہرا مقام
یہ بھی دن شب ہوا سحر تھا کوچ غازی آباد کو گئے سب پوچ
راہ طے کر سرا میں جا اترے کچھ ستم دیدہ پاس آ اترے
صاحب اترے حویلی میں آکر باغ میں اس کے سب نفر چاکر
بارور تھے درخت و سایہ بھی پھل ولیکن کنھوں نے پایا بھی
اس بھی منزل میں ایک روز رہے گذرے جس طور کوئی کس سے کہے
لوگ جس دم سوار ہونے لگے اور اسباب بار ہونے لگے
سوہنی اس رواروی میں گئی لوگ تھے مضطرب جگہ تھی نئی
وحشت اس کو زبس کہ طاری ہوئی سر پٹک کر کسو طرف کو موئی
ایدھر اودھر تلاش کر دیکھا گمشدہ کو نہ پھر نظر دیکھا
ساری بستی میں جست و جو کو گیا دیر تک یہ خیال سب کو رہا
جن کی آتی ہے ایسے جاتے ہیں کہ نہ پھر کھوج ان کا پاتے ہیں
مرگ تھی اس کی اس جگہ تقدیر بلی تھی یا کہ گربۂ تصویر
رنگ جیسے کہ وقت گرگ و میش یعنی سرخی تھی کم سیاہی بیش
جن سے مالوف تھی وہیں رہتی ان سے کچھ کچھ نگاہوں میں کہتی
کیا نفاست مزاج کی کہیے ستھری اتنی کہ دیکھ ہی رہیے
خالہ جوں پھول گل کترتے ہیں یا کہ نقشوں میں رنگ بھرتے ہیں
چوہے چڑیا پہ ان نے کب کی نظر حج کا کرنا نہ فرض تھا اس پر
موہنی بھی تو تھی بہن اس کی نسبت اس کی تھی وہ بہت گھسکی
پاوے جو کچھ سو مار کھاوے یہ ایک، کیا چار چار کھاوے یہ
جانور مارنا تو ہے یکسو تیز پنجہ کیا نہ ان نے کبھو

یہ نزاکت اسی کو بن آوے ۔۔۔ موش دشتی کو دیکھ ڈر جاوے
ان نے مارے ہیں ایسے کتنے ڈھونس ۔۔۔ گھونس دیکھی تو ہووے کوئی گھونس
یہ چھچھوندر کے بولتے بھاگے ۔۔۔ وہ پڑی سوتی بھی ہو تو جاگے
چھپکلی سے یہ پھیر منھ کو لے ۔۔۔ وہ جفاکار جیفہ پر جی دے
یہ پرکی سی تھی جو خرام کرے ۔۔۔ وہ جو اچھلے تو دھوم دھام کرے
کبک اس کی خرام کے عاشق ۔۔۔ جانور اس کے نام کے عاشق
غرض افسوس کی جگہ بلی ۔۔۔ اب کہاں گو کہ چھانیے دلی
ایسی بیگم مزاج بلی کھو ۔۔۔ بیگم آباد ہم گئے یارو
واں سے میرٹھ سبھوں نے کی منزل ۔۔۔ بیچ پانی اگرچہ تھا حائل
گرتے پڑتے پہنچ گئے سارے ۔۔۔ ہم جفاے سپہر کے مارے
واں سے لاوڑ تسنگ پھر واں سے ۔۔۔ جاکے واں تنگ آگئے جاں سے
اک گڑھی باش و بود کو پائی ۔۔۔ کچھ نہ کھانے کو جس میں نے کھائی
پھوٹی پھاٹی سی چار دیواری ۔۔۔ اور میدان تھی گڑھی ساری
پھر نہ میدان بھی برابر تھا ۔۔۔ ہر قدم ایک غار و چقر تھا
کھنڈر[1] سے اس میں تین چار مکان ۔۔۔ جن کا گرنے پہ سخت ہے میلان
وہ گڑھے سارے کھتے ناج کے تھے ۔۔۔ برسوں سے تھے پڑے نہ آج کے تھے
خاک مٹی سے ان گڑھوں کو بھرا ۔۔۔ بنگلا اک لا کے اس کے بیچ دھرا
ٹٹی پائے اگر نہ بنواتے ۔۔۔ باؤ میں اس سمیت اڑ جاتے
باؤ جنگل کی تند کچھ نہ رکاؤ ۔۔۔ مینھ میں چل پڑے تو کانپے جاؤ
اک گڑھی جس کی سیکڑوں راہیں ۔۔۔ واں ٹھہرنے کو چاہیے باہیں
وہ رہے جو رکھے بہت سے لوگ ۔۔۔ یا کوئی جوگی جو کرے واں جوگ
ورنہ مشکل بہت ثبات قدم ۔۔۔ دل میں اک ہول ہی رہے ہر دم
باؤ سی دن کو سائیں سائیں کرے ۔۔۔ رات ہووے تو بھائیں بھائیں کرے
گر شکستہ ہوئی کہیں دیوار ۔۔۔ بےزری سے بنانا ہے دشوار
ہفتہ ہفتہ تلک پڑی ہے خراب ۔۔۔ پردہ کاہے کا پھر ہے رفع حجاب
کارپردازوں کو تقید ہے ۔۔۔ شور ہے گالی ہے تشدد ہے

---

(۱) بروزن فعْل یا بروزن شہر۔

وے بچارے بہانے کرتے ہیں   رات دن لوگ چوکی بھرتے ہیں
کہتے ان سے تو یہ ملے ہے جواب   کس کے گھر سے بناویں لاکے شتاب
ہم کو کھانے ہی کا تردد ہے   صبح بقال کا تشدد ہے
بنیا منھ کو چھپائے جاتا ہے   روٹی کا فکر کھائے جاتا ہے
حال کب پوچھنے کے ہے قابل   ہم فقیروں کے رنگ ہیں سائل
سوچیں ہیں جب تو جھول جاتے ہیں   بات کہتے ہیں بھول جاتے ہیں
تم کو دیوار پاکھے ہیں گے یاد   ہم کو کرتا نہیں خدا آزاد
کس کو موسیں کہاں سے کچھ لادیں   دال آٹا جو تم کو پہنچاویں
تم کہو دال ماش کی ہے زبوں   یاں بہم پہنچے ہے جگر ہو خوں
تم کہو آٹا کسکسا کھایا   یاں کلیجہ چھنا تو ہاتھ آیا
اور دوچار روز یہ بھی ہے   ایک غم سینہ‌سوز یہ بھی ہے
فصل ہونے ابھی نہیں پائی   پیشگی سب سے قرض لے کھائی
جس سے جھوٹے ہوئے ہیں ہم دس بار   چوٹٹا وہ کہے ہے ساہوکار
ماش کی دال کا نہ کریے گلہ   گوشت یاں ہے کبھو کسو کو ملا
چاہتے ہو تو مول لو اک بز   ورنہ بیٹھے رہو بنے جزبز
بکری لینے کو پیسے ہیں کس پاس   کھاؤ دال اور پادو بے وسواس
جی اگر چاہے کوئی ترکاری   گول کدو ملے بصد خواری
بھنڈی بیگن کے ناؤں ڈھینڈس تھا   اروی توری بغیر جی بس تھا
جز کدو ۔ پاوے کلو مدھو کیا   یعنی کچھ اور واں تھا کدو کیا
دارو گولی کے کچھ نہ تھے اسباب   ماش کی دال کھاتے تھے احباب
جو گڑھی میں نہ چھوٹتے یوں گوز   بجتی رہتی تپک کہاں سے روز
گھاس ہی گھاس اس مکاں بیں تمام   تس میں لساع جانور اقسام
جیسے زنبور زرد ایسے ڈانس   کاٹ کھاویں تو اچھلو دو دو بانس
پشہ د کیک اور کھٹی تھی   جن کے کاٹے اچھلتی پتی تھی
ہاتھ پنڈوں پہ سب چلے جاتے   شب گزوں سے بدن جلے جاتے
ان کے کاٹے بدن پہ دانہ ہے   مرچ جددار پھر لگاتا ہے
ایک دو دن جلا فراغ ہوا   اس کی جاگہ سیاہ داغ ہوا

نہ کھجاتے کھجاتے سارے گھسے　　چٹھے چٹھے ہوئے جو دانے پسے
دن کو وہ صورت طعام ہوئی　　رات کو نیند یوں حرام ہوئی
کتوں کے چاروں اور رستے تھے　　کتے ہی واں کہے تو بستے تھے
دو کہیں ہیں کھڑے کہیں بیٹھے　　چار لوگوں کے گھر میں ہیں پیٹھے
ایک نے پھوڑے باسن ایکو نے　　کھود مارے گھروں کے سب کونے
کوئی گھورا کرے کوئی بھونکے　　خفتہ خفتہ بھی شور سے چونکے
سانجھ ہوتے قیامت آئی ایک　　شور عف عف سے آفت آئی ایک
گلہ گلہ گھروں میں پھرنے لگے　　روٹی ٹکڑے کی بو پہ گرنے لگے
ایک نے آکے دیگچہ چاٹا　　ایک آیا سو کھا گیا آٹا
ایک نے دوڑ کر دیا پھوڑا　　پھر پیا آکے تیل اگر چھوڑا
گھورنے اک لگا اندھیرا کر　　ایک نے اور ایک پھیرا کر
گھر میں چھینکے اگر تھے توڑ دیے　　ہانڈی باسن گرا کے پھوڑ دیے
لوگ سوتے ہیں کتے پھرتے ہیں　　لڑتے ہیں دوڑتے ہیں گرتے ہیں
جب کہ ہڈی پہ چار چار لڑیں　　گوشت پر بھیڑیے سے دوڑ پڑیں
ایک کے پیچھے ایک روز و شب　　لینڈھے سے واں نہ بندھ رہے تھے کب
کتے ہی واں دوچار رہتے ہیں　　دو گئے بھی تو چار رہتے ہیں
جاگتے ہو تو دوبدو کتے　　سو کر اٹھو تو روبرو کتے
سر پہ دربان کے بلا ہی رہے　　کتا ایک آدھ گھر میں جا ہی رہے
منھ میں کف دور دور کرنے سے　　حال بے حال شور کرنے سے
تو کہے سن کے وہ گلا پھاٹا　　باولے کتے نے اسے کاٹا
کتوں کی کیا ساجھتوں کو کہیں　　چھچڑی سے رات دن لگے ہی رہیں
باہر اندر کہاں کہاں کتے　　بام و در چھت جہاں تہاں کتے
جھڑجھڑاوے ہے کان کو کوئی　　رووے ہے اپنی جان کو کوئی
یک طرف ہے. چپڑچپڑ کی صدا　　یعنی کتا ہے چکی چاٹ رہا
ایک چھنے کو منھ میں لے آیا　　ایک چولھے کو کھودتا پایا
ایک کے منھ میں ہانڈی ہے کالی　　ایک نے چلنی چاٹ ہے ڈالی
تیل .کی کپی ایک لے بھاگا　　ایک چکنے گھڑے سے جا لاگا

کہتے یارو کہ جان کا تھا روگ   جاں بلب ہوں نہ کس طرح سے لوگ
آدمی کی معاش ہو کیوں کر   کتوں میں بود و باش ہو کیوں کر
بستی دیکھی، سو ایسی تھی آباد   کہ بیابان سخت سے دے یاد
چار چھپر کہیں چماروں کے   سو بھی ٹوٹے گرے بچاروں کے
پھر چلو آگے تو نہیں ہے کچھ   ڈھنڈھ سا اور جو کہیں ہے کچھ
پھوٹی ٹوٹی کوئی حویلی ہے   سو بھی میدان میں اکیلی ہے
ایک دو مردے سے پڑے ہیں واں   زرد ہو ہوگئے ہیں بے لب ناں
لوگ ایسے مکان سب ایسے   ایسی جاگہ سے اچٹیں دل کیسے
اور جو چار گھر نظر آئے   ان کی خوبی کھلے وہیں جائے
وہ بھی کولی چمار تھے کوئی   فاقوں کے زیر بار تھے کوئی
صورتیں کالی سوکھے سوکھے سے   سارے کنگال اور بھوکھے سے
چار دانوں کے واسطے جی دیں   جان کھا جائیں کچھ نہ جب تک لیں
اس سے آگے بڑھے تو دھیور تھے   اجڑے بچڑے انھوں کے کچھ گھر تھے
اور آگے گئے تو تھا بازار   اس میں بنیوں کی تھیں دکانیں چار
ایک کے پاس دال کچھ آٹا   تس کو بھی مکھیوں نے تھا چاٹا
ایک کے سانواں اور تھوڑے چنے   چھبڑوں میں خاک دھول ایک کنے
جو تھا باقی رہا سو تھا کنگال   ناؤں کو کہتے تھے اسے بقال
اس کا عالم کے یاں اٹھا مایہ   ان نے جیسا کیا تھا سو پایا
ایک کنجڑے کے چار گٹھی پیاز   تس پہ اس کو ہزار فخر و ناز
کیا کہوں مرچ تھی نہ ادرک تھی   اس مچھندر میں کچھ بھی بھدرک تھی
ایک دوکان تھی پساری کی   ان نے ہم لوگوں سے بھی یاری کی
اس سے جاکر جو مانگیے ہلدی   زرد مٹی کو باندھ دے جلدی
دیکھ کر کچھ کہو تو وہ یہ کہے   بس تم اس بستی میں میاں جی رہے
یاں جو کچھ ہے چلن سو دیتا ہوں   میں بھی پیسے لگا کے لیتا ہوں
مانگو اس سے جو مرچ یا دھنیا   دیوے لپا وہی بتا دھنیا
ان میں دو دانے اور سب کنکر   دیے کاغذ میں ہاتھ لنبا کر
لونگ چورا نفر سے منگوایا   لال مرچیں کٹی ہوئی لایا

اور اشیا یہیں سے کریے قیاس　　آگے جاتا نہیں کہا مجھ پاس
اور دس بیس گھر گنواروں کے　　اور دو چار فاقہ ماروں کے
پھوٹی مسجد خطیب تھا نہ اذاں　　یہی خانہ خطیب کا تھا واں
نہ تھی قید صلوٰۃ و رسم صوم　　اس پہ سید امام واں کے قوم
بندے سب جن کا تھا خدا نہ کوئی　　اس طریقے سے آشنا نہ کوئی
راہ و رسم و طریق سب بےڈھب　　پہلے گالی تھی پیچھے حرف بہ لب
کوسوں بھاگا اگر ملا کوئی　　صحبت ایسوں سے رکھے کیا کوئی
ایک تکیہ نہ جس میں فرش کاہ　　حال درویش قابل صد آہ
ٹکڑے ٹکڑے کی احتیاج اس کو　　مرض جوع لاعلاج اس کو
برسوں چلا کے ناامید ہوا　　چپکی سادھی جگر میں چھید ہوا
آتے جاتے سے ان نے جو پایا　　اسی پر رہ گیا وہی کھایا
گرد جو چار خاک کے سے ڈھیر　　جن کو کہتے تھے لیٹے ہیں یاں شیر
اپنا تو اعتقاد تھا ہی کم　　پر کبھو بلی بھی نہ دیکھی ہم
کچھ نہ دیکھا ہم ان بھی گوروں سے　　کام نکلا سو اپنے زوروں سے
کی توجہ جو ٹک دروں کی اور　　دل جگر پر مرے پڑا کچھ زور
جس سے چھاتی میں درد ہونے لگا　　رنگ چہرے کا زرد ہونے لگا
پھر زمیں داروں میں نفاق ہوا　　یہ عجب اور اتفاق ہوا
دونوں کا اک جدا ہی مطلب ہے　　یہ کہے روز وہ کہے شب ہے
آس پاس اس گڑھی کے آئی جھیل　　گم تھے برسات میں طریق و سبیل
ایدھر اودھر اتر کے پانی جاؤ　　قہر ہے پھر جو ٹک بھی ہووے چڑھاؤ
اس سے واں کی ہوا بہت مرطوب　　ہووے نزلہ زکام بےاسلوب
کتنے زوروں میں ہوتی ہے کھانسی　　ایسی جیسے گلے میں دیں پھانسی
پھر وہ درجہ ہے جس میں ہووے دق　　یہ کوئی نکلی ایک ثالث شق
بڑی آفت خطر تھا سکھوں کا　　کیونکہ وہ ملک گھر تھا سکھوں کا
اس میں آجاتے تو قیامت تھی　　مال و جاں غرض سب کی رخصت تھی
نہ کوئی دادرس نہ وقت داد　　مفت ہی ہم گئے تھے سب برباد
کیا کڈھب چرخ کج نے پھینکا تھا　　پر خدا کچھ ہمارا سیدھا تھا

جس نے قدرت نمائی کی اپنی اس بلا سے رہائی کی اپنی
بس قلم ہے صریر تیری تند شور سے تو پڑا جہاں میں دند
بدزبانی کا مجھ کو کب ہے دماغ ایسی باتوں سے میں کیا ہے فراغ
ہوچکی صاحبوں کی فرمائش
چپ رہ اب ہے زمان آسائش

O

در مذمت برشگال کہ باراں دراں سال بسیار شدہ بود

کیا کہوں اب کی کیسی ہے برسات جوش باراں سے بہہ گئی ہے بات
بوند تھمتی نہیں ہے اب کی سال چرخ گویا ہے آب در غربال
وہی یکساں اندھیر برسے ہے آسماں چشم وا کو ترسے ہے
ماہ و خورشید اب نکلتے نہیں تارے ڈوبے ہوئے اچھلتے نہیں
آب بن کوئی بولتا ہی نہیں آسماں دیدہ کھولتا ہی نہیں
چرخ تک ہوگیا ہے پانی جو ماہ و ماہی ہیں ایک جا ہر دو
لے زمیں سے ہے تا فلک غرقاب چشمۂ آفتاب ہیں گرداب
خشک بن اب کی بار سبز ہوئے موش دشتی کے خار سبز ہوئے
ابر کس کس سیاہ مستی سے ہوتے جا ہیں بلند پستی سے
لڑکوں نے کی زمانہ سازی ہے خاک بازی اب آب بازی ہے
ابر کرتا ہے قطرہ افشانی پانی پانی رہے ہے بارانی
تنک آبی سے جان مت اغراق ڈوبنے پر ہے کشتی آفاق
عقل مینہوں نے سب کی کھوئی ہے بات باراں نے یاں ڈبوئی ہے
کیسا طوفان مینہ چھایا ہے زخم دل نے بھی آب اٹھایا ہے
بیٹھے اٹھتے نہیں ہیں بام و در یہ خرابی ہے شہر کے اندر
سقف آماج بوند پیکاں ہے مینہ ہے یاکہ تیر باراں ہے
جیسے دریا ابلتے دیکھے ہیں یاں سو پرنالے چلتے دیکھے ہیں
ابر رحمت ہے یاکہ زحمت ہے ایک . عالم غریق رحمت ہے
لے گئے ہیں جہان کو سیلاب نقشہ عالم کا نقش تھا برآب
نہ ہے جلسہ نہ ربط یاراں ہے شہر میں ہے تو باد و باراں ہے
روز و شب یاں ہمیشہ جھمکا ہے ان دنوں رنگ برق چمکا ہے
بڑی بوندوں کی چوٹ سے ڈریے سنگ باراں جہاں ہو واں مریے
پڑھتے ہیں یار درس حیرانی آرسی کے بھی گھر میں ہے پانی

آدمی ہیں سو کب نکلتے ہیں
مردم آبی پھرتے چلتے ہیں

کتے ڈوبے گئے کہاں ہیں اب
سگ آبی ہی ہیں جہاں ہیں اب

وسعت آب پوچھ مت کچھ یار
کوچے موجوں کے ہوگئے بازار

معبد اب سارے گرتے آتے ہیں
زاہد خشک ڈوبے جاتے ہیں

تھا ٹھہرنا برابر ان کے شاق
مسجدوں میں کیا ہے استغراق

مینھ تو یاں لگے ہی رہتے ہیں
سارے عالم کے کان بہتے ہیں

غرق ہے چڑیا اور گلہری ہے
خشکی کا جانور بھی بہری ہے

مینھ ازبسکہ بہتا ہے گا
اک جہاں کو ڈبو رہا ہے گا

تر ہیں جو خشک اور تروں میں ہیں
جانیں اک سوکھتی گھروں میں ہیں

شعر کی بحر میں بھی ہے پانی
بہتی پھرتی ہے اب غزل خوانی

لائی بارندگی کی چالاکی
آب خشک گہر پہ نمناکی

ہے زراعت جو پانی نے ماری
ہوگئی آبخست ترکاری

آب ہے گا جہاں کے سر تا سر
خوف سے سوکھتا ہے میوۂ تر

مست ہو ہوگئے ہیں مست شراب
غوطے کھاتے پھرے ہیں عالم آب

مستی ہے اب جو چاہیں سیرآبی
بط مے تو ہوئی ہے مرغابی

جتنی قبائیں خشک تھیں مشہور
ان کی فرجوں سے سیل ہیں محشور

بھنگ خشک انھوں کی تھیلا ہے
یہ خرابہ برے میں پھیلا ہے

دست غم اس قدر یہ طغیاں ہے
کہ ہر اک گوشہ بیچ طوفاں ہے

سیل دیکھے ہیں کوہساراں کے
لیے کشتی گدا ہیں باراں کے

جزر و مد جس کا تا فلک جا ہے
جو ہے تالاب قہر دریا ہے

ہر طرف ہیں نظر میں ابر سیاہ
پانی ہے جس طرف کو کریے نگاہ

سیل ہا در رکاب دیدۂ ماست
چشم تا کار ی کند دریاست

پانی عالم کے تا بہ سر ہے گا
خشک مغزوں کا مغز تر ہے گا

خضر کیوں کرکے زیست کرتا ہے
آب حیواں میں پانی مرتا ہے

لکھے کیا میر مینھ کی طغیانی
ہوگئی ہے سیاہی بھی پانی

○

در ہجو نااہل مسمیٰ بہ زبان زد عالم

سنیو اے اہل سخن بعد از سلام
چھیڑتا ہے مجھ کو اک تخم حرام

پر نہیں مرغی کا گرم طیر ہے
وہم میں شہباز کا ہم سیر ہے

کام مجھ کو کچھ نہیں ہے اور سے
بلکہ اس بھی طرز سے اس طور سے

شاعری کو میری ہوگے جانتے
تم چنانچہ سب مجھے ہو مانتے

میں ہمیشہ سے رہا ہوں باوقار
کن دنوں تھا ہجو کا کرنا شعار

گر کنھوں نے کچھ کہا میں چپ رہا
ہجو اس کی ہوگئی اس کا کہا

کیا ہوا گر چاند پر پھینکے ہیں خاک
پڑتی ہے ان سب کے منھ پر میں ہوں پاک

رہیو شاہد کچھ نہیں میرا گناہ
مدعی بے ہیچ ہے یہ روسیاہ

تھا تحمل مجھ کو میں درویش تھا
دردمند و عاشق و دل ریش تھا

پر کروں کیا لاعلاجی سی ہے اب
غصے کے مارے چڑھی ہے مجھ کو تب

ایسے کتنے ہیں جو اب شاعر بنے
مدتوں یہ لونڈے آئے مجھ کنے

ایک باتوں سے مری آدم ہوا
اک نظر سے شہرۂ عالم ہوا

ایک نے دیواں کی میرے نقل لی
اس دوانے کی کنھوں نے عقل لی

ایک میرے طرز پر کہنے لگا
دوسرا پیرو مرا رہنے لگا

سارے عالم میں ہوں میں چھایا ہوا
مستند ہے میرا فرمایا ہوا

دور سے کرتا ہوں بیٹھا سب کی دید
کوئی سر کھینچو ہے میرا مستفید

کوئی بے تہ گو نہ جانے میری قدر
پائیں ہے پائین آخر صدر صدر

ہے گی شخصیت خدا کی اور سے
ہاتھ کب آوے بزرگی زور سے

ایک لچا دے جو اک عمدہ کو بھوگ
تو اسے کیا کچھ طرف جانیں گے لوگ

جو بڑے ہیں وے ہی آخر ہیں بڑے
ایسے لچے بہت پھرتے ہیں پڑے

شہر میں آیا میں بعد از بست سال
گم تھا یاں سررشتۂ قال و مقال

کسب جو کرتے تھے یہ فن شریف
ان میں سے کوئی نہ تھا میرا حریف

کتنے اک نومشق تھے گرم سخن سو بچارے آپھی ناآگاہ فن
مدعی میرا ہوا یہ بے ہنر مردۂ صدسال سا بے نورتر
کاسہ لیس و مایۂ خبث و حسود قلیۂ دہ روز سے بھی بدنمود
آتے اچھا ہے جو اُس کو روک دو ورنہ منھ دیکھو تو وو ہیں اوک دو
باپ اس کا سخت ناداں نادرست کوڑے کی سی گندی بلی قاق و ست
ایک جا آیا شترقد گھر گیا واں شترغمزہ سا مجھ سے کر گیا
رہ گیا میں پی کے لوہو کا سا گھونٹ یعنی دیکھوں بیٹھے ہے کس کل یہ اونٹ
اس تحمل پر نہ کی مطلق نظر خار پہلو کا ہوا ہر جا لچر
جب لگا ہے ناچنے مستی سے خوب تب لیا میں نے قلم کے زیر چوب
مستی اس کی ساری اب جھڑ جائے گی دھوم ساری گلیوں میں پڑ جائے گی
جب بڑوں سے مار ناہموار کھائیں کج خرامی سے تب اپنی باز آئیں
راہ سیدھا ہو کے چلتا ہے بلے اونٹ جب آیا پہاڑوں کے تلے
اونٹ کی خلقت پہ ہے قدرت کو ناز اس کی خلقت کم ہے کیا اے بے نیاز
ہیئت اس کی مضحکہ ہے سوانگ ہے جید عوج ابن عنق کی ٹانگ ہے
سر کے تیں اس کے جو دیکھوں کر نگاہ بانس پر اک اندھی ہانڈی ہے سیاہ
تیرہ رو مضحک سراپا زور ہے دم اگر ہووے تو پھر لنگور ہے
شکل و صورت دیکھ کر حیراں رہو بے گماں سب مل کے لگ لگ ہی کہو
بیٹھے تو بیٹھا ہے گویا بوچمار آتے جاتے جاویں اس کو جوتی مار
چال جب چلنے لگے سر جھاڑ کر پاؤں کو پہلے رکھے منھ پھاڑ کر
بال و پر رکھتا نہیں بے پا و سر ورنہ تھا یہ بھی عجائب جانور
ایک دن بیٹھے تھے یاں ذات شریف وارد اس دن ہوگئے کتنے ظریف
ایک بولا دیکھ کر حیران ہو یہ جزائر کا کوئی حیوان ہو
یاں تو ایسا جانور دیکھا نہیں سر کہیں ہے پاؤں اس کے ہیں کہیں
ایک کے آیا مکوڑا وہم میں ایک کے مور سواری فہم میں
ایک نے ہنس کر دیا اس کو ڈھکیل اور بولا اے تری قدرت کے کھیل
کیسا اعجوبہ نیا پہنچا ہے یاں چونچ ہو تو ہے شترمرغ کلاں
ایک بولا کرکے چشمک سیری اور واہ صاحب جانور پالا ہے زور

ایک دن باہر تو ہو لے کر کھڑے — یہ اچنبھے یوں نہیں رہتے پڑے
جائے اس وحشی کا تک وسواس بھی — چوک بھی ہے پاس یہ نسناس بھی
اس کو یاروں نے غرض کیا کیا کہا — لیک یہ خر ناشخص ہی رہا
یہ جو ہے موشک دوان و شور چشم — موش دشتی چہرہ و شب کور چشم
بے سبب سرگرم کیں پیہم ہوا — مستحق لعنت عالم ہوا
چل قلم اب ہے ارادہ جنگ کا — پاس کب تک کیجے نام و ننگ کا
یاں زبردستوں کو دعویٰ کھا گیا — یہ چھپارستم کہاں سے آگیا
ناقباحت فہم کو دعویٰ پڑا — ہو کے تنکا سا پہاڑوں سے اڑا
ہاتھی کی ٹکر کو ہاتھی ہی اٹھائے — چیونٹی کا کیا جگر جو منھ پر آئے
جنگ ہاتھی کی ہو گو اس کو ہوس — پر اسے ہے موت کا ریلا ہی بس
ایک دھکے میں کہاں وہ کامنی — پودنے کی سی ہے اس کی ضامنی
میں نے پاس اس کا کیا حد سے زیاد — پر کمی کرتا ہے یہ ابن زیاد
قبلہ کہتے کہتے ہاجی ہوگیا — پاس ظاہر چھوڑ پاجی ہوگیا
رشک شہرت سے مرے مرنے لگا — میری عزت کا حسد کرنے لگا
لگ گئی چپ اس کو میرے شور سے — یہ نہ سمجھا ہے خدا کی اور سے
یہ قبول خاطر و لطف سخن — دے ہے کب سب کو خداے ذوالمنن
ایک دو ہی ہوتے ہیں خوش طرز و طور — اب چنانچہ میر و مرزا کا ہے دور
خصمی وہ کریے کہ ہو معقول خلق — نے انھوں سے جو کہ ہوں مقبول خلق
دشمنی تھی اس کو مجھ سے کیا ضرور — حیف ایسی عقل لعنت یہ شعور
ہوں جو میں پرتوفگن تو ہے یہ کیا — خور کے آگے ذرہ کب ٹھہرا رہا
خون دل آشام ہیں جو صبح و شام — وے بھی لیتے ہیں ادب سے میرا نام
یہ مری رہ کا نہ حائل ہوسکے — یہ موئی جوں کیا مقابل ہوسکے
میں نے الٹی اجگروں کی دم میں صف — ادھ موئی سی چھپکلی کیا ہو طرف
رکھتی ہے میری شرافت اشتہار — گو یہ ناسید کہے ہے کیا چمار
ہجو کی جو ان نے میں کیا دب گیا — بھونکنے پر سگ کے ہاتھی کب گیا
ننگ ہے میری توجہ اس طرف — حیف ہے میلان دریا سوے کف
دار و دستہ سے ہے اس کے مجھ کو شرم — تب تو میں باتیں کروں ہوں نرم نرم

ان عزیزوں کا نہایت پاس ہے — ورنہ یہ ملعون کیا کناس ہے
جو نہ سمجھا تیغ خامے کی ہے پاس — کاٹوں گا یوں جس طرح کٹتی ہے گھاس
جب سے لے آیا قدم اپنا یہ شوم — تب سے ویراں ہوگئی یہ مرزبوم
ایک بدیمنی ہی ہے گی بوم میں — لطف وہ پاتے ہیں ہم اس شوم میں
دیدنی ہے قدرت رب ودود — ایسی اچرج کم ہی ہوتی ہے نمود
کیا کمی ہے یہ جو عزت کم کرے — گو نہ شیطاں سجدۂ آدم کرے
کرتی ہے تعظیم میری کائنات — لعنت اس پر ہوتی ہے دن اور رات
یا بلا ہے یہ کج خایہ گزک — میرے دتکارے گئے جھٹ سے دبک
میری ہیبت سے نکل جاتا ہے موت — دشمنی کی ان نے اپنی ماں کی چوت
بیت کہنا چاہتا ہے سو ہنر — شاعری سمجھا تھا کیا خالہ کا گھر
نامبارک ہی نہیں سادہ بھی ہے — الو ہے اور الو کی مادہ بھی ہے
عقل سے کس طرح ہووے بہرہ ور — ہے کسو حافظ کا نطفہ پاچہ خر
پر وہ حافظ جو ہو قرآں خوان قبر — اس سے لیں کار تلاوت گو بہ جبر
جھڑ گیا ہووے دماغ اس کا تمام — پڑھتے پڑھتے شور سے ہر صبح و شام
وہ خرف جورو سے جا یکجا ہوا — ایسا الو ماخرا پیدا ہوا
دیکھ کر ان کی خرامی پائے سرو — ایک کوے نے کی تقلید تدرو
کود کر چلنے لگا آخر کو راہ — اپنی بھی رفتار بھولا رو سیاہ
کاشکے ہوویں سخدر شیخ و شاب — پھٹے سے منھ جو پکارے کا ہے باب
گوکہ یہ لچھن کرے کیا مال ہے — آگے میرے بھانٹ کا سا بال ہے
چاہوں گا جب پھینک ہی دوں گا اکھاڑ — ایسی پشمیں سیکڑوں ڈالی ہیں جھاڑ
بدنمائی اس کی ہے بے ساختہ — کیا ہے یاں میش بچہ انداختہ
دیکھ اسے یاد آوے قدرت کاملہ — کیا بلا ہے مادہ خوک حاملہ
گرگ گردن خوک چشم و غوک سر — غول صحرائی کا بچہ ہے مگر
چار سکھیاں کہہ کے شاعر ہوگیا — اس فن مشکل کا ماہر ہوگیا
باپ کو ان نے بنا رکھا ہے اوت — ہیں کہاں ایسے سعادت مند پوت
کم ہوا ہے گا جو اس کا زور پا — جانتا ہے اس کو پیری کا عصا
کچھ نہیں معلوم اس کو سر کار — تب تو ٹھہرایا ہے اس کو رازدار

اس زنازادے نے جو لب وا کیا پہلے ماں کا راز ہی رسوا کیا
ایک دن سب کے تئیں جلوا دیے یار ماں کے باپ کو دکھلا دیے
پھر حقیقی باپ سے جاکر ملا اس مجازی کا کیا اس سے گلہ
پیسے اس کے کھاکے جب کٹا ہوا یاں کسی تقریب آ پیدا ہوا
تب سے روز و شب اسی کے ساتھ ہے اس خرف کی ڈاڑھی اس کے ہاتھ ہے
بس قلم نفریں ہے میری بس اسے ہے دماغ بحث پاجی اب کسے

رکھ زباں کیدھر گیا تیرا مزاج
پوچ گو بہتیرے پھرتے ہیں پواج

○

در ہجو شخصے ہیچمداں کہ دعوائے ہمہ دانی داشت

اس چرخ بے مدار کے کیا کیا کروں گلے
میرے جگر میں جیسے ستارے ہیں آبلے

تنکا سا ان نے جور و جفا کر سکھا دیا
پھر تس پہ میرے رونے نے مجھ کو بہا دیا

اس مجمع کمال کے گھر لے گیا بہ زور
جس کو تمام فنوں میں گویا کہ تھا عبور

توحید گر کہے تو وہ حق حق بہت کرے
ایسا بکے کہ بات تصوف میں ڈال دے

مصروف علم صرف کا تھا ایک اس سے حرف
پوچھو جو اسم آلہ سے تو بول اٹھے کہ ظرف

یہ سن کے تم ہنسو ہو تو وہ رد کے ایک بار
کہنے لگے کہ اپنا یہ صیغہ نہیں ہے یار

کرتا ہو بحث نحو میں جس دم وہ مارگیر
ہر نحو کا ہے لفظ فقط حرف بارگیر

موضوع اپنا جانتا منطق کو تس اپر
محمول ابتدا ہی کو کہتا تھا بے خبر

وصف حذاقت اس کا بیاں کیجیے تو کیا
تجویز کرتا دیکھ کے مبطون کو سنا

فن بیاں میں کیسا ہے تشبیہ کس سے دوں
عالم کنایہ اس سے کیا ہے میں کیا کہوں

پوچھو مجاز کی جو حقیقت ہو لاعلاج
کہنے لگے کہ رات سے پھیکا ملا مزاج

اور لفظ بھی مزاج سے ناداں نہ ہے مجاز
معنی کہے تو اس کے سہے قصۂ دراز

پھر معنی پوچھے حکمت و خلط و مزاج کے
انواع یوں بیاں کرے اس کے علاج کے

اس کی دوائیں کتنی مقرر ہیں طب کے بیچ
تعریف ایک ان میں ہے یعنی سیاہ کیچ

اس کا ضماد کرتے ہیں دوچار روز تک
پھر استعارہ دیویں ہیں تھوڑا کہ جائے پک

ہذیان معنی اس کا ہوا برطرف جہاں
پھر وہ مجاز مرسل اسے صبر کر دہاں

اجمالی معنی یہ کہے آخر کو یہ کہا
تفصیل کرنے کا تو دماغ اب نہیں رہا

علم معانی سے جو کیا ایک دن سوال
کہنے لگا حقیقت عقلی تو ہے محال

لیکن مجاز عقلی کو نادان یاد رکھ
یاں کون پوچھتا ہے دل اپنے کو شاد رکھ

ہے اب فصاحت اور بلاغت سو جانے دے
یہ دونوں عیب شعر میں اپنے نہ آنے دے

اک دن سوال علم قوافی سے میں کیا
کہنے لگا کہ قید نہیں اس میں مطلقا

تم آب قافیہ نہ کرو لفظ خاک کا
یا آتش اور باد کا زنجیر و تاک کا

لیکن مغائرہ ہو مقرر ردیف میں
آتا ہے یہ کچھ اپنے تو ذہنِ شریف میں

پھر شعر وصل و ہجر کے موزون تم کرد
عرصہ ہوا وسیع جو اب چاہو سو کہو

دعویٰ بتاؤں کیا ہے انھیں فن شعر کا
معنی جو قافیہ کے کوئی پوچھتا تھا آ

بےعلم کرتا قافیہ تنگ اس کی جان پر
دے مارتا تھا ہاتھوں کو وہ اپنی ران پر

کہتا تھا ہائے ہائے مرے بعد ہوگا کیا
ان احمقوں کے جینے کے پیچھے تو مرگیا

پھر تربیت سے ان کی مجھے فائدہ بھلا
ٹوٹے ہے بکتے بکتے انھوں کے لیے گلا

مرجاؤں گا تو گور پہ میری نہ آئیں گے
دو کوزے آب کے بھی یہ ہرگز نہ لائیں گے

لیکن مجھے تو بخل نہیں ہے سنا عزیز
سنیو تو گوش دل سے اگر ہے تجھے تمیز

ایماں اشارہ رہنے دے کہتا ہوں اب صریح
اول ہی لفظ کا نہیں ہے قافیہ صحیح

میں جو سنا ہے کافیہ ہے چھوٹے کاف سے
پس پڑھنا تو غلط ہوا اب اس کا قاف سے

اور اس میں ایک نکتہ بھی کرتا ہوں میں بیاں
پھر بولا ہائے ہائے نہیں کوئی قدرداں

ورنہ مرے دہن کو جواہر سے پر کرے
یہ لعل اگلوں ہوں میں مجھے سر اپر دھرے

بارے وہ نکتہ یہ ہے لگا کہنے کر خطاب
ہے ایک علم جفر میں بھی کافیہ کتاب

تصحیح صرف ہوچکی اب معنی اس کے سن
ورنہ لگے ہے ذہن میں ان معنیوں کو گھن

استادوں سے سنا تھا جو میں نے نہیں ہے یاد
اور اب جہاں کے بیچ نہیں کوئی اوستاد

ہر اک سے پوچھنے کو نہیں چاہتا ہے جی
لائق نہیں جو پوچھیے اب قافیہ روی

یہ کہہ کے بولا آپ ہی کہنے کا کیا حصول
اس معنی کو کہے یہ مرے کیجیو قبول

اس شخص کا جو حدث ہے سو یہ ہے میرے یار
ہرچند اس کو گوز شتر جانے سب دیار

پر دید کر کہوں ہوں بنا پر میں احتیاط
حرف غلط کا تا نہ ہو معنی سے اختلاط

یا پھل ہے وہ سنا کا جو لگتا ہے جھاڑ میں
یا کاہ خشک ہے جو اگے ہے پہاڑ میں

گر پوچھتا کوئی کہ کسے کہتے ہیں روی
کہتا روی غلط ہے مجھے یاد ہے ردی

پھر جاکے کھول جد کی اپنے کتاب کو
کہتا مرے قیاس میں آتا ہے ہو نہ ہو

اغلب کہ اے عزیز وہ جنگل کی ہے جڑی
ہوتی ہے جس کی بیل ببولوں اپر پڑی

اک دن بدیع میں جو اسے امتحاں کیا
اک بار باز سامنے اس نے دہاں کیا

کر جمع قلب مستوی و قلب بعض کو
کہنے لگا کہ عکس ہے اکثر کہاں ہے دو

حالانکہ تین صنعتیں کی جاتیاں بیاں
اور ایک سمجھا ان کے تئیں ایسے ہیں کہاں

پوچھا جو اس سے معنی ایہام کے تئیں
دینے لگا نشاں مجھے اک نام کے تئیں

یعنی تھا ایک وقت میں اک پہلوان زور　　دو انگلیوں سے ان نے اکھاڑے تھے شاخ گور
بہرام گور اس ہی کو کہتے ہیں سب عوام　　درگور یہ تمام کہ کتنے ہیں ناتمام
تجنیس کا سوال کیا اس سے ایک روز　　کہنے لگا اس اسپ کو کہتے ہیں جو ہو یوز
نادان تونے اسپ مجنس نہیں سنا　　مشتق اسی سے جانے ہے جو ہے پڑھا گنا
لاتے جہاں ہیں شعر میں تجنیس شاعراں　　مذکور ان سے ہوتے ہیں گھوڑوں کے وصف واں
میں نے کہا کہ کہتے ہیں تم کو عروض داں　　بحر رمل کی مجھ سے حقیقت کرد بیاں
بولا کہ تیری عقل سے آتا ہے بس عجب　　دریا کا ایک نام ہے پھر کیا کہوں سبب
پھر میں کیا سوال بصد انکسار و عجز　　بحر طویل بحر مدید اور بحر رجز
ان میں جو ہے گا فاصلہ مجھ کو بتایئے　　کامل سے مل کے حیف ہے ناقص جو جایئے
بولا کہ تجھ کو عقل نہیں تا کجا کہوں　　یوں تربیت میں تجھ سے کی میں کب تلک رہوں
یہ تینوں رودخانے ہیں دہر بسیط میں　　ملتے ہیں رفتہ رفتہ سبھی جا محیط میں
پھر آپھی آپ بولا کہ اک اور افادہ سن　　گر قابل اپنے ہونے کی دل میں رکھے ہے دھن
بحر طویل ایک ہے دریا بہت بڑا　　بحر خفیف ایک ہے پاس اس کے آبنا
تمثیل اس کی ڈھونڈنے اب جایئے کہاں　　جمنا کے پاس جیسے ہے ہنڈن تمھارے ہاں
تشریح میں بھی ایک تھا وہ تلخ بے مثال　　ہر استخواں کو کہنے لگا نیم کی ہے چھال
تاریخ داں تھا قطع نظر سب کمال کے　　کرتا سخن ضرور ہے نبیوں کے حال کے
کہنے لگا تمھارے پیمبر کے عہد میں　　تاریخ میں جو دیکھا تو عیسیٰ تھا مہد میں
یکبارگی غصا اٹھے دجال کے اپر　　پھر تب سے مجھ کو علم نہیں ہے کہ ہیں کدھر
علم نجوم میں بھی بڑا تھا اسے کمال　　شاید کہ اس ستارے کا ہے گا حمل وبال
اک دن کیا سوال شہان سلف سے میں　　پرویز کے انھوں میں خصوصاً خلف سے میں
اس نے کہا کہ خوب کہا طرفہ نقل ہے　　رکھتا ہے حافظہ میں اسے جس کو عقل ہے
امرد تھا ایک ان دنوں شیریں تھا اس کا نام　　یہ اس کی دشمنی میں ہوا یوں ہی تلخ کام
یہ سن کے مارا خسرو پرویز نے اسے　　بے دم کیا ہے خنجر تبریز نے اسے
ہے ماجرا یہی جو کہے کوئی کیا ہے کہہ　　اور شعر جو زباں سے پڑھا اپنی سو ہے یہ
از آب زر بہ خنجر شیرویہ نقش بود　　کیں را نسب بہ تیشۂ فرہاد می رسد
گنتا تھا خوب آپ کو علم حساب میں　　لیکن بیاں وہ کرتا نہیں جو کتاب میں
کہتا تھا جفت پانچ کا ہوتا ہے کر شمار　　گر دیکھیے تو اس کو وہ ہووے ہزار بار

پھر طرفہ ہے یہ کہتا اگر ہے نہ چار طاق پس کیوں لکھا لغت میں عناصر کو چار طاق
علم لغت میں عمر بھی اس کی ہوئی تھی صرف کرتا سوال اس سے جو جا کر میں ایک حرف
مثلاً کہا کہ نحل ہے کیا اس کو کر بیاں وہ در جواب اس کے وہیں کھول کر زباں
بولا کہ اک جزیرۂ سمت فرنگ کو مارا تھا ان فرنگیوں نے اس نہنگ کو
اب خاک ہے نہنگ کی واں اک نہال ہے شیر و پلنگ کا وہ سدا پائمال ہے
اس کے ثمر کو بعض تو کہتے ہیں تاڑ پھل بے مغزوں کا جو فرقہ ہے کہتا ہے ناریل
کہتا ہے کوئی مکہ کا خرما ہے اس کا بیج اک کہتے ہیں فرنگ میں ہے ایک بادلیج
جس کی صدا سے گوش صدف بحر میں ہے کر صدمہ سے جس کے ٹوٹ گئی کوہ کی کمر
یہ کچھ لکھا ہے ساری لغت کی کتابوں میں زبدہ ضریری شرح وقایہ کے بابوں میں
تحقیق اپنی یہ ہے کہ ہے نحل اصل حرف تصحیف ہوگئے سے جو ہوتا ہے خ سے خرف
وہ نحل کیا کہ جانور و چارپایہ ہے دم اتنی لمبی ہے کہ وہی سر کا سایہ ہے
سوداگر اس سے بار کریں ہیں چنار کو اس پر بناتے ہیں گے رہوں میں منار کو
سرکے میں اس کے بالوں کا بھی کرتے ہیں اچار اس ہی کو کہتے ہیں گے مدائن میں سوسمار
یہ کہہ کے آپھی بولا ہاں ریش اور فش آتا ہے جو کہ اپنے تئیں سو ہے پیش کش
کرتا تھا شہ کمانی میں اپنے تئیں دخیل زاغ کماں کو دیکھ کے کہتا کہ ہے یہ چیل
دعویٰ تھا علم تیر میں اس کو بہت بڑا پر لے کے لیس ہاتھ میں ہوتا جو وہ کھڑا
پھر دیکھ بھال اس کو وہ کہتا کہ مجھ کو بھی معلوم کیا ہے خوب ولیکن یہ ہے وہی
جب سوکھتا ہے اس کی سلاخوں کا کر خمیر چاکوں اپر کمہار بناتے ہیں لیس و تیر
غرہ تھا ڈھولک اپنی بجانے پہ اور کبھو آتا جو کوئی ہاتھ میں لے اس کے روبرو
اس پر لگا نکور تعجب سے پھر شتاب کہتا روئی بھری ہے بہت اس میں داب داب
آواز خوش کی اس کی گلوسوزی میں نہ بول گاتا تو باجتا تھا گلا جیسے پھوٹا ڈھول
لکڑی بھی پھینکتا تھا بہت خوب بج سے وہ ہوتا تھا کج بہت جو کھڑا ہوتا دھج سے وہ
شاگرد اس کا پوچھتا گر اس سے آن کر موڈھے اپر لگاتے ہیں جو دار تان کر
اس کو اگر کہیں تو کہیں کیا وہ سر اٹھا کہتا کڑک وہی ہے جو تجھ کو دیا بتا
تھا گھوڑے کا بھی خوب مبصر وہ خر ولیک اک میرے مہربان تھے گھوڑا تھا ان کا ایک
گھوڑے کی آنکھ پر تھی رسولی پہ گندہ تر رہتی تھی اس کیت کی وہ حائل نظر
تشریف لائے ذات شریف اس جگہ کہیں واں گھوڑوں کی رسولی کی تھیں باتیں چل رہیں

کہنے لگا کہ ایک نظر مجھ کو بھی دکھاؤ   یہ چشم ہے خدا سے کہ اس کا اثر نہ پاؤ
اس گھوڑے کے سوار کے پھر جی میں آ گیا   کھلوا منگایا تھان سے وہ اسپ انکھ مندا
لاگا سیس سامنے اس کے پھر آ دنے   اور آنکھ اپنے گھوڑے کی اس کو دکھاونے
ہرچند انکھیاں پھاڑ کے دیکھے یہ ہر کہیں   اس کو تو پھوٹی آنکھوں سے پر سوجھتا نہیں
یک چشم دیکھ کہنے لگا نوچ نوچ حلق   گھوڑے کے موتھرا ہے رسولی کہے ہے خلق
پھر اس نظر پہ طرفہ تو یہ ہے کہ رد کے خوب   کہنے لگا کہ تب تو جہاں میں پڑی ہے ڈوب
شوخی کرے ہے ابلق ایام نابکار   ورنہ پیادے مجھ سے پھریں ایسے ہوں سوار
جو جو ہوئے ہیں چرخ سے مجھ پر ستم مدام   جیتا رہا تو تیر کروں گا گلے تمام

پی تو بدزبانی نہ تھی خامے کا شعار
پر یہ بھی ہے جریدۂ عالم میں یادگار

○

در مذمت آئینہ دار

آج سے مجھ کو نہیں رنج و نکال
جب سے نکلے بال تب سے ہے یہ حال

موشگافوں کا نہیں ہے نام اب
مدعی شعر ہیں حجام اب

ان سے کیں اک مو برابر بھی نہیں
جلف اشرافوں کے ہمسر بھی نہیں

پر ہوئے سر چڑھ کے یہ موے دماغ
دود ہو جانے لگے سوے دماغ

ہوگئے گرم سخن تب تو قلم
ورنہ یوں بیہودہ کب نکلا ہے دم

ایسے مونڈے میں نے کتنے بےشعور
ہے حجامت اس بھی فرقے کی ضرور

یاں نہ سید کچھ ہے نے نائی ہے شرط
ہو کسو کسوت میں دانائی ہے شرط

سگ کو نجم الدیں کے سرداری ہوئی
نوح کے بیٹے کی وہ خواری ہوئی

میر و مرزا میں حکم ہو ذی خرد
نے کہ نائی جن پہ سب کا دست رد

سمجھے مرزا میر کو مرزا کو میر
نے وہ رگ زن جو نہ سمجھے سیر شیر

مجھ میں مرزا میں تفادت ہے بہت
یاں تانی واں نجالت ہے بہت

جس جگہ میں نے رکھی منھ میں زباں
ہوتے اس جاگہ جو مرزا بےگماں

استرے کانوں میں اپنے باندھ کر
کب کے اب تک گھس گئے ہوتے ادھر

ان کینوں کا گلہ کیا کیجیے
ایسے دس پیدا ہوں گر نہ لیجیے

کہتے ہیں سرگرم بےباکی ہے یہ
ہوں تو ہوں ناپاک کیا پاکی ہے یہ

لکھیے اس فرقے کے اب تا چند ذم
خط بناویں ایسا کریے کف قلم

گرچہ ان کو کہتے ہیں آئینہ دار
لیک ان کا منھ نہ دیکھیں کاش یار

صاف قینچی پر انھیں چڑھوایئے
گر نمدمو اس میں پھر ہوجایئے

چاہو ہو اس قوم کی کیا شرح حال
آگے ہی آویں گے جتنے ہوں گے بال

اک سفید ان کو نہیں چننے کے تک
ہوتے ہیں دشمن یہ کالے بال تک

کیا کہوں کیسے ہیں اوندھے یہ لچر
کیجیے اصلاح عائد ہووے شر

کھرچیں ایسا سر کہ کردیں پائمال
سیدھیاں جب سن لیں تب لیں الٹے بال

معتبر ان کے جو حمامی ہیں اب — ہند میں وہ تیرہ رو شامی ہیں اب
کوئی لے جائے جو حاجت غسل کی — چلو چلو پانی پہ دیتے ہیں جی
لعنتیں کرتے ہی گذرے اس کو واں — غسل میں فرصت تشہد کی کہاں
بیٹھے جامہ خانے میں کیا غسل کر — جیب شاگردوں نے واں رکھی کتر
لیک پھر اجرت کے اوپر جنگ ہے — لات ہے گالی ہے پھر سرچنگ ہے
اس سقاوے میں گیا تھا اک حریف — اس کی فی الجملہ طبیعت تھی ظریف
دھوکے پاجامہ نہانے بھی گیا — یک طرف پھر پائے خانے بھی گیا
غسل کے پیچھے جو منہ گھر کو کیا — ہاتھ نائی کے سوا پیسہ دیا
نائی نے پوچھا کہ پیسہ یا ٹکا — دمڑی یہ کیسی ہے میں قرباں گیا
ہنس کے بولا تو نہ بد لے جائیو — یاں ہگا بھی ہے اسے اٹھوائیو
چوہڑے نائی ہیں سارے ایک ذات — ان میں ہے بدذات جو ہو نیک ذات
آیا اک نائی زنانہ سا نظر — ہاتھ میں نلوا لیے بے پا و سر
میں کہا آتا ہے نلوا کام کیا — بولتا ہے آگے سے بدنام کیا
آلت اس میں لوطیوں کی ڈال کر — مونڈتے ہیں جھانٹیں اک اک بال کر
ہاتھ میں رکھیے تو شہوت ہو انھیں — ضبط کی شاید نہ طاقت ہو انھیں
عذر اگرچہ واں تلک بھی یاں نہیں — لیک اک دن اس میں اپنی جاں نہیں
دھکے چڑھ جاویں نہ جانے کیسے کے — جی بھی جاوے واسطے دو پیسے کے
سن کے اس سے ایسی اچرج بات کو — میں کہا لعنت تری اوقات کو
کاٹیے ان کے تئیں مثل گزر — پنڈے بے کے ہلکے ہیں اکثر پاچہ خر
بعضے بعضے ان میں سے جراح ہیں — بحر خون و ریم کے ملاح ہیں
زرد و زنگاری کوئی ڈبہ ہے ساتھ — حیض کے سے ایک دو لتے ہیں ہاتھ
موم ڈالیں تیل میں مرہم کریں — پھر مسیحائی کا دم اس پر بھریں
پھیر پگڑی بیٹھیں ایسی شان سے — آئے ہیں گویا ابھی ایران سے
باپ سے اپنے اگر پیسے نہ پائیں — داغ کو اس کے جراحت کر دکھائیں
بعضے بعضے ان میں رعنا ہیں اگر — سو مشعلچی[1] ہیں بھگت کے بیش تر
رنڈی گت ناچے یہ اس کا منہ دکھائیں — پا بہ پا مشعل لیے مجلس میں جائیں

(۱) بروزن فعولن۔

روشنی لے دوڑتے ہیں وقت شام　　گھورتے ہیں کرکے اندھیارا مدام
تیل کی کپی لیے خوش ہیں کھڑے　　ایک بھڑدے ہوتے ہیں چکنے گھڑے
لگ چلیں تو ہیں گے جیسے موچنے　　کھائیں جب سر میں لگیں تب سوچنے
چھیڑیو تو مغز بھی لے جائیں گے　　سر کے تیں سہلا کے بھیجا کھائیں گے
بے حقیقت ہیں نہیں شایانِ کار
صحبت ان سے بگڑی ہے پایانِ کار

○

در ہجو اکول

اک ہے پرخور آشنا بے پیر　　سینہ سوراخ جس سے ہے کف گیر
صدمنی دیگ ہے شکم اس کا　　نفس اژدہا ہے دم اس کا
آنت شیطان کی ہے اس کی آنت　　دانت اس کا ہے ہاتھی کا سا دانت
خستۂ جوع وہ جو آوے نہار　　منھ ہے گویا کہ زخم دامن دار
شکل مت پوچھ کھانے کا ہے بلی　　منھ ہے چھیپوں سے جیسے روٹی جلی
گال کلچے سے پھر توے سے سیاہ　　کاسۂ سر ہے جیسے اوندھا کڑاہ
توند کالی جو کھول جاوے لیٹ　　آہنیں ہے تنور اس کا پیٹ
راہ مطبخ میں پاوے ہے جو کبھی　　چاٹ جاتا ہے دیگچوں تک بھی
کھینچے باورچیوں کے کیا کیا ناز　　کتری گئی اس کے چوتڑوں پر پیاز
کھانا نکلے پر آوے ہے کیسے　　چیل ٹوٹے ہے گوشت پر جیسے
وقت کھانے کے ہاتھ سے اس کا　　قاب پر نان پنجہ کش گویا
کیا وہ دوپیازہ کھا کے ہو تازہ　　اک نوالہ ہے ملا دوپیازہ
گوشت ہانڈی بھرا ہے خنک میں　　ہنڈیاں گویا تھیں اس کی خشک میں
خام طمعی سے اک کرے ہے آہ　　دیکھ کر شب کو نان ہالۂ ماہ
نہ ٹلے دیکھ کر وہ قاب پلاؤ　　منھ ہے منھ بیٹھا گرچہ کھاوے گھاؤ
کھانے پر جب وہ جی چلاتا ہے　　لاٹھی پاٹھی بھی کھائے جاتا ہے
نہیں پہنچے جو کھانا کھانے لگ　　ہڈیوں پر لڑے ہے جیسے سگ
بھوکھ کا باولا جو آتا ہے　　لوگوں کو کاٹ کاٹ کھاتا ہے
دہوں میں دشمنوں سے بھی وہ لئیم　　جائے گھل مل اگر سنے ہے حلیم
آش بغرا پہ مار بھی کھاوے　　اس میں گو بوغرا نکل جاوے
کسی مفلس کے گھر جو جاتا ہے　　کچھ نہیں ختیں ہی کھاتا ہے
بھوکھ سے جب کہ غصے میں آوے　　بز کوہی کی طرح جھنجھلاوے
ٹھڈیوں کو نگہ سے کھا جاوے　　چنے لوہے کے بھی چبا جاوے

دہر کا جلنا آگ سے مانوں — بھوکھ اس کی جلے تو میں جانوں
نکلے بازار میں وہ جب چربوز — سر ہی پھوڑے ہے دیکھ کر تربوز
گھاس پات اور کانس کھاتا ہے — نیشکر پر وہ بانس کھاتا ہے
اس کے آنے کی سن کے بازاری — کرتے ہیں سودوں کی خریداری
کوئی تختہ کرے ہے دوکاں کو — کوئی لاوے بالا گزرباں کو
کنجڑے ڈھانکے ہیں ساگ پات اپنا — تکتے ہیں بنیے داؤ گھات اپنا
کہ مبادا ادھر کو آجاوے — سودے یک سو ہمیں نہ کھا جاوے
اینٹ پتھر بھی کھا گذر جاوے — الغرض پیٹ اپنا بھر جاوے
کیا کیا جینے کے کہیے چکھتا ہے — لیک پیٹ اس کو مارے رکھتا ہے
پیٹ اپنا بڑا جو پاتا ہے — گوہ تک کا بھی جیلہ کھاتا ہے
وہ قضارا ہوا مرا مہمان — کھا گئی اس کی میزبانی جان
گھر میں جو کچھ تھا بیچ منگوایا — کھانا اس کے لیے میں پکوایا
کتنا کھانا بیاں کروں تجھ سے — جس پہ سو میہماں کروں تجھ سے
مجھ سے تھی روزگار سے ان بن — خوب کھانا جو تجھ پہ ہے روشن
چار من گاجروں کا قلیہ تھا — دہ منی دیگ بیچ دلیہ تھا
روٹیاں کس قدر بتاؤں میں — جس کو دو چار سال کھاؤں میں
چاہ کرکے گرا جو وہ بلاع — مدد روح اشعب طماع
کہنے لاگا میں بھوکے بجوالا — کیا ہوا یاں سے قلیے کا پیالہ (۱)
تھی ابھی روٹیوں کی جیٹ کی جیٹ — میں رہا کہتا کھا گیا وہ سمیٹ
کھانا کوئی اور کیا کہے اس کا — سارے منہ دیکھتے رہے اس کا
جب مرے گا وہ بھوکھ کا روگی — روح توشے کی روٹی میں ہوگی
کھانے کی بو جو ناک میں پیٹھے — مر گیا ہووے تو بھی اٹھ بیٹھے
عقل باور اگرچہ کرتی نہیں — وہ مرے بھوکھ اس کی مرتی نہیں

بھوکھے اس کا جو جی نکل جاوے
گور میں بھی کفن نگل جاوے

○

---

(۱) نسخہ کتب خانۂ مخطوطات، حیدرآباد

در ہجو عاقل نام، ناکسے کہ بہ سگاں انسے تمام داشت

اک جو لچر کو رزق کی وسعت سی ہوگئی　　تنگی کی حوصلے نے تو رجعت سی ہوگئی
کتوں کے ساتھ کھانے لگا کتوں سے معاش　　چھچڑی کی طرح شام و سحر کتوں کی تلاش
پاکیزگی طبع و لطافت وہ برطرف　　کتا بغل میں مارے لگا پھرنے ہر طرف
دتکارد کتے کو تو لہو اپنا وہ پیے　　ہے اس کی استخواں شکنی کتوں کے لیے
یا جھوٹے ہاتھ کتے کو مارا نہ تھا کبھی　　یا کتوں سے چٹایا ہے اب اپنے منھ کو بھی
آیا جو ایک روز وہ بے تہ چلا ہوا　　کتا ازار اس کے سے نکلا بندھا ہوا
یک سگ گزیدہ کی سی طرح جھومنے لگا　　پھر کھول اس کے منھ کے تئیں چومنے لگا
ایسی بھی ہم نے دیکھی نہیں کتوں کی ہوس　　گردن میں اپنے ڈالے پھرے روز و شب مرس
ٹکڑا ہو جس کے ہاتھ میں یہ اس کا یار ہے　　جیسے سگ سرائے سگ ہر سوار ہے
کتوں کی جستجو میں ہوا روڑا باٹ کا　　دھوبی کا کتا ہے کہ نہ گھر کا نہ گھاٹ کا
تھکتا ہے پھر جو کرتے ہوئے دوڑ اور دھپاڑ　　لیتا ہے بے دماغ ہو لوگوں کے کپڑے پھاڑ
جو ہڈیوں پہ لڑتا رہا ہو بسان سگ　　ہو آدمیت اس کو بھلا کس مقام لگ
انساں کو انس کتے سے اتنا ہوا ہے کب　　ناپاک اس کو جانے ہیں پاکیزہ لوگ سب
اصحاب کہف کا بھی جو سگ ہو تو ہے وہ سگ　　نجم الدیں کے بھی کتے کو کتا کہے ہے جگ
کر سگ تخلص اپنا جو آیا بروے کار　　اکراہ سگ لوند سے کرنے لگا دیار
رہتے نہیں نفور تو سگ بان بے شعور　　کھاتے میں وہ بھی کہتے ہیں کتے کو دور دور
کیا جانیے کہ یہ کہہ سگ کیا متاع ہے　　بازار میں جو دیکھے ہے سگ کو سماع ہے
آدم گری اڑا رکھی حرف و سخن گیا　　دیکھا جو خوب تو سگ دیوانہ بن گیا
دم لابہ جو دبے تو لگے کرنے بدخصال　　دوڑے وگرنہ کاٹنے کو کتے کی مثال
کم بخت یک غریب جو مردہ سا پائے یہ　　مرگھٹ کے کتے کی سی طرح پھاڑ کھائے یہ
در مدعی ہو تک بھی قوی دل قوی نصیب　　پھر آگے اس کے سوکھی سی پلی ہے یہ غریب
رہتا ہے سخت شیفتہ کتوں کے بال کا　　پلا یہ ہے کہے تو کسی کتے وال کا

کتوں کی لے کے زرد و سیاہ و سپید پشم — کس کس طرح سے دیکھتا ہے داب داب چشم
کتوں کے شوق میں جو یہ آتش ہے زیر پا — کہتا ہے اس کو اب سگ پاسوختہ بجا
اس کی پلیدی شہرۂ ہر شہر ہی رہی — کتے کے کاٹے کی سی اسے لہر ہی رہی
دلی میں تین کتیاں کہیں لے کے پالیاں — ہمسایوں کی جنھوں کے لیے کھائیں گالیاں
وہ مرگئیں تو دیر رہا روتا غم زدہ — پشتی کے پیچھے پھر نہ ہنسا تنک ستم زدہ
لونگی کا گرم غم جو رہا سوکھ نخ ہوا — برنی کی تعزیت میں سگ روے نخ ہوا
بلی جو پالتا تو بھلا ایک بات تھی — آئیں میں اس کی دوستی ایماں کے ساتھ تھی
توراں کے لوگ ہوویں کہ ہوں اہل اصفہاں — کتا تو کشتنی ہے سب اسلامیوں کے ہاں
جس کو خدا خراب کرے پھر وہ کیا کرے — کیوں کر زباں نکالے نہ جوں سگ پھرا کرے
آواز دے دے کتوں کو توڑے ہے اپنی جان — مر جائے گا یہ بھونکتے ہی بھونکتے ندان
ہے بسکہ سگ پرست مرے گا جو یہ دنی — توشے میں اس کے ہوگا نہ کچھ غیر سگ کنی
کتوں کے پیچھے پھرتا ہے گلیوں میں ذور ہو — یہ سب ہے اس لیے کہ ہر اک جاے شور ہو
اس وضع ساختہ کے ہوں احمق فریفتہ — بہرہ ہے جن کو عقل سے وے کیوں ہوں شیفتہ

ہے اس طرح کے معرکہ گیروں سے پر جہاں
بہتیرے ایسے کتے نچاتے پھرے ہیں یاں

○

مثنوی

(وحوشیہ)

در بیان مرغ بازاں

دلی سے ہم جو لکھنؤ آئے   گرم پرخاش مرغ یاں پائے
پرو پرزہ درست و یکساں ہے   مرغ تصویر کا بھی حیراں ہے
مرغ ہے ایک ایک جیسے کلنگ   قاز و سارس سے جنگ جس کا ننگ
حوصلہ کس قدر حواصل کا   ذکر کیا کرگس شتردل کا
لات کی گھات کر جو مڑ جاوے   نسر طائر کا رنگ اڑ جاوے
زہرہ ققنس کا اس خطر سے آب   شب نہ سووے ہراس سے سرخاب
بکری سا فیل مرغ کو مارا   کب شترمرغ سے ہوا چارہ
آدمی جو بڑے کہاتے ہیں   مرغ مارے بغل میں آتے ہیں
سرخہ و سبزوار کے سب مرغ   ہیں ثناگستر ایسے تھے کب مرغ
ہو جو کیس مرغ خانگی کے تئیں   مت سن اس ہرزہ چانگی کے تئیں
لات ماری جو کاٹ کر حلقوم   حیدرآباد تک پڑی ہے دھوم
کھا کے سینے کی مدعی سووے   نسر واقع کا واقعہ ہووے
نے ثنا سے بطیں ہی ہیں تر لب   مرغ عیسیٰ ہیں مدح خواں ہر شب
ٹینی کے سر پہ آج ٹیکا ہے   اس کے آگے کھیل پھیکا ہے
کیا عجب ان کی رہگذر کا فرش   ہوں پرافشاں تو ہو خروس عرش
اڑ گیا حلق کا جو لڑتے پوست   کی صدا مرغ دوست نے ہے دوست
کیس اس رنگ ہوتے ہیں محسوس   جوں گلستاں میں ہوویں تاج خروس
شور جنگ آوری کا تا کہسار   کبک کا گھر خروس پر ہے بار
کب ہیں پہلے سے مرغ زریں بال   حسن لاکھے کا سمجھے مرغ خیال
کر سکے وصف مرغ کیا کوئی   مرغ آمین کو دعاگوئی
وقر اتنا کہ دیر بچے لیں   جان دے کوئی تخم مرغ نہ دیں

مرغ بازوں سے ساز کر دیکھا   در الطاف باز کر دیکھا
ربط رکھا بہت انھوں کے ساتھ   ایک پر مرغ کا نہ آیا ہاتھ
مرغ کا مرغ ہووے مرغ انداز   مرغ ایسا ہو تو بجا ہے ناز
یعنی اپنا حریف جب پاوے   پر ہلانے نہ دیوے کھا جاوے
سینہ کیا سینہ بال کیا پر و بال   جیسے چشم خروس آنکھیں لال
بازی بدبد کے جب لڑاتے ہیں   کانٹے لوہے کے باندھ لاتے ہیں
آیا حلقوم کے کہ حلق کے پار   پھوٹا چھاتی میں ایک لگ کے دوسار
ہاتھ جس مرغ باز کے تھا وہ   پانی کرنے لگا ترارا وہ
کچھ جو ٹھہرا تو دم دیا ان نے   تعبیہ کرکے رکھ لیا ان نے
اور جو ست ہو ہوا ڈھیلا   دونوں بازو کے پر دیے پھیلا
ہوچکا ہوچکا ہوا یہ شور   ڈھلکی گردن گیا وہ سارا زور
پھیلا پانی میں وہ غم جاں سوز   دل زدہ پھر ہیں مرغ دست آموز
جانور رنگ باختہ سب ہیں   یعنی حیران فاختہ سب ہیں
مرغ قبلہ نما کو وحشت ہے   بال کھولے ہیں پر نہ طاقت ہے
ورنہ اڑ کر کہیں چلا جاتا   دیر اپنے مقام پر آتا
جیسے منگل کو پالی کی ہے دھوم   گلیوں میں روز حشر کا ہے ہجوم
مرغ بازوں کو ہے قیامت جوش   جس کو دیکھو تو مرغ در آغوش
مرغ لڑتے ہیں ایک دو لاتیں   سیکڑوں ان سفیہوں کی باتیں
ان نے پر جھاڑے یہ پھڑکنے لگے   ان نے کی نوک یہ کڑکنے لگے
وہ جو سیدھا ہوا تو یہ ہیں کج   ساتھ اس کے بدلتے ہیں کج دھج
مرغ کی ایک پرفشانی ہے   ان کی صد رنگ بدزبانی ہے
ایک بولے کہ کاری آئی چوٹ   ایک کہتا ہے بس گیا اب لوٹ
جھکتے ہیں آپ کو تڑاتے ہیں   لاتیں گویا کہ یہ ہی کھاتے ہیں
ایک کے منھ میں مرغ کی منقار   ایک کے لب پہ ناسزا گفتار
منھ پہ آیا جو کچھ وہ بکنے لگے   تیکھی نظروں سے سب کو تکنے لگے
طرفہ ہنگامہ طرفہ صحبت ہے   بعد نصف النہار رخصت ہے

کھانچے سر پر بغل میں مارے مرغ　　لے گئے جیتے ہارے سارے مرغ
پھر جو روز معین آوے گا　　نالہ مرغ سحر سناوے گا
عالم آوے گا گرد ویسا ہی　　گرم ہنگامہ ہوگا ایسا ہی
میر ان کا نہ ہووے گو قائل
مرغ معنی پہ وہ بھی ہے مائل

○

کپی کا بچہ

تھا کپی کا بچہ اک درویش پاس
باش و بود اس کی تھی مجھ دل ریش پاس

اس قلندر نے بہ حسب احتیاج
بیچنے اس کو نکالا لاعلاج

میں نے اس کو ایک جا دلوا دیا
مول ٹھہرا تھا جو کچھ سو لا دیا

بوزنہ یا کوئی تحفہ دہر کا
عزت افزا بندرابن شہر کا

نام منوا اس کا اب مشہور ہے
شوخی اس کی ہر کہیں مذکور ہے

ہے ہنوانی نسب یہ باب دید
قابل وصف اس کے حضرت بوحمید

ہے جو لکھو بندری مشہور اب
اس کی جد مادری تھی بوالعجب

اس کے پردادا نے ہے یہ حرف دی
ایک دم لابہ میں لنکا پھونک دی

ایک چنچل ہے بلائے روزگار
ہاتھ رہ جائے تو پا سرگرم کار

ہے تو بچہ سا ولیکن دور ہے
پست اس کی جست کا لنگور ہے

کیا کوئی انداز شوخی کا کہے
ہو معلق زن تو آدم تک رہے

اچپلاہٹ اس کی سب معلوم ہے
معرکوں میں چوک کے اک دھوم ہے

ہوتے ہیں قراد کب دیکھے سے سیر
اچپلی اس کی رہے ہے یاد دیر

حرکتیں دلکش ہیں سب انداز خوب
پر ضروری ہے کہ ہاتھوں میں ہو چوب

ورنہ بوٹا سا جو قد ہے جھاڑ ہے
کٹکھنا نچنا ہے کپڑے پھاڑ ہے

لونڈی باندی سب کو اس سے احتراز
ڈر سے اکثر بیبیوں کے دل گداز

یہ جو چاہے چھوٹنے تو تدبیر کیا
رسی ڈوری لوہے کی زنجیر کیا

ربط اسے جس سے ہے اس سے ربط ہے
مار کھانے پر بھی اس کو ضبط ہے

جب وہ چھوٹے شور و ہنگامے رہیں
اب تو چھوٹا اب تو چھوٹا سب کہیں

چھوٹتا ہے گر پڑے کوئی بجوگ
بندروں سے ناچتے پھرتے ہیں لوگ

ہوتے ہیں اس جنس میں بھی ذی خرد
آدم و حیواں میں یہ برزخ ہیں بد

طنز ہے یہ بات اگرچہ ہے کہی
جو کرے انسان تو بوزینہ بھی

لیکن اس جاگہ تو صادق ہے یہ قول	سارے اس کے آدمی کے سے ہیں ڈول
ہے تماشا آئینے کے روبرو	عکس سے اپنے اسے ہے گفتگو
دیکھنا جھک جھک کے اس کا ہو نہ ضبط	آرسی بندر کا ہے مشہور ربط
گاہ بوسہ گاہ غرغر بولنا	گاہ آنکھیں موندنا گہ کھولنا
آگے تھا اک بوزنہ شطرنج باز	چال سے اس کی نکلتا امتیاز
کہنہ قرادوں سے ہم کو یاد ہے	یہ اسی قبّان کا داماد ہے
جان دیں بندر اگر دیکھیں چنے	رہتے ہیں چانول پڑے اس کے کنے
آنکھ کب دوڑے ہے اس کی ہر طرف	ہے یہ اپنے نوع کا فخر و شرف
الغرض منوا عبارت جاں سے ہے	نام اس دلکش کا منوا یاں سے ہے
خوش رہے منوا تو خوش احوال میر	ورنہ آدم ہے جوانی میں بھی پیر

دہر میں یارب نہ یہ محزوں رہے
جس کا منوا ہے اسے میموں رہے

○

موہنی بلی

ایک بلی موہنی تھا اس کا نام
ان نے میرے گھر کیا آکر قیام

ایک دو سے ہوگئی الفت گزیں
کم بہت جانے لگی اٹھ کر کہیں

ربط پھر پیدا کیا میرے بھی ساتھ
دیکھتی رہنے لگی میرا ہی ہاتھ

آئے ہے مجھ پاس یہ اٹھ کر سویر
گربۂ زرد فلک نکلے ہے دیر

یعنی وقت گرگ و میش آئے ہے پاس
پھر مرا پہروں کیا ہے ان نے پاس

چھچھڑا ٹکڑا جو کچھ پایا کرے
فقر میرا دیکھ کر کھایا کرے

بختوں سے ٹوٹا ہے چھینکا بھی اگر
ان نے اودھر کی نہیں مطلق نظر

دخل کیا ہے جھانکے یہ چھینکے کی اور
ٹکڑے کو دیکھے نہ گو بھوکی ہو زور

اس مروت پیشہ سے کیا ہے گلہ
خوف سے آچھی گھبے چوہا ملا

ایک بلی کچھ گئی تھی آکے چکھ
یہ لڑی تو منہ پہ پنجہ اپنے رکھ

برسوں یاد آوے گی یہ پاکیزہ خو
آگے آئی ہی نہیں چلتے کبھو

لاگھی ہو جو گھر سے جاتے تد رہوں
چلتے چھینکا ہو کبھو تو کچھ کہوں

تھی جو ظاہر جوں کڑاہی تیرہ رنگ
پر تماشا کردنی تھے اس کے ڈھنگ

شوق میں ہمسائیاں اس کے رہیں
جو گئی بھی ٹک تو مانگے سے کہیں

پھرنے کو تو پھرتی کیا دلی نہ تھی
پر جلے پاؤں کی یہ بلی نہ تھی

رفتہ رفتہ کوٹھوں پر جانے لگی
پہروں پہروں میں یہ پھر آنے لگی

حاملہ ہوکر کئی بچے دیے
ایک دو بھی سو نہ ان میں سے جیے

متصل ایسا ہوا جو اتفاق
مرگ ان بچوں کی گذری سب پہ شاق

حفظ اس کی کوکھ کا لازم ہوا
جھاڑے پھونکے کا ہر اک عازم ہوا

نذریں مانیں نقش لائے ڈھونڈھ کر
نیل کے ڈوروں میں باندھے پیٹ پر

چھیچھڑوں میں بعضوں نے افسوں لکھے
بعضوں نے تعویذ لے کر خوں لکھے

بی بلالی سے بہت کی التجا ۔۔۔ گربۂ محراب سے چاہی دعا
گوشت کی چیلوں کو پھینکیں بوٹیاں ۔۔۔ ماش کی موٹی پکائیں روٹیاں
لڑکیاں بٹھلائیاں کھاٹوں تلے ۔۔۔ اس طرح جوں دبکی بلی کم بلے
دیتے ٹکڑا منہ کو ہر اک کھولتے ۔۔۔ اور بولی بلیوں کی بولتے
صدقے اترے چھیچھڑے جو ڈھیر ڈھیر ۔۔۔ گربۂ لادہ نے کھائے ہو کے سیر
کیں مناجاتیں دل شب لاتعد ۔۔۔ گربۂ زاہد سے بھی چاہی مدد
بوہریرہ کے تئیں مانا بہت ۔۔۔ بلیوں کو بھی دیا کھانا بہت
مدح جس بلی کی کرتا تھا عبید ۔۔۔ تھی دعاگوئی میں وہ بے مکر و شید
خواجہ عصمت کرتے تھے طاعت جہاں ۔۔۔ ایک بلی بیٹھی تھی آکر وہاں
صبح دم ہوتی وہی گرم سجود ۔۔۔ گہ قیام اس کے تئیں تھا گہ قعود
چاہی ہمت اس سے اٹھ کر ہر سحر ۔۔۔ کچھ تو باطن نے کیا اس کے اثر
پانچ بچے اس نے اس نوبت دیے ۔۔۔ بارے سب دے قدرت حق سے جیے
کیوں نہ ایسی ہووے امداد سترگ ۔۔۔ بی بلائی بوہریرہ سب بزرگ
اک توجہ رکھے تھے ظاہر کی اور ۔۔۔ آرزو بر لائے یہ باطن کی زور
اپنی ماں کے رات دن پینے لگے ۔۔۔ پانچوں بچے دودھ کچھ پینے لگے
دودھ کتنا جو کہ بس ہو سب کے تیں ۔۔۔ میں بھی منگوانے لگا کچھ شب کے تیں
دودھ پی کر گائے بکری کا چلے ۔۔۔ روز و شب لوگوں کی آنکھوں کے تلے
دیر میں میں نے جو یہ ٹک غور کی ۔۔۔ بلیاں پانچوں ہیں یہ اک طور کی
دو مہینے تک بہت تھی احتیاط ۔۔۔ کتے بلی سب سے موقوف اختلاط
کوئی کتا آگیا ایدھر اگر ۔۔۔ لوگ دوڑے شیر سے منہ پھاڑ کر
در سے نکلیں سب ہوئے بازی کے گرم ۔۔۔ زرد زرد ان کی دمیں منہ نرم نرم
لچھے ریشم کے سے چندیں رنگ خال ۔۔۔ کچھ سفید و کچھ سیہ کچھ زرد و لال
آ نکلتی تھیں جدھر یہ پانچ چار ۔۔۔ وہ طرف ہوجاتی تھی باغ و بہار
ایک عالم عاشق و بےتاب تھا ۔۔۔ ان کی خاطر بےخور و بےخواب تھا
لے گئے ایک ایک کر سب تین تو ۔۔۔ منی مانی رہ گئیں مجھ پاس دو
منی کی پھر ایک صاحب نے پسند ۔۔۔ تھی بھی نازک ایسی ہی طالع بلند

مانی کچھ بھاری تھی نکلی بردبار رہ گئی یاں فقر کو کر اختیار
بوریے پر میرے اس کی خواب گاہ دل سے میرے خاص اس کو ایک راہ
میں نہ ہوں تو راہ دیکھے کچھ نہ کھائے جان پاوے سن مری آواز پاے
سب سے آگے آن پہنچے در تلک دیکھے میرے پاؤں سے لے سر تلک
آنکھ سے معلوم ہو مشتاق ہے بلی یا اعجوبۂ آفاق ہے
بلیاں ہوتی ہیں اچھی ہر کہیں یہ تماشا سا ہے بلی تو نہیں
گرد رو باندھے تو چہرہ حور کا چاندنی میں ہو تو بکا نور کا
گرمِ شوخی ہو اگر یہ مثلِ برق بجلی میں اس میں نہ کچھ کریے فرق
یا پری اس پردے میں ہے جلوہ گر اٹھتی اودھر سے نہیں ہرگز نظر
کیسی ہی بلی ولایت کی ہو زور خوب دیکھو تو ہے اس کے صدقے حور
ربط ہے اپنے بھی جی کو اس کے ساتھ بیٹھے ہے تو پیٹھ پر میرا ہے ہاتھ
ایک دن جاکر کہیں ٹک سو گئی مانی مانی سارے گھر میں ہوگئی
بلی کا ہوتا نہیں اسلوب یہ ہے کبودی چشم یک محبوب یہ
دیکھے جس دم یک ذرا کوئی اس کو گھور چشم شور آفتاب اس دم ہو کور
حسن کیا کیا مانی کے کریے بیاں سو جہاں جب تک یہ ہووے درمیاں
خوبی منی کی نہ کوئی کہہ سکے دیکھے اس کو تو نہ اس بن رہ سکے
داغ گلزاری سے اس کے تازہ باغ اس زمان تیرہ کی چشم و چراغ
کیا دماغ اعلیٰ طبیعت کیا نفیس کیا مصاحب بے بدل کیسی جلیس
یہ نفاست یہ لطافت یہ تمیز آنکھ دوڑے ہی نہ ہو کیسی ہی چیز
اس کو گر کعبے میں یہ ہو شوخ و چست ہے کبوتر مارنا واں کا درست
چوہا چڑیاں ان نے کچھ کھایا نہیں حج کو جانا اس کے تیں آیا نہیں
حسب ہرہ جو کہ ہے ایمان میں ہے اسی بلی کی شاید شان میں
تھا بہت منی کا جننا آرزو سو جنی دو بلیاں ہیں ماہ رو
خال ہیں ان پر بھی ماں کے سے عیاں پر وہ خوبی اور محبوبی کہاں
موہنی اور سوہنی ہے ان کا نام پھرتی ہیں پھندنا سی دونوں صبح و شام
نیلے دھاگے گردنوں میں ہیں پڑے لوگ آنکھوں میں ہی رہتے ہیں کھڑے

حفظ ابھی بلوں سے ان کا ہے ضرور رہیو ان دونوں سے چشم شور دور
دیکھے ان کی اور جو تک کرکے خشم کاڑھ کر دیں بلیوں کو اس کی چشم
قصہ کوتہ موہنی آگے موئی یک قیامت جان پر اس بن ہوئی
صبر بن چارہ نہ تھا آخر کیا بلی ماروں میں اسے گڑوا دیا

شاد وہ جس کے رہیں قائم مقام
وائے اس پر جس کسو کا لیں نہ نام

○

در تعریف سگ و گربہ کہ در خانۂ فقیر بودند و باہم ربط داشتند

سگ و گربہ ہیں دو ہمارے ہاں   دو ہیں قالب اور ان کی ایک ہے جاں
رنگ گربہ سے شیر نر ہے داغ   آنکھیں اس کی اندھیرے گھر کا چراغ
کھائے نہ جو نہ ہو وہ مادۂ سگ   بھوکا بیٹھا رہے قیامت لگ
کب مروت سے جائے کھانا چکھ   لڑے بھی ہے تو منہ پہ پنجہ رکھ
سارے ہمسایوں پر ہے یہ معلوم   موش کی نسل ہوگئی معدوم
چوہا کیا ہے جو سامنے آوے   گھونسوں سے بھی یہ شیر بھڑ جاوے
ان نے جو ماریاں ہیں گھونسیں دھونس   موش دشتی ہوا ہے کونے گھونس
گھونس جب فکر ہی میں مرتی ہو   موش دشتی پہ کیا گذرتی ہو
کوئی چھچھوندر جو بستی میں یاں ہے   سو وہ چوہوں کی مرثیہ خواں ہے
ایک دن گھر میں ایک گھونس آئی   اپنے پاؤں اجل اسے لائی
گھونس کیسی بتاؤں غیرت سونس   طاق ہے جس کے آگے طاقت سونس
یا کوئی مادہ خوک آبستن   یا کسو کھوے کی برادر زن
پھرتی پھرتی جو صحن میں خوش حال   پاے دیوار بیٹھی سر کو نکال
کہیں اودھر یہ شیر جاتا تھا   پھیرتا منہ پہ پنجے آتا تھا
پڑ گئی اس کی اس پہ چشم کبود   نیلا پیلا ہو تاؤ کھا جوں دود
پنجہ جھنجھلا کے ان نے گزرانا   بارے کچھ گھونس نے اسے جانا
پر اسے خوف جاں نہ آیا کچھ   غالب آیا نہ اس کا سایہ کچھ
ٹھک ٹھکایا پھر ان نے جانا تو   کیونکے تھا یہ تو شیر کا خالو
پھر تو بگڑی ہے دونوں میں آکر   چوٹ ہوتی تھی داؤ پا پا کر
غصہ خرموش کو بھی آن چڑھا   اتفاق اس جگہ تھا ایک گڑھا
دونوں لڑتے ہوئے گرے اس میں   کیچ کا گاہتے پھرے اس میں

ناخن اس شیر کا کچھ ایک گڑا   شور محشر گڑھے کے بیچ پڑا
شور کیسا محلے چونک اٹھے   سگ بازاری بھونک بھونک اٹھے
یاں تو گھر بیچ کیا ہے کیا ہے پڑی   گھونس بلی نے چھیچھڑے کردی
کھڑے موچھوں کے بال انگڑاتا   شیر نکلا گڑھے سے گھبراتا
لیک جی سے تھا سب بدن خالی   کیوں کہ سر سے بلا بڑی ٹالی
گھونس کے وارثوں کی کیا ہے تاب   کہ قدم کو رکھیں دے حتی الباب
کوئی چھچھوندر اب اس پہ روتی ہے   کہ تری لاش خوار ہوتی ہے
تو جو تھی ساری قوم کی سردار   سو اٹھایا ہے زخم دامن دار
ہم بہت غم میں تیرے روویں گے   بل کے بل اب خراب ہوویں گے
فخر ہے اپنی نسل کا یہ شیر   جن نے گھونسوں کے کر دکھائے ڈھیر
سنا ہے موش گربہ کا قصہ   وہ جو ہے گا عبید کا حصہ
جس کو باندھا عبید زاکانی   لگتی تھی اس کی وہ سگی نانی
گربہ تا بود فاسق و فاجر ق صید او یک بدے بہ سالانہ
ایں زماں پنج پنج ی گیرد   کہ شدہ مومن و مسلمانا

در تعریف مادۂ سگ

ہے جو وہ مادہ سگ تماشا ہے   دوڑ پڑنے کے وقت باشا ہے
کسی کے لقمے پہ نہ منھ ڈالا   سگ اصحاب کہف کی خالہ
نہیں کتوں سی خوار یاں کے یہ   ہے سگوں میں عزیز خاں کے یہ
دے ہرن کو بھی جلدی میں بتا   ہے گا یاں سگ لوند کیا کتا
اڑتی چڑیا انھیں نے ماری ہے   استخوان سگ شکاری ہے
یہ جو غصے میں آوے تو ہے غضب   اس کے مارے ہوئے ہیں ہارے سب
منھ میں دیتے ہیں اس کے جب مشعل   طرفہ دم لابہ کرتی ہے اچپل
منھ میں اپنے لیے فتیلے سے   سگ لیلیٰ کے ہے قبیلے سے
باہم اس کتے بلی کا یہ ربط   کوئی دیکھے نہ ہووے اس سے ضبط
کبھو جاتا جو ہے یہ کوٹھے پر   لگی رہتی ہے اس کی چھت سے نظر

اور سے دشمنی جانی ہے اس کی یہ باؤلی دوانی ہے

دونوں شوخی سے مار سہتے ہیں
سگ و گربہ کی چال رہتے ہیں

○

در بیان بز

کہتے ہیں جو غم نداری بز بخر　　سو ہی لی میں ایک بکری ڈھونڈھ کر
شعر زور طبع سے کہتا ہوں چار　　دزدی بزگیری نہیں اپنا شعار
دزد ہے شائستہ خوں ریزی کا یاں　　بلکہ بابت ہے بزآویزی کا یاں
میں پڑھوں ہوں اس کے آگے شعر گہ　　اپنے ہاں گویا بز اخفش ہے یہ
بکروں کی داڑھی کے تیں جانے ہیں سب　　تکہ ریشی بکری کی ہے بوالعجب
رنگ سر سے پاؤں تک اس کا سیاہ　　چکنی ایسی جس پہ کم ٹھہرے نگاہ
چار پستاں اس کے آئے دید میں　　دو جہاں ہوتے ہیں دو ہیں جید میں
ایک میں ان میں سے تھا مطلق نہ شیر　　ایک کو کہتے ہیں اندھے خرد و پیر
اس پہ کالے بکرے دو خیلا جنے　　ناز نخرے سے رہے پھر انئے
چارہ بیٹھے کھاتے اک انداز سے　　دیتی پٹھ تو ہوتے خوش اس ناز سے
دودھ ہو چوچی میں تو بچہ پیے　　بیٹھا دیکھے اس طرف منہ کو کیے
بھوک سے گرم تظلم دے ہوئے　　اپنے شایان ترحم دے ہوئے
دودھ منگوایا کیے بازار سے　　پھوہوں سے دینا کیا انفار سے
گھاس دانہ بارے کچھ کھانے لگے　　گرتے پڑتے پاس بھی آنے لگے
پرورش سے حق کی بارے جی گئے　　آب و دانہ دوڑ کر کھا پی گئے
اب جوانی پر جو ہیں وہ شیر مست　　کودتے ہیں ہر زماں ہر دم ہیں جست
مستی اپنی ماں پہ کرتے شاد ہیں　　عاقبت بکرے ہی کی اولاد ہیں
زور و قوت سے حریفوں کے ہیں ڈھینگ　　آہوے جنگی کو دکھلاتے ہیں سینگ
ٹکر ان کی کیا جگر مینڈھا اٹھائے　　قوچ سرزن سامنے ہرگز نہ آئے
سرزنی میں شہرۂ آفاق ہیں　　لوگ بزگیری کے سب مشتاق ہیں
رنگ کو اس جنگ کا کیا ڈھنگ ہے　　دھنتے ہی میداں کا عرصہ تنگ ہے
ہوتے ہی استادہ طاری ہو غشی　　کیا بز کوہی سے ہو میداں کشی

تمیں ان کی دھاک سن کر مر گیا　　غم گوزنوں کو انھوں کا چر گیا
گو وہ ٹکر کھا جو ڈکراتا رہا　　بزدلی سے گرگ بھی جاتا رہا
مارے پانی پانی کر بکرے اصیل　　لکھنؤ سے غل ہے تا بکرے کی جھیل
پاس جانا ان کے اب مسدود ہے　　ذبح کرنے کو ہر اک [illegible]

اس ادا سے جائیں گے چھریوں تلے
کاشکے ہوتے نہ ہاتھوں میں پلے

○

مرثیۂ خروس کہ در خانۂ فقیر بود

کئی برس سے ہمارے کنے تھا ایک خروس　　خروس عرش کی اولاد سے دلے افسوس
پھرا جو اس سے یکایک زمانۂ کج باز　　قضا نے اس کو کیا ایک بار مرغ انداز
دیا کرے وہ اذاں دونوں وقت صبح و شام　　بجا ہے مرغ مصلی رکھیں گر اس کا نام
نہیں ہے مرغ چمن میں جہاں کے ایسا آج　　بہ رنگ کلۂ تاج خروس سر پہ تاج
جو بیٹھے جھانپے میں پرواز پر سے مرغ خیال　　کھڑا ہو دھوپ میں تو رشک مرغ زریں بال
کبھو جو صحن میں گھر کے وہ اشرف الطیار　　پھرا ہے کیس کو ڈالے تو مرغ آتش خوار
نہ بلغیں ہیں شاگستری میں اس کی مدام　　بزرگ داشت کریں مرغ سبزوار تمام
رہا ہمیشہ سے وہ مرغ مستعد جنگ　　طرف نہ اس کے ہوئے بچگی میں قاز و کلنگ
جب ان نے گانٹھ کے اک لات حلق پر ماری　　شتردلی کی شترمرغ نے کئی باری
نہ اس کے سامنے کوئی کھڑا رہا مرغا　　حواصل اس سے بگڑتا تو تھا وہ کیا مرغا
بجز کنارہ نہ سیمرغ کو بنا چارہ　　کہ فیل مرغ کو بکری کی طرح سے مارا
ہمیشہ گربہ و سگ سے تھی روک ٹوک اسے　　جہاں سے لے گئی آخر یہ نوک چوک اسے
خصومت اس کی تھی یک مادہ سگ سے شام و سحر　　کبھو وہ لات اسے مارتا کبھو شہپر
قضا جو پہنچی تھی نزدیک وہ بھی جھنجھلائی　　حریف ہوکے دلیرانہ سامنے آئی
یہ بہبہا تھا نہ سمجھا ادا کو کینے کی　　لگائی سامنے ہوتے ہی ایک سینے کی
ہلائی ان نے بھی گردن لگی کہیں بے کل　　کہ ایک دم میں گئی آہ اس کی گردن ڈھل
جھکا جو خاک کی جانب کو کیس بے جاں کا　　زمیں پہ تاج گرا ہدہد سلیماں کا
ہوا کے مرغ ہوئے داغ اس کے ماتم سے　　سیاہ پوش رہے طائر حرم غم سے
وہاں جو نوحۂ مرغان قدس باز ہوا　　کہ مرغ قبلہ نما کا بھی دل گداز ہوا
قفس کے مرغ نے سن ترک آب و دانہ کیا　　طیور نے بھی نہ پھر قصد آشیانہ کیا
ہوا زبسکہ پراگندہ یہ غم جاں سوز　　اداس رہنے لگے سارے مرغ دست آموز

خروس عرش ہی اس بن نہیں ہے سینہ فگار　　ہزار مرغ کا اب گھر خروس پر ہے بار
زمانہ جب تئیں ہے اس کے درد کے مارے　　رہیں گے خاک فشاں مرغ خانگی سارے

خموش میرؔ تجھی کو نہیں یہ رنج و تعب
کباب آتش غم میں ہیں مرغ و ماہی سب

○

اژدرنامہ

یہ موذی کئی ناخبردار فن — نئی ناگنیں جن کے ٹیکوں پہ پھن
نہیں جانتیں میں ہوں مار سیاہ — زبانہ ہے آتش کا میری نگاہ
لفس ہے مرا افعی پیچ دار — گیا جس سے خصم قوی من کو مار
جدھر پھر نظر دیکھوں لگ جائے آگ — دم دم کشی لب پہ کھیلیں ہیں ناگ
جہاں میں ہوں وہ جا ہے پرشر و شور — عصا سے چلے راہ واں مار و مور
مری آنکھ سے زہر ٹپکا کیا — جلا آگے میرے کبھو کب دیا
سن اس ماجرے کو سبھوں نے کہا — کہاں کیچوے یہ کہاں اژدہا
نہ خصمی مری اژدروں سے ہوئی — طرف مجھ سے ہو جونک کیا ادھموئی
اگر شور زاغاں سے ڈر جائے مار — تو کیا اجگروں کا رہے اعتبار
نہ کس طور اژدر کو تکواسہ ہو — حریف اس کی سوکھی سی چلپاسہ ہو
کہاں چھپکلی اژدہے سے لڑی — کس اژدر پہ ایسی قیامت پڑی
ہزار اجگر اندوہ سے جائے لٹ — ولے ایسے کیڑے مکوڑے ہیں چٹ
جہاں شور اژدر سے ہے دھوم دھام — کوئی کنسلائی سے نکلے ہے کام
بظاہر یہ لائے تو ہیں پر نکال — ولے ہوں گے ان کے جیوں کے وبال
حریفی انھوں سے ہو اژدر کی کب — وہ کھینچے جو یک دم تو پھنکا ہیں سب
حکایت بعینہ یہ دل سے ہے میر — سر راہ کہتا تھا جو اک فقیر
کہ تھا دشت میں ایک اژدر مقیم — درندوں کے بھی دل تھے اس سے دونیم
نکلتے نہ تھے اس طرف ہو کے شیر — پلنگ و نمر واں نہ رہتے تھے دیر
جہاں' شیر کا زہرہ ہوتا ہو آب — شغال اور روبہ کا واں کیا حساب
وہ صحرا تھا اس کے سبب ہولناک — دم اس کے نے واں کی اڑا دی تھی خاک
نکلتا تھا جب بہر برگ و نوا — شجر کے شجر ہوتے تھے تب ہوا
کہاں سایہ اس جا و سبزہ کہاں — درخت اس کے چالے رہے تھے نہ واں

صدا جب مہیب اس کی ہوتی بلند ۔۔۔ جگر چاک کرتے ہوا سے پرند
درندوں کے برجا نہ رہتے حواس ۔۔۔ چرندے مکانوں سے ہوتے اداس
وحوش اس بیاباں میں جاتے نہ تھے ۔۔۔ طیور آشیانوں میں آتے نہ تھے
کبھو اس کی رہ میں جو اٹھتا غبار ۔۔۔ تو وہ دشت تھا ایک تاریک غار
پہنچتا تھا گردوں تلک شور و شر ۔۔۔ ہوا صاف ہوتی نہ دو دو پہر
رہا کرتی کوسوں تلک اس کی بھوم ۔۔۔ نہ اس راہ آتا کوئی جز سموم
ہوئے ساکنان بیاباں بتنگ ۔۔۔ اٹھے کوہ و وادی سے شیر و پلنگ
گئے جان لے لے وحوش و طیور ۔۔۔ کوئی رہ گیا موش و مینڈھک سا دور
گئی لومڑی ایک سوکھی ہوئی ۔۔۔ سو اور جنگل میں بھوکی ہوئی
گلے میں جو یاں کے کھلے اس کے لب ۔۔۔ ہوئے واں کے اعیان گرم غضب
خراطین و خرموش و موش و شغال ۔۔۔ اس اژدر کو کر جنس اپنی خیال
رواں ساتھ اس کے شبانہ ہوئے ۔۔۔ کئی گرگٹ آگے روانہ ہوئے
رعونت سے مینڈھک اچھلتے چلے ۔۔۔ بلوں میں سے چوہے نکلتے چلے
قریب اس بیاباں کے جس دم گئے ۔۔۔ انھوں میں سے آگے بہت کم گئے
قضارا وہ آفت تھی سرگرم سیر ۔۔۔ چلے آتے تھے بھاگتے وحش و طیر
اس آشوب سے دست و پا گم کیے ۔۔۔ فراموش سب نے سر و دم کیے
لگا ڈرنے خرموش سا پہلواں ۔۔۔ ہوا مضطرب کیچوا سا جواں
وہ گرگٹ کہ جس کو تھی گردن کشی ۔۔۔ ہوئی خوف سے اس پہ طاری غشی
قدم غوک سے گرد کا جل گیا ۔۔۔ بھروسا تھا گیدڑ پہ سو ٹل گیا
جہاں پہلواں موش رستم معاش ۔۔۔ لگا کرنے میدان میں بل تلاش
کہ سوراخ پاوے تو روپوش ہو ۔۔۔ یہ تشویش یک دم فراموش ہو
دلے چھوڑتا کب ہے خصم قوی ۔۔۔ کہ ہو خوف جاں سے کوئی منزوی
پراگندگی تھی اس انبوہ میں ۔۔۔ کہ گونجی بلاے سیہ کوہ میں
اس آواز سے جی نکل ہی گئے ۔۔۔ جو ثابت قدم تھے بچل ہی گئے
سیہ جب ہوا ہوگئے منھ سفید ۔۔۔ ہوئے مدعی جان سے ناامید
بھرا ایک دم ان نے وا کر دہاں ۔۔۔ کہ پایا اس انبوہ کو نیم جاں
دم دیگر ان سے نہ کوئی رہا ۔۔۔ وہی دشت خالی وہی اژدہا

زبانہ وہی آگ کا چار اور — ہوا گرم ویسی ہی ویسا ہی شور
وہی دم کشی شام سے تا سحر — اسی ہولناکی سے وہ دشت و در
گئی یہ خبر جس بیابان میں — رہی سدھ نہ کچھ واں کے سکان میں
کنھوں نے کبھو منھ نہ ایدھر کیا — نہ پھر نام اس اژدہے کا لیا
مری ان گزندوں کی صحبت ہے یہ — طرف ہوں مرے ان کی طاقت ہے یہ
جو مجھ کو ہو کچھ بھی انھوں کا خیال — تو یہ مارگیری کریں کیا مجال
تو کیا ہو انھوں سے بہت دور میں — ہوں اپنی جگہ شاد و مسرور میں
مری قدر کیا ان کے کچھ ہاتھ ہے — جو رتبہ ہے میرا مرے ساتھ ہے
کہاں پہنچیں مجھ تک یہ کیڑے حقیر
گیا سانپ پیٹا کریں اب لکیر

○

مثنوی

(شکارنامہ)

شکار نامۂ اول

چلا آصف الدولہ بہر شکار　　نہاد بیاباں سے اٹھا غبار
روانہ ہوئی فوج دریا کے رنگ　　لگا کانپنے ڈر سے شیر و پلنگ
طیور آشیانوں سے جانے لگے　　وحوش اپنی جانیں چھپانے لگے
سن آواز شیران نر ڈر گئے　　پلنگ و نمر خوف سے مر گئے
جہاں ببر آیا نظر صید تھا　　بیاباں اسی چمن سے قید تھا
گئے مست ہاتھی مکانوں کو چھوڑ　　دیے پنجۂ شیر نیلوں سے توڑ
نہ دیکھا نہ ہم نے سنا یہ شکار　　کہ بکری سا ہاتھی کو لیتے ہیں مار
پلنگان صحرا کے دل خوں کیے　　نہنگان دریا ہوئے مرچیے
کہاں سہل مارے گئے نرہ شیر　　لگے بکریوں کو پکڑتے بھی دیر
ہوئے لشکری جب کہ سرگرم گشت　　مقید ہوئے مست فیلان دشت
گئے جانور دشت خالی رہے　　بیابان جھاڑے گئے توکہے
عجب تر ہے یہ صید کرنے کا ڈھنگ　　کہ چورنگ ہاتھی ہوئے بے درنگ
نہ چیتل نہ پاڑھا نہ ارنا نہ شیر　　ہوئے گولیاں کھا کے یک لخت ڈھیر
درندوں کا پیدا نہ نام و نشاں　　نہ شیر ژیان و نہ چیل دماں
کبھو فیل دشتی نہ جکڑے گئے　　نہ یوں بھیڑ بکری سے پکڑے گئے
سنا جس طرف فیل دشتی کا میل　　رواں فوج ادھر کو ہوئی سیل سیل
اگر ٹک بھی اٹکا تو مارا گیا　　پڑے سینکڑوں پھاند چارا گیا
وگر سرکشی سے کی استادگی　　تو پیش آئی اک طرفہ افتادگی
پہاڑ ایک ہاتھی مقابل ہوا　　بزور آمد و شد کا حائل ہوا
جٹے دونوں وے دیو میدان میں　　اٹھا شور محشر بیابان میں
جہاں دونوں فیلوں کی تھی سرزنی　　شتر مرغ سے واں نہ ہو پرزنی
جو اس مار کھانے پہ اکڑا رہا　　کئی روز رسوں سے جکڑا رہا

رہے کس طرح پھٹ گیا تھا جگر — ہوا دوپہر میں لہو موت کر
مگر سرکشی سے نہ اپنی ہٹا — نہ میدان میں ٹک دبا ٹک گھٹا
اشارہ ہوا اس کے چورنگ کا — سبھوں کو ارادہ ہوا جنگ کا
برسنے لگا مینھ تیروں کا زور — ہوا فیل باراں کا جنگل میں شور
لگی پڑنے بجلی سی تیغ سپاہ — پریشان ہو جیسے ابر سیاہ
نہایت وہ ہاتھی ہوا لخت لخت — گرا یوں کہ جیوں پارۂ کوہ سخت
رکھا لاکے لشکر میں اثنائے راہ — سر اس کا کٹا جیسے برج سیاہ
رہے کہتے اس دن عجب سب ہے یہ — سر فیل ہے یا سر شب ہے یہ
اگر دیو ہیں سرگرانی کے ساتھ — نہ اس تیرگی و کلانی کے ساتھ
دماں خشم گیں جیسے آتش یہ تھا — مگر فیل سر دیو سرکش یہ تھا
گوزن اور ہرنوں کی کیا دیجے شرح — گئے شیر مارے سو کتوں کی طرح
گیا دشت در دشت شور شکار — ہوئے گرگ آہو کے اوپر سوار
ہرن جھانگیوں میں رہے گھومتے — کھپے فیل بیلوں ہی میں جھومتے
برابر رہے گور و شیر ژیاں — برابر تھا دونوں کو وسواس جاں
گئے پیشتر چھوڑ نخچیر کہ — شغالوں کی روباہ بازی تھی یہ
اس اوقات سے جوکہ بے ہوش تھے — بھیرونہ کے وے خرگوش تھے
اگر ریچھ نکلا تو تھا مو بہ مو — بہت مضطرب تھا وہ آشفتہ مو
قلندر سپاہی بچے جاں ہوئے — لیے اس کو سر در گریباں ہوئے
علف آب گوں تیغ کا پھر ہوا — کہیں پاؤں اس کے کہیں سر ہوا
موئے اس طرح حضرت بوحمید — کہ جوں ہوتے ہیں گے بڑے سے پلید
گرے پشت موے فلک خاک پر — اک انبوہ تھا جسم ناپاک پر
گئے لادنے فیل پر لشکری — یہی ذات تھی لائق برتری
کروں صید ماہی کا کیا میں بیاں — کہ فیلوں پہ تھے تودہ تودہ رواں
پڑے سینکڑوں دام تالاب میں — نہ چھوٹی تنک خاک اس آب میں
نہ تیتر نہ طاؤس صحرا کے بیچ — نہ ماہی نہ مرغابی دریا کے بیچ
رہے گوشت ہی پکتے ہر صبح و شام — جواں کھاگئے مرغ و ماہی تمام
ہوا حائل راہ بحر عمیق — کہ ہو وہم ساحل پہ جس کے غریق

قریب آکے اتری یہ خائف تھی فوج کہ بے ڈول اٹھتی تھی ہر ایک موج
مہیب اور آلودۂ خاک و آب بعینہ پھٹی آنکھ تھا ہر حباب
غضب لجہ خیزی بلا جوش پر تلاطم قیامت لیے دوش پر
چلے بس تو کچھ کوئی چارہ کرے مگر دیکھ ہی کر کنارہ کرے
تردد میں ہر اک کہ ہوں کیونکے پار کنارے پہ سرگشتہ گرداب وار
رواں آب ایسی روانی کے ساتھ کہ جوں رفتگی ہو جوانی کے ساتھ
لگے پاؤں چلنے جہاں شور تھا کہ کم آب میں بھی بڑا زور تھا
تامل سے اقبال نواب دیکھ توقف کیا پہلے تو آب دیکھ
پھر اس پار جاکر اشارہ کیا کہ لشکر نے ووہیں گزارہ کیا
شتاشب اترنے لگے لشکری نہ جوش آب کا وہ نہ ویسی تری
وہ سوتا جگاتا تھا جس کا خطر اٹھا شور سے فوج کے چونک کر
نشہ اس کے سر سے اتر سا گیا چڑھائی سے لشکر کی ڈر سا گیا
کچھ اک ناویں لے کچھ شجر کاٹ کر شتابی سے دریا کے تیں پاٹ کر
اترنے لگا لشکر بیکراں کراں تا کراں تھی یہ محشر عیاں
سلامت ہوا پار سب ازدحام رہے دنگ خضر علیہ السلام
شکار اس کنارے بھی تھا بیشتر ہوئے صید یاں کے جگر ریش تر
گئے ارنے مارے سو مانند فیل ہوا خون جنگل میں ان کا سبیل
رہے گور راتوں کے تیں جاگتے گئے ببر کوسوں تلک بھاگتے
پکڑ لائے چیتے گوزن اور گور عصا سے چلے راہ یاں مار و مور
بہت ہم نے دیکھے وزیر و شہاں شکار ایسے دستور سے تھا کہاں
نمک خوار مجھ سے تو ہیں گے ہزار پہ میرا بھی ہونا ہے بھاں یادگار
غرض میرؔ تا دور چرخ بلند رہے آصف الدولہ اقبال مند
کرے اس کا اقبال ہر لحظہ کام شکار اس کے دشمن رہیں صبح و شام

غزل میرؔ کوئی کہا چاہیے
تک اس بھی زمیں پر رہا چاہیے

غزل

ہم وحشیوں پہ کچھ ہو کاہے کو یار ہے تو — اے ترک صید پیشہ کس کا شکار ہے تو
پہنچی قریب شاید نخچیرگاہ اس کی — جوں صید خوں گرفتہ دل بےقرار ہے تو
دل تجھ تلک رسائی مشکل ہے چشم تر سے — عسرالعبور کیسے دریا کے پار ہے تو
شہری ہیں اس کی آنکھیں کیا تجھ کو ان سے نسبت — اے آہوے بیاباں اچھا گنوار ہے تو
کیا صبح جلوہ گر ہو خوبی کے آگے تیری — اے گل دم تبسم باغ و بہار ہے تو
یکھاں دو قدم بھی چلنا بن سر دیے نہ ہووے — اے راہ عشق کتنی مشکل گذار ہے تو

لیتا ہے تجھ سے عبرت جو کوئی دیکھتا ہے
کیا میر اس گلی میں بےاعتبار ہے تو

باز قدم رنجہ فرمودن آصف الدولہ بہادر روز دیگر براے شکار

چلا پھر بھی نواب گردوں شکار — اسد باؤ کے گھوڑے پہ ہو سوار
روانہ ہوئی فوج دریا مثال — نہنگوں کی اب کھینچی جاوے گی کھال
گیا شور تا آسمان بریں — ہوئی گرد افواج گردوں قریں
زمیں ہوگئی جاے خوف و خطر — فلک کو لگے دیکھنے شیر نر
چڑھا بسکہ دریاے فوج گراں — اتر ہاتھیوں کی گئیں مستیاں
دبی چپ لگا چلنے بھیڑوں کی چال — پریشاں ہے گرگ بغل زن کا حال
پلنگوں نے کہسار سے راہ لی — نہنگوں نے دریا کی جا تھاہ لی
بچیرے جو تھے دام سے چھا گئے — کشف نیچے ڈھالوں کے گھبرا گئے
درندے پرندے چرندے کچھے — گزندوں کے منھ گرد نیچے ڈھپے
تلف جانور ہیں جہاں کے تہاں — گوزن اور گور اور آہو کہاں
رہے گور یک شاخ و یک سو غزال — تزلزل میں ہیں کیا شجر کیا نہال
شغال اور روباہ و خرگوش سے — نہیں بحث کچھ یہ ہیں بےہوش سے
کوئی شور سن سن کے گھبرائے ہے — کوئی کان ڈالے چلا جائے ہے
کوئی ڈھونڈتا ہے بیاباں میں جھاڑ — کوئی چاہے ہے پھاند جاؤں پہاڑ
کہ شاید یہ اودھر نہ ہو کل مکل — کوئی دن جیے اس بلا سے نکل
پھرے مضطرب ہو کے شیر عریں — کہ بیشوں میں تھی یا کماں یا کمیں

لگا ہے گفتار پر بےحواس ہزبر جگرخوار سب ہیں اداس
کیا کام ڈرتے گئے پھٹ جگر بن آئی ہی مر مر رہیں ہیں نمر
اگر خرس تھا مفتر و بدمعاش لگا موش خانے کی کرنے تلاش
وگر ببر ہے پیش و پس بے نگاہ نہیں سوجھتی بےحواسی سے راہ
مبادا شکاری سگان رکاب گریں آکے مجھ تک بھی پہنچیں شتاب
ہوا آب زہرہ وہ شیری گئی جگر ڈر سے ہے خوں دلیری گئی
ہوئی صیدبندی کی جنگل میں دھوم گرے فیل جیسے گھٹا آوے جھوم
بیاباں میں چھایا ہے کیا ابر مرگ برستی ہے گولی بسان تگرگ
لڑائی نہیں ہوں جو مصروف جنگ اڑیں رنجکیں اڑتے دشمن کے رنگ
جو آتا ہے پلٹن کو کچھ ولولہ چلے ہے کوئی توپ ہے زلزلہ
اگر جائے تھی اس کی کوہ گراں گیا شیر چھنکے بھی جاگہ سے یہاں
نہ دل مرد ہے ببر و گرم شتاب دل شیر برنی بھی ڈر سے ہے آب
نہ رنجک کے اڑنے کا اچھا ہے طور ہوا آن ہی میں زمانہ کچھ اور
ہوئی گرم آتش زنی سے ہوا رکھا آب میں جا کے لگ لگ نے پا
محیط آب گیروں کے تھے مردکار موئے مالک الحزن چندیں ہزار
بہت دام پانی کی جانب جھکے کھڑے رہ گئے رود کیا کیا رکے
نہنگ سونس گھڑیال رہ رہ گئے مگرمچھ نہ جانے کدھر بہہ گئے
نہ قشقل نہ سلی نہ سرخاب ہے تمام ان کے لوہو سے سرخ آب ہے
عجب روغن قاز ملتے تھے یار کہ قازوں کو لیتے ہوا میں سے مار
منگاتے تھے بطخ کی چربی ظریف سو وہ چربی اب پھینک دیں ہیں حریف
ہوئے کتنے اقسام ماہی شکار نہ آوے قسم کھائے بن اعتبار
مگر مرگ ماہی تھی جالوں کے بیچ کہ یوں مچھلیاں سب نکالیں اُلیچ
نہ ارنب ہے جنگل میں نے سوسمار کوئی بدوی کیا کھاوے پروردگار
کلنگوں کی الٹی گئی صف کی صف ہوئے بیچ میں قرقرے بھی تلف
نہ سبزے گئے سبزہ کھا کھا کے چیت بزے ویسے ہی آئے کھیتوں میں کھیت
بٹیر اور تیتر کا ہے کیا شمار کہ باز آگئے جرے کرتے شکار
ہوا زرد سبزک بہت دل میں ڈر نمدمو ہوا گرد سے شانہ سر

خطرناک تھا دشت کیا کہیے مور — دبا یوں پھرے جیسے دبتا ہے چور
نہ پاڑھا نہ نیلا نہ چیتل کوئی — بنوں میں جو دوں تھی گئی جل کوئی

کوئی میر صاحب غزل یاں کہو
پر ایسی کہ ویسی کسی سے نہ ہو

غزل

کیا کشت وخوں پہ ان دنوں میلان یار ہے — ہر جاے پوچھتا ہے کہ یاں کچھ شکار ہے
جاتا ہے اس کشندے کی جانب چلا ہوا — صید ازل رسیدہ ہے دل بے قرار ہے
آنکھیں جو میری باز ہیں جوں صید بسملی — اس ترک صید بند کا یہ انتظار ہے
عزت جو اس گلی میں ہے اپنی نہ پوچھیے — جب جایئے تو خشم ہے گالی ہے مار ہے
جانیں چلی گئیں ہیں بہت قلب گاہ سے — تو رہ کے جا کہ راہ ابھی پرغبار ہے
ہے زلف وروے یار سے ہر لحظہ بحث یہاں — یہ وجہ ہے کہ شعر مرا پیچدار ہے
کم اختلاطی کا ہے گلہ یار سے عبث — کس کشتۂ وفا سے بہت اس کو پیار ہے
گل گل شگفتگی ہے ترے چہرے سے عیاں — کچھ آج میری جان قیامت بہار ہے

کیا میر تم کو گریۂ شب سے ہے گفتگو
طوفان میری پلکوں کا سر در کنار ہے

نشیب و فراز بیاباں کو سن — جو ذی ہوش ہیں وے تو ہوتے ہیں گن
چڑھو آسماں پر جو آوے چڑھاؤ — پھر اترو تو تحت الثریٰ ہی کو جاؤ
جو اس میں کہیں ہووے لغزش تو خیر — کہ درپیش ہے اور عالم کی سیر
زمیں ضیق ازبس ہوئی یک بہ یک — نہ پھیلا سکا پاؤں گرزپا تنک
ملے پر سے پر تھے ہوا میں کلنگ — کہ چلنے لگے یاں سے تیر و تفنگ
قیامت تھی آفت تھی ہر ایک چوٹ — لگے جس کے پھرتا وہیں لوٹ پوٹ
ہوئے خون اس جمع کے بے درنگ — ہوا کا ہوا اور اک دم میں رنگ
نہ پر تھا نہ پرزا نہ بازو نہ پا — کنھوں نے بھی پوچھا نہ یوں تھا یہ کیا
نہ زردی کو دیکھا نہ پایا کبود — نکالا ہے لوگوں نے پانی سے دود
سپہ کی بلا ترک تازی رہی — نہ سارس کی وہ سرفرازی رہی
کماں دار مردم سے چارہ گیا — کسو کھیت پر مفت مارا گیا
نہ جو فیل دشتی کی مستی گئی — وہیں مٹ گیا اس کی ہستی گئی

سنانوں کی نوکوں پہ پھر بٹ گیا　　وہ کوہ گراں سنگ سب پھٹ گیا
بہت جانور چھوڑ آکھر گئے　　لگی دوں بہت جل گئے مر گئے
اگر بن ہے گویا بنا ہے اسے　　کرے قصد واں کا تو کیوں نر گھسے
مگر زور سے کچھ نکلتا ہے کام　　بہت رنج کھینچے سے چلتا ہے کام
خریدار دستار سرخار بن　　زمیں پر رکھو پاؤں کانٹوں کو چن
کئی گام یوں راہ چلنا پڑے　　پھر اس دامگہ سے نکلنا پڑے
تو آگے بیابان پرخار ہے　　کہیں جھاڑ بوٹا کہیں غار ہے
اگر اس میں پانی نظر پڑ گیا　　کنارے پہ اس کے یہ چڑھ کر گیا
ہوا حال اپنا پریشاں بہت　　پھرے مضطرب اور حیراں بہت
ترائی جو واں سے گذرتا ہوا　　کہاروں کے سر چڑھ اترتا ہوا
بیابان وحشت اثر پرخطر　　یہی ڈر ہے ڈر کیا ادھر کیا ادھر
جہاں تک نظر جائے سوکھی ہے کانس　　اگر سبزہ بھی تھا تو تھوہڑ کا بانس
کہیں دل رکے بند ہوجائے دم　　لکھوں کیا نیستاں ہی تھے یک قلم
چلے باؤ دن کو تو ہو سائیں سائیں　　پڑے رات تو پھر کرے بھائیں بھائیں
نہ سبزہ نہ کھیتی نہ آب رواں　　کوئی شیر غراں کہ چیل دماں
سو وہ شیر مارا گیا مثل سگ　　وہ ہاتھی پکڑ لائے بے تاز و تگ
کوئی دشت ایسا کہ تھا سبزہ زار　　ہوا دلکش و جرکہ جرکہ شکار
اگر آہوگیری کا ہوتا نہ عیب　　تو وہ ہم بھی رکھ لیتے بے شک و ریب
سطح زمیں میل در میل تھی　　نہ دریاچہ تھا کوئی نے جھیل تھی
اگر آگیا رودخانہ کہیں　　نہ دلخواہ تھا واں سے جانا کہیں
بڑا لطف تھا سیر میں گشت میں　　نہ تھی دخت رز حیف اس دشت میں
ہوا اک جبل سامنے سے سیاہ　　اسی کی طرف کو پڑی سب کی راہ
عجب لطف کا تھا وہ کوہ گراں　　کہ صد چشمہ کا اس میں پانی رواں
شجر سبز و پتھر بہت صاف تھے　　سبھی جیسے الماس شفاف تھے
ہوا ایک ابر اس جبل سے بلند　　ہوا پر بچھے اس کے پردی پرند
پہر دن سے بارش لگی ہونے زور　　رہا ساری وہ رات طوفاں کا شور
ہوئے خیمے پانی کے اوپر حباب　　سب اسباب لوگوں کا تھا زیر آب

نہ پوچھ اور اسباب مردم کا حال — نہ چادر رہی خشک نے کوئی پال
قنات اور تنبو بسر سب گئے — کھڑے تھے جو کندے اتر سب گئے
بھرا پانی لشکر میں پھیلا ہوا — اگر فرش بستر تھا تھیلا ہوا
ہوا سرد ازبس ہوئی ایک بار — کلیجوں کے ہوتی تھی برچھی سی پار
پھرے باد سے لوگ منھ ڈھانپتے — جگر چھاتیوں میں رہے کانپتے
رہا ایسی سردی میں کیدھر شکار — ہوئے لوگ خیموں کے اندر شکار
بہت پر جب جی کو تجنے لگے — جوانوں کے بھی دانت بجنے لگے
تہ میغ خورشید پنہاں ہوا — نہ دیکھا مگر روے جاناں ہوا
بہت اسپ و اشتر موئے پاؤں پیٹ — نکالا انھیں خیمہ گہ سے گھسیٹ

غزل میؔر یاں کوئی موزوں کرو
تامل کرو دل جگر خوں کرو

غزل

وہ دل شکار آن جو نکلا شکار کو — انداز یک نگاہ سے مارا ہزار کو
چلنا پڑے ہے رکھ کے قدم تیغ تیز پر — کس ڈھب سے کاٹیں اس رہ مشکل گذار کو
اڑنے لگے ہے باد میں تو جاں گزا ہے پھر — خجلت ہی اس کی زلف سے ہے تیر مار کو
سو بار منھ چڑھاتے ہو کچھ بولتے نہیں — یہ بات کیا چڑھو ہو کہے اپنی بار کو
آتا نہیں نظر کہ حصول امید ہو — کیا تھام تھام رکھیے دل بےقرار کو
جیتے رہے تو اس سے ہم آغوش ہوں گے ہم — لبریز گل سے دیکھیں گے جیب و کنار کو
کیا سمجھے خوبی میری خراش جبیں کی تو — اس کام کو دکھا کسی استاد کار کو
ایسے ستم کیے کہ گیا جی سے میں ندان — تک منصفی سے دیکھو پھر انصاف یار کو

بولا کہ مجھ کو کرتی ہے بدنام گور میؔر
ہے خوب اگر مٹاوے کوئی اس مزار کو

کسو بن میں ارنوں کا پاکر نشاں — لگی جانے ہر صبح فوج گراں
مقابل ہوا آکے جوں فیل مست — اگر فیل تھا تو ہوا اس کا پست
غضب ہے خدا کا کوئی اس کے چوٹ — اگر اسپ اشتر ہے تو لوٹ پوٹ
نہ خوک اس کی جنگل میں گھبرے ہے راہ — نہ شیر اس کی جانب کرے ہے نگاہ
بڑی دیر جنگل میں دوڑا پھرا — لیا زیر بندوق آخر گرا

لگی بہنے شمشیر جدول شعار   لگے قیمہ کرنے جوانان کار
بہت ایسے مارے بہت کٹ گئے   نظر کرکے ہیبت جگر پھٹ گئے
کسو بن میں رونق نہ پائی گئی   پھر اس پر جو ایسی اوائی گئی
جگر واں کے شیروں کے پھٹ پھٹ گئے   بیابان سے کرگدن ہٹ گئے
نہ فیلوں میں سدھ بدھ نہ شیروں میں زور   نہ چیتوں کو جاگہ نہ گوروں کو گور
نہ بوٹی کو چھوڑا نہ باقی ہے جھاڑ   پہاڑوں کو راہوں سے ڈالا اکھاڑ
پرندہ جہاں پر نہ سکتا تھا مار   ہوا رہکلے توپ کا واں گذار
نکل شیر جنگل سے حیراں ہوئے   اڑاہے جو تھے صاف میداں ہوئے
جہاں چلتے پھرتے نہ تھے مار و مور   چلے پہروں واں تیر بندوق زور
شغال اور خرگوش و ہم روبہاں   شکاری سگوں نے کیے نوش جاں
ہوا پر جو تھے مرغ پرواز میں   گرے سینکڑوں ایک آواز میں
بہت جانور کھا گئے کر کباب   ہوئے آشیانے ہزاروں خراب
حواصل تھا کیا جو کہوں تھا کہیں   کہ تعداد کشتوں کی پاتے نہیں
بہت مضطرب جھانگیوں میں پھرے   سلامت نہ آخر گئے برسرے
انھوں ہی میں سیمرغ بھی تھا مگر   کہ پر مارتا ہی نہیں کوہ پر
نہیں فیل مرغ اور شتر مرغ اب   کہ بعضوں کے طعموں کے کام آئے سب
کسو بن میں تھے نیستاں اور کانس   چلے راہ واں لے نہ سکتے تھے سانس
برس مینھ دو دن میں کھل بھی گیا   ولیکن ہے کہرا لطیفہ نیا
کہ اندھیر تھا جیسے ظاہر ہو دود   ہوئے ہونٹھ سردی سے سب کے کبود
بلا دھوم سے کوئی گھبرا پڑے   جنھیں دیکھو وے کانپتے ہیں کھڑے
ہوا سرد ہوکر گئی جان مار   اٹھایا بڑا لطف سیر و شکار
دل اس دود تیرہ سے گھبرا گیا   کہیں آگ دیکھی تو جی آگیا
یہی چال تھی ایک دو چار کوس   ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی پڑی ایسی اوس
کسو کوہ کے پاس نکلی جو راہ   گئی کوہ کی تیغ تک کم نگاہ
بلندی تھی اس کوہ کی تا فلک   نگہ جاتے ہی جاتے جاتی تھی تھک
نہ اس رنگ سے صید ہوں گے کہیں   ہوئی خون کے رنگ رنگیں زمیں
جہاں دام اور دد کی تھی بود و باش   لگے چوک لوگوں نے کی واں معاش

ہوا ایک جنگل میں آکر گذر　　کسو کو نہ تھی واں کسو کی خبر
تراکم قیامت تھا اشجار کا　　ستم پھر ہوائے ستمگار کا
کہ اس مرتبہ بارد و سرد تھی　　ہوئے سن مگر برف پرورد تھی
کوئی خاربن حائل رہ ہوا　　پھٹے پیرہن ہوش سب تہ ہوا
درختان بے برگ و بر بدنما　　نہ اک شاخ پر مرغ رنگیں نوا
بہت سر ملائے بہم تھے شجر　　ولیکن نہ پایا کنھوں نے ثمر
نہ قمری ہوئی نالہ پرداز تک　　نہ بلبل کی واں آئی آواز تک
یہی کل مکل تھی یہی کشمکش　　پھرے مارتے سر کو دیوانہ وش
درختوں کے انبوہ سے رک گئے　　چلے اتنے جھک کے کہ ہم جھک گئے
اگر شاخ جاکہ سے اپنی ہلی　　تو کانٹے سی ہم رہرواں پر چلی
جو اس دشت میں تھا کوئی صید بھی　　سو آگے ہی وہ ہوگیا قید بھی
رہائی ہی مقصود تھی واں سے یار　　پڑی اپنی سب کو کہاں کا شکار
کہوں کیا کہ یکسر تھے اس میں قلم　　چلے روسیہ اور سو سو بہم
نہ چھوٹی تھی جاکہ قدم دار بھی　　نہ اٹھتا تھا اک نالۂ زار بھی
کہ دل کو کسو کے لگے جوں خدنگ　　ہوئے ایسے سنسان جنگل میں تنگ
نکلنا ہوا کھینچ کر یہ عذاب　　ملا بیشتر ایک تہ دار آب
رواں تھا کسو کی طرف تند و تیز　　ہوا اس کے چلنے کی تھی پیش خیز
حباب اس کا چشمک زناں موج پر　　کہ یوں گرم جاتے ہیں اہل نظر
طلبگار کرتے نہیں سادگی　　نہ ہو جوں گہر ایسی استادگی
کنارے پہ اس کے اترتا ہوا　　دوبالا ہوئی ٹھنڈ مرتا ہوا
نہ رکھتے تھے جوں رند مفلس لباس　　نہ ان سے ہوا اپنے جامے کا پاس

غزل کہنے کی یہ بھی جا خوب ہے
جو اچھی ہو موزوں تو کیا خوب ہے

غزل

حیف اس شکارپیشہ کو ہم سے خبر نہیں　　ہم ہیں شکار خستہ ہمارے جگر نہیں
ہم خاک منہ سے مل کے پھرے جیسے آرسی　　افسوس ہے کہ روے دل یار ادھر نہیں
آنکھیں نکال اس کے قدم کے تلے رکھیں　　تو بھی ہمارے حال پہ اس کو نظر نہیں

کیا کچھ جو نہ کھینچیے انداز دام کا　　گلزار کے تو قابل پرواز پر نہیں
نکلی پڑے ہے میان سے کاہے کو ہر گھڑی　　لاگ اس کی تیغ تیز کو ہم سے اگر نہیں
سر رکھ کے اس کی تیغ تلے مرچکو شتاب　　یاں پاؤں پیٹ پیٹ کے مرنا ہنر نہیں
آنکھیں ہیں اس کی راہ پہ جوں نقش پا ہزار
پر میؔر اس کو کچھ سر میر دسفر نہیں
لیے کتنے روزوں میں تا نک مٹے　　جواں اس سے آگے بھی جاکر ڈٹے
نہنگ اس طرف کے بحاروں کے سن　　پلنگ ان بنوں سے چلے سر کو دھن
غریب اشلم جنگلوں میں رہا　　نہ جھانکا ادھر کوہ سے اژدہا
گیا سینکڑوں کوس شور شکار　　رہے ٹھور حیوان یکجا ہزار
چلا باز چھاتی کو کھولے جہاں　　پرندہ رہا وہم کا بے گماں
زمیں گرد جرہ ہے کیا تیز بال　　رکھا جن نے اٹھتے ہی مرغ خیال
فلک میر شاہیں کی پرواز دیکھ　　لگے جوں نگہ جا کے انداز دیکھ
نہ جھاڑا گیا نسر طائر سے سر　　گھٹا کرگس چرخ چھوٹا نہ پر
رواں جس گھڑی ہوتی فوج گراں　　بھیروبنہ ہر طرف سے عیاں
زمیں پر قدم کوئی کیوں کر دھرے　　بیاباں فراخی سے تنگی کرے
کوئی شعبہ آیا اگر درمیاں　　ہوا اور لشکر سے محشر عیاں
بلندی و پستی تھی اتنی کڈھب　　گہ گاہے زمیں گہ فلک پر تھے سب
کوئی نالا کھولا اگر آگیا　　تو اپنا کیا پھر کوئی پاگیا
گرے یاں رہے یاں یہی چال تھی　　جہاں در جہاں خلق پامال تھی
ہوا دن تو یوں کھینچتے رنج شام　　گئی رات چوروں کے ڈر میں تمام
کہے ہے کوئی کون آتا ہے یہ　　پکارے کوئی کون جاتا ہے یہ
لگے آنکھ کپڑوں کے تئیں زور ہو　　پھر آرام سے رات کو سو رہو
ہوا خیمہ گہ دامن کوہ سب　　رہا آکے نواب واں تین شب
قریب ایک ٹیاپہاڑی تھی واں　　لگا اس سے کم کم تھا آب رواں
پہاڑی کہ تودہ کہوں خاک کا　　کہ انبار تھا خار و خاشاک کا
محاذی تھا اس کوہ کے ایک دشت　　کہ دشوار تھا اس میں آدم کا گشت
ہوا بد بہت ادر پانی لگے　　قدم راہ چلتے ہوئے ڈگمگے

چلے باؤ تو ایک موحش ہے شور   رکھے پاؤں دامن کو کھینچے بہ زور
فقط خاربن کیا کپڑپھاڑ تھا   کہ بوٹا بھی واں جھاڑجھنکاڑ تھا
چلو ہی چلو ہے یہ چلتے نہیں   کہ اشجار آگے سے ٹلتے نہیں
نہ ٹوٹیں نہ سرکیں نہ کاٹے کٹیں   مگر پچھلے پاؤں ہی رہ رہ ہٹیں
کہیں ہاتھی آیا ہے بھڑکا ہے اونٹ   کھڑے لوگ پیتے ہیں لوہو کے گھونٹ
کہیں ہیں گے انفار سرگرم جنگ   کرے ٹٹو پرتل کا عرصہ ہے تنگ
قیامت نمودار ہر ہر قدم   چلے کوئی کیا رکھ کے سر بر قدم
کہیں بچ کے نکلے کہیں جھک چلے   کہیں مضطرب تھے کہیں رک چلے
اسی طور منزل کو کر قطع راہ   پہنچتے رہے ہم بحال تباہ
شجر جمع تھے کچھ نہ کوہ بھی   فرود آیا اس جا یہ انبوہ بھی
زمیں اونچی نیچی خشونت بہت   اسی سے تھی واں کم سکونت بہت
ولیکن وہی خاک زشت و پلشت   ہوئی بود آدم سے رشک بہشت
ہوئی بیلچوں سے برابر زمیں   چمن سے بھی شاداب وہ سرزمیں
وہ پانی جو چلتا نہ تھا ڈھنگ سے   کہ تھا رہ گرا سرزناں سنگ سے
صفا اور خوبی میں کچھ بڑھ گیا   کئی ہاتھ مقدار سے چڑھ گیا

غزل اس زمیں پر بھی کہنی ہے میر
دل اپنا ہے لطف سخن کا اسیر

غزل

وہ کماں ابرو اگر در پے ہوا ہے میر کے   ترکش ان پلکوں کا ہے بالائے ترکش تیر کے
یوں تو کہتا ہے گلے کا تو مرے تعویذ ہے   پر نہیں آثار ظاہر یار کی تسخیر کے
میں بھی زنجیری رہا ہوں دیر گلشن کے قریب   پہنچے ہوں گے دور تک نالے مری زنجیر کے
خون ہی دست حنائی سے کیا کرتے ہو تم   لو کبھو ٹک ہاتھ میں دل کو کسو دل گیر کے
بندہ و صاحب میں نسبت ہے دلے نازک بہت   معترف رہتے ہیں عاشق اپنی ہی تقصیر کے
اور بھی وہ رشک خور کچھ اب خنک ملنے لگا   معتقد ہم کیا ہوں آہ صبح کی تاثیر کے

روئے دلکش وہ خدا جانے کہ کس سے کھنچ گیا
میر ہم عاشق رہے ہیں ایسی ہی تصویر کے

پہاڑی سے لشکر چلا سوے کوہ   چلے بس تو کریے سیہ روے کوہ

پڑی وادی سوختہ بیچ میں — کہیں آب میں تھے کہیں کیچ میں
نیستان سے ہے خرابہ کڈھنگ — پلیلے سے عرصہ نہایت ہے تنگ
شجر جنگل ایسے تھے انبوہ سے — کہ ان میں سے جانا ہو اندوہ سے
کہیں بید کے برگ خنجرگزار — کہیں پا نہ رکھنے دیں سرتیز خار
تنک دو درختوں کے اودھر ہوئے — نیستان پھرتے ہی پھرتے موئے
اگر بید آئے تو بن بیدباف — نہ آئے نظر دور تک راہ صاف
اگر بانس تھے واں تو تھے دشت دشت — کہ دشوار تھا دو قدم کا بھی گشت
ہمیں چار نالے اترنے پڑے — کنارے پہ دو دو گھڑی تھے کھڑے
رہا ہر قدم گرنے ہی کا خطر — چلے دو قدم راہ پائی اگر
بہت لوگ دشت قلم کو گئے — بہت اسپ و اشتر عدم کو گئے
لگی ہاتھ فیلان دشتی کی راہ — دلے ڈر نہ ہو فیل کوئی سیاہ
نہ ہاتھی ملا کوئی بارے نہ شیر — ہوئی خیر گو طے ہوئی راہ دیر
شجر سرکشیدہ بہت کیا کہوں — جو دیکھوں تو پگڑی سنبھالے رہوں
چنار ان درختوں کے تھے پائمال — سفیدار رکھتے تھے حکم نہال
اگر کوئی دریاچہ آتا ہے بیچ — تو لوگوں کے روندوں سے ہوتا ہے کیچ
تل کوہ رفعت نمودار ہو — گیا آمد وشد میں ہموار ہو
کوئی گل زمیں ایسی آئی نظر — کہ عالم نے اودھر لگائی نظر
کہیں سبزۂ تر سے جی جا لگے — کہیں سرسوں پھولے دلوں کو ٹھگے
نہ تھا پر گل زرد دامان کوہ — یہی رنگ تھا تا گریبان کوہ
فضا دلکشا آب یکسر صفا — شجر خوش نما زرم نرمک ہوا
چکارے بہت مارے کہسار میں — دو رستہ بکا گوشت بازار میں
یہ انبوہ اشجار تا شش کردہ — پھر آگے بیاباں وہ ہے اور کوہ
کناروں میں اس کے کہیں کوئی کھیت — دگرنہ یہی سنگ بے رتبہ ریت
نہ سبزہ کہیں تھا نہ آب رواں — نہ دامن میں اس کے چکارا دواں
دکھائی نہ دیتا تھا خوش قد نہال — سیاہی پکڑتے تھے چشم غزال
وہی جنگلہ دوطرف بدنمود — مقام اس طرح کے بھی ہیں یادبود
نہ پھولی تھی سرسوں نہ کچھ تھی بہار — نہ ظاہر میں اس کے کہیں لالہ زار

نہ چشمک زناں دور نزدیک پھول　　نہ نرمی سے آتی تھی باد قبول
چلے باد ایسے کہ جھکڑ رہے　　ہوا اور پانی میں پھکڑ رہے
ادھر باد کا شور ادھر آب کا　　شب و روز مذکور کیا خواب کا
ادھر کے تئیں ایک تھا آبشار　　وہ البتہ شایان سیر و شکار
وہیں ایک دم تھا دلوں کا لگاؤ　　اڑانے نہ دے جو حواسوں کو باؤ
سو اپنے تئیں تو نہ تھا کچھ دماغ　　کہ حال اپنا جیسا تھا بجھتا چراغ
بہت شعبۂ کوہ مشہور تھا　　زبانوں پہ لوگوں کے مذکور تھا
قدم رکھ جو نواب وھاں تک گیا　　سر اس شعبہ کا آسماں تک گیا
کڈھب وہ جگہ سیرگہ ہوگئی　　حضور اس کے فردوس تہ ہوگئی
ہوا خیمہ استادہ ایسی جگہ　　کہ آنے لگی دیر واں سے نگہ
رواں دوطرف اس کے یک آب کم　　کہ دل کا لیے جائے سب زنگ غم
جہاں تک نظر کیجے مدنظر　　ہوا موج زن کوہ کے تا کمر.
نظر والوں کے جی بھی ڈھلنے لگے　　گرفتہ دل اس جاے کھلنے لگے
وہ پانی چلا واں سے دریا ہوا　　رواں گرم تر سوے صحرا ہوا
بہا دامن کوہ میں سنگ پر　　کیا سنگ ریزوں کو بھی رنگ پر
کہ لوگ ان کو ہاتھوں میں رکھنے لگے　　جواہر کے رنگوں پرکھنے لگے
کراڑوں کا کیا عظم کیجے بیاں　　برابر کھڑے تھے دو کوہ گراں
انھیں میں سے تھی راہ اس آب کی　　وہیں بھیڑ رہتی تھی احباب کی
ہوئے دامن کوہ میں کچھ مقام　　سفر کی بھی مدت ہو شاید تمام
کوئی روز گھاٹی کی بھی سیر ہے　　سبھوں کی ہے معلوم پھر خیر ہے
جو اس میں کسو شیر کا دیں نشاں　　نظر آئے یا کوئی پیل دماں
تو اور ایک دو دن کی ہوتی ہے دیر　　وہ ہاتھی بندھے کھیچگا یا وہ شیر
شکار ایسا دیکھا ہے اس بار کا　　کہ جھاڑا ہوا دشت و کہسار کا
کوئی دیکھے کب تک پہاڑ اور جھاڑ　　ٹلے چھاتی پر سے کہیں یہ پہاڑ
غرض ہے وزیر جہاں ارجمند　　رئیس کلاں کار عالم پسند
در اس کا ہے باب سجود سراں　　رہیں حکم کش اس کے زور آوراں
سدا وہ رہے یوں ہی دشمن شکار　　جہاں میں سخن ہے مرا یادگار

بہانے نہ کر میرؔ اب شاخ شاخ
غزل کہہ زمیں گو کہ ہے سنگلاخ

غزل

نہیں خوں بستگی سے چشم تر بند
جراحت نے کیے ہیں چشم پر بند

گیا ہے وہ سو دل کھلتا نہیں ہے
پڑا ہے ایک مدت سے یہ گھر بند

کریں ہیں شوق گل خوں دل میں ناچار
اسیران شکستہ بال و پربند

گئے دن تنگی کے باندھنے کے
اب آنکھیں رہتی ہیں دو دو پہر بند

بہت ہے یار کا کم بولنا بھی
نہیں چنداں ہم ان باتوں کے در بند

سبھوں سے آرسی کے مثل وا ہو
کسو کے منھ پہ دروازہ نہ کر بند

ہمارے ہاتھ خنجر سے کرو قطع
نہ کھلوایا کبھو اس کا کربند

رکے ہے یار آنکھیں ہی دکھا کر
ہم اس کے ان دنوں میں ہیں نظربند

نہ خط آتا ہے اودھر سے نہ قاصد
لکھوں کیا مدتوں سے ہے خبر بند

غزل کا قافیہ تغییر کر میرؔ
ہنر کچھ اس زمیں میں میرؔ کر بند

غزل

جگرخوں کن ہیں خوبان حنابند
دل ان کے دست رنگیں کا ہے پابند

گرہ بند قبا میں دے ہمیں دیکھ
ہوا کیا آہ باغ دلکشا بند

رکھ آہ سرد ہی سے گرم جوشی
رکے ہے دل جو ہوتی ہے ہوا بند

ہمیں سے کیا وہ جادوگر نہ بولے
کسو دشمن نے اس کا منھ کیا بند

نہیں تھمتا ہے اب پلکوں سے رونا
بہت خاشاک سے دریا رہا بند

ہمیں منظور ہر صورت میں ہے دید
کھلی ہو چشم جوں آئینہ یا بند

نہیں کام آتی اتنی تیزگامی
سمند عمر ہوتا کاش جا بند

زبردستوں کی کشتی ہوگئی پاک
نکالا عشق زورآور نے کیا بند

یہی انداز باندھے ہیں یہی ناز
قیامت میرؔ صاحب ہیں ادابند

○

شکار نامۂ دوم

مکرر ہے نواب کو قصد صید — بیابان پہناور اب ہوں گے قید
رواں بحر لشکر ہوا موج موج — گئی چشم خورشید تک گرد فوج
بحار و صحاری پہ ہے عرصہ تنگ — مگر یاں سراسیمہ ہیں واں پلنگ
پہن بیٹھے ہیں شیر ببری لباس — کریں لوگ شاید فقیری کا پاس
چکارے ہرن دونوں اندیشہ مند — دلوں میں ہراس کمان و کمند
کہیں گرگ وادی کو فکر گریز — نظر ایدھر اودھر کرے شیر تیز
بنوں میں ہے آشوب کوہوں میں ڈر — بیاباں وطن سارے گرم سفر
کہیں امن ہو تو کہوں واں گئے — نکل آکھردں سے پریشاں گئے
اسد کی نہ شیرانہ ہنکار ہے — نہ گفتار کو تاب. رفتار ہے
جہاں کے تہاں فکر میں ہیں کھڑے — کہ دنگل سے جنگل میں کیا بن پڑے
ہوا دود باروت سے تیرہ رنگ — صدائے تفنگ و صدائے تفنگ
وحوش و ستوراں کو وحشت غضب — ہوا ہیں کھڑکتے ہی پتے کے سب
ہزاروں ہی بندوق ہر دم چلے — ہوا ہی میں پنچھی پکھیرو جلے
گئے بادخور آسماں میں پلٹ — کلنگوں کی صف باز نے دی الٹ
اڑے ہاتھ دو چار جرے کہاں — رہے مرغ آبی جہاں کے تہاں
پر تیر جس دم کشادہ ہوئے — بڑے صید حد سے زیادہ ہوئے
بنوں میں مچی دھوم ی آکے دھوم — جہاں دیکھیے ہے قیامت ہجوم
کہیں ارنے مارے غضنفر کہیں — کہیں ہاتھی نکلا ہے اژدر کہیں
پڑے مست ہاتھی جو تھے من چلے — سن اس شور کو چھوڑ کر بن چلے
نہ تیرہ ہے روز گوزنان و گور — کہ شیروں کو بھی قشعریرہ ہے زور
لب آب جاکر جو کھیلے شکار — اسد واں کے تھے کودک نے سوار
ہوئے قرقرے صید ہو ہو کے ڈھیر — ہوا میں سے بھاگا عقاب دلیر
زغن ان بنوں میں نہ پائی گئی — نہ تغدار کی لاش اٹھائی گئی

ہوا ہے یہی تو یہ ہونی نہیں   کہ ہو خاد آکر سیہ یاں کہیں
جگر کیا کہ پرزن ہو اس بن میں زاغ   یہ زہرہ نہیں رکھتے کوہی کلاغ
شترمرغ سیمرغ ازبس ہراس   نہیں آتے کوہ شمالی کے پاس

غزل کہہ کہ ہے میرؔ لطف ہوا
بیاباں خوش آئندہ و خوش فضا

غزل

سبزہ ہے آبجو ہے فصل بہار بھی ہے   سرگرم جلوہ دیکھو پہلو میں یار بھی ہے
یہ تو نہیں کہ ہم پر ہر دم ہے بے دماغی   آنکھیں دکھاتے ہیں تو چتون میں پیار بھی ہے
گل ہم کنار ہوگا ہنس کر کبھو چمن میں   پر کم بغل ہے بلبل اس کو قرار بھی ہے
ہوں وعدہ گاہ میں تو پر میں ہی جانتا ہوں   کچھ اضطراب بھی ہے کچھ انتظار بھی ہے
جوں موج ہم بغل ہوں نایاب اس گہر سے   دریا کی سیر بھی ہے بوس و کنار بھی ہے
ہم جبریوں سے کیا ہو بے دست و پا و عاجز   کہنے کو کہتے ہیں تو کچھ اختیار بھی ہے
کون اس بھبھوکے سا ہے دیکھو نہ تک بھی تو وہ   شمع و چراغ و شعلہ برق و شرار بھی ہے
جانا مسلم آیا اس خاکداں سے گو پھر   مشکل گذر ہے رستہ گرد و غبار بھی ہے

دل تنگ میرؔ کیوں ہے ہمرہ وزیر کے تو
دریا فضا ہوا ہے سیر و شکار بھی ہے

اٹھا فوج میں سے یہ گرد و غبار   کہ منھ پر تھا خورشید آئینہ وار
فلک کہرے سے تھا دھواں سا نمود   یہاں شب کا رکھتا تھا ملک شہود
زمیں تھی سو تھی فرش بالائے آب   تحلحل سے مطلق نہ رکھتی تھی تاب
نہ پوچھو کہ لوگوں کا کیا حال تھا   جو رکھے قدم واں تو بھونچال تھا
روندے لگے. چلنے تیزی سے چال   ہوا مذہب شیعیاں اعتزال
کسی ڈھب سے جوں توں کے چلنا ہوا   عجب مہلکے سے نکلنا ہوا
اتر لوگ دریا سے آگے گئے   ہزبران خونخوار بھاگے گئے
پلنگان مردم در ایسے ڈرے   کہ جاتے ہیں کوہوں کے چھوڑے درے
بیاباں میں ۔مرنا کہاں سر دھریں   نہ لیں راہ بر عرب کیا کریں

غزل میرؔ یاں کہہ اگر ہو دماغ
رکے دل ہمارے بھی ہوں باغ باغ

غزل

تھی باد بھی آنے کی چمن میں نہ روادار — پر کیجیے کیا گل کی صبا بھی ہے ہوادار
شائستۂ دیدن ہے مرے یار کی صحبت — وہ صاحب ناخواہ ہے بندہ ہے وفادار
کیا خوب ہو کیا زشت ہو وہ دیوے ہے سب کو — اس عرصہ میں آئینہ کو دیکھا ہے ہوادار
کس طور سے یک رنگ ہوں یہ عاشق و معشوق — ہے گل کنے زر بلبل بے برگ ہے نادار

کیا بیکسی سے میرؔ نے رحلت کی جہاں سے
رویا نہ کوئی اس پہ نہ کوئی ہے عزادار

بنوں میں پھرا کرتے ہیں ہم تو دیر — نہیں بولتے ڈر سے غرندہ شیر
رہے تھے جو فیلان مست آن کر — گئے کجلی بن یاں سے ڈر مان کر
جو ان میں سے آکر لڑا پھر دیا — سو کٹھ بندھنوں سے ہوا فیل پا
گریوے کہیں تھے بلند اور پست — پھر اڑتے تھے واں جیسے پیلان مست
بہی تیغ نواب اس طور سے — بہے جدول تیز جس طور سے
بہت رہ گئے زیر شمشیر و تیر — بہت آئے لشکر میں ہو کر اسیر
لدے ہاتھیوں پر جو ہوکر شکار — ہوئیں بوجھ سے پشت فیلاں فگار
کیے گم جو گینڈے نے اپنے حواس — کھڑا ہو رہا آکے بھینسوں کے پاس
کہ بھینس اس کو بھی جان کر لشکری — چلے جائیں صرصر نمط سرسری
نہ چھوڑا ہے طیر ایک عصفور تک — نہ وحشی کپی اور لنگور تک
لگے جاکے شاہین دستور یوں — پڑے بکریوں میں کہن گرگ جیوں
کلنگ ایسے بازوں سے آئے ستوہ — کہ کابل سے آگے گئے صد کروہ
نہیں قوچ سرزن نہ ایل نہ رنگ — ہوئے قید یا صید کیا بے درنگ
غضب کرگئے جرے نواب کے — اڑا کھا گئے خیل سرخاب کے
نہ لگ لگ نہ تیتر رہا دشت میں — نہ غم خوارک آیا نظر گشت میں
سکھوں میں جو تھے قاز و سارس سرس — ہوئے صید یوں جن پہ آیا ترس
حواصل کو ہوتا اگر حوصلہ — تو گرتا نہ کھیتوں میں ہو دہ دلہ
کہیں سارے طاؤس مرتے گئے — ادھر لوگ افسوس کرتے گئے
کہیں جی اٹھی تھی زمیں بعد مرگ — نہال اس کے خوش قد بسیار برگ
نہ بستی سے صحرا تلک سبز تھے — نظر جائے جس جا تلک سبز تھے

ہوا دلکش و ہر طرف سبزہ زار　　کہ سرسوں نے کی تھی قیامت بہار
کھڑے لوگ محو تماشا تھے واں　　کہ کہنے لگی بلبل خوش زباں
کہ خاطر جنوں سے نہ رکھتے نچنت　　خبر بھی ہے تم کو کہ آئی بسنت
یہ عہد جنوں ہے جنوں کیجیے
جگر کو غزل کہتے خوں کیجیے

غزل

بلبل کے بولنے سے آزار دل نے پایا　　کیا کہہ گئی کہ ہم کو سنتے ہی غش سا آیا
نخچیرگہ میں اس کے جاتا نہیں ہے کوئی　　ہم کو تو شوق مفرط واں کا لگا کے لایا
انواع رنج ہم نے کھینچے تھے عاشقی میں　　پر ہجر کے الم نے چنگا بہت ستایا
صوفی صاف مشرب بے ہوش و بے خرد ہیں　　مستی نے اس نگہ کی مجلس کے تیں چھکایا
مہر و وفا و الفت کرتے تھے لوگ باہم　　رحمت خدا کی تم نے اس رسم کو اٹھایا
سر مارے تو پری کو ایسی روش نہ آئے　　کس ناز سے زمیں پر پڑتا ہے اس کا سایا
یہ جانتا تو ہرگز بازار میں نہ جاتا　　یوسف کے طور میں بھی سستا بہت بکایا
غیرت سے عاشقی کے جاتا نہیں ہوں میں تو　　وہ خود بہ خود ہی آوے کاش اس طرف خدایا
معشوق تو ہے پر وہ اوباش کج روش ہے
کیا کہیے میر جی سے دل کو کہاں لگایا

کسو ایسے جنگل میں جانا ہوا　　کہ مشکل قدم کا اٹھانا ہوا
نظر گرد لشکر پہ تھی دم بہ دم　　نہ تھا واں کے ضیغم کو کچھ اور غم
کوئی ارسلاں بھیجتا گر رسول　　تو شاید کہ الحاح ہوتی قبول
سو وے خوں گرفتہ تو بھولے ہوئے　　بہت اپنے زوروں پہ پھولے ہوئے
چلے ہر طرف اب جو آکر تفنگ　　نہ اوقات صلح و نہ ہنگام جنگ
لگی آگ جنگل میں چارہ گیا　　بن آئی نہ کچھ مفت مارا گیا
ہوا چہرہ کوئی تو جوں شیر سنگ　　نہ شیری دلیری نہ چہرے پہ رنگ
لگی گولی پڑنے نہ پھر چل سکا　　نہ جاگہ سے اکسا نہ ٹک ہل سکا
چلے ہم جو بہراچ سے پیشتر　　ہوئے صید دریا کے واں بیشتر
بھرے فرط ہی سے تو دیہات شہر　　کہے تو کہ سوتے رہے رود و نہر
گھٹے گولیوں سے مگر بے شمار　　رہے سونس گھڑیال چندیں ہزار

جو کچھ زخم پانی میں لے کر گئے — وہیں ہو کے ناسور مر مر گئے
لگا کہنے باخہ سر اپنا جھکا — کہ پانی تو جالوں سے سارا رکا
اگر جائیے تہ کو دھنس جائیے — دگر گاڑیے سر تو پھنس جائیے
عجب مخمصہ ہے بچے کیونکے جان — یہی موت ہے سوجھتی ہے ندان
جواب اس کا گھڑیال نے یوں دیا — گھڑی ایک دو کا ہے قصہ رہا
پڑی سر پہ بجتی ہے فرصت نہیں — پہر اس کو کھنچتے ہیں اب کیا کہیں
تحمل ہو کچھ بھی تو تدبیر ہو — کریں کیا اگر یوں ہی تقدیر ہو
کوئی دشت یک دست نےزار تھا — رکھے واں قدم پاؤں انگار تھا
یہی سینک یا کانس پانی کی گھاس — زمین و ہوا آب و آتش اداس
کہیں دوں لگی ہے تمامی ہے دود — کہیں دو شجر ہیں سو کیا بدنمود
نہ پتے نہ شاخیں نہ کچھ ان کو بار — سراپا ہے خشک و زبوں زرد و زار
نہ سائے سے ان کے کوئی بہرہ مند — نہ دیکھا چرندہ نہ آیا پرند
سیاہی نہ ہرنوں کی ڈاروں نے کی — نہ چشمک کہیں سے چکاروں نے کی
کہیں لپٹے آپس میں دو چار نے — کہیں ہاتھی آیا کہیں شیر نے
کہیں سرپٹا سر پہ تھا جیسے تیغ — روندوں کے پاؤں پہ آیا دریغ
نہ بلبل غزل خواں نہ طیروں کا شور — سبھی دیکھتے میر کے منہ کی اور

سو ان نے غزل ست سی یہ کہی
ولے دل کو لوگوں کے لگتی رہی

غزل

ذوق شکار اس کو ہے اتنا کہ حد نہیں — کس اس کے تیغ کش پہ ملک کو حسد نہیں
خالی پڑے ہیں صید سے وادی و کوہسار — رہنے دو وحش و طیر کو اب دام و دد نہیں
بے جد و کد جو اس سے ملاقات ہو تو ہو — تم کد سے دیکھو ہو کہ ہمیں اس کی کد نہیں
کچھ اور شے ہے خوب جو دیکھو رخ نگار — ہر چند گل بھی تازہ کھلا اتنا بد نہیں
اس بیکسی سے کون جہاں میں موا کہ میں — جز داغ سینہ آج چراغ لحد نہیں
کیا سرو و گل سے ہووے تسلی کہ اہل شوق — گل منہ نہیں ہے یار کا سرو اس کا قد نہیں
بے سوز دل کہوں نے کہا ریختہ تو کیا — گفتار خام پیش عزیزاں سند نہیں
سو بار مست کعبے میں پکڑے گئے ہیں ہم — رسوائی کے طریق کے کچھ نابلد نہیں

لطف سخن بھی پیری میں رہتا نہیں ہے میرؔ
اب شعر ہم پڑھیں ہیں تو وہ شد و مد نہیں

کسو ایسے بن سے نکلنا ہوا — کہ کوسوں تلک اس میں چلنا ہوا
کشیدہ قد اس بن کے سارے درخت — چمن کے سے نوبادگاں سبز بخت
برابر برابر کھڑے سر بہ سر — پھرے دیر اودھر کو جاکر نظر
پرے چل کے آیا تراکم بہت — حواس اس میں جاکر ہوئے گم بہت
کہیں راہ نکلی تو چلتے پڑے — رہے پال و پرتل بہت واں کھڑے
کہ شاخوں نے جھک جھک ملائے تھے سر — بہت آگے جا جا کے آئے تھے پھر
وہی راہ درپیش و کثرت ہوئی — قیامت کے اوپر قیامت ہوئی
سروں پر ادھر توپ آئی چلی — پڑی تھی ادھر لوگوں میں کھلبلی
کہیں اسپ و اشتر کہیں فیل مست — زمیں ہر سر گام بالا و پست
گذر جس طرح اس طرح سے کیا — رونددوں نے خون جگر ہی پیا
وہیں بیچ آیا میانہ مرا — کوئی دیکھتا رنج اٹھانا مرا
سواری سے مجھ کو ندامت ہوئی — کہ چاروں طرف سے ملامت ہوئی
لگے کہنے آیا فرنگی کہاں — کہ چوپالے کی رسم چھوڑے ہے یاں
جسے دیکھو چار ان نے رکھ کر کہار — لگا ہونے ہر صبح اس پر سوار
چلو ہی چلو ہے کہ بچ جائیو — کہ چوپالے کے پاس تم آئیو
روندے ادھر کے ادھر ہیں خراب — یہ جاتے ہیں مجرے کو بھاگے شتاب
چڑھے چار کے کاندھے جیتے ہی جی — لیا الکل اس سودے میں نفع بھی
کہ گھوڑے دیے چھوڑ یک بارگی — سیانوں میں کرتے ہیں آوارگی
نہ اس حال سے اہل دفتر خبر — توجہ نہ عمدوں کی کچھ ہے ادھر
دگرنہ ہو قدغن کہ اب اہل کار — نہ رہنے دیں لشکر میں ڈولی سوار
نہ مانیں تو چوپالے دیویں الٹ — ابھی گھوڑے لیں ڈپٹیں ایک ہی ڈپٹ

کرو میرؔ بحر اور اب اختیار
مگر اس سے نکلیں در آبدار

غزل

جو جو ظلم کیے ہیں تم نے سو سو ہم نے اٹھائے ہیں
داغ جگر پہ جلائے ہیں چھاتی پہ جراحت کھائے ہیں

تیغ دریغ نہیں ہے اس کی بسمل گہ میں کسو سے بھی
ہیں تو شکار لاغر ہم پر ایک امید پر آئے ہیں

ٹل کر سامنے یوں بھی اب جو تیر ترازو ہو اس کا
کیا کیا لوہو پی کر دل کو اس پلے پر لائے ہیں

خم سے لگی میخانہ کے دیوار بھی اپنے گھر کی ہے
لطف پیر مغاں سے عجب کیا ہم آخر ہمسائے ہیں

شوق غم میں بے صبری ہے آہ کسو کو کیا کہیے
اچھے اپنے جی کو ہم نے آپ ہی روگ لگائے ہیں

محو سخن ہم فکر سخن میں رفتہ ہی بیٹھے رہتے ہیں
آپ کو جب کھویا ہے ہم نے تب یہ گوہر پائے ہیں

دیکھیں طرف ہے کون سی جس سے تیغ ناز بلند کرے
ہم نے بھی تو اس ہی جہت سے فرق نیاز جھکائے ہیں

تب تھے سپاہی اب ہیں جوگی آہ جوانی یوں کاٹی
ایسی تھوڑی رات میں ہم نے کیا کیا سوانگ بنائے ہیں

کس کو ایسی بے خبری تھی جس کے بولے تو چونکا
سو ٹھوکر نے ان پلکوں کی کتنے فتنے جگائے ہیں

کون وہ ایسا ظالم تھا استاد فن عیاری کا
اتنے سن میں جن نے تجھ کو ایسے فریب سکھائے ہیں

میر مقدس آدمی ہیں تھے سبحہ بہ کف میخانے میں
صبح جو ہم بھی جا نکلے تو دیکھ کے کیا شرمائے ہیں

کیا ایک نالے سے ہم نے گذر
ہوئی قائم اس جا پہ حشر دگر

گرے گاڑی چھکڑے پیادے سوار
کہ مقصد تھا سب کا عبور ایک بار

گذارا جو فیلوں کا پہلا ہوا
ملا خاک میں آب چہلا ہوا

کمر تک لگے پھنسنے دلدل کے بیچ
کہ نالے کا پانی تھا یک دست کیچ

پھنسے گاؤ اشتر گرے بارخر
ہوئے اسپ و اشتر بھی زیر و زبر

اگرچند باندھے تھے وہ جسر خام
ہوئے ایک ریلے میں دونوں تمام

نہ دیکھے تھے آگے کبھو یہ سمیں
ولیکن خدا نے اتارا ہمیں

سلامت رہا اپنا اسباب سب
رہے لوگ لشکر کے کرتے عجب

چلے واں سے آگے بنڈیلا ملا
کیا ان نے ایک ایک کو دہ دلہ

عجب راہ پرخوف مشکل گزار
نہ ہوتے تھے معلوم ہاتھی سوار

خطر شیر کا شور ہنگاہ کا
تعب واں کے جانے کا غم راہ کا

کہ جا و زمیں کچھ ہویدا نہ تھی
کہیں اس میں پگڈنڈی پیدا نہ تھی

گڑھے غار پاؤں کی لغزش بلا
چلی باؤ تو نے کی لرزش بلا

صدا برگ نے کی نہایت مہیب
طریق عجیب و مسافر غریب

جنوں پیشہ وہ دشت وحشت شعار　　کہ لیل اس کے طفلان بازی مدار
کہیں پانی آیا سو حالت خراب　　کہ تھا زیر کاہ اس میں ہر جاے آب
نہ ہاتھی نہ اسباب اپنے کنے　　یہی اک میانہ بنے سو بنے
چنانچہ گئے راوتی کے کنار　　نہ ربط آشنائی کسو سے نہ پیار
کھڑے ہم رہے ہاتھ پر رکھ کے ہاتھ　　کریں پار جانے کی کس منھ سے بات
کہار اک میانے میں اپنے دیے　　پھر اس کے جو تھے چاروں ہم نے لیے
چڑھ ان کے سر آں روے دریا ہوئے　　ہوئے پانی پانی کہ رسوا ہوئے
نہ جانا کہ آتا ہے کس کا قدم　　کہ صید بیاباں گئے کرکے رم
گوزن ایک دو مار لائے کبھو　　اڑے باز جرے کہیں ایک سو

نہ صید ایک دیکھا بھرے لاکھ رنگ
غزل میرؔ نے بھی کہی اور ڈھنگ

غزل

اک درج موتیوں کے عوض ہاتھ آگیا　　یوسف ہزار حیف کہ ستا بکا گیا
جانا نہ تھا سرہانے سے مجھ مختصر کے ہائے　　کیا وقت رہ گیا تھا کہ وہ منھ چھپا گیا
آشفتہ سر ہیں سرو و گریباں دریدہ گل　　بیٹھا کہاں چمن میں کہ فتنہ اٹھا گیا
گل برگ سے بھرے تھے کبھو تو کنار و جیب　　کیا کیا سمیں نہ گریۂ خونیں دکھا گیا
خط بھیج کے بھی شوق کی باتیں چلی گئیں　　قاصد کے پیچھے دور تلک میں لگا گیا
روتا ہوں یوں کہ برسے ہے شدت سے جیسے مینھ　　جوں ابر میرے دل پہ غم عشق چھا گیا
جو نقش روزگار کے صفحے سے محو ہو　　صورت پذیر پھر نہیں ہوتا مٹا گیا
ہستی مری کہ ہیچ تھی میں منفعل رہا　　اس شرم سے ندان زمیں میں سما گیا

داغ دل خراب شبوں کو جلے ہے میرؔ
عشق اس خرابے میں بھی چراغ اک جلا گیا

چلے صبح گہ دامن کوہ کو　　تماشا کناں فوج و انبوہ کو
درختوں میں چلنا تو دشوار تھا　　دلے راستہ بھی قدم دار تھا
گزارا ہوا یوں ہی اک آدھ کوس　　پٹیلے پہ ہنگامہ آرا تھی اوس
نیستاں میں چھپتا تھا گھوڑے سوار　　اگر ہو تو واں شیر کا ہو شکار
نہ رہتے تھے سو شیر شرزہ بھی واں　　نہ ہاتھی کے پاؤں کا پایا نشاں

عجب کشمکش درمیاں آگئی — بھیر اک بلا تھی جہاں آگئی
نہ ہلنے کی جاگہ نہ چلنے کو راہ — سروں پر کھڑے اسپ و فیل سپاہ
خطر فیل دشتی کا ہر ہر قدم — گئے شیر کے ہر قدم پر قدم
کنار آب کے لوگ اترے تمام — ہوئے دامن کوہ میں کچھ مقام
سر کوہ کیونکر نہ ہو چرخ سائے — کہ نواب واں سیر کرنے کو جائے
رہے آب پر فرش چوکی و تخت — خبے رود کوہ و زہے ان کے بخت
ہمارا تو جانے کو چاہا نہ جی — کہ تھے پیر ہم واں ہوا خوب تھی
رہی منعقد بزم تھا ناچ راگ — نہ ہو کچھ تو کیونکر ہو یہ دل کی لاگ

کہی اور ہی بحر میں یہ غزل
مگر میرؔ کو ہے دماغی خلل

غزل

کر لطف عارض مت چھپا عاشق سے اے یار اس قدر — یک جان کو یہ عارضے یک دل کو انکار اس قدر
جو کچھ ہے سو دل کے سبب غم غصہ و رنج و تعب — تھے چاہنے سے پیشتر کاہے کو بیمار اس قدر
ہر دم جو اس کے ابرواں جنبش میں ہیں کانپے ہے جاں — یعنی ہیں آنکھیں جھپتیاں چلتی ہے تلوار اس قدر
شب نالہ و زاری رہے دن خستگی خواری رہے — وہ دل نہیں باقی رہا کھینچے جو آزار اس قدر
وے دل زدے ہیں خستہ جاں مر جاتے ہیں جو ناگہاں — ورنہ قضا کس شخص کی پہنچی ہے یک بار اس قدر
طرے سے طراری کرے مستی میں ہشیاری کرے — آیا نظر اب تک نہیں طرار و عیار اس قدر
الفت کہاں کلفت ہے یاں یہ بھی عجب صحبت ہے میاں — بیزار وہ اس مرتبہ جس سے ہمیں پیار اس قدر
تم آگے کب تھے بدگماں سب حجت و یکسر زباں — اب اک سخن پر مہرباں کرتے ہو تکرار اس قدر

آنکھیں کھلی ہیں میرؔ کی جب دیکھو تب آئینہ ساں
آدم نہیں ہوتے کہیں مشتاق دیدار اس قدر

بہا سنگ ریزوں پہ اس رنگ آب — کہ قدر ان کی جوں قدر یاقوت ناب
لیے عمدے ہاتھوں میں دیکھیں بہار — کہ ہر شے کا ہے وقت لیل و نہار
اسی آب کا رابتی یاں ہے نام — ہمیں ساتھ اس کے ہے ربط تمام
کنارے کنارے اسی کے ہے راہ — چلے جاتے ہیں جو نہ ہووے پناہ
جہاں تک ہے آب و خور اب جائیں گے — . سمیں دیکھیں گے جو نظر آئیں گے
جبل سے ہوئے ظاہر آثار آب — برسنے لگا قطرہ قطرہ سحاب

ہمیں پر نہیں کچھ ہوا کا ستم — کہیں گرگ وادی کو بھی ہے یہ غم
کہیں ایسے سکڑے ہیں حیوان دشت — کہ ٹکڑے کرو تو نہ ہوں گرم گشت
نہ نکلے ہے ہاتھی نہ بولے ہے شیر — کوئی یوز پکڑا ہے سو بعد دیر
اسد یک طرف یوز یک سو رہے — عجب یہ ہے باندھے گئے اژدہے
نہ پوچھو کھنچا دور کار شکار — نہ اب دشت و در میں نمر ہے نہ مار
شکارافکناں راہ کرتے تھے طے — طے جاتے تھے خاک میں دشت نے
نہ ببروں کو جنگل میں طاقت رہی — نہ گرگوں کو پانی میں فرصت رہی
اسد مارے جاتے تھے سگ کی مثال — بندھے آتے تھے یوز و گرگ و غزال
ملا ایک چقر اگر یا گڑھا — تو کثرت سے نو نیزہ پانی چڑھا
بہت مشکلوں سے کیا ہے عبور — کہ یک گام راہ اور سو سو فتور

غزل بحر کامل میں تہ دار کہہ
کہ اڑ جائے میر اس بکھیرے کی تہ

غزل

نہ دماغ ہے کہ کسو سے ہم کریں گفتگو غم یار میں — نہ فراغ ہے کہ فقیروں سے ملیں جا کے دلی دیار میں
نہ چمن میں جاتے رہا ہے دل نہ بنوں میں پھرنے لگا ہے دل — وہی بے کلی رہی جان کو رہے سیر میں نہ شکار میں
کہے کون صید رمیدہ سے کہ ادھر بھی پھر کے نظر کرے — کہ نقاب الٹے سوار ہے ترے پیچھے کوئی غبار میں
ترے شام خط کے قریب کی جو صفا میں دیکھی میں خوبیاں — نہ ہمیں پہ گل میں نظر پڑے نہ یہ رنگ صبح بہار میں
کوئی شعلہ ہے کہ شرارہ ہے کہ ہوا ہے یہ کہ ستارہ ہے — یہی دل جو لے کے گڑیں گے ہم تو لگے گی آگ مزار میں
جھلکی کچھ کہ جی میں چبھی سبھی ہلی ٹک کہ دل میں کبھی کبھی — یہ جو لاگ پلکوں میں اس کے ہے نہ چھری میں ہے نہ کٹار میں

مرے ایک دل میں جو غم یہ ہے سو فزوں ہے میرے شمار سے
نہ تو دس میں یہ نہ پچاس میں نہ تو سو میں یہ نہ ہزار میں

بڑے جانور خوار کیا کیا ہوئے — بندھے پائے فیلاں سے رسوا ہوئے
بہت نالے کھولے پکھالے گئے — بجیروں سے روہو نکالے گئے
مگر کی پس از مرگ عزت ہوئی — کہ ہاتھی پہ چڑھنے کی رخصت ہوئی
کشف کا ہوا ہے یہ اوصاف اب — کہ جھینگوں نے کی شرح کشاف اب
نہ تیتر بٹیر اور کبوتر ملا — دیے باز جروں کو سارے کھلا
کہیں بحری پانی میں یوں جا لگے — کہ بنجوں میں بے صید ادھر آ لگے

ہوا میں سے یوں کر اتارے کلنگ — کہ بازوں نے چڑیا سے مارے کلنگ
کسو اور ارنوں کو دیکھا کھڑے — کہے تو بیاباں میں ہاتھی پڑے
جگر کرکے جاتے تھے مردان کار — تو وہ ایک دو کر ہی لاتے شکار
وگرنہ بشر کا نہ مقدور تھا — قریب اس کے جانا بہت دور تھا
نہ ان چارشانوں کا روکش ہے شیر — نہ سو فیل دوچار رکھتے ہیں گھیر
مددگار تھے حضرت زندہ پیل — پکڑ لاتے تھے لوگ تب ژندہ پیل
بحیرہ نہ دریاے اعظم سے کم — اٹھا کرتے تھے لجے لطمے بہم
ہر اک موج اس کی سمندر کی لہر — کنارے پہ گرداب غرقاب قہر
یہی جنگل اس جھیل کے آس پاس — درختوں کا انبوہ نے کا اگاس
اسی بن میں شیر اور یوز و پلنگ — اسی بن میں گور و گوزن اور رنگ
اسی بن میں ہاتھی وہیں کرگدن — وہیں قوچ سرزن اسی میں ہرن
اسی بن میں لنگور بندر بھی تھے — وہیں ایک دو ہم قلندر بھی تھے
اسی بن میں پاڑھا وہیں نیل گاؤ — اسی بن میں یہ صیدبندی کا چاؤ
اسی بن میں تھے حضرت بومید — اسی بن میں نسناس ان کے مرید
اسی بن میں تھے خوک جاموش رنگ — کیا اس سور بن نے لوگوں کو تنگ
اسی بن میں رہنا اسی بن میں راہ — وہیں شام کا حسن لطف پگاہ
اسی بن میں وہ جھیل گہری بہت — ہوئے صید بری و بحری بہت
وہیں مچھلی بکتی تھی دمڑی کی سیر — ولیکن نہ کھاتا تھا ہو کوئی سیر
کہ اس آب کا ہضم دشوار تھا — کہ جوں آب شمشیر دم دار تھا
شغال اور خرگوش جی سے گئے — شکاری سگ ان کو اچک لے گئے

غزل سے لگا ہے بہت میرؔ دل
کہ اس مثنوی میں کہیں متصل

غزل

ہے گی طلب شرط یاں کچھ تو کیا چاہیے — بیٹھے نہیں بنتی میاں کچھ تو کیا چاہیے
عشق میں اے ہمرہاں کچھ تو کیا چاہیے — گریہ و شور و فغاں کچھ تو کیا چاہیے
ہاتھ رکھے ہاتھ پر بیٹھے ہو کیا بےخبر — چلنے کو ہے کارواں کچھ تو کیا چاہیے
میں جو کہا تنگ ہوں مار مروں کیا کروں — وہ بھی لگا کہنے ہاں کچھ تو کیا چاہیے

سون کسے رہنے کی کس نے بدی ہے بھلا　　لطف و غضب مہرباں کچھ تو کیا چاہیے
کام اب اپنا ہے یاں کندن جاں ہر زماں　　کیا کریں ہم ناتواں کچھ تو کیا چاہیے
کیا کروں دل خوں کروں شعر ہی موزوں کروں　　چلتی ہے اب تک زباں کچھ تو کیا چاہیے
ہو نہ سکے گر نماز دل کی طرف کر نیاز　　وقت گیا پھر کہاں کچھ تو کیا چاہیے
چاہوں کسو سے دعا دل کی کروں اب دوا　　نفع ہو پھر یا زیاں کچھ تو کیا چاہیے
عمر گئی لغو سب وقت بہت کم ہے اب　　کچھ نہ کیا ہائے میاں کچھ تو کیا چاہیے
یہ تو نہیں دوستی ہم سے جو تم کو رہی　　پاس دل دوستاں کچھ تو کیا چاہیے
تونے کماں کی ہے زہ پر ہوں نہ یوں صید میں　　میری بھی خاطر نشاں کچھ تو کیا چاہیے

میر نہیں پیر تم کاہلی اللہ رے
نام خدا ہو جواں کچھ تو کیا چاہیے

کنارے پہ تھی اس کے اک گل زمیں　　سراسر ہری جوں زمردنگیں
جہاں تک نظر جائے شاداب تھی　　کہ یک دست واقع لب آب تھی
وہیں خیمے سب کے ہوئے تھے کھڑے　　وہیں دام رہتے تھے اکثر پڑے
نواڑوں کی سیر اس میں ہر شام گہ　　وہی سیرگاہ و وہی دام گہ
وہیں صید ہوں مرغ و ماہی تمام　　مقام ایسے ہوویں تو کریے مقام
ہوا خیمہ آکر جو نواب کا　　فلک سا ہے تھا فرق اس آب کا
ہوا ہوتا واں کاش دو آب رز　　ہوئے جیسے شائستۂ سیر نز
عجب ڈھب سے کی روشنی صد عجب　　کہ دیں چھوڑ ناویں دیے بھر کے سب
جدا ہوویں تو غنچہ غنچہ چراغ　　ملے جیسے عاشق کی چھاتی کے داغ
درے روشنی شعلہ انگیز نار　　پرے سطح پانی کا آئینہ دار
ہوئیں کشتیاں کچھ درے سے پرے　　چراغوں سے موجوں کے کوچے بھرے
حبابوں میں تھی جو چراغوں کی تاب　　حبابی تھا آئینہ سب سطح آب
نمودار چرخ پر انجم تھی شب　　دیوں سے وہ پھیلاؤ پانی کا سب
غرض روشنی کی عجب کچھ تھی لاگ　　لگا دی ہے گویا کہ پانی میں آگ

غزل میر کوئی کہا چاہیے
کسو تو زمیں پر رہا چاہیے

غزل

کب آوے گا کیا جانے وہ سروقامت — ہمارے تو سر پر ابھی ہے قیامت
نماز سفر ہے اشارت اسی سے — کہ تھوڑا بہت یاں ہے وقت اقامت
رہا رابطہ غارت دل تلک بس — نہیں اب تو بندے سے صاحب سلامت
گریباں کو گل چاک کرنے لگیں گے — کھلے رکھ گلستاں میں بند قبا مت
اٹھاکر نہ یک زخم شمشیر اس کا — غزال حرم نے اٹھائی ملامت
بگڑتی ہے صورت علاقے سے دل کے — کسو بے وفا سے دل اپنا لگا مت
کوئی فصل گل میں بھی توبہ کرے ہے — رہے گی ہمیں دیر اس کی ندامت
کہیں دل کی لاگیں لگیں چھپیاں ہیں — کہ چہرے کی زردی بڑی ہے علامت

گئی سو گئی پیشتر تھی جوانی
رہ عشق میں میرؔ آئندہ جا مت

زمانے میں ہے رسم کہنے کی کچھ — امید اس سے ہے نام رہنے کی کچھ
کسو سے ہوئی شاہنامے کی فکر — کہ محمود کا لوگ کرتے ہیں ذکر
نہ شاجہاں نامہ کہہ کر کلیم — دل شاعراں رشک سے ہے دونیم
کنھوں نے کہی عشق کی داستاں — ہوا کوئی کہانی سے ہم داستاں
پئے آصف الدولہ میں نے بھی میرؔ — کہے صیدنامے بہت بے نظیر
مگر نام نامی یہ مشہور ہو — گئے پر بھی لوگوں میں مذکور ہو
زہے آصف الدولۂ دادگر — سخنور نواز اور عاشق ہنر
دہش سے جہاں اس کے رونق پذیر — وزیر ابن دستور ابن وزیر
کریمی کرے تو جہاں در جہاں — کف جود خورشید سا زرفشاں
سراپاے احساں تمامی ہم — ہمہ تن مروت سراسر کرم
ہمیشہ رہے گرم میروشکار — یہ حرف و حکایت بھی ہے یادگار
قفاے غزل اک رباعی کہو — سخن آگے موقوف چپکے رہو
بہت کچھ کہا ہے کرو میرؔ بس — کہ اللہ بس اور باقی ہوس
جواہر تو کیا کیا دکھایا گیا — خریدار لیکن نہ پایا گیا

متاع ہنر پھیر لے کر چلو
بہت لکھنؤ میں رہے گھر چلو

غزل

کرو تامل کہ حال ہم میں رہا نہیں ہے غموں کے مارے
جو کچھ بھروسا جنھوں پہ تھا سو شکیب و تاب و تواں سدھارے

ہوئے ہیں غائر قیامت اب تو گئے جگر تک گئے ہیں دل تک
جو ٹک بھی دیکھے وہ غور سے تو جراحت اس کو دکھائیں سارے

ہماری آنکھیں بھی ہیں اتنی کہ اب ہے دریا محیط عالم
کہیں کہیں جو رہیں ہیں مردم سو بیٹھے ہیں دے کے کنارے

کریں تحمل سو کاہے پر ہم مدام بےخود ہمیشہ غش ہے
گئی ہے طاقت دلوں سے شاید نہیں ہے آیا جگر ہمارے

کبھو سروں پر ہے تیغ نالہ کبھو سنان فغاں جگر پر
کسو سے کہنے کا کچھ بھی حاصل گئے ہیں جوں توں کے وقت بارے

بھری تھی آتش کہاں کی یارب دل و جگر میں کہ نصف شب کو
لگا جو رونے تو جاے آنسو مری مژہ سے گرے شرارے

قبول عشق و محبت اتنا ہوا ہے اے میر سیر قابل
مدام جاتے دکھائی دوں ہوں کبھو نہ ان نے کہا کہ آرے

رباعی

چلنے کو ہوئے بادیے سے ہم جو کڑے ۔ مل چلنے کے اتفاق بہتیرے پڑے
مجنوں نے کہا تھا میں بھی آتا ہوں میر ۔ آیا نہ رہے راہ میں ہم دیر کھڑے

O

مثنوی

(جنگ نامہ)

جنگ نامہ

اب کے نواب رام پور آیا   ناگہاں اس طرف خدا لایا
آگے آتا تھا بہر سیر و شکار   بازی یکسر روہیلی ہے اس بار
گرد تھی فوج کی سپہر تلک   بن گیا اور ایک تازہ فلک
جمع افغاں پسر تھے اس جاگہ   لیک سارے تھے جنگ ناآگہ
یہ نہ سمجھے وزیر کوہ وقار   ہے تحمل سے رہ میں درگذار
یعنی تخریب ایک آن میں ہے   ردکشی اس کی کسر شان میں ہے
بے تہی سے وہ پیش جنگی کر   داغتے دے دے گرے ہراول پر
دیکھ کر لوگ تھوڑے ٹوٹ پڑے   کچے پھوڑے کے رنگ پھوٹ پڑے
چھتے تلواروں میں فرنگی سے   مرے مارے بہت کڈھنگی سے
تھا تہور نہ یہ شجاعت تھی   ساعت جنگ یا قیامت تھی
تھے تلنگے روہیلے محو جنگ   لوتھوں سے ہوگیا تھا عرصہ تنگ
گورے کالے جدا جدا کیا تھے   دونوں مردم گیا سے یکجا تھے
دیو کا بھی نہ ٹھہرے پا اس جا   تھا انھوں کا جہاں ثبات پا
سہل سردار سمجھا یہ مرنا   اللہ اللہ ترا جگر کرنا
توپ پر آن کر چلی تلوار   جھیل کر زخم لڑ موا سردار
صاحب اک اور اس کی جا آیا   جن نے ایسی ہلاکو چنوایا
جنگ مغلوبہ تھی گتھے باہم   مرتے تھے دونوں اور کے رستم
صاحب انگریز کے گرے اکثر   تھک گئے لڑتے مرتے ہم دیگر
تاک کر باڑھ پہلو سے ماری   صف الٹ دی حریف کی ساری
لشکری سب سراں سمیت رہے   سبز جو کچھ ہوئے تھے کھیت رہے
نعش پر نعش گر کے ڈھیر ہوئے   بھوکے مرتے کہ جی سے سیر ہوئے
پیچھے سردار تھا پٹھانوں کا   دیکھا جاتا جو ان نے جانوں کا

خواب غفلت سے چونک اٹھا جاگا   دست پاچہ ہوا گیا بھاگا
مارے بھاگوں کو فوج نے لوٹا   مرگیوں میں سے بھی نہ اک چھوٹا
غارت ازبسکہ لشکری لائے   نعشوں سے اشرفی روپے پائے
وہ جو بھاگا تھا معرکہ سے رئیس   بھاگا یوں جیسے پیش اسپ سئیس
ہوتے جو ہیں روہیلے ظلم شعار   لٹتے جاتے تھے شہر راہگذار
رام پور میں بھی آکے رہ نہ سکا   وہ خداگیر بات کہہ نہ سکا
بھاگا واں سے ہے لے کے کچھ اسباب   کہ لگا آیا لشکر نواب
لی پناہ ان نے جا کے زیر کوہ   واں بھی تھا ساتھ کوہ کوہ انبوہ
تھا پہاڑی کے آگے جنگل بھی   وہیں ناکہ پہ تھا یہ دنگل بھی
وهاں روہیلے ہوئے اکٹھے سب   بعد دو چار پنج روز و شب
عجز کی راہ سے کیا پیغام   ہم ہیں نواب کے کمینے غلام
بندے رہتے ہیں باوجود خطا   تم سے صاحب امیدوار عطا
لطف کریے امیدواروں پر   رحم کریے گناہگاروں پر
ہم غلامی میں ہوتے ہیں حاضر   اب نہ خدمت سے ہوویں گے قاصر
کہو صاحب کو ہو حضور سے حکم   موجب طوع وہ ہے دور سے حکم
کہ مجھے اپنے ہاتھ لے جاوے   پاؤں کتنے کے عاجز آ پاوے
ذات نواب ہے کرم سیرت   کہا صاحب کو تم بصد عزت
معرفت اپنے جا کے لاؤ اسے   پاس خیمے میں لا بٹھاؤ اسے
یاکہ خیمہ جدا کرو استاد   ہم اسے وقت پر کریں گے یاد
لایا صاحب چنانچہ خود جاکر   پاس کرتا ہے تا نفر چاکر
سر میں اس کے خیال باطل تھا   آپ بھی وہ جوان جاہل تھا
گفتگو میں کجی لگا کرنے   ہوا موجود مارنے مرنے
چاہتا تھا کہ آپ کو مارے   ہارے ہتھیار چھن گئے سارے
رفقا کے تئیں نکال دیا   رنجہ کر ٹہلوؤں کو ٹال دیا
اٹھ گئے جو حرام زادے تھے   ہو چکے دل میں جو ارادے تھے
عاقبت اس کو باندھ کر بھیجا   کہا پلٹن سے لکھنؤ لے جا
جمع تھے لوگ سو پریشاں ہیں   رہ گئے ہیں سو عجز کیشاں ہیں

جنگ کی صبح کے تئیں ہے نہ شام　　آشتی کے ہیں اب پیام و سلام
غالباً صبح آج کل ہووے　　برطرف جنگی خلل ہووے
لے کے اب ملک و مال سب نواب　　راہ لیتے ہیں لکھنؤ کی شتاب
سال تاریخ کا تھا مجھ کو خیال　　لطف کے رو سے کی ملک نے مقال
کاے سخن گستر و جہاں استاد　　فتح نواب سے کر اب دل شاد
۱۱۷۹+۳۰=۱۲۰۹ ہجری مطابق ۱۷۹۴/۱۷۹۵

میر کوئی غزل کہو اب تم
لذت شعر میں رہو خود گم

غزل

گرد سر پھر کے کرتے پہروں پاس　　سو تو ہم لوگ اس کے آس نہ پاس
خط پہ خط بھیجتا تھا لکھوا کر　　جب تلک یار تھا نہ حرف شناس
دل نہ باہم ملے تو ہجراں ہے　　ہم وے رہتے ہیں گو کہ پاس ہی پاس
عرش و دل میں رہے مگر برسوں　　وہم ہے پر کہیں کہیں ہے قیاس
ہے چلا جب سے وہ پریشاں رہ　　جمع اک دم رہے نہ میرے حواس
ناامیدی بھی حد رکھتی ہے　　جیتا کب تک رہے گا کوئی نراس
جز خدا ہم کسو سے ڈرتے نہیں　　گھر ہمارا ہے واں جہاں ہے ہراس
میں تو حیران کار ہوں بے ہوش　　کیونکے نکلے گی میرے دل کی بھڑاس

میر وحشی کا دل ہے بے طاقت
چلتا پھرتا ہے پر اداس اداس

غزل

رہے عمر بھر دیکھتے سادگاں کو　　یہ جینے نہیں دیتے دل دادگاں کو
خبر قاصدوں کو نہیں اپنی شاید　　بہت دور بھیجا فرستادگاں کو
عجب سادگاں میں ہے تشقوں کی خوبی　　نہ ہو عجب کیوں برہمن زادگاں کو
نہال اور سرو اس کے حیراں کھڑے ہیں　　کیا پائے گیر ان نے آزادگاں کو

رہے زیر دیوار ہم میر برسوں
نہ پوچھا کبھی خاک افتادگاں کو

○

خودنوشت سوانح

در ہجو خانۂ خود

کیا لکھوں میرؔ اپنے گھر کا حال
اس خرابے میں میں ہوا پامال

گھر کہ تاریک و تیرہ زنداں ہے
سخت دل تنگ یوسف جاں ہے

کوچۂ موج سے بھی آنگن تنگ
کوٹھری کے حباب کے سے ڈھنگ

چار دیواری سو جگہ سے خم
تر تنک ہو تو سوکھتے ہیں ہم

لونی لگ لگ کے جھڑتی ہے ماٹی
آہ کیا عمر بے مزہ کاٹی

کیا تھے مینھ سقف چھلنی تمام
چھت سے آنکھیں لگی رہے ہیں مدام

اس چکش کا علاج کیا کریے
راکھ سے کب تلک گڑھے بھریے

جا نہیں بیٹھنے کو مینھ کے بیچ
ہے چکش سے تمام ایواں کیچ

آنکھیں بھر لا کے یہ کہے ہیں سب
کیونکے پردہ رہے گا یارب اب

جھاڑ باندھا ہے مینھ نے دن رات
گھر کی دیواریں ہیں گی جیسے پات

باؤ میں کانپتی ہیں جو تھرتھر
ان پہ ردا رکھے کوئی کیونکر

کیچ لے لے کے بارے چھوپا ہے
چھوپنا کاہے کا ہے تھوپا ہے

تس کو پھر پوچھتی بھی ہی نہیں
ٹوٹا اک بوریا سا ڈالو کہیں

ڈھانکو دیوار یا اٹھا رکھو
یا ہمارے لیے بچھا رکھو

ایک حجرہ جو گھر میں ہے واثق
سو شکستہ تر از دل عاشق

کہیں سوراخ ہے کہیں ہے چاک
کہیں جھڑ جھڑ کے ڈھیری سی ہے خاک

کہیں گھوسوں نے کھود ڈالا ہے
کہیں چوہے نے سر نکالا ہے

کہیں گھر ہے کسو چھچھوندر کا
شور ہر کونے میں ہے مچھر کا

کہیں مکڑی کے لٹکے ہیں جالے
کہیں جھینگر کے بے مزہ نالے

کونے ٹوٹے ہیں طاق پھوٹے ہیں
پتھر اپنی جگہ سے چھوٹے ہیں

اینٹ چونا کہیں سے گرتا ہے
جی اسی حجرے ہی سے پھرتا ہے

رکھ کے دیوار ایدھر اودھر سے
لاکے یارب بتاؤں کس گھر سے

چارپائی جب اس میں بچھوائی — پہلے چلپاسہ ہی نظر آئی
سام ابرص کہ ہے دوائے خراج — ہر جگہ یاں سے ہے نمایاں آج
پیکر اپنی خدا نے رکھی ہے — ڈانس ایک ایک جیسے مکھی ہے
آگے اس حجرے کے ہے اک ایوان — وہی اس تنگ خلق کا ہے مکان
کڑی تختے سبھی دھوئیں سے سیاہ — اس کی چھت کی طرف ہمیشہ نگاہ
کبھو کوئی سنپولیا ہے پھرے — کبھی چھت سے ہزارپاے گرے
کوئی تختہ کہیں سے ٹوٹا ہے — کوئی داسا کہیں سے چھوٹا ہے
دب کے مرنا ہمیشہ مدنظر — گھر کہاں صاف موت ہی کا گھر
مٹی تودہ جو ڈالی چھت پر ہم — تھے جو شہتیر جوں کماں ہیں خم
مضطرب ہوکے جو بچھائی بہت — ہر کڑی نے کڑی اٹھائی بہت
پڑے اس مینھ میں کرختی ہے — تختے تختہ ہوئے یہ سختی ہے
دی ہیں اڑواڑیں پھر جو حد سے زیاد — چل ستوں سے مکان دے ہے یاد
اینٹ مٹی کا در کے آگے ڈھیر — گرتی جاتی ہے ہولے ہولے منڈیر
جیتے ہیں جب تلک نہیں پہنچے — ورنہ کیا بس ہے جو کہیں پہنچے
کنگنی دیوار کی نپٹ بے حال — پڈڑی کا بوجھ بھی سکے نہ سنبھال
طوطا مینا تو ایک بابت ہے — پودنا پھدکے تو قیامت ہے
کیونکے ساون کٹے گا اب کی بار — تھرتھراوے جھنجھیری سی دیوار
ہوگیا ہے جو اتفاق ایسا — شاق گذرے ہے کیا کہوں کیسا
ہوکے مضطر لگے ہیں کہنے سب — اڑ جھنجھیری کہ ساون آیا اب
تیتری یاں جو کوئی آتی ہے — جان محزوں نکل ہی جاتی ہے
نہیں دیوار کا یہ اچھا ڈھنگ — کہیں کھسکی تو ہے قیامت تنگ
ایک دن ایک کوا آبیٹھا — بے گماں جیسے ہوا آبیٹھا
چیل سے لوگ دوڑے کرتے شور — کہ نہ حائط میں کچھ رہا تھا زور
ہو نہ ایسا کہ اپنی چال چلے — دوڑے اچھلے کہ حال حال چلے
نہیں وہ زاغ چار پاؤں پھرا — ایک کالا پہاڑ آن گرا
مٹی اس کی کہیں کہیں بھسکی — جی ڈہا اور چھاتی بھی دھسکی
سان کر خاک لگ گئے دوچار — بارے جلدی درست کی دیوار

اچھے ہوں گے کھنڈر بھی اس گھر سے　　برسے ہے اک خرابی گھر در سے
اکھڑے پکھڑے کواڑ ٹوٹی وصید　　زلفی زنجیر ایک کہنہ حدید
خاک لوہے کو جیسے کھاوے پاک　　چھیڑ لیجے تو پھر نری ہے خاک
بند رکھتا ہوں در جو گھر میں رہوں　　قدر کیا گھر کی جب کہ میں ہی نہ ہوں
گھر بھی پھر ایسا جیسا ہے مذکور　　ہے خرابی سے شہر میں مشہور
جس سے پوچھو اسے بتاوے شتاب　　ساری بستی میں ہے یہی تو خراب
ایک چھپر ہے شہرہ دلی کا　　جیسے روضہ ہو شیخ چلی کا
بانس کی جا دیے تھے سرکنڈے　　سودے میتھوں میں سب ہوئے ٹھنڈے
گل کے بندھن ہوئے ہیں ڈھیلے سب　　پاکھے رہنے لگے ہیں گیلے سب
مینھ میں کیوں نہ بھیگیے یکسر　　پھوس بھی تو نہیں ہے چھپر پر
مٹی ہو کر گرا ہے سب والا　　وہ رہے یاں جو ہووے ڈھب والا
واں پہ ٹپکا تو یاں سرک بیٹھا　　یاں جو بھیگا تو واں تنک بیٹھا
حال کس کو ہے اولتی کا یاد　　تگری اس جھگڑے میں گئی برباد
کہیں صحنک رکھوں کہیں پیالہ　　کہیں ہانڈی کے ٹھیکرے لالا
ٹپکے دوچار جا تو بند کروں　　بیچ کوئی لڑاؤں فند کروں
یاں تو جھانکے ہزار میں تنہا　　کچھ نہیں ہائے مجھ سے ہوسکتا
بسکہ بدرنگ ٹپکے ہے پانی　　کپڑے رہتے ہیں میرے افشانی
کوئی جانے کہ ہولی کھیلا ہوں　　کوئی سمجھے ہے یہ کہ خیلا ہوں
مجھ سے کیا واقعی ہوا چارہ　　آسماں جو پھٹے تو کیا چارہ
بان جھینگر تمام چاٹ گئے　　بھیگ کر بانس پھاٹ پھاٹ گئے
تنکے جاں دار ہیں جو بیش و کم　　تن پہ چڑیوں کی جنگ ہے باہم
ایک کھینچے ہے چونچ سے کر زور　　ایک تگری پہ کر رہی ہے شور
پوچھ مت زندگانی کیسی ہے　　ایسے چھپر کی ایسی تیسی ہے
کیا کہوں جو جفا چکش سے سہی　　چارپائی ہمیشہ سر پہ رہی
بوریا پھیل کر بچھا نہ کبھو　　کونے ہی میں کھڑا رہا یکسو
ڈیوڑھی کی ہے یہ خوبی در ایسا　　چھپر اس چونچلے کا گھر ایسا
جنس اعلیٰ کوئی کھٹولا کھاٹ　　پائے پٹی رہے ہیں جن کے پھاٹ

کھٹملوں سے سیاہ ہے سو بھی
چین پڑتا نہیں ہے شب کو بھی

شب بچھونا جو میں بچھاتا ہوں
سر پہ روز سیاہ لاتا ہوں

کیڑا ایک ایک پھر کوڑا ہے
سانجھ سے کھانے ہی کو دوڑا ہے

ایک چٹکی میں ایک چھنگلی پر
ایک انگوٹھا دکھاوے انگلی پر

گرچہ بہتوں کو میں مسل مارا
پر مجھے کھٹملوں نے مل مارا

ملتے راتوں کو گھس گئیں پوریں
ناخنوں کی ہیں لال سب کوریں

ہاتھ تکیے پہ گہ بچھونے پر
کبھو چادر کے کونے کونے پر

سلسلایا جو پائتی کی اور
وہیں مسلا کر ایڑیوں کا زور

توشک ان رگڑوں ہی میں سب پھاٹی
ایڑیاں یوں رگڑتے ہی کاٹی

جھاڑتے جھاڑتے گیا سب بان
ساری کھاٹوں کی چولیں نکلیں ندان

نہ کھٹولا! نہ کھاٹ سونے کو
پائے پٹی لگائے کونے کو

جب نہ تب پنڈے پر لپے پائے
سیتلا کے سے دانے - مرجھائے

سوتے تنہا نہ بان میں کھٹمل
آنکھ منھ ناک کان میں کھٹمل

کہیں پھڑکا کہ جی سے تاب گئی
آنکھ سے تا نگاہ خواب گئی

اک ہتھیلی پہ ایک گھائی میں
سیکڑوں ایک چارپائی میں

ہاتھ کو چین ہو تو کچھ کہیے
کب تلک یوں ٹٹولتے رہیے

یہ جو بارش ہوئی تو آخرکار
اس میں سی سالہ وہ گری دیوار

آہ کھینچی خرابی کیا کیا نہ
تھے جو ہمسائے وے ہیں ہم خانہ

ایسے ہوتے ہیں گھر میں تو بیٹھے
جیسے رستے میں کوئی ہو بیٹھے

دو طرف سے تھا کتوں کا رستہ
کاش جنگل میں جاکے میں بستا

ہو گھڑی دو گھڑی تو دتکاروں
ایک دو کتے ہوں تو میں ماروں

چار جاتے ہیں چار آتے ہیں
چار عف عف سے مغز کھاتے ہیں

کس سے کہتا پھروں یہ صحبت نغز
کتوں کا سا کہاں سے لاؤں مغز

وہ جو ایواں تھا حجرے کے آگے
اس کے اجزا بکھرنے سب لاگے

کوٹھا بوجھل ہوا تھا بیٹھ گیا
پانی جز جز میں اس کے پیٹھ گیا

کڑی تختہ ہر ایک چھوٹ پڑا
ناگہاں آسمان ٹوٹ پڑا

میں تو حیران کار تھا اپنا
کوئی اس دم نہ یار تھا اپنا

اینٹ پتھر تھے مٹی تھی یکسر　　خاک میں مل گیا تھا گھر کا گھر
چرخ کی کج روی نے پیسا تھا　　پر خدا میرا مجھ سے سیدھا تھا
کتنے اک لوگ اس طرف دھائے　　یا ملک آسمان سے آئے
مٹی لے لے گئے وہ ہاتھوں میں　　کام نے شکل پکڑی باتوں میں
صورت اس لڑکے کی نظر آئی　　ہم جو مردے تھے جان سی پائی
آنکھ کھولی ادھر ادھر دیکھا　　اس خرابے کو بھر نظر دیکھا
قدرت حق دکھائی دی آکر　　یعنی نکلا درست وہ گوہر
داشت کی کوٹھری میں لا رکھا　　گھر کا غم طاق پر اٹھا رکھا
مومیائی کھلائی کچھ ہلدی　　فرصت اس کو خدا نے دی جلدی
غم ہوا سن کے دوستداروں کو　　پھر بندھا یہ خیال یاروں کو
کہ مری بود باش یاں نہ رہے　　گو تصرف میں یہ مکاں نہ رہے
شہر میں جا بہم نہ پہنچی کہیں　　چار ناچار پھر رہا میں وہیں
اب وہی گھر ہے بے سر و سایہ　　اور میں ہوں وہی فرومایہ
دن کو ہے دھوپ رات کو ہے اوس　　خواب راحت ہے یاں سے سو سو کوس
قصہ کوتہ دن اپنے کھوتا ہوں　　رات کے وقت گھر میں ہوتا ہوں

نہ اثر بام کا نہ کچھ در کا
گھر ہے کاہے کا نام ہے گھر کا

در ہجو خانۂ خود کہ بہ سبب شدت باراں خراب شدہ بود

جسم خاکی میں جس طرح جاں ہے
اس طرح خانہ ہم پہ زنداں ہے

ظلمتیں اس کی سب پہ روشن ہیں
زندہ درگور ہم کئی تن ہیں

ہے جو سرکوب اک بڑی دیوار
واں سے جھانکو تو ہے اندھیرا غار

بخت بد دیکھ سارے پرنالے
اس کے معمار نے ادھر ڈھالے

اب جو آیا ہے موسم برسات
دن کو ہے اپنے ہاں اندھیری رات

صحن میں آب نیزہ بالا ہے
کوچۂ موج ہے کہ نالا ہے

مینھ میں گھر کے پانچ چھ چھپر
ہم غریبوں کے ہوتے ہیں سر پر

پر تلک تنکے تھے کچھ ایک نئے
سو وے چڑیوں کے گھونسلوں کو گئے

دل ہے کچھ مکڑیوں کا احساں مند
کہ جنھوں نے کیے ہیں جھانکے بند

پھوس کچھ ہے کہیں سو آتا ہے
بانس کو جھینگروں نے چاٹا ہے

اڑ گئی گھاس مٹی ہے والا
ہے جو بندھن سو مکڑی کا جالا

اپنے بندھن سے جو کہ چھوٹا ہے
ہم پہ گویا وہ بانس ٹوٹا ہے

کیا کہوں آہ گھر ہے کہنے کو
باندھتا ہوں مچان رہنے کو

بند جھانکوں کو کیجیے تاکے
یاں تو اک آسمان ٹوٹا ہے

ٹھیکے دینے کو جا اڑے ہیں ہم
سر پہ ٹھٹھر لیے کھڑے ہیں ہم

ٹٹیاں تھیں جو آگے چھپر کے
بہتی پھرتی ہیں صحن میں گھر کے

تا گلے سب کھڑے ہیں پانی میں
خاک ہے ایسی زندگانی میں

اب تو اپنا بھی حال بدتر ہے
سر پہ گٹھری ہے تس پہ چھپر ہے

پانی بہہ کر جھکا جو ہے دالان
سر پہ رہتا ہے طرۂ ایوان

چاک اس ڈول سے ہے ہر دیوار
جیسے چھاتی ہو عاشقوں کی فگار

متصل ٹپکے ہے نہ باراں ہے
گریۂ زار سوگواراں ہے

گھر کی صورت جو اور ہوتی ہے　　چھت بھی بے اختیار روتی ہے
مینھ یک بارگی جو ٹوٹ پڑا　　کڑی تختہ ہر ایک چھوٹ پڑا
داسے پایان کار ٹوٹ بہے　　طاقچے بھر رہے تھے پھوٹ بہے
بہہ گئے گولے تختے ڈوب گئے　　غرض اجزائے سقف خوب گئے
موج خشتی ستون میں پیٹھی　　جان غم ناک خون میں بیٹھی
لے گیا پیچ و تاب پانی کا　　کوٹھری تھی حباب پانی کا
یوں دھنسا گھر کہ بار خاطر تھا　　آہ کس کا غبار خاطر تھا
اکھڑی دہلیز سب منڈیر گری　　لہر پانی کی جھاڑو دیتی پھری
ساری بنیاد پانی نے کاٹی　　اینٹ کے گھر کو کردیا ماٹی
جھک گئے سب ستون در بیٹھا　　واں چھپر کھڑا ہے گھر بیٹھا
جب اجارے پہ آکے چھت ٹھہری　　ہم سبھوں میں یہ مصلحت ٹھہری
آؤ اب چھوڑ کر یہ گھر نکلیں　　کسو ٹٹی پہ بیٹھ کر نکلیں
دب کے مرنے سے ڈوب مرنا خوب　　ہے کنارہ ہی یاں سے کرنا خوب
سن کے ہر اک کے جی میں ڈر آیا　　خاطروں میں یہ حرف ٹھہرایا
گٹھری کپڑوں کی میں اٹھائی تھی　　سر پہ بھائی کے چارپائی تھی
بوجھ کپڑوں کا جن نے باندھا تھا　　اس کا سارا فگار کاندھا تھا
ساتھ کوئی چراغ لے نکلا　　کوئی سر پر اجاغ لے نکلا
چھاج کی کرکے کوئی اوٹ چلا　　مینھ کے مارے کوئی لوٹ چلا
منھ پہ چھلنی کو ایک نے رو پا　　ایک نے سرکی کا کیا گھوپا
ایک نے چھینکے حال حال لیے　　پائے پٹی گلے میں ڈال لیے
ایک نے بوریا لپیٹ لیا　　اور پایا جو کچھ سمیٹ لیا
اپنا اسباب گھر سے ہم لے کر　　انگلی سب کے ہاتھ میں دے کر
صف کی صف نکلے اس خرابی سے　　تاکہ پہنچیں کہیں شتابی سے
جن نے اس وقت آنکھ کو کھولا　　ہنس کے بے اختیار وہ بولا
میرؔ جی اس طرح سے آتے ہیں　　جیسے کنجر کہیں کو جاتے ہیں

سن کے اس بات کو تر آئے ہم بارے اک بھائی کے گھر آئے ہم
تب سے رہنے کو اب تلک ہیں خراب نہیں ملتا ہے گھر بقدر حباب
جس میں خوش یک نفس معاش کریں
طور پر اپنے بود و باش کریں

O

در ہجو لشکر

(۱)

جس کسو کو خدا کرے گمراہ　　آوے لشکر میں رکھ امید رفاہ
یاں نہ کوئی وزیر ہے نے شاہ　　جس کو دیکھو سو ہے بہ حال تباہ
طرفہ مردم ہوئے اکٹھے واہ

(۲)

جایئے جس کے یھاں وہ روتا ہے　　یا کہے چوبدار سوتا ہے
جو مقدر ہے سو تو ہوتا ہے　　کون وقت عزیز کھوتا ہے
میں تو تھوکوں نہ ایسوں پر واللہ

(۳)

فوج میں جس کو دیکھو سو ہے اداس　　بھوک سے عقل گم نہیں ہیں حواس
بیچ کھایا ہے سب نے ساز و لباس　　چیتھڑوں بن نہیں کسو کے پاس
یعنی حاضر یراق ہیں گے سپاہ

(۴)

خاک اڑتی ہے صبح سے تا شام　　شام سے صبح تک ہے فکر طعام
رحم کی جا ہے حال تنگ انام　　ایک دو ہوں تو لوں کسو کا نام
سینکڑوں کے نہیں جگر میں آہ

(۵)

مفلسی سے رہا ہے کس میں حال　　خورش و خواب ہیں گے خواب و خیال
چار دن عمر کے ہوئے ہیں وبال　　زندگی اپنے طور پر ہے محال
مرگ ملتی نہیں ہے خاطرخواہ

(۶)

جاؤ کرنے تلاش جس کا گھر پہنچنا اس تلک بہت دوبھر
راہ مطلق نہیں نکلتی ادھر باعث صد فساد و شور و شر
دس تلنگے ہیں در پہ بے گہ و گاہ

(۷)

دیکھے میں نے مصاحبان شہ نکلے سب بے حقیقت و بے تہ
ٹھہری آخر کو ان سے کچھ مت کہہ رہ سکے ہے کسو طرح تو رہ
ورنہ لشکر سے جا خدا ہمراہ

(۸)

فقر و فاقہ کی ہر طرف ہے دھوم دو تلنگے جہاں ہیں واں ہے ہجوم
لشکر اک ہے خرابہ مردم بوم زیست آدم کی طرح یھاں معلوم
کٹے ہے جوں خدا ہی ہے آگاہ

(۹)

قصہ کوتہ کہاں نہ رو گذرا کون سی شکل میں نہ ہو گذرا
آبرو رفتہ رفتہ کھو گذرا یاں گذرنا تھا ظلم جو گذرا
اس پہ جس کو ہو قصد بسم اللہ

○

در حال لشکر

(۱)

مشکل اپنی ہوئی جو بود و باش　　آئے لشکر میں ہم برائے تلاش
آن کر دیکھی یاں کی طرفہ معاش　　ہے لب ناں پہ سو جگہ پرخاش
نے دم آب ہے نہ چمچۂ آش

(۲)

مرنے کے مرتبے میں ہیں احباب　　جو شناسا ملا سو بے اسباب
تنگ دستی سے سب بہ حال خراب　　جس کے ہے پال تو نہیں ہے طناب
جس کے ہے فرش تو نہیں فراش

(۳)

زندگانی ہوئی ہے سب پہ وبال　　کنجڑے جھینکیں ہیں روتے ہیں بقال
پوچھو مت کچھ سپاہیوں کا حال　　ایک تلوار بیچے ہے اک ڈھال
بادشاہ و وزیر سب قلاش

(۴)

بنے والے جو تھے ہوئے ہیں حقیر　　تن سے ظاہر رگیں ہیں جیسے لکیر
ہیں معذب غرض صغیر و کبیر　　گھیاں سے گریں ہزاروں فقیر
دیکھیں ٹکڑا اگر برابر قاش

(۵)

شور مطلق نہیں کسو سر میں　　زور باقی نہ اسپ و اشتر میں
بھوکھ کا ذکر اقل و اکثر میں　　خانہ جنگی ہے امن لشکر میں
نہ کوئی رند نے کوئی اوباش

(۶)

لال خیمہ جو ہے سپہراساس پالیں ہیں رنڈیوں کی اس کے پاس
ہے زنا و شراب بے وسواس رعب کر لیجیے یہیں سے قیاس
قصہ کوتہ رئیس ہے عیاش

(۷)

جتنے ہیں یھاں امیر بے دستور پھر بحسن سلوک سب مشہور
پہنچنا ان تلک نہایت دور بات کہنے کا واں کسے مقدور
حاصل ان سے نہ دل کو غیر خراش

(۸)

چار لچے ہیں مستعد کار دس تلنگے جو ہوں تو ہے دربار
ہیں وضیع و شریف سارے خوار لوٹ سے کچھ ہے گرمی بازار
سو بھی قند سیاہ ہے یا ماش

(۹)

در پہ عہدوں کے روز و شب شر و شور حرف یکسر فریب و رشوت خور
بے لیے دیکھیں نے کسو کی اور مردہ شو بردہ سب کفن کے چور
رحمت اللہ بر اولیں نباش

(۱۰)

یک بیک گر کسو کی موت آئی اس کے مردے کی پھر ہے رسوائی
کیونکہ پہنچی ہے جن کو امرائی سب وہ اولاد حاتم طائی
کون دے کر کفن اٹھادے لاش

(۱۱)

بالضرورت گیا میں جس کے گھر آدمی کی نہ جنس تھا وہ خر
بات کرنے لگا تو نیچی نظر بے مروت سفیہ بدمنظر
قابل صدہزار شاش و تراش

(۱۲)

ہے جنھیں کچھ بھی رویت دربار سو فریبندہ مکری و غدار
کاذب و مفت بر ہیں دل‌آزار ڈول ان کا ہے یہ کہ کریے خوار
کام ان کا ہے یہ خراش و تراش

(۱۳)

جن پہ ٹھہرے ہے آکے سرداری ان سے ہم کو تھی چشم دلداری
معرفت ان کے بعد صدخواری فرد دستخط ہوئی جو اک باری
جیسے کھینچے لکیریں کوئی نقاش

(۱۴)

اس لکھے کا نہیں ٹھکانا کچھ وہم میں بھی نہیں ہے پانا کچھ
جس پہ دستخط نہ آنے جانا کچھ بن نہ آیا مجھے بہانہ کچھ
غیر اس کے کہ لے اٹھوں بشاش

(۱۵)

واں سے اٹھ کر میں پال میں آیا سخت تغیر حال میں آیا
بارہا یہ خیال میں آیا کہ زیاں شہ کے مال میں آیا
واسطے میرے سو مرا یہ قماش

(۱۶)

بخش دوں جامہ تک جو ہو قدرت آٹھوں آنے ہیں خرچ یک ساعت
دس روپئے دوں گدا کو بےمہلت مقتضی ہووے کب مری ہمت
صاحبان کرم کے تیں شاباش

(۱۷)

ہو جو ان لوگوں میں گدا کا گذر سہم رہ جائیں سب نہ دیکھیں ادھر
دیر کے بعد یہ کہیں ہل کر شاہ‌جی لے خدا سبھوں کی خبر
سو بھی یہ بات ہے پس از کنکاش

(۱۸)

یاروں کی جود کا بیاں کیا ہے۔ وہم میں ان کے بھی جہاں کیا ہے
آشکارا ہے سب نہاں کیا ہے دیکھتے ہیں کہیں کہ یاں کیا ہے
ایسی صحبت میں ہم نہ ہوتے کاش

(۱۹)

بس قلم اب زباں کو اپنی سنبھال خوش نما کب ہے ایسی قال و مقال
ہے کڈھب چرخ روسیہ کی چال مصلحت ہے کہ رہیے ہوکر لال
فائدہ کیا جو راز کریے فاش

○

در شہر کاما حسب حال خود

(۱)

قابل ہے تیر سیر کے اطوار روزگار　　چالیں عجب طرح کی چلے ہے کجی شعار
۲۰ ہے بدسلوکی سبھوں سے یہ بے مدار　　لاتا ہے روز فتنۂ تازہ بروے کار
دل داغ داغ رہتے ہیں اس سے جگر فگار

(۲)

کاما سے تلخ کام اٹھایا مرے تئیں　　دلی میں بیدلانہ پھرایا مرے تئیں
ہم چشموں کی نظر سے گرایا مرے تئیں　　حاصل کہ پیس سرمہ بنایا مرے تئیں
میں مشت خاک مجھ سے اسے اس قدر غبار

(۳)

لشکر میں مجھ کو شہر سے لایا پئے تلاش　　یاں آکے گذری سیری عجب طور سے معاش
پانی کسو سے مانگ پیا میں کسو سے آش　　اس واقعے سے آگے اجل پہنچی ہوتی کاش
ناموس رہتی فقر کی جاتا نہ اعتبار

(۴)

مدت رہا تھا ساتھ جنھوں کے خراب حال　　دانستہ ان سبھوں نے کیا مجھ کو پائمال
آخر کو آیا مجھ میں انھوں میں نپٹ ملال　　یہ زندگی سہل ہوئی جان کی وبال
اس جمع میں کسو کو نہ پایا میں دستیار

(۵)

جانا نہ تھا جہاں مجھے سو بار واں گیا　　ضعف قوی سے دست بدیوار واں گیا
محتاج ہوکے ناں کا طلبگار واں گیا　　چارہ نہ دیکھا مضطر و ناچار واں گیا
اس جان ناتواں پہ کیا صبر اختیار

(۶)

در پر ہر اک دنی کے سماجت مری گئی
نالائقوں سے ملتے لیاقت مری گئی
کیا مفت ہائے شان شرافت مری گئی
ایسا پھرایا ان نے کہ طاقت مری گئی
مشہور شہر اب ہوں سبکسار و بے وقار

(۷)

عرصہ تھا مجھ پہ تنگ اٹھا ہوکے نیم جاں
پوچھا نہ مجھ کو یک لب ناں سے کنھوں نے یاں
کم پائی پر بھی سیر کیا میں نے سب جہاں
آشفتہ خاطری نے پھرایا کہاں کہاں
برسوں کا راز مخفی ہوا آخر آشکار

(۸)

پرداخت میری ہو نہ سکی اک امیر سے
عقدہ کھلا نہ دل کا دعاے فقیر سے
فتنے ہمیشہ آتے رہے سر پہ تیر سے
ہرچند التجا کی صغیر و کبیر سے
لیکن ہوا نہ رفع مرے دل کا اضطرار

(۹)

کن نے کی اپنے حال پہ شفقت سے یک نگاہ
نکلے ہے کس سے طور پر اپنے سخن کی راہ
بولا نہ کوئی مجھ سے کہ تو کیوں ہوا تباہ
اسلوب میرے جینے کا ہو کس طرح سے آہ
میں ایک ناتوان و ضعیف اور غم ہزار

(۱۰)

حاجت مری روا دل پردرد نے نہ کی
تاثیر اشک سرخ و رخ زرد نے نہ کی
تدبیر ایک دم بھی دم سرد نے نہ کی
دلجوئی میری حیف کسی فرد نے نہ کی
طاقت رہی نہ دل میں گیا جان سے قرار

(۱۱)

ہر ترک شوخ چشم سے ہے مجھ پہ کب نظر
ہر صید بند باندھے مرے خوں پہ کیا کمر
ہر دام دار قصد کرے یہ کہاں جگر
یہ منھ نہیں کسی کا جو منھ کو کرے ادھر
ہر کوئی جانتا ہے کسی کا ہوں میں شکار

(۱۲)

دل سربسر خراب ہے تعمیر کیا کروں　　آشفتگی حال کی تعبیر کیا کروں
خونابہاے چشم کی تقریر کیا کروں　　زردی کو رنگ چہرہ کی تحریر کیا کروں
آیا جو میں چمن میں خزاں ہوگئی بہار

(۱۳)

حالت تو یہ کہ مجھ کو غموں سے نہیں فراغ　　دل سوزش درونہ سے جلتا ہے جوں چراغ
سینہ تمام چاک ہے سارا جگر ہے داغ　　ہے نام مجلسوں میں مرا میر بےدماغ
ازبسکہ کم دماغی نے پایا ہے اشتہار

○

مخمسات عشقیہ

(۱)

(۱)

یہ بات جھوٹ نہیں صدق کی صفا کی قسم　　ترے ہی لطف کا وابستہ ہوں وفا کی قسم
عبث جو قسمیں ہے دیوے تو مصطفےٰ کی قسم　　جناب پاک بتول و شہ ولا کی قسم
قسم حسن کی حسین ابن مرتضےٰ کی قسم

(۲)

ترا ہوں خوار تری شان کی مجھے سوگند　　مروں ہوں تجھ پہ تری جان کی مجھے سوگند
تجھی کو جپتا ہوں ایمان کی مجھے سوگند　　یہی وظیفہ ہے قرآن کی مجھے سوگند
تجھی سے بندگی رکھتا ہوں میں خدا کی قسم

(۳)

رہے ہے مدنظر تیری زلف و کاکل و خال　　پھرا کرے ہے مری آنکھوں میں تری ہی چال
شبوں کو تیرا تصور دنوں کو تیرا خیال　　مریض دل ہوں مرا عابدیں ہے شاہد حال
اسی ستم زدہ بیمار و بے دوا کی قسم

(۴)

تجھے میں دیکھ تماشے کا کیا مہیا ہوں　　خدا نے دی ہیں مجھے آنکھیں کیا میں اندھا ہوں
نصیب لطف نہ باقر کا ہو جو جھوٹا ہوں　　دوچار حشر میں آفت سے ہوں جو ایسا ہوں
امام پنجتن اس اپنے پیشوا کی قسم

(۵)

جو رو و مو ہو نظر میں تو صبح و شام کی سوں　　پڑا ہو پاؤں کہیں تو ترے خرام کی سوں
کلام ہو کسی سے تو مجھے کلام کی سوں　　جو سات پانچ ہو جی میں چھٹے امام کی سوں
غبار رہ ہوں ترا اس کے خاک پا کی قسم

(۶)

کرے ہے لطف جو ٹک تو بحال آتا ہوں   وگرنہ آپ سے میں لحظہ لحظہ جاتا ہوں
ترے ہی واسطے یہ غم یہ غصہ کھاتا ہوں   گواہ دعوے کا کاظم کو اپنے لاتا ہوں
سچ اس کو مان تجھے اس کی ہے ولا کی قسم

(۷)

جو تجھ کو خوش نہیں پاتے تو جان کھوتے ہیں   ہلاک ہونے پہ تجھ ہی سے راضی ہوتے ہیں
کبھو ہی آٹھ پہر میں ٹک ایک سوتے ہیں   ہمیشہ راتوں کو آٹھ آٹھ آنسو روتے ہیں
امام ضامن ثامن علی رضا کی قسم

(۸)

گداے در ہوں تقی کا نقی کا ہوں مملوک   رکھوں ہوں عسکری کے لطف سے امید سلوک
طریق مہدی ہادی کا رکھتا ہوں مسلوک   جہاں کے لوگ ہیں مفلوک سارے یہ ہیں ملوک
قسم جو کھایئے ان چار بادشا کی قسم

(۹)

نہ اپنی تیری بنی ہر زماں بگڑتے رہے   گمان بد سے سدا روٹھتے ہی لڑتے رہے
سرشک آنکھوں سے جیسے ستارے جھڑتے رہے   شبوں کو عذر میں نت آ کے پاؤں پڑتے رہے
ملے جو دن کو یہی بیچ میں رہا کی قسم

(۱۰)

گناہ پہنچے جو اثبات کو تو رکھیے معاف   کدورت اپنی عبث ایک بار کر چک صاف
ہر ایک رات کہاں تک بسان روز مصاف   نکال تیغ شتابی نہیں یہ حرف گزاف
درنگ کیا ہے مگر کھائی ہے جفا کی قسم

(۱۱)

چمن میں میں جو پھرا ہوں تو سوکھوں جیسے پات   زبان کاٹ جو سوسن کے رنگ کی ہو بات
سیاہ روز ہوں میں گر کہیں رہا ہوں رات   گیا ہوں چل کے تو رکھتا ہوں تیرے ہاتھ پہ ہات
جو کچھ خیال ہو سر میں تو تیرے پا کی قسم

(۱۲)

جفا و جور ہزاروں طرح کے سہتا ہوں گدازِ غم سے ہو سب آنسوؤں میں بہتا ہوں
ہوئے ہیں برسوں کہ چپکا ہی بیٹھا رہتا ہوں کبھو ہو یہ جو کبھو خواہش اپنی کہتا ہوں
ابھی تو کھائی تھی اظہار مدعا کی قسم

(۱۳)

جلوں ہوں شمع کے مانند تجھ کو پروا نہ خبر تجھے مری حالت سے کچھ بھی ہے یا نہ
فقط ہوں سلسلۂ مو کا تیرے دیوانہ کہے تو تیل میں میں ہاتھ ڈالوں جوں شانہ
جو پیچ ہو تو ترے کاکلِ دوتا کی قسم

(۱۴)

سرشک تیز ہیں جس جاے تک نگہ جاوے تمام پانی ہو دل کاش اس کا بہہ جاوے
تو محو آئینہ ہو وہ جفائیں سہہ جاوے کہاں تلک ترا منھ دیکھ دیکھ رہ جاوے
کچھ اس کے منھ سے حیا کر تجھے حیا کی قسم

○

(۲)

(۱)

واں ان نے دل کیا ہے مانند سنگ خارا   یاں تن ہوا ہے پانی ہوکر گداز سارا
کیا پوچھتا ہے ہمدم احوال تو ہمارا   نے رمز نے کنایہ ایسا ہے نے اشارہ
اس کے تغافلوں نے ان روزوں ہم کو مارا

(۲)

ہو شہر یا کہ صحرا بارے مکان تو ہو   غم میں نہ ہووے کچھ تو اک تن میں جان تو ہو
حالت تغیر ہوکر منھ میں زبان تو ہو   سو بار دیکھ صورت ہو مہربان تو ہو
اپنے تئیں نہیں ہے اب گفتگو کا یارا

(۳)

یہ چشم تھی کہ ترکاں اکثر سوار ہوں گے   ہم لوگ ان کی رہ کے گرد و غبار ہوں گے
یہ جانتے نہ تھے ہم اس طور خوار ہوں گے   اب کہتے ہیں کہ یارب کیوں کر دوچار ہوں گے
اس بھی طرف کو ہوگا ان کا کبھی گذارا

(۴)

ہجراں میں ٹک نہ پرچے کوہ اور راغ میں ہم   بوے وفا نہ پائی دل میں دماغ میں ہم
مدت رہے اگرچہ گلگشت باغ میں ہم   پرلطف کچھ جو دیکھا سینے کے داغ میں ہم
اس بن جو گل چنے تھے ان کا کیا نظارہ

(۵)

تشنے ہیں اپنے خوں کے اے ہمدمو نہ آؤ   ہووے طبیب گر خضر اس کو بھی یاں نہ لاؤ
اب ٹھانی ہم سو ٹھانی گو اس میں جان جاؤ   آب برندہ اس کی شمشیر کا پلاؤ
آب حیات اپنے جی کو نہیں گوارا

(۶)

تنگ اس قدر نہیں ہیں اس زندگی سے ہم اب جو آرزو کریں پھر اٹھنے کی حشر کو تب
ہونٹوں پہ یہ دعا ہے ہر روز اور ہر شب یک حرف کاشکے ہو روز جزا بھی یارب
کس کو دماغ اتنا جو پھر جیے دوبارہ

(۷)

ہوش و دل اور ایماں یہ تو گئے تھے سارے موجب. تو زندگی کا کوئی نہ تھا پیارے
تجھ نے کہیں سو کیا اب کہہ ہم ستم کے مارے آنسو سے پونچھتا تھا. کچھ جو کبھو ہمارے
سو صبر ظلم دیدہ کل رات سے سدھارا

(۸)

اب دل اٹھا تو منعم تعمیر خانماں سے کیا فائدہ رہا ہے گر کچھ نشاں مکاں سے
رہنے تجھی کو دیں گے جانا گیا کہاں سے آواز بھی نہ آئی اک در جواب واں سے
کسریٰ کے در پہ جاکر کل میں بہت پکارا

(۹)

موت اس کے ہاتھ سے ہو اس سے تو کیا ہے بہتر پر جی میں حسرتیں ہیں بن آئی ہے یہ جی پر
غیروں سے ٹک کہو یہ کاے مدعیو اکثر تلوار اس کو دے کر بھیجا کرو نہ ایدھر
جی جائے ہے ہمارا کیا جائے ہے تمھارا

(۱۰)

اب وہ نہیں کہ ہر سو طوفاں کا خطر ہے یا میرؔ سیل آیا ابر سیاہ تر ہے
مت پوچھ رود کوئی آتا جو یاں نظر ہے اس گریے ہی کا اب تک کچھ کچھ کہیں اثر ہے
دریا نے تو جہاں سے کب کا کیا کنارہ

○

ہجویات مخمسہ

درہجو بلاس رائے

(۱)

سنو یارو بلاس رائے کا حال ایک لچا ہے وہ عجائب مال
کام لینا ہے اس سے امر محال سو جواں جا اڑیں تو دیوے ٹال
پیر کو اپنے دے نہ جھانٹ کا بال

(۲)

لے جو کچھ اس سے ایسا ویسا ہو ورنہ کیا دخل کوئی کیسا ہو
کہتا ہے دوں جو پاس پیسہ ہو ہوتے جو دے نہ ایسا تیسا ہو
خلق ناحق ہے میرے جی کا وبال

(۳)

ایک عمدہ کے ہاں ہے اہل کار فوج کے لوگوں کا سب اس پہ مدار
سو یہ بڑچود ایسا خوش اقرار کہے ہر اک کو دینے سو سو بار
پھر نہ دے جز فریب تا وہ سال

(۴)

یا مہینوں تلک رہے روپوش یا ملے ہے تو بےحواس و ہوش
لوگ کرتے پھرو نہ جوش و خروش یہ کچہری میں بیٹھا ہے خاموش
زردرو بےحیا ہے گویا لال

(۵)

جب سے یہ ہے محرر دفتر تب سے ہنگامہ ہی رہا اکثر
ہووے پرچھا جو دے کسو کو زر سو یہ پٹی پڑھا نہیں ہے لچر
سب سے اس کو ہے ایک جنگ و جدال

(۶)

لات کی ہے کہ روہیلوں سے دھول چکڑ ہے گاہ چیلوں سے
کم نہیں ہے کچہری میلوں سے آتے جاتے ہیں لوگ ریلوں سے
نکلے ہے تیغ کھڑکے ہے واں ڈھال

(۷)

ان دنوں آگیا ہے ازبس پیش آج کم بھی ہے اس کا سب سے بیش
شان میں اپنی گوہر بدکیش بوریا پوش گرسنہ درویش
پشم جانے ہے یہ قبا و شال

(۸)

کیا کوئی جھاڑجی کی خوبی کہے اس زیادہ سری کو کون سہے
چاٹے اس کے نہیں درخت رہے بردباری زہے وقار تجھے
بات کہتے ہیں تو کریں ہیں نہال

(۹)

دیکھو منہ تو خدا ہی خیر کرے پاک ہو شہر جو کہیں یہ مرے
کب تک ایسے نحس سے کوئی بھرے کہنی ٹیکے پہ اس کو دیکھے دھرے
جن نے دیکھے نہ ہوویں خرس جوال

(۱۰)

ایک صف خاک دھول اڑاتی ہے سنگ و خشت ایک صف چلاتی ہے
لوہے پتھر کی اس کی چھاتی ہے اک قیامت جلو میں آتی ہے
نکلے ہے گھر سے جب کہ یہ دجال

(۱۱)

مردہ شو مختصم جان اہل ہنر جس کسو دن رہے ہے اپنے گھر
پڑتے ہیں میرزائی پہ پتھر یوں پھرے ہے کمر میں رکھ کے تبر
جوں کفن چور کوئی رکھے کدال

(۱۲)

نے حیا ہے نہ کچھ مروت ہے   نے کچھ اس خر میں آدمیت ہے
کیا خدا جانے بھڑوے کی مت ہے   گالی ہے دھول ہے یہ عزت ہے
کہیں غیرت کا سر میں کچھ ہے خیال

(۱۳)

جورو گھر میں رکھے ہے اک شتاہ   کہیں چشمک کرے کہیں وہ نگاہ
آتے جاتے ہر اک کو اس سے راہ   واہ رے رائے جی کی غیرت واہ
طرفہ دیوث زن جلب چنڈال

(۱۴)

یہ کمر باندھ کر گئے دربار   وہ ہوئی گرم جستجوے یار
آنے دروازے پر لگی سو بار   سر پہ رکھ بانکی پگڑی کھڑکی دار
پھر ہوئی چیرہ بند بوڑھی چھنال

(۱۵)

کچھ حمیت نہ زن جلب کے تئیں   ساتھ لے جائے گھر میں سب کے تئیں
نہ رہے پاس جورو شب کے تئیں   نہ تو پاتے ہیں اس کے ڈھب کے تئیں
نہ سمجھتے ہیں اس چھنال کی چال

(۱۶)

قصہ کوتاہ بعد چندیں ماہ   میری اس بھڑوے پر ہوئی تنخواہ
جانے آدم لگا گہ و بےگاہ   یہ تو مغرور بےتہ و گمراہ
مفتری کاذب و سفیہ و ضلال

(۱۷)

سہل سا مجھ کو بھی سمجھ کے فقیر   رکھنے وعدوں ہی میں لگا بے پیر
یہ نہ جانا نہیں ہے اس کی نظیر   اس کو جانے ہے بادشاہ و وزیر
دور تک پہنچے گی یہ قیل و قال

(۱۸)

اس کی خاطر کہیں گے خرد و کلاں　　سعی اس میں کریں گے عمدے بجاں
دوست اس کو رکھے ہیں پیر و جواں　　لے گا منت علی محمد خاں
رکھنا ان پیسوں کا ہے کس کی مجال

(۱۹)

آپ نواب سن کے اس کا نام　　کہے گا دو یہ پیسے جلد تمام
یاں نہ زنہار کہیو صبح و شام　　ہو نہ ایسا کہ پاوے طول کلام
ایک سے دس روپے ہیں کچھ بھی مال

(۲۰)

ہوتا اشراف تو یہ تہ پاتا　　کاہے کو اپنے پردے اٹھواتا
سو جلاہوں سے اس کے تیں ناتا　　کبھو بیچے تھا بڑھیا کا کاتا
کبھو ہوتا تھا سوت کا دلال

(۲۱)

اب ترقی ہوئی وکیل ہوا　　ایک عمدہ کے گھر دخیل ہوا
فوج کے لوگوں کا کفیل ہوا　　مجھ سے اڑ کر عبث ذلیل ہوا
جہل پر اس کے ہے یہ صحبت دال

(۲۲)

جو گیا آدمی سو داغ آیا　　ٹک نہ یہ کس کباب شرمایا
جب تقاضے سے اس کو گھبرایا　　پھیر منھ لب پہ یہ سخن لایا
تم تو کاٹو ہو پہلے چوے گال

(۲۳)

یوں تو سو بار آؤ جاؤ گے　　پیسے تدریج ہی سے پاؤ گے
اور اس پر بھی جو ستاؤ گے　　اپنے پیسوں سے ہاتھ اٹھاؤ گے
بوجھ میں اپنے سر سے دوں گا ٹال

(۲۴)

یاں کھڑا دو دو دن رہے ہے دواب   مطبخی خاص کو ملے ہے جواب
منہ تکا دیر کرتے ہیں نواب   کس کا اللہ میاں کہاں کا ثواب
بے زری سے ہے زیست رنج و نکال

(۲۵)

کام جوں توں کے میں چلاتا ہوں   سو بھی سو سو دکاں پہ جاتا ہوں
قرض کچھ بن گیا تو لاتا ہوں   جیسا میں نے کیا ہے پاتا ہوں
متصدی گری ہے یا جنجال

(۲۶)

باز آتا نہیں ہے نفس شوم   ورنہ کس سے اٹھے ہے ایسی دھوم
ہر سحر روز والوں کا ہے ہجوم   ہے تمھیں حال یاں کا کیا معلوم
تم تو سونا لیے کرو ہو سوال

(۲۷)

ایک دن جا کیا نفر نے شور   ان نے دیکھا نہ مطلق اس کی اور
ہے غرض صحبت اپنی اس کی زدور   وہ تو مچھر کی جھول کا ہے چور
میں بھی کھینچوں گا خوب اس کی کھال

(۲۸)

اس پہ تنخواہ جو کہ کر لاوے   سو وہ اپنا کیا ہی بھر پاوے
پاشکستوں کو برسوں دوڑاوے   ایسے سے ہاتھ خاک کیا آوے
جس سے دل ہوں تہ غبار ملال

(۲۹)

بدزبانی نہیں ہے اتنی خوب   بات اچھی نہیں ہے بے اسلوب
گفتگو اس طرح کی ہے معیوب   مل رہے گا جو کچھ کہ ہے مطلوب
بس قلم اب زبان اپنی سنبھال

○

در بیان دستخطی فرد

(۱)

دستخطی فرد کا سنو احوال بے دماغی سے میں تو دی تھی ڈال
ایک مشفق کو تھا ادھر کا خیال مہربانی سے ان نے کھوج نکال
شیخ جی گاڑھے سو عجائب مال

(۲)

شیخ کو اس بھی سن میں ہے گی ہوس تنگ پوشی سے چولی جاہے چس
ہوگا سن شریف ساٹھ برس دانت ٹوٹے گیا ہے کلہ دھس
دیکھ رنڈی کو بہہ چلے ہے رال

(۳)

جامے کو خوب سا چناتے ہیں خال رخسار پہ بناتے ہیں
مہندی بھی پتلی سی لگاتے ہیں ناز کرتے قدم اٹھاتے ہیں
دیکھا کرتے ہیں آرسی میں جمال

(۴)

دل میں دھن ہے جو عیش و عشرت کی پوچھتے ہیں دوائیں شہوت کی
باتیں ہیں رنڈیوں کی صحبت کی دیکھے ہیں کوئی کتاب حکمت کی
کرتے ہیں بھمنین استعمال

(۵)

محو رعنائی کتنے ہیں اللہ مسی سے کرتے ہیں مسوڑھے سیاہ
رکھتے ہیں سرمہ پر ہمیشہ نگاہ شانہ سے کام ہے گہ و بے گاہ
کپڑے نارنجی سر پہ اودی شال

(۶)

قیر و جرکیں لباس تنگ معاش   ساتھ رکھتے ہیں ایک موے تراش
قینچی لیتے ہیں گاہ و گہ منقاش   ہر سر مو پہ اس سے ہے پرخاش
لوگ کہتے ہیں شیخ ہے چنڈال

(۷)

آشنا میرے بھی پرانے تھے   میں وے اک عمر اک ٹھکانے تھے
یار تھے دوست تھے یگانے تھے   صحبتیں تھیں بہم زمانے تھے
روز و شب ہمدگر تھی قال و مقال

(۸)

اب وے مختار کے ہوئے مختار   ان پہ ٹھہرا ہے سلطنت کا مدار
وے ہی اس عہد میں ہیں کاربرآر   اس طرف سے مرا ہوا جو گذار
نکلے سن نام بہر استقبال

(۹)

جب ملاقات درمیاں آئی   دستخطی فرد میں نے دکھلائی
لے کے میری تسلی فرمائی   اک نفر پاس اپنے رکھوائی
پھر لگے کہنے رکھیے استقلال

(۱۰)

فرد نواب کو دکھاؤں گا   حال صاحب کا سب جتاؤں گا
ہے مقدر تو کر ہی لاؤں گا   لے کے دفتر میں آپ جاؤں گا
آگے میرے کسے سخن کی مجال

(۱۱)

قدر والا تمھاری ہے معلوم   خلق خادم ہے اور تم مخدوم
اس سعادت سے جو رہے محروم   ہے یقیں یہ کہ وہ الاغ شوم
حشر کو ہوگا مرکب دجال

(۱۲)

تم بنی فاطمہ ہو ہم ہیں غلام ہے غلامی تمھاری اپنا کام
تم کو مسجود جانتے ہیں انام تم سبھوں کے ہو پیشوا و امام
تم سے سب کو نجات کا ہے سوال

(۱۳)

بارے رخصت کیا بصد اعزاز اور کہا تم ہو خلق میں ممتاز
ہے تمنا کہ تم سے ہوں دمساز دل ہمارا ہو کاش محو نیاز
کریے تم پر نثار جان و مال

(۱۴)

شیخ نے کر سلوک حد سے زیاد قید اندوہ سے کیا آزاد
دی بھلا روزگار کی بیداد جان غم کش ہوئی نہایت شاد
کم ہوا کوئی روز سر سے وبال

(۱۵)

پھر جو دو دن میں میں گیا ان پاس شیخ جی نکلے ایک اشرالناس
نے وہ تعظیم و خلق نے وہ پاس بولے کچھ زیر لب اداس اداس
رہ گیا چپ میں دیکھ کر یہ حال

(۱۶)

میرے تیں بے دماغ جو پایا سر کیا نیچے یعنی شرمایا
جب خجالت سے کچھ نہ بن آیا تب بہانہ صداع کا لایا
پھر یہ بولا کہ کیوں ہے چہرہ لال

(۱۷)

میں کہا وجہ ہے کہا کہیے میں کہا جور کب تلک سہیے
چند پامال چرخ کج رہیے جی میں ہے اب لگائیے پہیے
تاکہ گردوں کی کچھ ہو سیدھی چال

(۱۸)

تھی جو تم سے توقع یاری سو تو آئی ظہور میں ساری
ہوتی جو فرد دستخطی جاری تو بھی یہ دن جو ایسے ہیں بھاری
کاٹتا یک طرف فقیر مثال

(۱۹)

دستخطی فرد کا سنا جب نام کہنے لاگا کہ اب قریب ہے شام
بیٹھنے کا ہوا ہے وقت تمام پھر کسی روز کیجیے گا کلام
اب تو میرے نہیں حواس بحال

(۲۰)

تھا جو سختی سے فقر کی ناچار گھر گیا شیخ جی کے سو سو بار
نہ رہا کوئی فوج شہ میں یار نہ کہا جن نے میرا حال‌زار
تنگ آیا میں مفلسی سے کمال

(۲۱)

کچھ طرح اور جب نہ بن آئی میں ہوا شیخ جی کا مجرائی
کھینچی کیا کیا انھوں کی مرزائی پر تسلی مری نہ فرمائی
مفت عزت گئی ہوا پامال

(۲۲)

ایک مدت تھی آج کل پر بات اب تو ہے صبح اب ہوئی ہے رات
ہے بہت شیخ کی غنیمت ذات جمع آدم میں اتنے کب ہوں صفات
مفتری و دروغی و محتال

(۲۳)

ایک دن میں کہا جو ہو مضطر کہیے اس در سے جاؤں اب کیدھر
ہنس کے بولے بہت تلطف کر سر منڈائے ہو تم بھی اس گھر پر
آگے آئیں گے جتنے ہوں گے بال

(۲۴)

راتوں کے تیں مصیبتیں گذریں کیا دنوں کو قیامتیں گذریں
کچھ نہ پوچھو جو حالتیں گذریں باتوں باتوں میں مدتیں گذریں
وعدہ دو چار دن نہ ماہ و سال

(۲۵)

پھر جو اس فرد کا ہوا مذکور کہنے لاگے کہ نائب دستور
جانتا ہے تمھیں کہ ہو مشہور پر کہے ہے رکھو مجھے معذور
جاری کرنا ہے اس کا امر محال

(۲۶)

آٹھ آنے ہیں شاہ پر بھاری اس کے لوگوں ہی کی ہے اب خواری
آپ ہے تو یہ ہے گرفتاری فوج ہے گی تو قحط کی ماری
کیونکہ جس جا رہے ہیں واں تھا کال

(۲۷)

عمدے جو ہیں دنوں کو بھرتے ہیں سو بھی اسباب گردی دھرتے ہیں
ہیں سپاہی سو بھوکے مرتے ہیں لوہو پی پی کے زیست کرتے ہیں
ایک تلوار بیچے ہے اک ڈھال

(۲۸)

رہ گیا میں سو جی جلاتا ہوں کچھ کہے کوئی سر ہلاتا ہوں
یعنی ہر اک کے تیں بلاتا ہوں کام سرکار کا چلاتا ہوں
کارپرداز ہیں سفیہ و ضلال

(۲۹)

بادشہ بھیک مانگتا آیا روز روزینہ بند فرمایا
معتمد اپنا مجھ کو ٹھہرایا سو برا بیچ میں میں کہلایا
جس کو دیکھو رکھے ہے مجھ سے ملال

(۳۰)

ملکی اور سارے صاحبان تیول پھرتے ہیں خوار ہوتے مجھ سے ملول
کہیے حضرت سے کچھ بھی ہو جو حصول کوڑی دینا انھیں نہیں ہے قبول
آپھی مرتے ہیں ان کے اہل و عیال

(۳۱)

یاں مرے در پہ یاروں کا ہے ہجوم صبح سے شام تک رہے ہے دھوم
جو یہی ڈول ہے تو ہے معلوم ایک دن با قدوم فرح لزوم
نکلے گا یاں سے شہ بہ جاہ و جلال

(۳۲)

حاجت اک عالم اپنی لاتا ہے جو ہے سو جان کھائے جاتا ہے
کون یاں راہ حرف پاتا ہے اور جسے کوئی منھ لگاتا ہے
کاٹتا ہے وہ پہلے چوے گال

(۳۳)

اس کے اوپر ہے شہ تماشائی اور چاہے ہے خرچ بالائی
ہر طرف پھیلی ہے یہ رسوائی کل چنانچہ ہمیں نظر آئی
لال خیمے کے گرد دو سہ پال

(۳۴)

دینے کا ہو کہیں ٹھکانا بھی جود کو چاہیے زمانہ بھی
یاں نہیں شہ کے گھر میں دانہ بھی کبھو ہوتا ہے پینا کھانا بھی
ورنہ بھوکے رہے ہیں بیٹھے نڈھال

(۳۵)

حال یہ ہے جو اس پہ ہو منظور پھر بھی نواب سے کروں مذکور
گاہ باشد کہ ہو انھیں مقدور پر ساجت ہے اب خرد سے دور
لطف کیا میں کہوں وہ دیویں ٹال

(۳۶)

میں کہا بس بہت خراب ہوا　　پردے میں واں سے بھی جواب ہوا
دل ہوا داغ جی کباب ہوا　　بارے ہونا جو تھا شتاب ہوا
کٹ رہے گا مرا بھی یہ جنجال

(۳۷)

دل سے اپنے بھی اب بھلا دیجے　　فرد میری مجھے منگا دیجے
ان خیالات کو اڑا دیجے　　بند چڑیا کے سے چھڑا دیجے
بس بچھایا بہت فریب کا جال

(۳۸)

ہنس کے بولے کہ فرد ہے حاضر　　اور تجھ سے نہ مجھ کو بھی قاصر
حال کا ہوں تمھارے میں ناظر　　جمع فرماؤ خاطر عاطر
اب نہیں پھر یہ کام لوں گا سنبھال

(۳۹)

تب سے اب تک وہ فرد لاتا ہوں　　گاہ بے گاہ ان کے جاتا ہوں
وقت پاتا ہوں تو جتاتا ہوں　　پر جواب ان سے صاف پاتا ہوں
اب کی باری کا ہے یہ حال و مآل

O

مرثیه

(۱)

(۱)

تمامی حجت کی خاطر امام لگا کہنے رو کر سوے اہل شام
کہ اے قوم یہ طفل اصغر بنام مرے ہے مری گود میں تشنہ کام

(۲)

نہ کوئی مرا یار و یاور رہا نہ قاسم رہا ہے نہ اکبر رہا
جسے دیکھتا ہوں سو وہ مر رہا مرے اقربا تم نے مارے تمام

(۳)

یہ پیمان کرتا ہوں میں تم سے اب کہ ناموس اپنے اٹھاؤں گا سب
کسو اور جاؤں گا چھوڑا عرب حبش ہند اپنا کروں گا مقام

(۴)

نہ دعوئی کروں گا قیامت کو بھی کیا پیشکش میں امامت کو بھی
گوارا کیا سب ملامت کو بھی نہ یاں کی مصیبت کا واں لوں گا نام

(۵)

کسی دکو کو اپنے لیے جاؤں گا نبیؐ کا نواسا نہ کہلاؤں گا
جو قسمت میں ہوگا سو واں کھاؤں گا بدل ڈالوں گا اپنا حیدر کا نام

(۶)

مسافر عرب نام رکھوں گا میں کسو سے نہ کچھ کام رکھوں گا میں
قدم آگے ہر گام رکھوں گا میں کہیں کر رہوں گا سحر اپنی شام

(۷)

ادھر سے ادھر ہی کروں گا سفر نہ جانے گا کوئی چلا ہے کدھر
کروں گا وطن کی نہ جانب نظر کیا میں مدینے کو یاں سے سلام

(۸)

رفیق اور یاور ہوئے سب تلف — ہوا تیغ کا میرا کنبہ علف
نہ سجاد بن کوئی اب ہے خلف — سو اس خستہ کو تپ رہے ہے مدام

(۹)

امام اپنا گو مجھ کو مت جانو تم — علی کے نہ رتبے کو پہچانو تم
خدا کو تو اے قوم ٹک مانو تم — کہ بندے کے ہاتھ آوے پانی کا جام

(۱۰)

گئے خویش و فرزند سب دردناک — ہوئے میرے بھائی جگر سینہ چاک
رہا میں سو ہوں مستعد ہلاک — گیا خاک میں مل مرا احتشام

(۱۱)

گرے کٹ کے یک لخت لخت جگر — گئے مارے یعنی عزیز و پسر
لڑائی تلک جمع تھے وے گہر — لڑی ٹوٹی اب وہ گیا انتظام

(۱۲)

ستم جو کیا تم نے ہم نے سہا — مرے اقربا میں نہ کوئی رہا
کمینوں نے کیا کیا نہ منھ پر کہا — رہا کچھ نہ جب پھر کیا احترام

(۱۳)

خرابے سے بدتر ہوا میرا باغ — گئے پھول گل مجھ کو دکھلا کے داغ
کیا خوش نوا طائروں نے فراغ — نپٹ شور زاغاں سے ہے دھوم دھام

(۱۴)

مروت کرو ٹک دم آب دو — کہ تسکین دل ہووے اس طفل کو
مرا کینہ اس بے خبر سے نہ لو — نہ اس سے رکھو کچھ غم انتقام

(۱۵)

سنی سب نے یہ خونچکاں گفتگو — سروں کو کیا شرم سے ٹک فرو
مگر اک سیہ کار ہو روبرو — لگا کہنے کیا ہے یہ طول کلام

(۱۶)

کہاں بات کرنے کی فرصت ہے یاں دم آب موقوف بیعت ہے یاں
ہے مہلت جو کچھ ہے غنیمت ہے یاں ہمیں قتل وغارت کا ہے اہتمام

(۱۷)

نہ باتیں کر اتنی لڑائی ہے اب یزید اور عمر کی دہائی ہے اب
ہم سب نے سوگند کھائی ہے اب کہ دیں آب تو ہم پہ کھانا حرام

(۱۸)

اگر آب ہو جائے سارا جہاں نہ معلوم ہو کچھ زمیں کا نشاں
تجھے بوند پانی نہ دیں اے جواں مگر تو اطاعت کرے لاکلام

(۱۹)

یہ سن رکھ کہ ہم لوگ ہیں لشکری نہ جانیں ہیں دیں کو نہ پیغمبری
ہمیں کوئی کچھ دے کرے سروری اشارت کرے تو کریں قتل عام

(۲۰)

بس اب گفتگو وقت فرصت نہیں لڑائی ہے یاں کوئی صحبت نہیں
بہت آب پر تیری قسمت نہیں یہی منہ پہ کہنا یہی ہے پیام

(۲۱)

روایت ہے واں اک فرنگی بھی تھا ہوا گوش زد اس کے یہ ماجرا
سبھوں سے مخاطب ہو ان نے کہا یہ ہے کون اے سردم زشت فام

(۲۲)

کہا ایک نے برگزیدہ ہے یہ محمدؐ کا نور ددیدہ ہے یہ
ہوا کیا جو آفت رسیدہ ہے یہ علی کا ہے فرزند خود ہے امام

(۲۳)

وہ بولا کہ اے قوم جاہل ہو تم شریر و سیہ کار و باطل ہو تم
سب اس شخص کے خوں کے مائل ہو تم کہو جس کو فرزند خیرانام

(۴۴)

نبی زادہ ہے تشنگی سے نڈھال — تمھیں اس کے جی مارنے کا خیال
عتاب اس پہ کرتا ہے ہر بدخصال — خطاب اس سے کرتا ہے اب ہر کدام

(۴۵)

زہے دین و آئین و خلق و ادب — عجب اے محمد پرستاں عجب
سب اس کے پئے خون ہو بے سبب — سبب جس کے دیں کا تمھارے قیام

(۴۶)

اہانت ہو عیسیٰ کے خر کی جہاں — کریں لوہو نصرانی اپنا رواں
رہے تیغ خوں خوار ہی درمیاں — نہ ہو واں کا جس دم تلک انہدام

(۴۷)

کیا ہے عمل تم نے وہ اختیار — نہ جس کو کریں کافران تتار
رہے گا ستم یہ بہت یادگار — ہوئے ہو سزاوار طعن دوام

(۴۸)

عبث دیں کو برباد تم نے کیا — محمدؐ کے منھ سے نہ کی کچھ حیا
کسو سے بھی دنیا کرے ہے وفا — طمع تم سیہ باطنوں کی ہے خام

(۴۹)

ہوا واقعہ پھر سو جانیں ہیں سب — ستم گذرا ایسا کہاں اور کب
قیامت غضب قہر رنج و تعب — ہوا بیکسانہ تمام اس کا کام

(۵۰)

اٹھایا جبیں پر جو زخم سناں — ہوا خاک پر خون ازبس رواں
جھکا پشت زیں سے امام زماں — گئی چھوٹ مرکب کی کف سے لگام

(۵۱)

غش آیا لہو جو بہت سا گیا — جھکا یعنی سجدے کا مائل ہوا
سر و تن ہوئے اتفاقاً جدا — نہ چالیس دن تک ہوا التیام

(۳۲)

مندی آنکھ شہ کی ہوا طور اور　　ستمگار کرنے لگے جور اور
گیا وہ زمانہ ہوا دور اور　　گیا سوے سجاد وہ ازدحام

(۳۳)

لگا آگ خیمے جلانے لگے　　پدرمردہ کو کھینچ لانے لگے
ستائے ہوؤں کو ستانے لگے　　کھلے سر گئے مردمان خیام

(۳۴)

جگر میں بھری آگ آنکھوں میں آب　　مرض سے بدن کے تعب کی نہ تاب
قدم کانپتے راہ چلنا شتاب　　بندھے ہاتھ میں اشتروں کی زمام

(۳۵)

نظر سوے اہل حرم دم بدم　　بہت باپ کے مرنے کا دل میں غم
مصیبت بہت جان میں تاب کم　　دکھ اس کا کہیں میرؔ کیا ہم غلام

○

(۲)

(۱)

محرم کا نکلا ہے پھر کر ہلال   قیامت رہیں گے دلوں پر ملال
کیا تھا جو ماتم بہت پر کے سال   سو آئے نہیں اب تلک جی بحال

(۲)

بہت چھاتی کوٹی تھی لے لے کے سنگ   لہو رو کے لائے تھے چہروں پہ رنگ
جو ویسا ہی اب کے بھی غم کا ہے ڈھنگ   تو ہو جائے گی زندگانی وبال

(۳)

الف داغ کھینچے کہیں جائیں گے   کہیں نعل سینوں پہ جڑوائیں گے
بہت لوہو روتے ہوئے آئیں گے   بہت سینہ کوبی سے ہوں گے نڈھال

(۴)

نہوں سے بہت چہرے ہوں گے فگار   پھریں گے بہت روتے نالاں و زار
بہت اپنا شیون کریں گے شعار   اٹھیں گے سروں پر بہت خاک ڈال

(۵)

عزیزوں کے احوال ہوں گے بتر   برہنہ سر آویں گے اکثر نظر
سیہ ہوں گے ہر کو و برزن میں گھر   پریشاں کریں گی زناں سر کے بال

(۶)

جواں اپنے جامے کریں گے سیاہ   پھریں گے گریباں پھٹے دل تباہ
گذارے کی رستوں میں ہوگی نہ راہ   رکھیں گے جو روضے گھروں سے نکال

(۷)

بجاویں گے جھانجھیں اڑاویں گے خاک   کریں گے بہت نالۂ دردناک
لہو ہوں گے دل سب جگر ہوں گے چاک   رہیں گے نہوں کے نچے چہرے لال

(۸)

زناں مو پریشاں دوانوں کے رنگ   لیے سینہ کوبی کو ہاتھوں میں سنگ
کشادہ رخ و زندگانی سے تنگ   عجب خستہ حالی عجائب مقال

(۹)

زباں پر حسنؑ زیر لب واحسینؑ   کہے ایک یہ ہوگیا کیا حسینؑ
اٹھے گی کوئی کہہ کے جو یاحسینؑ   تو سامع سروں کے تئیں لیں گے ڈال

(۱۰)

عجب حال ہوگا جو لڑکے تمام   پکاریں گے ہے ہے دوست شام
کہے گا کوئی غم سے گر یا امام   تو ہوگا بکا مسجدوں میں کمال

(۱۱)

دہل کی صدا جھنجھی کا وہ شور   قیامت سی رکھیں گے ہر چار اور
جواں چھاتیاں اپنی کوٹیں گے زور   منھ اپنے کو پیٹیں گے پیرانہ سال

(۱۲)

بہم لے کے آئیں گے ماتم کے تیں   سیہ خانہ کر دیں گے عالم کے تیں
بیاں کرکے روئیں گے اس غم کے تیں   جو دل کو کلیجے کو لے ہے نکال

(۱۳)

کریں گے سیہ خانہ اہل عزا   بناویں گے شہروں میں دشت بلا
جہاں ایک ہووے گا ماتم سرا   گریں گے جو آنسو تو خوں کی مثال

(۱۴)

کہ ماتم آوے گی نعش اک بنی   سو ہووے گی تیروں کے مارے چھنی
لگے گی غضب ہونے سینہ زنی   جیوں میں نہ سرنے کا ہوگا خیال

(۱۵)

پڑھیں گے کوئی مرثیہ میرؔ کا   دلوں میں کرے کام جو تیر کا
پھٹے گا جگر کودک و پیر کا   نپٹ خونچکاں ہوگی وہ قیل وقال

(۱۶)

ستم شامیوں کے کریں گے بیاں   کہ ان میں پھنسا تھا امام زماں
ہوا ہائے کیا ظلم اس پر عیاں   گیا تشنہ لب جی سے وہ خوش خصال

(۱۷)

جواں اک پسر اس کا مارا گیا   رفیقوں کا سب زور و یارا گیا
کبھی جان گھر بار سارا گیا   سزا اس جفا کے محمدؐ کی آل

(۱۸)

سیہ خاک سے آپ یکساں ہوا   پس از قتل گھر بار ویراں ہوا
وہ جمع معزز پریشاں ہوا   رہا عابدیں سو گرفتار حال

(۱۹)

لگی آگ خیمے جلے سربسر   ہوئے لوگ ناموس کے دربدر
نہ وارث نہ صاحب نہ جاگہ نہ گھر   ملا خاک میں جاہ و مال و منال

(۲۰)

اسیر بلا   مردمان حرم   پدر مردہ   سجاد   ننگے قدم
نہ پہنچی مرض میں دوا بھی بہم   نہ اپنا کوئی جو کرے مشت مال

(۲۱)

چلا تپ میں آیا کھنچا ناتواں   ہوا ساتھ اہل حرم کے رواں
پھر اس پر تقید چلا چل دواں   قدم گرچہ رکھتا تھا اپنا سنبھال

(۲۲)

ولے ضعف سے تن سنبھلتا نہ تھا   تمنا تھی پر جی نکلتا نہ تھا
کھڑا کیونکے ہو بس تو چلتا نہ تھا   زمانے کی ٹیڑھی نہایت ہے چال

(۲۳)

بندھے ہاتھ جن میں شتر کی زمام   نظر سوے اہل حرم گام گام
گرا ناتوانی سے جو وہ امام   پریشاں ہوا اس جماعت کا حال

(۲۴)

اٹھا بی بیوں میں سے یک بار شور   کہ ٹک دیکھ عابد ہماری بھی اور
نہ وارث ہے تجھ بن نہ کچھ ہم میں زور   ستم ہے قضا گر تجھے دیوے ٹال

(۲۵)

ہوا کشتگاں پر جو ہو کر گذار   قیامت ہوئی قیدیوں سے دوچار
لگی کہنے ہر ایک رو رو کے زار   کہ اے شہ ہوا کیا وہ جاہ و جلال

(۲۶)

ترے ساتھ کل تک تو اسباب تھا   ترا در ادب کرنے کا باب تھا
نہ یہ خاک یوں بستر خواب تھا   نہ ہوتی تھی حرف و سخن کی مجال

(۲۷)

سو ہنگامہ ہے تیرے پیکر پر آج   بلا شور ہے کچھ کٹے سر پر آج
قیامت ہوئی ہے ادھر گھر پر آج   کھنچے آئے ہیں ہم کھلے سر کے بال

(۲۸)

تری پاسبانی تھی فخر ملک   تو خورشید تھا تیری جا تھی فلک
تو پہنچا ہے کیوں خاک تیرہ تلک   ترے سر پہ آیا ہے کیوں یہ زوال

(۲۹)

عزیز آہ تیرے جو تھے کٹ گئے   مچی غارت ایسی کہ ہم لٹ گئے
ردائیں گئیں رک گئے گھٹ گئے   یہ اب حال ہے دیکھیں کیا ہو مآل

(۳۰)

ترے باغ میں کیا خزاں آگئی   جہاں تک تھی سرسبزی سو کھا گئی
گل و برگ جنگل میں پھیلا گئی   شجر کٹ گئے چھٹ گئے سب نہال

(۳۱)

برادر پسر رنج سے لٹ گئے   رفیق اور بازو ترے کٹ گئے
جگر درد و غم کھینچتے پھٹ گئے   بیاں کریے کس کس کا حسن و جمال

(۳۲)

نظر کر ہمارے بھی آشفتہ مو   تنک دیکھ عابد کا طوق گلو
کسے ایسے جینے کی تھی آرزو   ترے ہجر میں کاش ہوتے وصال

(۳۳)

ہمیں شام کا اب سفر پیش ہے   تری بیکسی سے جگر ریش ہے
نہ بیٹا ہے بیٹھا نہ اب خویش ہے   اٹھانا ترا خاک سے ہے محال

(۳۴)

نہ احوال کا کوئی عالم ہے یاں   نہ داور نہ یاور نہ حاکم ہے یاں
نہ تو ہے نہ اکبر نہ قاسم ہے یاں   کریں داد دل کا سو کس سے سوال

(۳۵)

جگرچاک دل خستہ روتے اسیر   یہ کہہ کر گئے سب بہ حال فقیر
نہ لکھ بیکسی ان کی اب آگے میرؔ   ہنوز ان پہ روتے ہیں دشت و جبال

○

(۳)

(۱)

تحیات اے عزیزاں بابت آل پیمبرؐ ہے　　درود اے دوستاں شائستۂ اولاد حیدر ہے
نیاز اے حق پرستاں لائق شبیر و شبر ہے　　سلام اے موماں ایسے جو ہوں ہر لحظہ ان پر ہے

(۲)

محمدؐ جس کا نانا اس کو بیکس کرکے سب ماریں　　پدر ساقی کوثر جس کا اس کو تشنہ لب ماریں
سبب جو بخشش عالم کا اس کو بےسبب ماریں　　حرم کا جو ہے عزت دار سو محتاج چادر ہے

(۳)

ورق الٹا فلک نے یوں کہ دم میں مٹ گیا سب گھر　　چنانچہ اب سخن ہر پردگی کے ہے یہی لب پر
عبارت گھر جنھوں سے تھا سو یارب کیا ہوئے یکسر　　نہ سرور ہے نہ قاسم ہے نہ اصغر ہے نہ اکبر ہے

(۴)

شہ ہر دوجہاں زیرنگیں معروف اور نامی　　امام عارف و عامی نبیؐ کے دین کا حامی
سر اس صبح سعادت کا سناں پر لے چلے شامی　　کہاں حیدر کہ جو دیکھے وہی یہ نازپرور ہے

(۵)

ستم جو دیکھتا تھا ہر زماں ان جورکیشاں سے　　کہے تھا عابد بیکس غم و اندوہ پنہاں سے
کہوں امیدگاہا تجھ سے کیا حال پریشاں سے　　نگہ میں یاس ہر دم ہے لبوں پر شیون اکثر ہے

(۶)

بہت دلجوئی امت میں تھا صرف توانائی　　سو وہ امت ہمارے آج کے دن خوب کام آئی
کیا گھر بار غارت مار ڈالے بیٹے اور بھائی　　خرابی آل کی دیکھے محمدؐ آہ کیدھر ہے

(۷)

جگر ٹکڑے ہوا ہے کب تلک یہ سختیاں دیکھیں　　نکلتی آنکھ سے یاقوت کی سی تختیاں دیکھیں
تس اوپر شام کے لوگوں کی یہ بدبختیاں دیکھیں　　بلا لے پاس اپنے جلد ہم کو بھی تو بہتر ہے

(۸)

کوئی کہتی تھی اے شہ یہ ستم کیا ہم پہ ہوتا ہے نہیں کوئی پوچھتا آنسو گروہ اک غم سے روتا ہے
تو کن نیندوں سحر سے قتل گہ میں آج سوتا ہے ہمارا شام کی جانب کو لے جانا مقرر ہے

(۹)

مخاطب کرکے زہرا کو کوئی یوں غم سناتی تھی کہ تو اے مادر مشفق سبھوں کے ناز اٹھاتی تھی
بگڑتا تک کسی کا حال تو وو ہیں بناتی تھی توجہ آج کیدھر ہے نہایت حال ابتر ہے

(۱۰)

سروں کا تاج تھا جو شہ ہوا ہے خاک سے یکساں ترا جو خانۂ دولت تھا سو یکسر ہوا ویراں
پھریں ہیں سر برہنہ عورتیں جنگل میں سرگرداں جدھر جاتے ہیں مضطر ہو ادھر دشمن کا لشکر ہے

(۱۱)

عجائب در ہی آئی ہے اس جمع پریشاں میں قیامت کا سا ہنگامہ ہے برپا اک بیاباں میں
تری اس چین سے کیونکر لگی ہے آنکھ میداں میں بلا ہے فتنہ ہے آشوب ہے اک شور ہے شر ہے

(۱۲)

علی کی اور روبے حرف جو ہوتا تھا نسواں کا جگر پانی ہوا جاتا تھا سن کر انس اور جاں کا
کہ کہتی تھیں ہوا کیا دست تیرے لطف و احساں کا سروں پر پنجۂ خورشید ہے جو سایہ گستر ہے

(۱۳)

غبار دل نہ ہو کیونکر بلند آفت رسیدوں کا نظر آتا نہیں زیر زمیں ہونا شہیدوں کا
کھلے گا کس طرح دل وائے ہم محنت کشیدوں کا زمیں سے آسماں تک دیکھتے ہیں تو مکدر ہے

(۱۴)

جہاں تاریک ہے بیٹے بھتیجے مر گئے سارے رفیق ایک ایک گن کر دشمنوں نے جان سے مارے
جفائیں سہتے سہتے بازماندے شاہ کے ہارے چراغ اک نیم کشتہ سا ہے باقی سو بھی مضطر ہے

(۱۵)

کبھی لیتا ہے چھاتی کوٹ منھ کر کر مدینے کو کبھو دل تنگ ہوکر نوچ لے ہے زور سینے کو
رہے کیونکر نہ وہ ہموار دل کے لوہو پینے کو نہ جس کا کوئی ہمدم ہے نہ یاری گر نہ یاور ہے

(۱۶)

نہیں ان کلفتوں کی تاب لائی جاتی اب ہم سے لپٹ سی ہونٹ کو لگنے لگی ہے گرمی دم سے
درونے جل گئے شاید ہمارے آتش غم سے ٹپکتا آنکھ سے آنسو جو ہے گویا کہ اخگر ہے

(۱۷)

کسے آتا ہے باور اب جو کہیے شہ یہ ایسا تھا ترا اقبال جیسا چاہیے کل تک تو ویسا تھا
سحر کو کچھ نہ تھا گویا تجھے دن آج کیسا تھا نہ قدر و منزلت وہ ہے نہ وہ سر ہے نہ افسر ہے

(۱۸)

نہ مانع جو ہوئے آنے کے تیرے یاں ہوا خواہاں نہ روکا جو مزاحم ہو کسو نے کھینچ کر داماں
مگر آگہ نہ تھا کوئی کہ ہر ہر گام اوپر یاں سناں ہے تیر ہے تلوار ہے برچھی ہے خنجر ہے

(۱۹)

قیامت سختیاں دیکھیں ہوا احوال دل برہم توقع رحم کی کس سے رکھیں برگشتہ ہے عالم
نہیں کرتا مصیبت پہ ہماری کوئی مژگاں نم مروت یاں نہیں ہے رحم دل ہر اک کا پتھر ہے

(۲۰)

موئے پہ وارثوں کے رسم تھی آگے ترحم کی نہ استخفاف و استہزا و تعریض و تبسم کی
دلوں میں لہر سی آتی ہے فریاد و تظلم کی سو عادل ہی نہ یاں کوئی نہ حاکم ہے نہ داور ہے

(۲۱)

گئے یوں دل کو خاکی کر کے ذوے سب ظلم کے مارے بلا کے مبتلا دشت غم و کربت کے آوارے
چلے جاتے تھے رہ اور کہتے جاتے تھے یہی سارے کہ کیا چارہ ہے بے چاروں کا گریوں ہی مقدر ہے

(۲۲)

جو کچھ اے میرؔ آگے چل کے پیش آیا انھیں مت کہہ کہاں تک نوحہ و زاری کرے گا ہرگہ و بے گہ
یہیں سے رنگ تیرے دل کا پیدا ہے بس اب چپ رہ کہ جو آنسو گرے ہے آنکھ سے یاقوت احمر ہے

O

(۴)

(۱)

خاک تیرے فرق پر اے بےمروت آسماں　　ایک قطرہ آب کو ابن علی دیتا ہے جاں
بھائی بیٹے اس کے مارے جاتے ہیں کیا کیا جواں　　کھول چشم مہر و مہ پھر وقت ملتا ہے کہاں

(۲)

آنکھیں ہیں طالع ستارے پر نہیں تجھ کو نظر　　ہاتھ دھلوا ایسے مہماں کے سعادت جان کر
ہو سکے تو صرف کر مقدور اس کا پانی بھر　　آگیا ہے ساقی کوثر کا نورچشم یاں

(۳)

جان سے جب ہاتھ دھو بیٹھے گا یہ تب کیا حصول　　فائدہ جو تشنہ لب دریا کنارے ہو ملول
اب بھی ہے وقت مروت شاد کر روح رسولؐ　　ورنہ اس خورشید کے ڈوبے سیہ ہوگا جہاں

(۴)

گھر سیاہ اپنے کریں گے اس عزا میں سب امیر　　اس کے ماتم میں بہت سے لوگ ہوویں گے فقیر
سینہ کوبی کرتے کوچوں میں پھریں گے خرد و پیر　　عورتیں بے تاب نکلیں گی گھروں سے مونشاں

(۵)

گریہ و زاری پہ رکھیں گے خردمنداں اساس　　جامۂ آبی مقرر ہوگا ہر اک کا لباس
ناخنوں سے لوگوں کے چہرے نچیں گے بے قیاس　　پتھروں سے سر کو دے دے ماریں گے خرد و کلاں

(۶)

جمع نسواں مو پریشاں سینہ کوباں دل کباب　　اپنے کاکل کی طرح غصے سے سب پر پیچ و تاب
یک دل و غم بے حد و یک جان و رنجش بے حساب　　ایک لب سو شورشیں نوحے ہزاروں یک زباں

(۷)

نعل سینوں پر جڑیں گے اور سر پھوڑیں گے لوگ　　کھینچیں گے کتنے الف داغ اور کتنے لیں گے جوگ
دیر اس ماتم سرا میں رکھیں گے اس شہ کا سوگ　　حلقہ حلقہ لوگ ہوں گے نوحہ ہوگا درمیاں

(۸)

سود اپنا دیکھ کر اقدام کر خدمت کے بیچ — نیک نامی سے ہو تا مشہور تو خلقت کے بیچ
ہو شریک رنج اس کا یعنی اس محنت کے بیچ — ورنہ کیا ہے نفع کھینچے گا جو یہ جی کا زیاں

(۹)

کر مروت رنج و غم سے اس مسافر کو نکال — حاصل اس دم کیا ہے جس دم قطع ہو جاویں نہال
گل جھڑیں بوٹے کٹیں غنچے ہوں یکسر پائمال — خاک سی اس باغ کی دیوے اڑا باد خزاں

(۱۰)

یعنی اس کے اقربا خویش و پسر مر جائیں گے — تنگ ہو ناچار سر میدان میں کٹوائیں گے
ناتواں سجاد ہی کو سب کی جاگہ پائیں گے — سو گلے میں اس کے طوق آہنیں ہوگا گراں

(۱۱)

یار و انصار اس کے مارے جائیں گے یک بارگی — ہوگی اس جمع معزز میں عجب آوارگی
اترے گا گھوڑے سے وہ زخمی بصد بے چارگی — ہوگا سر نیزے پہ جوں خورشید حشر اس کا عیاں

(۱۲)

قافلہ لوٹا ہوا ناچار ہوگا گرم راہ — ڈبڈبائیں سب کی آنکھیں زیر لب فریاد و آہ
دل شکستہ دست بستہ جان کی حالت تباہ — آگے آگے عابدیں بے یاور و بے مہرباں

(۱۳)

موند کر آنکھیں جو یہ سید گیا جی سے گذر — تو فسانہ یہ رہا جب تک کہ ہے نوع بشر
عاقبت سے کچھ نہیں اس کام کی تجھ کو خبر — تا قیامت چشم پوشی تیری ہووے گی بیاں

(۱۴)

ماتمی سارے کہیں گے اے فلک یہ کیا کیا — کنبہ اس کا مار کر سارا اسے تنہا کیا
پھر یہ ہنگامہ سر بیکس پہ کیا برپا کیا — جس سے وہ جی دے گیا ہے غم کدہ یہ خاکداں

(۱۵)

الغرض شاکی رہیں گے تعزیہ دار امام — مرثیہ میں میرؔ کے تیرے گلے ہوں گے تمام
کرتے شیون منہ تری جانب کریں گے خاص و عام — دیکھیں گے تیری طرف سر پیٹتے پیر و جواں

○

(۵)

(۱)

فلک قتل سبطِ پیمبر ہے کل یہ ہنگامہ ہونا مقرر ہے کل
سحر شام تیرہ سے بدتر ہے کل بلا کل مکل ہے کہ محشر ہے کل

(۲)

کہاں ہوگا افسر سر شہ کہاں یہ خیمہ کہاں اور خرگہ کہاں
جو کچھ ہے حشم آج سو یہ کہاں نہ حاکم نہ یاور نہ داور ہے کل

(۳)

نہ ہوگا کوئی جو کرے داوری رہے گی وہ لاش اس زمیں پر پڑی
نگہبان ہوگا خدائے قوی مصیبت عجب ایک اس پر ہے کل

(۴)

نہ ہوگا کوئی یار و انصار آہ نہ خویش و برادر نہ رتبہ نہ جاہ
مرے گا بہت ہو کے بیکس وہ شاہ نہ قاسم نہ اکبر نہ اصغر ہے کل

(۵)

جو بازو ہیں جاویں گے سب دے کے جاں نظر جس کے اوپر کرے سو کہاں
ستم ہوگا چاروں طرف سے عیاں نہ احمدؐ معاون نہ حیدر ہے کل

(۶)

نہ عباس ہوگا نہ ہوگا علم کہ ہاتھ اس کا بازو سے ہوگا قلم
رہیں گے جو پیچھے کسان حرم سو ان کو نہ جاگہ نہ گھر در ہے کل

(۷)

سر شہ نہ ہوگا یہ اسرار ہے کسان حرم اور بازار ہے
رہے گا جو سجاد بیمار ہے سو اس کو نہ دارو نہ بستر ہے کل

(۸)
معزز حرم کے رہیں گے جو لوگ   پریشاں پھریں گے گرفتار سوگ
اسیری و غارت سے چالوں کو روگ   نہ پردہ انھوں کو نہ چادر ہے کل

(۹)
جہاں جاے عبرت ہے کیا اعتبار   ہمیشہ نہیں ایک کا اختیار
شکست شہ دیں سے ہے آشکار   نہ وہ کوکبہ ہے نہ لشکر ہے کل

(۱۰)
دم آب ہووے گا نایاب وھاں   نہ کنبہ قبیلہ نہ احباب وھاں
نہ دولت سرا وہ نہ اسباب وھاں   نہ ساماں نہ سر ہے نہ سرور ہے کل

(۱۱)
تن نازنیں ہوگا گھائل تمام   بلا ہوگا اس ایک پر ازدحام
جبیں سے بہے گا لہو لعل فام   گلوے مبارک پہ خنجر ہے کل

(۱۲)
بچے گا جو بیٹا سو ہوگا اسیر   عزیز حرم سب بحال تغیر
بکا کرتے ہیں ہوں گے صغیر و کبیر   کہاں ایسی غارت سے وہ گھر ہے کل

(۱۳)
سکینہ کہے گی پدر کیا ہوا   کرے دل دہی جو گلے سے لگا
نہ کلثوم کے پاس ہوگی ردا   نہ زینب کے تارک پہ معجر ہے کل

(۱۴)
قیامت ہے ادھر کو ہوگا گذار   جدھر اس طرح کا ہوا کارزار
نظر آوے گی لاش شہ ایک بار   نہ ہوگا وہ ساماں نہ وہ سر ہے کل

(۱۵)
فلک حال پر تیرے روتے ہیں آہ   کہاں ہوں گے یہ دیدۂ مہر و ماہ
جہاں ان کی آنکھوں میں ہوگا سیاہ   کرے سوجھتا تو تو بہتر ہے کل

(۱۶)

نہ ہووے گا سادات میں مرد ایک   مگر عابدیں زار اور زرد ایک
زمیں سے اٹھے گی سیہ گرد ایک   سپہر بریں تک مکدر ہے کل

(۱۷)

سر شہ سناں پر رکھا جاوے گا   لٹا قافلہ بھی چلا جاوے گا
بس اب مت لکھے کیا لکھا جاوے گا   زمانہ ہی اے میرؔ دیگر ہے کل

○

(٦)

(١)

امت تھی نبیؐ کی کہ یہ کفار حسینا   تو سبط تھا اس کا کہ گنہگار حسینا
بے بیچ لیا جی سے تجھے مار حسینا   یہ دیں ہے تو ہم پہنیں گے زنار حسینا

(٢)

یوں اہل حرم کہتے ہیں وارث نہیں سر پر   جو تیرے تلف ہوگئے آباد رہے گھر
رکھتے تھے توقع کہ جواں سال ہے اکبر   سو کھا گئی اس کو بھی وہ تلوار حسینا

(٣)

اصغر نہ ہوا تھا ابھی امید کی جاگہ   تھا طفل نہ تھا نیک و بد دہر سے آگہ
سو اس کو بھی اک تیر لگا آن کے ناگہ   سجاد جو باقی ہے سو بیمار حسینا

(٤)

قاسم پہ کبھی اپنی نظر پڑتی تھی جاکر   کہتے تھے اسے سونپے گا شہ ہم کو بلاکر
سو آگے ہی تجھ سے وہ گیا سر کو کٹاکر   کیا روئیے کوئی نہیں غم خوار حسینا

(٥)

ہر چند کہ یاں سے وہ بہت دور مکاں تھا   پر ترک وطن کرتے ہی ہنگامہ عیاں تھا
تو آن اترتا تھا جہاں اور ساں تھا   بے ڈھب تھی تبھی چرخ کی رفتار حسینا

(٦)

گریاں در و دیوار تھے ہنگام سفر کے   ہم چشم تھے پاؤں کے اثر دیدۂ تر کے
دامن میں ترے دست زناں لوگ تھے گھر کے   کچھ خوب نہ تھے پہلے ہی آثار حسینا

(٧)

یاں تو تھا اگرچند بہت مردم کم سے   پر بادیہ آباد ہوا تیرے قدم سے
اب تو ہے جہاں واں تئیں بے فاصلہ ہم سے   سرہائے بریدہ کا ہے بازار حسینا

(۸)

کیا خویش و برادر ترے کیا یاور و انصار آگے ہی ترے کر گئے سب رخت سفر بار
گھر لوٹ لیا سارا نہ آدم ہے نہ یک تار ہو کون سیہ پوش و عزادار حسینا

(۹)

وارث جو کوئی ہو تو لگے اس کے جگر کو جلنا نہ سکے دیکھ وہ اس طرح سے گھر کو
یوں خوش نہ کرے لوگوں کی عریانی سر کو سو غیر خدا کون ہے ستار حسینا

(۱۰)

میدان کی سب خاک کو ہم چھان کے دیکھا تب لاشہ ترا دیر میں پہچان کے دیکھا
سو جسم کو بے سر ترے اب آن کے دیکھا جی ہی میں رہی خواہش دیدار حسینا

(۱۱)

یوں خاک ملے خوں میں ترا سامنے سونا پھر طاقت رفتار کا پاؤں میں نہ ہونا
کہیے بھی جو بیٹے کے تئیں ایک ہو رونا ہیں اس کو تو آزار پر آزار حسینا

(۱۲)

مرنا ہو میسر تو کریں ہم تگ و دو بھی ہوں اپنوں کی باتیں تو سنی جاتی ہیں سو بھی
پتھر بھی کیا دل کے تئیں ہم نے پہ تو بھی اٹھتی نہیں یہ سختی گفتار حسینا

(۱۳)

کیا قہر ہے ہر پیر و جواں خستہ پڑا ہو بیٹا جو رہا ہو سو بندھے ہاتھ کھڑا ہو
تو قتل ہوئے پر بھی زمیں میں نہ گڑا ہو ہم ایسے ستم کے ہوں سزاوار حسینا

(۱۴)

آنکھوں کے مندے تیرے ستم سخت ہوا ہے سر ننگے ہیں سب کون سا پردہ وہ رہا ہے
ناموس نبیؐ قید ہو لوگوں میں کھڑا ہے دے کھینچ کوئی بیچ میں دیوار حسینا

(۱۵)

لیتے ہیں ترا نام جو سب شور و بکا کر پوچھے ہے سکینہ تجھے ہر ایک سے آکر
دلجوئی کرے کون اسے پاس بلا کر ہم ایک مصیبت میں گرفتار حسینا

(۱۶)

کیوں بیٹے بھتیجے بھی یوں جاویں نہ مارے	کس طور تلف ہوویں طرفدار نہ سارے
تو سر پہ سلامت رہے کیونکر کے ہمارے	ہونا تو ہمیں دشت میں تھا خوار حسینا

(۱۷)[1]

یہ جور کسو مذہب و ملت میں نہ دیکھا	یہ طور جو دیکھا کسو صحبت میں نہ دیکھا
یہ حال کسو کی بھی ہزیمت میں نہ دیکھا	مارے بھی پڑا کرتے ہیں سردار حسینا

(۱۸)

کس واسطے سب روے زمیں لال ہوا ہے	کاہے کو ترے باغ کا یہ حال ہوا ہے
کیوں خون ترا خاک سا پامال ہوا ہے	تھا تو تو سبھوں کا گل دستار حسینا

(۱۹)

کیا حال کہے یاں کے کوئی جور و جفا کا	خوں بسکہ گرا خاک کے اوپر شہدا کا
اٹھ سیر تو کر تو بھی تنک رنگ ہوا کا	ہر خار و خس دشت ہے گلزار حسینا

(۲۰)

رنج ایک جو ہووے تو ہر اک اس کو اٹھا لے	جی کوئی سنبھالے کہ سکینہ کو سنبھالے
تو کاشکے اب سب کے تئیں پاس بلا لے	اس جینے سے ہم آئے ہیں بیزار حسینا

(۲۱)

جوں ہم لٹے دشمن کو بھی حق یوں ہی لٹاوے	پردے کے تئیں اس کے بھی یک بار اٹھاوے
کاہے سے کوئی منھ کے تئیں آہ چھپاوے	چھوٹا نہیں ہے گھر میں تو اک تار حسینا

(۲۲)

نقصان ہوا تیرے تئیں جان کا عائد	کچھ سمجھے نہ اس قوم سیہ رو کے عقائد
پھر کاٹے لیے جاتے ہیں سر کو جو یہ شاید	ہے تجھ سے ابھی ان کو سروکار حسینا

(۲۳)

کیا کہیے ترے مر گئے عزت ہے نہ آدر	سر پر نہ رہا معجر و چھوٹی نہیں چادر
نے یار نہ داور نہ کوئی خویش و برادر	کس سے کریں ہم درد دل اظہار حسینا

---

(۱) نسخۂ کتب خانۂ مخطوطات، حیدرآباد

(۲۴)

میداں میں عزیزوں کے لہو دیکھے ہیں جاری — کس طرح سے موقوف کریں نالہ و زاری
کرتے ہیں بہت ضبط پہ جوں ابر بہاری — تھمتے نہیں یہ دیدۂ خوں بار حسینا

(۲۵)

کہتے تھے ادھر کو نہ کسی طرح پڑے راہ — سو آئے چلے سیدھے یہیں خواہش اللہ
تقدیر کا سمجھا نہ گیا ہم سے فریب آہ — کچھ ہووے ہی گا اس میں بھی اسرار حسینا

(۲۶)

یہ آتش غم کس سے کہیں جا کہ بجھادے — شعلے سے جو اٹھتے ہیں جگر میں سے بٹھادے
یوں جلتے رہیں کب تئیں ہم سب کو جلادے — کاش آ کے کوئی ابر شرربار حسینا

(۲۷)

انواع ستم ہم نے ترے پیچھے سہا ہے — کچھ تو بھی تو کہہ کاہے کو منھ موند رہا ہے
بے رحم کسی شخص نے کیا تجھ سے کہا ہے — مت بولیو ان لوگوں سے زنہار حسینا

(۲۸)

اس بگڑے ہوئے حال کا مشکل ہے سنورنا — کیا نقل کریں خوب ہے اس جینے سے مرنا
جن لوگوں سے تھا ننگ ہمیں بات کا کرنا — اب ان کو سخن ہم سے ہوا عار حسینا

(۲۹)

سب حال کہیں تنگی وقت آہ جو رہ دے — تجھ پاس رہیں فرصت اگر روز سیہ دے
اب تو ہی کچھ اس باب میں سجاد سے کہہ دے — ہم شام کے جانے کو ہیں تیار حسینا

(۳۰)

بے طاقتی و ضعف بدن گرچہ عیاں ہے — ناچار ولے ساتھ ہمارے وہ رواں ہے
انصاف سے ٹک دیکھیے سو وہ چشم کہاں ہے — عابد کے کف پا و سر خار حسینا

(۳۱)

ہوتا نہیں اب منھ پہ یہاں خاک ملے کچھ — تسکیں ہو دلوں کو جو زباں تیری ہلے کچھ
سرکیں نہ قدم گاہ سے اپنا جو چلے کچھ — جاتے ہیں تجھے چھوڑ کے ناچار حسینا

(۳۲)

ماتم بھی ترا کریے جو فرصت دے زمانہ　　عزت سے ترا خاک سے بن آوے اٹھانا
سو ہم نے تو دل کھول کے رونا بھی نہ جانا　　وقفہ نہیں دیتے یہ ستمگار حسینا

(۳۳)

یہ حرف تھے جو شور ہوا چلنے کا ناگاہ　　پھر میرؔ وہ قیدی بھی گئے واں سے بھر اک آہ
ہر غم زدہ کے لب پہ چلے جاتے ہوئے راہ　　آتا تھا ہر اک گام کئی بار حسینا

○

(۷)

(۱)

گردوں نے کس بلا کو یہ کر دیا اشارہ ابن علی کو جن نے اس گھاٹ لا اتارا
دریا کے خاک سر پر جو کر رہا کنارہ دنیا سے خشک لب یہ سید گیا ہمارا

(۲)

کر بند سب کا پانی پھر آگ آ لگائی چھاتی مسافروں کی سو رنگ سے جلائی
گھٹنے کی بات یاں کی کس مرتبہ بڑھائی کیا کیا ہوئی چڑھائی کیا کیا دیا اتارا

(۳)

سید کے آنکھ مندتے کچھ اور تھا زمانہ عابد رہا سو اس کو موجود ہی نہ جانا
ناموس احمدی کی عزت نہ کی نہ مانا گھر بار لوٹ سارا ان کو کیا اسارٰی

(۴)

وارث یہی رہا تھا بے چارہ دل شکستہ سو درمیاں کھڑا تھا ناچار دست بستہ
کیا وارثی کرے وہ دل چاک سینہ خستہ یاری گر و نہ یاور جس کا نہ یار و یارا

(۵)

تھے لوگ سب حرم کے جوں بید سربرہنہ ان میں سکینہ جیسے خورشید سربرہنہ
تھی شہر بانو یکسر نومید سربرہنہ نوحے سے جس کے جنگل تھا زلزلے میں سارا

(۶)

خاک سیاہ سے تھا قوم و قبیلہ یکساں منہ نوچتی تھی زینب کلثوم موپریشاں
قاسم کی ماں بچاری اس واقعے نے حیراں مرتا تھا زندگی پر ان سب کے تیں گوارا

(۷)

کہتی تھی خوب دیکھی بیٹے کی کدخدائی کیا دھوم ہو رہی تھی جس دم برات آئی
کون آوے ہو براتی سب مر گئے تھے بھائی یا دولہا آن اترا یا مرنے کو سدھارا

(۸)

شادی رچی ہے ایسی کاہے کو کوئی آگے دولھا کے دست و پا میں لوہو کی مہندی لاگے
بزم عروسی میں سے ہم روتے کڑھتے بھاگے نوشہ کا گھوڑا کہیے یا اس کے تیں کنوارا

(۹)

اس جمع کا تھا ازبس احوال اضطراری تھی فرط درد و غم سے ہر اک کو بے قراری
منھ آسماں کی جانب کلثوم کر پکاری کاے چرخ ہم سبھوں کا کیا جل گیا ستارہ

(۱۰)

شہ آفتاب جو تھا اس پر زوال آیا سر پر رہا نہ اس کے ختم رسلؐ کا سایہ
اکبر نے چاند سا منھ وو خاک میں چھپایا اصغر تھا طفل ہالہ بے وقت اس کو مارا

(۱۱)

ہے عابدیں جو باقی بیمار و ناتواں ہے درپیش پھر سفر ہے ساتھ اس کے کارواں ہے
دلجوئی سکینہ کیا ہوسکے عیاں ہے شور اک اٹھا جو ان نے بابا کے تیں پکارا

(۱۲)

دادا کی اور منھ کر رویا یہ کہہ کے پوتا کاے جد پاک سایہ تیرا جو سر پہ ہوتا
تو جان اپنی اکبر یوں رائگاں نہ کھوتا ہم پر ستم نہ ہوتا اس طرح آشکارا

(۱۳)

کاہے کو یہ قیامت سر پر ہمارے ہوتی پھوپھی نہ سر کو اپنے یوں پیٹ پیٹ روتی
روتی بلکتی پھرتی اس طور سے نہ پوتی غلطاں نہ خاک و خوں میں ہوتا حسین پیارا

(۱۴)

شش ماہہ طفل اصغر ایسا ستم نہ سہتا یہ سہل باتیں ہم کو ہر اک نہ منھ پہ کہتا
جوش و خروش سے یوں دریاے خوں نہ بہتا لوہو سے اقربا کے ہوتی نہ خاک گارا

(۱۵)

اب یانصیب میں نے سر پر بلا اٹھائی مشکل گذار اس میں گو راہ پیش آئی
کریے بیاں سو کس سے بابا رہا نہ بھائی یا ہے نظر خدا پر یا آسرا تمھارا

(۱۶)

اس طرز گفتگو کر چپکا ہوا وہ مغموم　　تاگفتہ میر بہتر آگے جو کچھ ہے معلوم
روتا چلا جو واں سے خاطرشکستہ مظلوم　　احوال دیکھ اس کا مشکل ہوا گزارا

○

(۸)

(۱)

آیا محرم غمگیں رہا کر   ابن علی کا ماتم رکھا کر
شیون جہاں ہو رو روز جاکر   آخر نبیؐ کے منہ سے حیا کر

(۲)

صرف خزاں ہے باغ امامت   اچھی نہیں کچھ یاں کی علامت
ہر گل کے سر پر ہے اک قیامت   پیراہن اپنا تو بھی قبا کر

(۳)

کھنچ جا علی کی اولاد کی اور   نزدیک سب کے ہے یہ طرف زور
سن کربلا کا ہنگامہ و شور   غم سے کماں ساں ہر دم نوا کر

(۴)

مٹی میں بوٹے اٹنے لگے ہیں   اشجار سارے کٹنے لگے ہیں
گل پھول جو ہیں چھٹنے لگے ہیں   جوں ابر تو بھی رو دل لگا کر

(۵)

شبیر و احمد نانا نواسا   جس کی نہ خاطر نے کچھ دلاسا
ہفتم سے رکھا اس کو پیاسا   آخر موا وہ گردن کٹا کر

(۶)

بابا نہ تھا جو چھاتی لگاتا   بھائی نہ تھا جو ہمت بندھاتا
بیٹا نہ تھا جو لاشیں اٹھاتا   مرنا بنا سو بیکس ہو آکر

(۷)

پتھر جگر تھا اس شیشہ جاں کا   دیکھا اجڑنا ووں خانماں کا
مرنا اٹھایا بیٹے جواں کا   کیا کیا گیا آہ سختی اٹھا کر

(۸)

نانا کی امت برگشتہ ساری   رکھتا تو کس سے امیدواری
عابد رہا ہے تس کو نزاری   گھر سونپ جاتا کس کو بلا کر

(۹)

القصہ آنکھیں اس کی مندیں جب   خیموں میں محشر برپا ہوئی تب
فریاد و افغاں کرنے لگے سب   مو یہ کناں تھے مو سر کے وا کر

(۱۰)

اس حال میں آ خیمہ جلایا   اسباب ظاہر لوٹا لٹایا
اس گھر کا ماتم یوں کر اٹھایا   یک جا کیے سب میداں میں لاکر

(۱۱)

وہ ناتوانی زین العبا کی   وہ دھوم گھر پر جور و جفا کی
بے صرفہ اشیا کیا کیا لٹا کی   تس پر ستم یہ اس کو دکھا کر

(۱۲)

وے دست کجیاں وہ کج پلاسی   اہل حرم کی وہ بے لباسی
پھر ظالموں کی ناحق شناسی   سینے جلائے باتیں سنا کر

(۱۳)

سمجھے نہ کچھ ہم اے چرخ جاہل   ویسے گلے کو شمشیر قاتل
بھائی کو اس کے زہر ہلاہل   بیٹے کو لایا یوں تو بندھا کر

(۱۴)

ناموس اس کے بے سیرتوں میں   دولت سرا وہ بے دولتوں میں
وے اہل غیرت بے غیرتوں میں   کیسا رہا تو آنکھیں چھپا کر

(۱۵)

اکبر جواں کو ہاتھوں سے کھویا   اصغر پیاسا گودی میں سویا
آنکھیں نہ اس دم تیری تھیں گویا   جس دم گیا وہ خوں میں نہا کر

(۱۶)

نو نیزہ پانی گو چڑھ رہا تھا لشکر تو اس کا پیاسا موا تھا
انصاف ظالم یہ آہ کیا تھا نیزہ چڑھایا سر پھر جدا کر

(۱۷)[۱]

خاک سیہ سے ہو یوں برابر وہ شہ جو سب سے رتبے میں برتر
طالع جو اس کے کسریٰ و قیصر خادم سکے ہو یا ہووے چاکر

(۱۸)

عابد کو آزار اور ناتوانی پھر اس کو مطلق دانہ نہ پانی
نے کوئی غم خوار نے یار جانی کس سے کہے تک میری دوا کر

(۱۹)

بھائی کو دیکھے رو رو سکینہ جن کی نظر سے جل جائے سینہ
پھر ڈر سے ان کے جن کو تھا کینہ رہ جائیں آنکھیں دونوں ملا کر

(۲۰)

قاسم کی شادی ویسے رچائی لوہو سے مہندی بھر کر لگائی
جوں شمع دلہن روتی بنائی آخر موا وہ چھاتی جلا کر

(۲۱)

جو پردگی تھے بے پردہ آئے خرگاہ خیمے سارے جلائے
بیٹے بھتیجے سب دو کٹائے کیا کیا گیا وہ آزار پا کر

(۲۲)[۲]

دیکھا ترا ڈھب سب سے نرالا روکش علی کا کس کو نکالا
کر لے حکومت اس کا حوالہ لیجے ریاست اس سے چھنا کر

(۲۳)

گھر کی علی کے ویسی خرابی اہل ستم کی وہ کامیابی
کر فکر غافل اپنی شتابی کس کو بگاڑا کس کو بنا کر

---

(۱) و (۲) نسخۂ کتب خانۂ مخطوطات، حیدرآباد

(۴۴)

مدت تلک کی ہرزہ درائی شہرت ہوئی پر ذلت اٹھائی
بس میرؔ کب تک پیری بھی آئی اب مرثیہ ہی اکثر کہا کر

○

(۹)

(۱)

ایمان یہ کیسا تھا کیسی یہ مسلمانی   کی آل پیمبر سے جو دشمنی جانی
بے آبی میں کشتی تھی شبیر کی طوفانی   دریا کے کنارے پر اس کو نہ ملا پانی

(۲)

کیا گوہر تر لا کر کس گھاٹ اتارا ہے   لب خشک جگر ٹکڑے بے یاور و یارا ہے
سب خویش و پسر بھائی ایک ایک کو مارا ہے   ہے قہر نہ پانی پر یہ پیاس کی طغیانی

(۳)

انواع ستم گذرے بہتوں کو جواں مارا   جو جاکے گھرا تنہا میداں میں عیاں مارا
انصار کو یاں مارا اخوان کو واں مارا   عباس کی بے جانی اصغر کی وہ نادانی

(۴)

بازو نہ رہا کوئی اس درد کا کیا چارہ   کیا لطف ہے جینے کا کنبہ مرے جب سارا
پھر دیدہ و دانستہ اپنے ہی تئیں مارا   سب شہر بیابانی گھر بار کی ویرانی

(۵)

یہ حشر میں احمد کو منھ کیونکے دکھائیں گے   کیا سامنے حیدر کے رو لے کے پھر آئیں گے
دیکھیں گے جو زہرا کو کیا بات بنائیں گے   اے واہ ری دیں داری اللہ ری خداخوانی

(۶)

کیا شام کے لوگوں نے فتنے کو جگایا ہے   اولاد کو حیدر کی سب جن نے سلایا ہے
یہ جور یہودوں سے کس دور میں آیا ہے   اس طور سے پیش آئے کب کفری و نصرانی

(۷)

آنکھیں جو مندیں شہ کی آشوب سا اک آیا   اسباب گیا سارا خیمے کو جلا پایا
عریاں سر و بے چادر نسواں نہ جنھیں سایہ   اس جمع میں یک باری کیا آئی پریشانی

(۸)

غارت ہوا ناگاہے اسباب امیرانہ مردم حرم شہ کے نکلے ہو فقیرانہ
عابد کے تئیں لائے میداں میں اسیرانہ وہ یوسف ثانی تھا جیسے کہ ہو زندانی

(۹)

دل سینے میں صد پارہ بے طاقت و بے چارہ ناموس بیاباں میں یک شہر تھے آوارہ
سر باپ کا نیزے پر کرتا تھا جو نظارہ چاہے تھا کہ ناخن سے نوچوں سر و پیشانی

(۱۰)

پر دست نہ تھا اس کو تھے ہاتھ رسن بستہ رہ جاتا تھا سر دھن کر ناکام جگر خستہ
کہتا تھا پدر مر کر تو تو ہوا وارستہ مجھ قیدی کی مشکل کی آساں نہیں آسانی

(۱۱)

لاشوں کی طرف ہو کر نکلے جو اسارئ سب خون جگر آنکھوں میں فریاد تھی زیر لب
کرتی ہے نظر یک سو تو دیکھے ہے کیا زینب ہے بھائی کے پیکر کو اس خاک میں غلطانی

(۱۲)

گر خاک میں چلائی کیا جرم ہوا بھائی جو سر کو کٹا تونے ہموار کی تنہائی
کر سیر چمن اپنا آفت عجب اک آئی کیا باد خزاں نے کی جنگل میں گل افشانی

(۱۳)

نو رستہ نہال اس کے یک دست چھٹے ہیں گے اشجار سر و بن سے دیکھو تو کٹے ہیں گے
گل پھولے چڑھے چڑھ کر بٹی میں لٹے ہیں گے اس رنگ کی دیکھی ہے خاموشی و حیرانی

(۱۴)

یاں آن کے جانا تھا ہوگی تری عزت بھی حیدر کا خلف ہے تو ہے تجھ کو امامت بھی
خاطر کریں گے تیری بھیجیں گے اقامت بھی سو قوم سیہ دل نے کیا خوب کی مہمانی

(۱۵)

کیوں تاج شہی تیرا ہے خاک برابر یوں کیوں مارے گئے تیرے سب خویش و برادر یوں
کیوں سر کے تئیں رکھا لے نیزے کے اوپر یوں برباد کیا بارے کیوں تخت سلیمانی

(۱۶)

پرگرد بیاباں میں آوارہ ہوئے ازبس بے چارہ و بے وارث بے جا و مکاں بیکس
جا بیٹھیں کہیں چھپ کر اپنا جو چلے کچھ بس کیا دیکھی ہے رسوائی کیا خاک ہے یاں چھانی

(۱۷)

احمد نہیں ہے جس کو یہ حال دکھاویں ہم حیدر نہیں جس پاس اب روتے ہوئے جاویں ہم
عباس نہیں جس کو اس وقت بلاویں ہم تو تھا سو مٹا تیرا ہنگامۂ سلطانی

(۱۸)

ہے زندگی کچھ یہ بھی تھی موت بھلی اس سے سر کب تئیں یوں ماریں فریاد کریں کس سے
اکبر کہ توقع تھی ہم سب کے تئیں جس سے بے وقت گیا مارا سو وہ نہ ہی ثانی

(۱۹)

قاسم کی طرف گاہے پڑتی تھی نظر جاکر اس مجمعے میں شاید امداد کرے آکر
سر دے گیا سو آگے تہ بات کی کچھ پاکر عشرت نہ جوانی کی اس دل زدہ نے جانی

(۲۰)

ہم شام کو جاتے ہیں فرصت نہیں ہے ہم کو بے طاقتی سے مطلق طاقت نہیں ہے ہم کو
تاکید سے چلنے کی مہلت نہیں ہے ہم کو آنکھوں سے کریں ورنہ سب تیری نگہبانی

(۲۱)

یہ کہہ کے گئے آگے روتے ہوئے غم دیدہ اب تو بھی قلم رکھ دے اے میرؔ ستم دیدہ
بس گریہ سے خامے کے کاغذ تو ہے نم دیدہ دیوانگی کر اس جا یھاں عقل ہے دیوانی

○

(۱۰)

(۱)

سنو یہ قصۂ جانکاہ کربلاے حسین　　رکھو ادھر کو بھی تک گوش از براے حسین
جہاں سے واسطے امت کے جی سے جائے حسین　　ہزار حیف کہ امت نہ ہو فداے حسین

(۲)

حسین آکے مدینے سے خانماں سے گیا　　حسین تشنہ گرسنہ ہو اس جہاں سے گیا
حسین بیکس و بے یار اپنی جاں سے گیا　　جگر ہو سنگ کا سننے کو ماجراے حسین

(۳)

حسین بے دل و غمناک بے وطن بھی ہوا　　حسین جی سے گیا ٹکڑے سب بدن بھی ہوا
حسین کو نہ ہوئی گور بے کفن بھی ہوا　　حسین کو کوئی کیا کہہ کے روئے ہائے حسین

(۴)

حسین کا سا جگر کن نے یاں کیا ہے کہو　　کسو نے جی کے تئیں اس طرح دیا ہے کہو
کوئی تو خون جگر جن نے یوں پیا ہے کہو　　حسین جانے ہے یا جانے ہے خداے حسین

(۵)

جبیں پہ زخم لگا چشمہ چشمہ خون بہا　　خیال آئے بہت جی میں لیک کچھ نہ کہا
جھکا کے سر کے تئیں سجدے میں رہا سو رہا　　جفا کی تیغ تھی مرآت حق نماے حسین

(۶)

جو تعزیے کی ہو مجلس بکا کرو یارو　　غم حسین میں چپکے رہا کرو یارو
بجاے چشم بھی اب گوش وا کرو یارو　　کہ سرگذشت کہے ہے سر جداے حسین

(۷)

حسین کشتہ ہوں تیرے ثبات پا کا ہائے　　حسین تو ہی تھا شائستہ اپنی جا کا ہائے
ترا ہی کام اٹھانا تھا اس بلا کا ہائے　　کیا ہے ایسا جگر کن نے تجھ سواے حسین

(۸)

کہیں عزا کہیں آنکھوں کو چشمہ ساں ہیں جوش تمام خلق میں افواج ہیں گے جوش و خروش
جہان قدس کے باشندگاں ہیں نیلی پوش نہیں ہیں ہم ہی فقط کشتۂ وفاے حسین

(۹)

جراحتوں سے تھا یاقوت رنگ خوں جاری حسین ہائے تری اٹھ گئی سبھا ساری
لڑی سی ٹوٹ گئی موتیوں کی یک باری ملے ہیں خاک میں کیا لعل پارہ ہاے حسین

(۱۰)

کیا حسین کا برباد۔ خانماں سارا پسر حسین کا کس ظلم سے جواں مارا
حسین آپ مرا بیکسانہ بے چارہ حسین رونے کی جا گہ ہے ہائے ہائے حسین

(۱۱)

حسین جان سے اپنی گیا نہ دم مارا ہزار حیف کہ اس کو بصد ستم مارا
اسی کا دل تھا جو اس راہ میں قدم مارا رضاے حق ہے جو کچھ تھی وہی رضاے حسین

(۱۲)

حسین دل زدہ نے صبر سا کیا ہے صبر ہوا ہے تشنہ لبی سے قیامت اس پر جبر
ہزار حیف نہ صحرا سے اٹھ کے برسا ابر دریغ پانی نہ دریا کنارے پائے حسین

(۱۳)

غضب ہوا ہے ان اسلامیان بے دیں سے حسین قتل، ہوا سر جدا کیا کیں سے
نکالے اس کے جنازے کو کون تزئیں سے ہوا اسیر پسر جو رہا بجاے حسین

(۱۴)

مندیں حسین کی آنکھیں کہا بلا آئی تمام فوج مخالف کی اس طرح دھائی
جفا رہے ہوئے لوگوں کو کیسی دکھلائی جلائے خیمے لٹائی حرم سراے حسین

(۱۵)

حرم کے لوگ معزز تھے مو پریشاں سب برہنہ پا و سر اونٹوں پہ تھے نمایاں سب
برشتہ سوختہ اس واقعے سے حیراں سب زباں پہ ہائے حسین اور لب پہ ہائے حسین

(۱۶)

کوئی تھی نوحے کی سرگرم غم کش و ناشاد   کسو کے دل سے نکلتی تھی خونچکاں فریاد
سکینہ روتی تھی ہر لحظہ باپ کو کر یاد   رہے نہ رکھے کسو کے مگر منائے حسین

(۱۷)

کوئی کہے تھی کہ اکبر کو مر نہ جانا تھا   نہ جنگ گاہ میں عباس کو بلانا تھا
چچا کے ساتھ نہ قاسم کو آہ آنا تھا   کوئی رہا نہ جسے ہم کو سونپ جائے حسین

(۱۸)

کوئی کہے تھی کہ ہے عابدیں بہت بیمار   بدن تو شدت تپ سے ہے اس کا زار و نزار
کرے ہے اس پہ بھی دلجوئی ہووے ہے جوخوار   ولے سکینہ کی خاطر کہاں سے لائے حسین

(۱۹)

کوئی کہے تھی کہ اب اک یہی ہے نام خدا   سوائے اس کے جو دیکھو تو کوئی بھی نہ رہا
زناں اسیر ہوئیں مرد ایک ایک موا   کہاں حسین کے گذرے ہیں اقربائے حسین

(۲۰)

عزیز و خویش و پسر لگ گئے کنارے سب   ستم سے ظلم سے یعنی گئے ہیں مارے سب
غریق خون کے دریا میں ہیں بچارے سب   کوئی نگاہ نہ چڑھتا تھا آشنائے حسین

(۲۱)

کوئی کہے تھی کہا ہوگا شہ نے کیا کہیے   یہی ہے مصلحت اب تو کہ جور ہی سہیے
گلے کو رکھ کے تہ تیغ چپکے مر رہیے   نہ مقتضی ہوئی کہنے کی کچھ حیائے حسین

(۲۲)

کوئی کہے تھی کہ ایسا نہ ہوئے گا کوئی   ہر ایک بات میں تھی تابعوں سے خوش گوئی
سلوک اس کے کریں یاد یا کہ دلجوئی   کہیں تو کیا کہیں کس منہ سے ہو ثنائے حسین

(۲۳)

سیاہ کاسہ فلک کو مگر تھا سودا کچھ   کہ ان نے ٹک نہ کی اس میہماں کی پروا کچھ
ادھر کو موذی کریں زہرمار کیا کیا کچھ   سوائے غصہ و غم اور کچھ نہ کھائے حسین

(۲۴)

کوئی کہے تھی کہ غارت ہوا ہمارا گھر   ملا ہے خاک میں شہ بازگوں ہوا افسر
حرم کے لوگ جو ہیں سو اسیر و گرم سفر   رہے تو رووے کھڑی لے کوئی عزائے حسین

(۲۵)

بہن سے کہتی تھی رو رو کے زینب اے کلثوم   چلا تھا بھائی مدینے سے کیسے وقت شوم
شتابی راہ جو کرتا تھا قطع تھا معلوم   کہ سر کے مارے ہی جانا تھا مدعائے حسین

(۲۶)

کبھی کہے تھی زمانہ الٹ گیا اک بار   نہ اس چمن میں رہے کچھ نہال نے تھے خار
خزاں نے لوٹے ہیں کیا پات پات کر گلزار   ہوا اب اوروں کی ہے یاں کہ اب ہوائے حسین

(۲۷)

کوئی کہے تھی کہ یہ بھی خدا کی باتیں ہیں   کبھو کے دن بڑے ہیں یا کبھو کی راتیں ہیں
نشان کھوئے وہی دشمنوں کی گھاتیں ہیں   نگوں پڑا ہے سر خاک پر لوائے حسین

(۲۸)

کوئی یہ کہتی تھی وہ وقت آگیا دیکھو   امام وقت گلے کو کٹا گیا دیکھو
جراحت ایسی سر اوپر اٹھا گیا دیکھو   کہ سر رہا نہ جو سجدے کو پھر جھکائے حسین

(۲۹)

وہ ابتدا ہے محمدؐ گلے لگاتا تھا   علیؑ عزیز بہت رکھ کے سر چڑھاتا تھا
سو کربلا میں سر اس کا سناں پہ جاتا تھا   دکھائی چرخ نے اس طور انتہائے حسین

(۳۰)

یہ کہہ کے شام کی جانب ہوئے اسیر رواں   قلم کی میرؔ نے بے تاب ہو کے رکھ لی زباں
کہ آگے خوب نہ تھا ایسے واقعے کا بیاں   شفیع حشر میں بس ہے اسے ولائے حسین

○

(۱۱)

(۱)

دل تنگ ہو مدینے سے جب اٹھ چلا حسین   ناموس اپنے ساتھ لیے سب اٹھا حسین
لوگوں نے یہ کہا بھی کہ یاں سے نہ جا حسین   لیکن گیا حسین سو جی سے گیا حسین

(۲)

رکھتے ہی پاؤں رہ میں بلا سے ہوا دوچار   فتنے کا ہر چہار طرف سے اٹھا غبار
ہر گام گرچہ آتے تھے درپیش غم ہزار   لیکن نہ دیکھتا تھا تنک سر اٹھا حسین

(۳)

طے کرکے مرحلوں کو گیا کوفے کے قریب   پیاں سے اپنے پھر گئے وے سارے بےنصیب
بدعہدی ان کی دیکھ کے آگے چلا غریب   تھا ساتھ اک ثبات کے پر وہ نہ تھا حسین

(۴)

ناچار ہو کے کوچ کیا اس مقام سے   کاوش کی طرح پڑتی چلی اہل شام سے
سر کھینچتی تھی تازہ بلا گام گام سے   تاآنکہ رفتہ رفتہ گیا کربلا حسین

(۵)

واں پہنچتے ہی اور زمانے کا رنگ تھا   اک جمع روسیاہ مہیاے جنگ تھا
ہر طعن تھا سنان و ہر اک حرف سنگ تھا   کنبے سمیت اپنے وہیں گھر گیا حسین

(۶)

تھی چشم خیر جن سے نظر آئے ان کے بیر   گل پھول سارے سوکھ گئے پانی کے بغیر
دو روز اپنے باغ میں کی ان نے خوب سیر   کیا کیا نہ رنگ دیکھ کے یاں سے گیا حسین

(۷)

احوال بیکسی کے ہو نظارگی موئے   انصار کھینچ پیاس کی لاچارگی موئے
پیادے سوار جتنے تھے یک بارگی موئے   مرگ ان سبھوں کی دیکھتا تھا چپ کھڑا حسین

(۸)

بیٹا جوان ایک نظر سے چلا گیا اک گودی میں جو تھا سو وہ چھاتی جلا گیا
. قاسم کہ دی تھی بیٹی جسے وہ جدا گیا اوقات تنگ ہوگئی تنہا رہا حسین

(۹)

کیا کیا ستم نہ قلب الںاک پر سہے دریا لہو کے آنکھوں کے آگے سے ہو بہے
تا نقش یہ زمانے میں مدت تئیں رہے میداں میں صاف ہو کے کھڑا مرمٹا حسین

(۱۰)

سیلاب اس کے خون سے اس خاک پر بہا انصاف کر کھوں نے نہ افسوس ہی کہا
وارث نہ کوئی عابد بیمار بن رہا سو وہ ضعیف و مضطرب و لب پہ وا حسین

(۱۱)

نیزے پہ سر پدر کا مقابل نظر کے تھا آشوب لوٹ مار کا اطراف گھر کے تھا
منھ غم کا دل کی اور کہ جانب جگر کے تھا کہتا تھا میرے حق میں یہ کیا کر گیا حسین

(۱۲)

پڑتی نہیں ہے چہرۂ پرنور پر نگاہ عالم تمام آنکھ میں میری ہوا سیاہ
چھاتی کے اپنے داغ دکھاؤں کسے کہ آہ روپوش جا کے مجھ سے کہاں تو ہوا حسین

(۱۳)

میں ناتوان و ساتھ مرے ایک کارواں تس پر کہیں ہیں راہ چلا چل دواں دواں
میں درد دل کو جا کے الٰہی کہوں کہاں ہوتا تو کان رکھ کے یہ سنتا بتھا حسین

(۱۴)

جیدھر نگاہ جاتی ہے دشمن ہی ہیں کھڑے اعوان دوست جتنے تھے سب ہیں موئے پڑے
پھر ہم اسیر ہیں سو بہم جیسے ہیں لڑے ہر ایک چلنے پائے مصیبت سے کیا حسین

(۱۵)

جاتا ہے قافلہ جو کہیں کو تو جمع ہو نے ایک ہے کہیں تو کہیں مر رہے ہیں دو
ہمراہیوں کا حال کہوں کیا ہے گومگو جاتا ہے تجھ رئیس کا سر یوں جدا حسین

(۱۶)

نے بھائی نے بھتیجے نہ بیٹے نہ اپنے لوگ مارے گئے تمام غم ان کے ہیں جی کے روگ
پرسے کو کون پوچھے گا جو لیجیے بھی سوگ کنبہ تو تیرے آگے ہی سب ہو چکا حسین

(۱۷)

اے اس شکستہ حال کے خستہ جگر پدر کیا کہہ کے تجھ کو رویئے خوں ہوگئے جگر
بیکس تو ہوکے مرتے ہیں سب پر نہ اس قدر مردے پہ تیرے منع ہے کرنا بکا حسین

(۱۸)

نازل جنھوں کی شان میں تھی آیۂ حجاب سر ان کے ہیں برہنہ منھوں پر نہیں نقاب
پردہ کریں سو کاہے کا جنگل میں ہیں خراب چھوڑی نہیں ہے ایک کے سر پر ردا حسین

(۱۹)

کیا جانتے تھے ہم کہ یہ ایسا ستائیں گے گھر بار کو علی کے کھڑے ہو لٹائیں گے
سبط نبی کے سر کے تئیں یوں کٹائیں گے اسلامیوں سے ہم کو گماں یہ نہ تھا حسین

(۲۰)

بیگانہ وار تو اے شہ کم سپہ گیا چلتے ہوئے کسو سے نہ اک حرف کہہ گیا
ناچار تیرے منھ کو ہر اک دیکھ رہ گیا صد رنگ تجھ سے رکھتے ہیں ہم سب گلہ حسین

(۲۱)

خیمے جلے اسیر ہوئے گھر لٹا گیا چھوٹا جو ایک مرنے کے تیں سو بندھا گیا
بے آبی میں جہاز یہ ڈوبا بہا گیا تیرے گئے نہ کوئی رہا آشنا حسین

(۲۲)

بیٹھے جو ہیں سو بال کھلے پیٹتے ہیں سر ناموس کو جگہ جو ملی ہے سو رہگذر
پتھر کے لاؤں جاکے کہاں سے دل و جگر جو ایسے ظلم دیکھوں کھڑا برملا حسین

(۲۳)

جنگل میں سر برہنہ بہت خوار ہم ہوئے زنجیر طوق جیسے گنہگار ہم ہوئے
پھر اور ظلم کے جو سزاوار ہم ہوئے مرنا ترا تھا ہم پہ یہ تھوڑی جفا حسین

(۲۴)

ہوتی ہیں وہ جفائیں جو کرتے نہیں ہیں گبر   ہر آن ہم اسیروں پہ ہے قہر اور جبر
چارہ نہیں رہا ہے ہمیں غیر شکر و صبر   بد حال تونے چاہا ہے یوں تو بھلا حسین

(۲۵)

انصاف کر کہ غم کے ہوں تا چند پائمال   شرمندگی ہے زندگی یہ جان ہے وبال
مرنا خدا سے چاہتے ہیں ہم خراب حال   پر کیا کریں قبول نہ ہو جو دعا حسین

(۲۶)

باہر تھا یہ سلوک تو تیرا قیاس سے   پھر ان سے جو کہ جیتے ہوں تیری ہی آس سے
اک بار تو تو ایسا گیا اٹھ کے پاس سے   ہوتا ہے جیسے کوئی کسو سے خفا حسین

(۲۷)

درپیش اپنے آئی ہے اب طرفہ راہ ایک   ہر ہر قدم جگر سے نکلتی ہے آہ ایک
ہرگز ادھر کو کرتے نہیں دے نگاہ ایک   جن مرداں سے رکھتے تھے چشم وفا حسین

(۲۸)

اس درد دیں کو دیکھ جگر ہوگئے گداز   سبطؑ نبی پہ دست ستم کر چکے دراز
افسوس ہے نہ باندھ کے صف دے پڑھیں نماز   لوہو میں اپنے سجدہ کرے تو ادا حسین

(۲۹)

خوں ہوگئی دلوں میں ہوس تیری چاہ کی   کہتے تھے گرد کل کریں تجھ سپاہ کی
تن پر ترے سو دیکھی منوں خاک راہ کی   کانوں سنا نہ ہم نے تجھے بادشا حسین

(۳۰)

مجھ بن رہا نہیں ہے کوئی وارثوں میں مرد   سو میں کروں ہوں دم بدم اک دل سے آہ سرد
بیمار و زار ایک تو میں تھا ہی پھر یہ درد   عارض ہوا ہے میرے تئیں لا دوا حسین

(۳۱)

اس طور چاہتا ہے کوئی جینے کو کہیں   وارث نہیں شفیق نہیں لطف کچھ نہیں
ہر اک کو آرزو ہے کہ مر جایئے یہیں   لیکن نہیں پہنچتی ہماری قضا حسین

(۳۲)

جیسی تھی زندگی میں ہمیں تجھ سے بندگی غالب کہ تا بہ حشر عقیدہ رہے یہی
صورت ہو کوئی جاتی نہیں اپنی پیروی اب سر ترا ہمارا ہوا پیشوا حسین

(۳۳)

لے سب اسیر شام کی جانب کو ہیں رواں ناچار ان کے ساتھ ہوں میں زار و ناتواں
کر جاؤں تیری فکر سو فرصت مجھے کہاں حافظ نگاہبان ہے تیرا خدا حسین

(۳۴)

اشجار تیرے باغ کے یک بارگی کٹے گل اور بوٹے جور کے آروں سے سب چھٹے
آہیں کریں کہاں تئیں سینے تو سب پھٹے کچھ اور ہوگئی ہے یکایک ہوا حسین

(۳۵)

مردہ کہیں پڑا ہے کہیں سر کہیں ہے پا ہر گام پر ہے ایک جواں جان سے گیا
القصہ پاؤں رکھنے کو ملتی نہیں ہے جا جنگل تمام مرنے سے تیرے بسا حسین

(۳۶)

بنتا نہیں غرض یہ کہ تجھ کو اٹھا کے جائیں افسوس تجھ سے شخص سے منھ کو چھپا کے جائیں
تدبیر کیا کریں کہ کھڑے ہو گڑا کے جائیں سنتا نہیں ہے کوئی ہمارا کہا حسین

(۳۷)

جانے میں جی سے تیرے بہت آئے ہم بتنگ عائد ہوئے ہزاروں طرح کے ادھر کو ننگ
کچھ زندگی کا ڈھنگ بھی ہے مت کرے درنگ پاس اپنے تک ہمیں بھی شتابی بلا حسین

(۳۸)

بندی ہوئے چلے ہیں کسو اور بے نصیب سجاد دست بستہ بھی ہمراہ ہے غریب
وقت وداع پہنچا ہے آکر بہت قریب دے تجھ کو خواب مرگ سے کوئی جگا حسین

(۳۹)

دو حرف تیرے منھ کے بھی تا سن کے جایئے دل کو نہیں قرار تسلی تو پایئے
کیا جانیے کہ اب یہاں پھر کیونکے آیئے بیدرد روزگار تو ہم سے پھرا حسین

(۴۰)

آگے گیا یہ کہہ کے اسیروں کا قافلہ   باتوں کا لاعلاج یہیں چھوڑ سلسلہ
بس میرؔ تو بھی چپ ہو ہوا دل تو آبلہ   مر رہ زباں دراز کہیں کہہ کے یاحسین

○

(۱۴)

(۱)

نکلا ہے خیمہ شام کو شہ کا جلا ہوا   لاشہ ہے آفتاب میں اس کا پڑا ہوا
عابد اسیر ہو کے چلا ہے بندھا ہوا   ناموس ساتھ قافلہ جیسے لٹا ہوا

(۲)

بیمار و زار پاؤں میں طاقت تنک نہیں   مرگ پدر کے غم سے فراغت تنک نہیں
پھر جور اہل شام سے فرصت تنک نہیں   جاتا ہے جی قدم قدم اوپر چلا ہوا

(۳)

ناموس کو جو دیکھے ہے حال خراب سے   آنکھیں نہیں کسو سے ملاتا حجاب سے
جس وقت گر پڑے ہے کہیں اضطراب سے   رہ جا ہے دیر دیر تلک پھر گرا ہوا

(۴)

جاتا ہے سوے شام دن اپنا سیاہ کر   گرتا ہے گام گام پر اک دل سے آہ کر
مانند آفتاب قیامت نگاہ کر   سر کو پدر کے راہ میں نیزے چڑھا ہوا

(۵)

اس لشکر شکستہ و خستہ کا ایک بار   میداں میں کارزار کے ہوکر ہوا گذار
دیکھا جو خاک و خوں میں کٹا سر وہ تاجدار   کہنے لگا ہر ایک کہ اے شہ یہ کیا ہوا

(۶)

کل تک تو بزم ناز کا مسند نشیں تھا تو   اسلامیوں کی رونق ایمان و دیں تھا تو
مسجود خلق و قبلۂ اہل یقیں تھا تو   ہنگامہ تیرے سر پہ یہ کیسا بپا ہوا

(۷)

امت نے کیوں نبیؐ کی کیا تجھ کو یوں ہلاک   تھا کیا سبب کہ بستر راحت ہوئی ہے خاک
کچھ وجہ بھی کہ دھوپ میں جلتا ہے جسم پاک   رویت علیؑ کی جاتی رہی کیا بلا ہوا

(۸)

اکبر جو تھا شبیہ محمدؐ سو دوں گیا　　اصغر تڑپ کے تشنہ دہانی سے یوں گیا
جانے کو اپنے آپ تو جانے ہے جوں گیا　　گھر کا ترے گئے پہ عجب ماجرا ہوا

(۹)

خیموں پہ تیرے دوڑ پڑے ناگہاں گئی　　اسباب میں ردا نہ ہمارے کنے رہی
بے پردہ ہوکے ہم نے ہر اک کی جفا سہی　　عابد ضعیف در تئیں آیا کھنچا ہوا

(۱۰)

ارمان کیسے کیسے گئے ساتھ لے جواں　　ہر لحظہ ایک ماتم تازہ رہا ہے یاں
شادی اگر رچی تھی تو اس طرح اپنے ہاں　　قاسم شہید آن کے جوں کدخدا ہوا

(۱۱)

اعوان یوں تلف ہوئے کٹتی ہے جیسے گھاس　　انصار اس طرح کٹے وحشی ہوں جوں اداس
اسباب ظاہری نہ رہا کچھ کسو کے پاس　　وابستہ تھا جو کوئی ترا سو گدا ہوا

(۱۲)

کیوں غرق خون ہوکے ہمیں تو ڈبو گیا　　کیوں ہم سے بےعلاقہ و فارغ سا ہوگیا
میداں میں کارزار کے کیا آکے سوگیا　　آیا نہ پھر جو گھر کی طرف تو گیا ہوا

(۱۳)

آتے بھی ہیں جو اٹھتے ہیں اپنے مکان سے　　دل تنگ ہوکے جاتے بھی ہیں پر نہ جان سے
تو اٹھ کے جو گیا سو گیا پھر جہان سے　　کیا جانے تو کہ گھر پہ ترے پیچھے کیا ہوا

(۱۴)

فرزند و زن اسیر ہوئے ٹک تو آنکھ کھول　　خیمے گرے پڑے ہیں کھڑے غول کے ہیں غول
حیرت سے ہم تو چپ ہیں بھلا تو تنک تو بول　　اک شور ہے جو منھ مندے تو ہے پڑا ہوا

(۱۵)

غارت علی العموم تھی تھا حکم قتل عام　　مارے گئے چنانچہ ترے اقربا تمام
واماندگاں چلے ہیں اسیرانہ سوے شام　　ہے اک چراغ خانہ سو جاوے بجھا ہوا

(۱۶)

یعنی وہ سخت ست ہے بیمار عابدیں تس پر بندھا ہے جیسے گنہگار عابدیں
ناموس کو جو دیکھے ہے یوں خوار عابدیں گریاں برنگ ابر ہے آگے کھڑا ہوا

(۱۷)

روتی ہے جب سکینہ تو روتا ہے زار زار آخر کو گر پڑے ہے وہ بے تاب ڈاڑھ مار
جاتی ہے چھوٹ ہاتھ سے اونٹوں کی گر مہار کیا کیا سنے ہے غیروں سے چھاتی جلا ہوا

(۱۸)

کیا کہیے تیرے غم سے جگر ہو گیا گداز تجھ پیشوا کی لاش کو ہے خاک وخوں سے ساز
کر ذبح تجھ کو دوڑے ہیں شامی پئے نماز خوب ان سے تیرا حق امامت ادا ہوا

(۱۹)

سینے تمام داغ ہیں دل میں ہیں آبلے ہرگز نہ اس چمن میں گل آرزو کھلے
جی چاہتا تھا مسند عزت تجھے ملے سو ہم نے تجھ کو خاک میں دیکھا ملا ہوا

(۲۰)

بیگانگی نہ طبع میں تھی تیرے اس قدر سو بار تجھ سے ہوتے تھے آپس میں حرف سر
کیا ہوگیا کہ تجھ کو ادھر اب نہیں نظر یا وہ تپاک تھا کہ یہ ناآشنا ہوا

(۲۱)

آزردہ ہم میں کس سے ہے تو کیا ملال ہے وہ کون تیرا باعث رنج و نکال ہے
رنجش ہی کا دماغ میں اب تک خیال ہے جاتا ہے ہم سبھوں سے ترا سر جدا ہوا

(۲۲)

کچھ گرم رو نہیں ہے سناں پر ترا ہی سر ہم پر بھی تیرے پیچھے ہے درپیش اک سفر
کیا بے مروتی ہے بھلا منھ تو کر ادھر یہ قافلہ بھی سر سے ہے تیرے لگا ہوا

(۲۳)

اس واقعے کے بعد بھی تھا دل میں یہ خیال ماتم رکھیں گے دیر بہت کھینچیں گے ملال
گاڑیں گے تیری لاش بصد عزت و جلال سو خاک میں بھی تجھ کو نہ دیکھا چھپا ہوا

(۲۴)

چاہا ترے محبوں کا ہرگز ہوا نہ آہ بے آب یہ جہاز ہوا دشت میں تباہ
دریا بہے لہو کے جہاں تک گئی نگاہ دشمن کے حسب خواہش دل مدعا ہوا

(۲۵)

کیا نقل کریے حالت دشوار بعد جنگ دم بھی لیا گیا نہ۔ ہوا کام ایسا تنگ
القصہ زندگانی ہوئی ہم سبھوں کو ننگ تو کوئی دم جو آگے گیا تھا بھلا ہوا

(۲۶)

خیمے جلے اسیر ہوئے دیر تک گھرے لوٹے گئے ردائیں گئیں، مضطرب پھرے
کیا کیا نہ پیش آیا ہمیں جاتے ہی ترے پوشیدہ کیا ہے یہ جو ستم برملا ہوا

(۲۷)

برباد اس طرح سے نہیں جاتے گھر کہیں ملتے نہیں ہیں خاک میں یوں در تر کہیں
چلتی نہیں ہے تیغ جفا اس قدر کہیں جو تن نظر پڑے ہے تو ہے سر کٹا ہوا

(۲۸)

کیا ظلم ہے کہ ابن علی تشنہ لب مرے اور اس کی لاش کو نہ کوئی قبر میں دھرے
آب حیات پانی جنھوں کا بھرا کرے سو نام اس گروہ کا وارث موا ہوا

(۲۹)

عمر دراز جان کی اپنی ہوئی وبال اتنا نہ جیتے ہم تو نہ یہ کھینچتے ملال
دیکھا علی کے بیٹے کو اس طرح پائمال جس کا نہ نام لیں وہ سنا بادشا ہوا

(۳۰)

کہتے تھے ہم حسین کو دیکھیں گے بادشاہ گرد اس کی رہ کی جائے گی تا چرخ رو سیاہ
سو اس کو خاک و خون میں دیکھا طپیدہ آہ تڑپے بہت و لے نہ ہمارا کہا ہوا

(۳۱)

تھے لاش سے یہ حرف جگرسوز درمیاں مانع درنگ ہوئے جور پیشگاں
ناچار واں سے گریہ کناں سب ہوئے رواں ۔ کارواں کا عابد نالاں درا ہوا

(۳۲)

ہرچند شاعری میں نہیں ہے تری نظیر اس فن کے پہلوانوں نے مانا تجھی کو میرؔ
پر ان دنوں ہوا ہے بہت تو ضعیف و پیر کہنے لگا جو مرثیہ اکثر بجا ہوا

○

(۱۴)

(۱)

وقت رخصت کے جو روتی تھی کھڑی زار بہن   بولے شہ رو نہ بس اب اے مری غم خوار بہن
کیا کروں جان کے دینے میں ہوں ناچار بہن   اب رہا روز قیامت ہی پہ دیدار بہن

(۲)

جن عزیزوں نے مرے ساتھ کیا تھا اک جوگ   دیکھتے دیکھتے ہی چل بسے سارے وے لوگ
لطف اس جینے کا کچھ ہے کہ رکھا کریے سوگ   ہوجے کس کس کے لیے آہ عزادار بہن

(۳)

ساتھ والا نہ کوئی ہووے رہوں میں صد حیف   بن حریفوں کے یہ خم خانہ ہے سارا بے کیف
پھر جو بازو تھے وے سب ہیں علف خنجر و سیف   قاسم اکبر کے تئیں کھا گئی تلوار بہن

(۴)

ساتھ جو ایسا ہو تیار تو رہتا ہے کوئی   واسطے جائے یہ پھر جور بھی سہتا ہے کوئی
اس جگہ جز سخن مرگ بھی کہتا ہے کوئی   ہو تنک تو ہی مری منصف گفتار بہن

(۵)

ہاتھ سے بیٹوں بھتیجوں کو نہ یوں دے جاتا   بیکسانہ رفقا کے نہ گلے کٹواتا
کس و کو ساتھ لیے کاہے کو یاں میں آتا   علم اگر ہوتا کہ یہ دشت ہے خوں خوار بہن

(۶)

آتش غم سے دردنہ ہی نہیں جلتا ہے   دل بھی سینے میں مرے جیسے کوئی ملتا ہے
گھر کے ویرانے کی کچھ شرح میں لب ہلتا ہے   ورنہ حیرت نے کیا ہے مجھے دیوار بہن

(۷)

حیف وہ جن کنھوں نے ساتھ نہ یاروں کا کیا   پھر وہ ہے ہے کہ اکیلا برے احوال جیا
پاس ان کا ہے ضروری جنھوں نے جان دیا   دور ان سے ہے مجھے زندگی دشوار بہن

(۸)

ہر دم ایک آگ نئی جلتی ہے میں بھنتا ہوں ناکسی اپنی نظر کرتا ہوں سر دھنتا ہوں
منھ پہ کیا کیا مرے وے کہتے ہیں میں سنتا ہوں ہم زبانی سے جنھوں کی تھی مجھے عار بہن

(۹)

بالش ناز سے جس کے تئیں لگتا تھا ننگ اب اسی سر کے تئیں پاتے ہیں شائستۂ سنگ
پھول رہتے تھے بھرے جس میں ہمیشہ صد رنگ اسی دامن سے گتھے رہتے ہیں اب خار بہن

(۱۰)

ہائے یہ وقت نہیں طاقت دل کھونے کا کڑھیو تب جب تجھے غم ہو نہ مرے ہونے کا
ابھی کیا رووے ہے آگے ہے سماں رونے کا یاد آوں گا بہت میں جگرافگار بہن

(۱۱)

خاک میں اپنے جگر پارے پڑے پاتا ہوں رنگ صحبت سے کھڑا خون جگر کھاتا ہوں
جی میں جو کچھ ہے سوجی ہی میں لیے جاتا ہوں وقت ہے تنگ مناسب نہیں اظہار بہن

(۱۲)

خوش نہ اس خستگی حال سے گڑتا پوتا اپنے دل کے لہو سے خاک بھرا منھ دھوتا
آج کے دن جو سلامت مرے سر پر ہوتا دیکھتا یوں نہ مجھے حیدر کرار بہن

(۱۳)

آشنا کون کہوں جس سے یہ حال مستور عقل سے دور ہے مرنے کے قریب اب مذکور
درد دل اپنا سناتا اسے سب میں مجبور ہوتا دنیا میں اگر احمد مختار بہن

(۱۴)

چشم انصاف کہاں جس سے نظر آوے حال کس کے اس طرح ہوئے خویش و برادر پامال
تو ہی مجھ ظلم رسیدہ سے ہو سرگرم مقال ابھی اکبر تھا بھلا خوں کا سزاوار بہن

(۱۵)

جور کے تیر کا اصغر کا گلا تھا قابل قاسم ایسا تھا کہ مارا پڑے ہوکر گھائل
میں ہوں ایسا کہ مرے درپئے خوں ہوں جاہل عالم الغیب ہی جانے ہے یہ اسرار بہن

(۱۶)

میں تو جانا تھا کہ یہ قوم تشہدگو ہے اور احمد کا تمنائے دل و جاں تو ہے
یہ نہ جانا کہ ہر اک تیرہ دروں بدخو ہے جی سے ماریں گے مجھے کرکے گرفتار بہن

(۱۷)

آنکھ ان لوگوں کی آتی ہے نظر مجھ کو بری دیکھیو سر کے تئیں کاٹیں گے لے مل کے چھری
پھر بھی تو ان کے دلوں سے نہیں جانے کی پری سر کٹے پر بھی رکھیں گے یہ سروکار بہن

(۱۸)

غم شریک آج پدر ہے نہ کوئی بھائی ہے سو طرح کی ہے جفا اور یہ تنہائی ہے
سر پہ کیا جانیے کیوں ایسی بلا آئی ہے پاؤں تو کج ہے مرا یاں نہیں زنہار بہن

(۱۹)

مجھ کو جائے ہی بنے گرچہ نہیں ہے دل خواہ سر کٹے ساتھ کے جتنے ہیں کھڑے ہیں سر راہ
دل غم دیدہ میں کیا کیا ہے مرے کیونکر آہ فرصت کم میں کہوں یہ غم بسیار بہن

(۲۰)

ہاتھ سے تم بھی سررشتۂ تسکیں کو نہ دو سخت کر جی کے تئیں بیٹھو نہ روؤ نہ کڑھو
ہوسکے تو دل سجاد کو اب ہاتھ میں لو چھوڑتا ہوں میں اسے بیکس و بیمار بہن

(۲۱)

ایک تو تپ اسے رہتی ہی نہایت ہے حقیر دوسرے جاتے رہے جان سے سب خرد و پیر
تیسرے مرگ پدر سخت کرے گی دل گیر مار ہی ڈالے ہے آزار پہ آزار بہن

(۲۲)

وقت نزدیک ہے اب جیسے مرے جانے کا یہی صورت ہے تو میں منھ نہیں دکھلانے کا
قابو بنتا ہے کہاں یاں تئیں پھر آنے کا ہیں سب اسباب مرے مرنے کے تیار بہن

(۲۳)

جس گھڑی تن سے مری جان جدا ہووے گی دن کی ہوجاوے گی شب تیرہ ہوا ہووے گی
درہمی برہمی سے حشر بپا ہووے گی اس قیامت میں سکینہ سے خبردار بہن

(۲۴)[1]

ہے وہ ناداں نہ کہیں خوف اثر کر جاوے   دیکھ کر گھر کے تئیں لٹتے ہوئے ڈر جاوے
یا مجھے یاد کرے سر کو پٹک مرجاوے   کرتی رہیو مرے پیچھے اسے ٹک پیار بہن

(۲۵)

شہربانو کو نہ ٹک پاس سے ہلنے دیجو   فرط اندوہ سے دل اس کا سکھلنے دیجو
غم کی ماری کو نہ جنگل میں نکلنے دیجو   اس کے سب اہل جنوں کے سے ہیں اطوار بہن

(۲۶)

مجھ سے دل بستگی رکھتی ہے وہ شومردہ بہت   کم جو آتا ہوں تو ہو جاتی ہے افسردہ بہت
سن کے مرنے کو مرے ہوگی دل آزردہ بہت   پوچھیو اس کے بہت دیدۂ خونبار بہن

(۲۷)

یہ سخن بھائی نے کہہ منہ جو کیا اودھر کو   سر سے زینب نے اٹھا پھینک دیا معجر کو
دیکھتی تھی کبھی بھائی کو کبھی گھر در کو   چھپ گیا آنکھ سے جب رہ گئی من مار بہن

(۲۸)

کیا کہوں میرؔ سنا جن نے جگر اس کا جلا   جب وہ نومید ہو یوں کہنے لگی تاب نہ لا
تو جو اک بار اٹھا یاں سے تو مرنے ہی چلا   اب پکارے گی اخی کہہ کے ہر بار بہن

○

(۱) نسخۂ کتب خانۂ مخطوطات، حیدرآباد

(۱۴)

(۱)

سجاد کو فلک نے کس کس طرح ستایا کنبے کو ووں کھپایا گھر بار یوں لٹایا
سر باپ کا کٹایا تھا سر پہ جس کا سایہ لاشے کو اس کے تن پر یوں دھوپ میں جلایا

(۲)

رخصت نہ تھی کہ مردہ اس کا اٹھا کے جاوے مہلت نہ تھی کہ گھر کے لوگوں کے تیں چھپاوے
فرصت نہ تھی کہ رسمیں میت کی کرنے پاوے ہر گام ضعف تن نے سو مرتبہ گرایا

(۳)

گھر کی طرف جو دیکھا سو لٹتے گھر کو دیکھا بھائی میں دم نہ دیکھا بے سر پدر کو دیکھا
دیکھا جدھر نہ اپنا کوئی ادھر کو دیکھا ہوتا کوئی تو کہتا تو پرے کو نہ آیا

(۴)

آغشتہ خاک و خوں میں جو تھے ہوئے پڑے تھے جوں اشک یار و یاور سارے چوئے پڑے تھے
مشفق پدر برادر دونوں موئے پڑے تھے شفقت نہ کی کسھوں نے احوال تو دکھایا

(۵)

نے کوئی یار جانی نے لطف کچھ زبانی کھانا ملا نہ پانی کاہے کی زندگانی
غیروں کی سرگرانی پھر اپنی ناتوانی طاقت نہ تھی بدن میں پر کیا ستم اٹھایا

(۶)

قوت نہ پاؤں سر میں حیراں غم پدر میں باقی نہ کچھ جگر میں نومیدی سی نظر میں
دشمن تمام گھر میں ناموس رہگذر میں غیرت نے دل جلایا خجلت نے جاں کھپایا

(۷)

کہتا تھا یوں وہ مہموم غم میں سبھوں کے مغموم عمو موا ہو مسموم مقتول جد مرحوم
بابا کفن سے محروم میں ہوں اسیر مظلوم دو ہاتھ جو کھلے تھے سو ان کو بھی بندھایا

(۸)

کیا تپ نے تن میں چھوڑا خوں جنگی نچوڑا   خالی پدر کا گھوڑا دکھلاویں غیر کوڑا
دل جیسے پکا پھوڑا ہر دم ہو تھوڑا تھوڑا   پرخار بادیہ میں ننگے قدم چلایا

(۹)

حالت تھی اضطراری اک دل میں بےقراری   آنکھوں سے اشک جاری ہونٹوں پہ آہ و زاری
وہ جسم کی نزاری دکھ اس طرح کا بھاری   جب آنکھ اٹھا کے دیکھا تب ایک داغ کھایا

(۱۰)

بیمار وہ گراں تھا ازبسکہ ناتواں تھا   آرام اسے کہاں تھا ساتھ ایک کارواں تھا
غم کا کبھو بیاں تھا روتا کبھوں رواں تھا   کیا رسم رحم یکسر واں اٹھ گئی تھی آیا

(۱۱)

اصغر موا بچارا اکبر سو دوں سدھارا   قاسم کو جی سے مارا بابا کا سر اتارا
قوم و قبیلہ سارا یوں کر گیا کنارہ   پانی دیا نہ قطرہ دریاے خوں بہایا

(۱۲)

جامہ گلے میں آبی لب خشک دل کبابی   گھر بار کی خرابی اندوہ بےحسابی
پھر سب کی پرعتابی چلنے کی یہ شتابی   نے باپ کو اٹھایا نے بھائی کو گڑایا

(۱۳)

وہ انکسار اس کا کوئی نہ یار اس کا   دل سب نزار اس کا جی بےقرار اس کا
جنگل گذار اس کا چھوٹا دیار اس کا   کر رحم پاس اس کے کنبہ تنک بلایا

(۱۴)(1)

ہر طرف شور و شر تھا درپیش اسے سفر تھا   آگے سر پدر تھا لٹتا ادھر کو گھر تھا
صبر آہ کس قدر تھا اللہ کیا جگر تھا   یہ کچھ ستم اٹھایا پر منھ پہ کچھ نہ آیا

(۱۵)

لاشوں پہ ہو نکلنا ناچار پاؤں چلنا   سینے میں جی کا جلنا شرمندگی سے گلنا
رہ رہ کے ہاتھ ملنا حیرت سے لب نہ ہلنا   دل تو ہوا تھا خوں سب یہ غم کہاں سمایا

(۱) نسخۂ کتب خانۂ مخطوطات، حیدرآباد

(۱۶)

جاہ و حشم کو رووے ناز و نعم کو رووے بابا کے دم کو رووے اہل حرم کو رووے
فرط الم کو رووے یا چشم نم کو رووے غم نے جدا کھپایا تپ نے جدا سکھایا

(۱۷)

بیماری بے دوائی بختوں کی نارسائی بابا رہا نہ بھائی ان سب کو موت آئی
یاروں کی بے وفائی لوگوں کی بے روائی اسباب کی کمی نے بہتیرا ہے کڑھایا

(۱۸)

جو تھا سو واں کمینہ اس کا کہاں قرینہ ہر اک کو اس سے کینہ دشوار اس کا جینا
ہر گام لوہو پینا آ آگیا پسینہ پھر جسم کے مرض نے جی کو بہت گھٹایا

(۱۹)

بابا کی جستجو میں ملنے کی آرزو میں اک حزن گفتگو میں اک درد مو بہ مو میں
طوق گراں گلو میں پھر سر پہ ایسی دھومیں اس خاک میں ملے کو کیا خاک میں ملایا

(۲۰)

قوت کوئی جتاوے باتیں کوئی بتاوے کوڑا کوئی دکھاوے کڑیاں کوئی سناوے
وہ آنکھ کیا ملاوے رونا چلا ہی آوے بے چارے ناتواں پہ کیا زور آزمایا

(۲۱)

پلکیں رہیں نہ کیوں تر آنکھیں نہ لاوے کیوں بھر وہ دشت اور وہ در پھر اس پہ سیکڑوں ڈر
پیدا نہ ہووے رہبر کھویا نہ جاوے کیوں کر بیکس کھنچا جو آیا سر باپ کا نہ پایا

(۲۲)

جنگل میں آ اترنا بابا کا مفت مرنا تنہائی کا گذرنا درد اپنا سب بسرنا
دکھ اس طرح کا بھرنا ناچار صبر کرنا بندہ تھا وہ بھی لیکن کیا ظرف تھا خدایا

(۲۳)

القصہ لوگ سارے جی سے گئے بچارے بیٹے بھتیجے پیارے شہ کے تمام مارے
تا چند کڑھیے بارے دکھ کھینچ کھینچ ہارے ان شہریوں نے مر کر جنگل وہ سب بسایا

(۲۴)

مت پوچھنا کوئی اب تھا دن سیاہ جوں شب   باقی اسیر تھے سب فریاد و نالہ برلب
ان قیدیوں کو کن نے ہو ملتفت چھڑایا   ہے میر بات بے ڈھب خاموشی ہی ہے انسب

○

(۱۵)

(۱)

ہنگامہ چرخ تو نے جفا کا اٹھا دیا   شیوہ ستم کا تیرہ دلوں کو سکھا دیا
خیمہ انھوں نے ابن علی کا جلا دیا   پردہ سا رہ گیا تھا کچھ اک سو اٹھا دیا

(۲)

کیا تونے آنکھیں موند لیں اے تیرے سر پہ خاک   ماں اس کی فاطمہ گئی عالم سے دردناک
باپ اس کا بوتراب ہوا کوفے میں ہلاک   بھائی حسن کو زہر پلا کر سلا دیا

(۳)

ہے نقش وہ جو کھینچ گیا ہے کدورتیں   بیٹا بھتیجا دونوں تھے گویا کہ مورتیں
تھیں آب و رنگ صفحۂ عالم وہ صورتیں   سو بات کہتے تونے انھوں کو مٹا دیا

(۴)

آزار تیرے جور سے انواع پا گیا   یاقوت پارے خاک میں اپنے ملا گیا
کیا کیا زیاں حسین جہاں میں اٹھا گیا   ناموس دی بہ باد جدا سر جدا دیا

(۵)

مرنا حسین کا ہے فلک یوں نہ جائے گا   حلق بریدہ سے جو وہ عرصے میں آئے گا
ہر گام ایک تازہ قیامت اٹھائے گا   یہ وہ نہ ہو کہ خون کیا پھر دبا دیا

(۶)

آنکھوں میں اس کی ہو نہ جہاں کس طرح سیاہ   کیا سوجھے اس کو چہرے پہ کس کے کرے نگاہ
اکبر اندھیرے گھر کا اجالا تھا اس کے آہ   باد ستم نے تس کو دیا سا بجھا دیا

(۷)

اصغر کو خیمہ گاہ سے لایا تھا تشنہ کام   سو کام ایک تیر میں اس کا ہوا تمام
پانی کا پھر حسین نے ہرگز لیا نہ نام   دیکھا کہ طفل شیر کو لوہو چٹا دیا

(۸)

ہمدم جو تھے حسین کے مارے گئے سبھی — یاری کی یاوری کی نہ مہلت کسو کو دی
عباس جس سے بازو امامت کا تھا قوی — تیغ جفا سے بازو ہی اس کا کٹا دیا

(۹)

قاسم چراغ بھائی کا آیا پتنگ ہو — کہنے لگا کہ میرے تئیں حکم جنگ ہو
تا چند زندگانی وبال اور ننگ ہو — افسردگی کہاں تئیں جیسے بجھا دیا

(۱۰)

بولا چچا کہ دل میں جو کرتا ہوں میں تمیز — پاتا ہوں اپنے بیٹوں سے بھی تیرے تیں عزیز
تیرے عوض جہاں کو اگر دیں تو کیا ہے چیز — ہونے نے تیرے بھائی کے غم کو بھلا دیا

(۱۱)

دل تنگ دیکھتا ہوں تو لاچار میں تجھے — ورنہ نہ دیکھوں بیکس و بے یار میں تجھے
اس آگ میں نہ جانے دوں زنہار میں تجھے — مت جان کو جلا تجھے کٹنے لگا دیا

(۱۲)

اس ماجرے کو گرچہ دیا اس جواں نے طول — پر بات اس کی آگے چچا کے نہ ہوئی قبول
جب دیکھا مدعا نہیں ہوتا ہے یوں حصول — بازو سے کھول باپ کا اپنے لکھا دیا

(۱۳)

پوچھا کہ کیا ہے یہ تو کہا کیجیے نظر — لکھ دے گیا تھا مجھ کو دم مرگ یہ پدر
پڑھتے ہی اس کے خون ہوا غم سے سب جگر — مغموم ہو کے فرق مبارک جھکا دیا

(۱۴)

اس میں لکھا تھا یہ کہ سن اے مایۂ حیات — میں تو موا پہ یاد رہے تجھ کو میری بات
ایسا نہ کیجیو کہ کہے سن کے کائنات — ابن حسن نے ساتھ چچا کا بھلا دیا

(۱۵)

القصہ پڑھ کے ساتھ بھتیجے کے تیں لیا — اہل حرم کو خیمے میں جا ایک جا کیا
اک جامہ بیش قیمتی اپنا اسے دیا — رو رو نکاح بیٹی کا اس سے پڑھا دیا

(۱۶)

رسمیں ہنوز باقی تھیں جو آئی اک صدا — کاے سیدو مگر نہیں تم میں کوئی رہا
حاضر برائے جنگ ہو قاسم جو اٹھ چلا — چلنے نے ایسے اس کے سبھوں کو رلا دیا

(۱۷)

آیا دلھن سے حشر کا وعدہ جو درمیاں — کہنے لگی کہ ڈھونڈھوں تو واں پاؤں میں کہاں
بولا کہ پیش فاطمہ بولی کہ کچھ نشاں — چاک آستیں کا ہاتھ اٹھا کر دکھا دیا

(۱۸)

نکلا جو خیمہ گاہ سے یہ مستعد کار — اک ابر سامنے سے اٹھا اس کے فتنہ بار
تیروں کی بارش اس سے تھی یا تیغ آبدار — طوفاں ہوا کہ اس کو یکایک ڈبا دیا

(۱۹)

صرفہ کیا نہ شہ نے بھی پھر اپنی جان کا — سینہ کے تیں سپر کیا تیغ و سنان کا
جو تاج سر تھا فرق شہان جہان کا — اس طرح تو نے خاک میں اس کو ملا دیا

(۲۰)

پر بیکسانہ جی سے گیا ہے وہ بے وطن — یار و رفیق سب کے ہیں بے سر پڑے بدن
کوئی نہیں رہا ہے کہ دیوے اسے کفن — سب دار و دستہ کاٹ کے اس کا گرا دیا

(۲۱)

کیا کیں تھا اہل شام کو اس آفتاب سے — کرتے رہے مضائقہ اک چلو آب سے
آخر کیا حجاب نہ کچھ بوتراب سے — سر کاٹ کر غریب کا نیزے چڑھا دیا

(۲۲)[1]

خیمہ جہاں تھا اس کا ہوئے خیمہ گاہ خصم — اسباب عترتوں کا گئی لے سپاہ خصم
تن اس کے دوستوں کے ہوئے فرش راہ خصم — ظلم و ستم سے مار کے سب کو بچھا دیا

(۲۳)

مظلوم سیدوں کا نہ ثابت ہوا گناہ — آل نبی کا پاس کیا خوب واہ واہ
مارا جہاں کہ وہاں نہ ملا قطرہ آب آہ — لوہو سے ان پیاسوں کے دریا بہا دیا

(۱) نسخۂ کتب خانۂ مخطوطات، حیدرآباد

(۲۴)

ناموس خاندان نبوت گئی بباد گھر بار لوٹ لے گئے اعدائے بدنہاد
واماندگاں پہ حد سے تعدی ہوئی زیاد ان بیکسوں کا واہ رے انصاف کیا دیا

(۲۵)

احوال عابدیں سے کریں ہم سو کیا مقال آگے ہی تھا بدن کا مرض سے تباہ حال
قیدی جو راہ جاتے ہوا اور پائمال ناموس کی خرابی نے رونا سکھا دیا

(۲۶)

غیرت رہا تھا جو حرم کبریا کی گھر باشندگاں کو واں سے نکالا برہنہ سر
جاویں ادب سے جس کے کنے ہاتھ باندھ کر اس عابدیں کا ہاتھ رسن سے بندھا دیا

(۲۷)

ناچار جس طرح سے گیا وہ نہ کوئی جائے دیکھا جو کچھ کہ ان نے کسو کو نہ حق دکھائے
آیا جو اس نزار سے ایوبؑ سے نہ آئے ہر ہر قدم پہ ضعف بدن نے اڑا دیا

(۲۸)

کیا کچھ کیا نہ تونے فلک اس کے باب میں زنداں میں اہل بیت رہے پیچ و تاب میں
بیٹی نے اس کی دیکھا اسے واں جو خواب میں اس واقعے کی دھوم نے دشمن جگا دیا

(۲۹)

شورش کی وجہ سن کے برا اپنے دل میں مان اٹھ بیٹھ روسیاہ نے سوتے سے اس ہی آن
رکھ کر سر بریدہ کو کسوایا ایک خوان سربستہ پھر وہ خوان اسے واں منگا دیا

(۳۰)

کھولا جو خوان کو تو ہر اک نیم جاں ہوئی ازبسکہ گرم نالہ و آہ و فغاں ہوئی
چلائی بیٹی ایسی کہ محشر عیاں ہوئی جی کو غم پدر میں پھر ان نے کھپا دیا

(۳۱)

کیا چال تھی سپہر جو تیں اختیار کی بنیاد کھود ڈالی حرم کے جدار کی
کچھ فکر ہے تجھے بھی سرانجام کار کی ظالم کسے بگاڑ کے کس کو بنا دیا

(۳۲)

گھر پر علیؓ کے ایسی مصیبت تھی جب پڑی ہر پردگی نکل کے ہوئی بے ردا کھڑی
کیدھر تھے تیرے دیدۂ مہرومہ اس گھڑی مل کر زمیں سے تونے نہ ان کو چھپا دیا

(۳۳)

اس کم سپہ کو خصم سے آخر لڑا رکھا لاشے کو اس کے خاک میں بے سر پڑا رکھا
سقف منقش اپنی کو تونے کھڑا رکھا گھر اہل بیت ختم رسلؐ کا بٹھا دیا

(۳۴)

خس کے لیے کوئی بھی الٹ دیوے ہے پہاڑ کس جا خزف کے واسطے دیں ہیں گہر کو گاڑ
گلبن کو بہر خار کہاں ڈالے ہیں اکھاڑ ویرانہ گھر علی کا کیا کعبہ ڈھا دیا

(۳۵)

بس میرؔ اب تو خامۂ آتش زباں کو تھام سوز جگر سے تیرے جلے جا ہیں دل تمام
مانند شمع کشتہ خموشی سے کر کلام کیا کہیے گردش فلکی نے رجھا دیا

○

(۱۶)

(۱)

چاروں طرف ہے شور و فغاں وامصیبتا ماتم کدہ ہوا ہے جہاں وامصیبتا
مردوں کی جنس سینہ زناں وامصیبتا نسواں تمام مویہ کناں وامصیبتا

(۲)

کیا واردات ہے کہ عزا چاروں اور ہے کیا سانحہ ہوا ہے کہ عالم میں شور ہے
کیسا ہے غم کہ سینہ زنی سب میں زور ہے ناخن کے چہروں پر ہیں نشاں وامصیبتا

(۳)

دیکھے ہیں تار و تیرہ زمان و زمن کے تیں شہری گئے ہیں نعرہ زناں سارے بن کے تیں
مردوں کے ہاتھ پہنچے ہیں جیب و کفن کے تیں زندہ ہوئے ہیں جامہ دراں وامصیبتا

(۴)

اندھیر شامیوں کے ستم سے بڑا ہوا سر ہے سناں پہ شاہ کا تن ہے پڑا ہوا
خورشید ایک نیزے پر آکر کھڑا ہوا محشر ہوئی جہاں میں عیاں وامصیبتا

(۵)

کیا دل میں حسرتیں لیے یاں سے گیا امام قاسم کا کام کیونکے ہوا دفعتہً تمام
کس منھ سے کوئی اصغر ناداں کا لیوے نام اکبر گیا ہے کیسا جواں وامصیبتا

(۶)

ناگاہ اس چمن میں چلی ایسی باد سخت جڑ پیڑ سے اکھاڑ دیے جن نے سب درخت
نوبادگاں نے بار کیا ہے سفر کا رخت غنچہ ہوئے گلوں کے دہاں وامصیبتا

(۷)

آکر وطن سے ابن علی جان سے گیا اہل حرم پھرے ہیں بیاباں میں بے ردا
عابد چلا ہے ہاتھ بندھے وا محمداً زینب ہے سر پہ خاک فشاں وامصیبتا

(۸)

بے چارے ہیں غریب ہیں بے خانماں ہیں سب بے وارث اور بیکس و بے مہرباں ہیں سب
ہر گام گرم نالہ و آہ و فغاں ہیں سب نے گھر نہ در نہ جا نہ مکاں وامصیبتا

(۹)

مرتے حسین کے وہ زمانہ نہیں رہا جو ہے سو مدعی ہے یگانہ نہیں رہا
ناموس احمدی کو ٹھکانا نہیں رہا فریاد لے کے جائیں کہاں وامصیبتا

(۱۰)

بے سر پڑے ہیں حد نظر تک تمام تن کھینچے ہیں خاک و خوں میں جوانوں کے پیرہن
سب خارزار ریختن خوں سے ہے چمن کچھ اور ہوگیا ہے سماں وامصیبتا

(۱۱)

زہرا نے دودھ جس کے تئیں مہر سے دیا حیدر نے جس کو سر پہ رکھا جب تلک جیا
آغوش میں نبیؐ نے جسے پرورش کیا سر اس کا اور نوک سناں وامصیبتا

(۱۲)

جس کے لیے سپہر رہا برسوں چرخ زن جس کے سبب نمود میں آیا زمیں زمن
سو سر کہیں نواسے کا اس کے کہیں بدن پھر خاک میں ہوا نہ نہاں وامصیبتا

(۱۳)

بھائی بھتیجے آگئے تیغ ستم تلے خنجر رکھا گیا شہ مظلوم کے گلے
ہرچند سر ہے نیزے پہ خورشید سا دلے تاریک ہے زمین و زماں وامصیبتا

(۱۴)

بیٹا جو اک رہا ہے بہت ناتواں ہے وہ کرتا تو ہے نمود سی لیکن کہاں ہے وہ
دبلے پنے سے جسم کے اپنے بجاں ہے وہ تس پر کہیں ہیں چل تو رواں وامصیبتا

(۱۵)

ہاتھوں سے اس کے کچھ نہیں بن آتی کیا کرے ناموس چھوڑ دشت میں کس طرح سے مرے
جیتا رہے تو ضعف میں کیوں کر یہ دکھ بھرے گردن میں طوق ایک گراں وامصیبتا

(۱۶)

کہتے ہیں اس پہ باپ کا منھ سے نہ نام لے   باندھے ہیں ہاتھ دل کے تئیں تا نہ تھام لے
کس طرح اس سلوک کا وہ انتقام لے   اس کو نہ زور کچھ نہ تواں وامصیبتا

(۱۷)

دیکھے ہے ماں بہن کو تو روتا ہے زار زار   رسی سے ہاتھ دونوں بندھے کف میں اک مہار
گرد یتیمی منھ پہ جگر بے پدر فگار   ناچار ساتھ سب کے رواں وامصیبتا

(۱۸)

اس واقعے سے بانو پہ سختی کمال ہے   یہ ظلم یہ ستم یہ خرابی حال ہے
لب پر ہزار رنگ گلے لیک لال ہے   گویا نہیں ہے منھ میں زباں وامصیبتا

(۱۹)

اس ایک کے لبوں پہ شکایت ہے خونچکاں   اس دوسری کے نوحے سے پرشور ہے جہاں
القصہ بے حسین قیامت ہے درمیاں   کیا کیا کریں ہیں بہنیں بیاں وامصیبتا

(۲۰)

بیٹی یہی کہے ہے کہ بابا کب آئے گا   کب کا گیا ہے کب تئیں تشریف لائے گا
شاید یہ حرف جان ہی کے ساتھ جائے گا   کڑھنے سے اس کے ہے یہ عیاں وامصیبتا

(۲۱)

وحشی ہی فرط غم سے نہیں دشت میں اداس   جاتے نہیں طیور بھی میرؔ آشیاں کے پاس
کیا مرد و زن ہر ایک کے مفقود ہیں حواس   ماتم زدہ ہیں خرد و کلاں وامصیبتا

○

(۱۷)

(۱)

قاسم کی شادی اس دم رچائی　　جس دم کہ شہ سے کچھ بن نہ آئی
دلہن سمیں نے ایسی بنائی　　وہ بزم جن نے ساری رلائی

(۲)

بھائی نہ تھے جو ہوتے براتی　　بزم عروسی رونق بھی پاتی
سو تو جلائی ہر اک نے چھاتی　　آگے ہی جا جا گردن کٹائی

(۳)

دولھا اگر تھا ظاہر نویلا　　لیکن نہایت بیکس اکیلا
بابا کا مرنا اس طور جھیلا　　طاقت سے آگے ایذا اٹھائی

(۴)

دل کے الم سے رخ زرد جوں زر　　آنسو کا سہرا چہرے کے اوپر
جوں پارۂ ابر رومال سب تر　　غم کی نہ دل میں مطلق سمائی

(۵)

بابا موا تھا ہو کر کے مسموم　　شفقت عنایت غیروں سے معلوم
اب جو چچا ہے سو بھی ہے مظلوم　　ڈھونڈے ہے اپنے غم سے رہائی

(۶)

دولھا گدازاں ہووے نہ کس مس　　نے کوئی غم خوار نے کوئی مونس
دولہن جلے تھی جوں شمع مجلس　　ایسی لگن تھی یہ کب دھرائی

(۷)

دلہن کو روتی لاکر بٹھایا　　دولھا بھی کڑھتا پاس اس کے آیا
مرآت و مصحف لاکر دکھایا　　اک دم بھی فرصت ہرگز نہ پائی

(۸)

چاہا مبارز دشمن نے آکر غیرت سے طاقت مطلق نہ لا کر
اٹھتے ہی واں سے جی کو چلا کر سر پر اٹھائی ساری لڑائی

(۹)

اک زخم سا زخم آخر اٹھایا دیکھا چچا نے طاقت نہ لایا
گھوڑے سے گرتے چھاتی لگایا نازک وہ پیکر بے جان پائی

(۱۰)

مر جو گیا وہ جا الضرورت کچھ اور ہوگئی مجلس کی صورت
بڑھتی چلی پھر دل کی کدورت اس پر کہ گھر کی سب تھی صفائی

(۱۱)

آرائش بزم کیا کہیے بارے آہوں کے شعلے گل ریز سارے
گرتے تھے آنسو جیسے ستارے چھوٹے تھی منھ پر سب کے ہوائی

(۱۲)

کس پردگی کے معجر بہ سر تھا سینے میں کس کے اس دم جگر تھا
بزم عروسی ماتم کا گھر تھا اچرج ہوئی ہے یہ کدخدائی

(۱۳)

القصہ اکثر بیکس بچارے جور و ستم سے دشمن نے مارے
باقی جو ہیں اب کتنے دکھارے پانی کی ان کو ہے گی سنائی

(۱۴)

اصغر پیاسا مرنے لگا جب مردم حرم کے گریاں ہوئے سب
لاچار ہو شہ آپھی اٹھا تب اک چلو پانی کرنے گدائی

(۱۵)

لائے سو اس کو خوں میں ڈبو کر ایسے گہر کو یوں بیٹھے کھو کر
رکھا جو سب میں گودی سے رو کر چھوٹے بڑے کی چھاتی بھر آئی

(۱۶)

گردن کٹائی اکبر نے جب کی تر چشم ہے گی ہر خشک لب کی
عالم سیہ ہے آنکھوں میں سب کی دیتا نہیں کچھ اس بن دکھائی

(۱۷)

اس واقعے نے شہ کو کھپایا آتش نے غم کی سینہ جلایا
خود کو بخود پھر ہرگز نہ پایا دشوار کاٹی اس کی جدائی

(۱۸)

افراط غم سے بس تنگ آکر جینے سے بیٹھا دل کو اٹھاکر
وعدے پہ آخر میداں میں جاکر خنجر کے کارن ضربت اٹھائی

(۱۹)

واماندگاں سب کہتے تھے رو رو وارث نہیں اب جز عابدیں سو
بیمار ایسا دیکھیں تو کیا ہو پھر لاعلاجی پھر بے دوائی

(۲۰)

سر دے کے شہ تو چھوٹا الم سے عزت تھی ساری اس کے ہی دم سے
وابستہ خواری اب ہے گی ہم سے موت اس کی آئی ہم کو نہ آئی

(۲۱)

تھی چشم ہم کو جن سے وفا کی آخر انھوں نے ایسی جفا کی
یارب برائی ہم نے وہ کیا کی کرتی نہیں جو امت بھلائی

(۲۲)

اپنا کیا تھا حیدر نے جس کو جانی خصومت ہم سے ہے وں کو
ہم غم زدہ اب دیں دوش کس کو کی آشنا نے یہ بے وفائی

(۲۳)

چھوڑا مدینہ جس کے بھروسے نیکی نہ دیکھی اس زشت خو سے
مارے گئے مل اس مردہ شو سے بیٹے بھتیجے خویش اور بھائی

(۲۴)

دنیا کی خاطر دیں ان نے چھوڑا ابن علی سے سررشتہ توڑا
یک بار ادھر سے منھ اپنا موڑا تھا آشنا سو نکلا دغائی

(۲۵)

تالیف جس کی کی تھی نبیؐ نے ایذا اٹھائی اس سے علیؓ نے
بیٹے سے اس کے اب ہم سبھی نے یہ آگ گھر کو ان نے لگائی

(۲۶)

جانوں سے مارا خیمہ جلایا پانی کے بدلے لوہو چٹایا
سر اس کے اوپر کٹوا منگوایا ناموس ساری شہ کی لٹائی

(۲۷)

غربت میں مارا لاکر وطن سے محروم رکھا تس پہ کفن سے
ہاتھ اک پسر کے باندھے رسن سے کی ناتواں پر زورآزمائی

(۲۸)

اہل حرم کو لوٹا لٹایا ہر پردگی کو سب میں پھرایا
اونٹوں کے اوپر ظاہر بٹھایا خوش کی ہماری یہ بے ردائی

(۲۹)

اب شام کو ہم جاتے ہیں سارے شب کر دکھایا دن کو ہمارے
کیا پیش آوے واں پہنچے بارے طالع میں اپنے ہے نارسائی

(۳۰)

جاتے تھے کہتے یوں وے گرفتار نے کوئی ہمدم نے کوئی غم خوار
آگے سبھوں کے عابد ہو بیمار چوٹ ان کے دل پر ہر گام کھائی

(۳۱)

پامال کریے اس کام جاں کو دیجے ریاست سگ زادگاں کو
چپ میرؔ نالاں رکھ لے زباں کو کہیے سو کیا اب یہ بھی خدائی

○

(۱۸)

(۱)

نسیم غم سے ہے آتش بجاں امام حسین دم ایک اور ہے اب میہماں امام حسین
چراغ آخر شب ہے گا یاں امام حسین سحر نمود ہوئی پر کہاں امام حسین

(۲)

فلک نکالی نئی گردش اب کے اے خوں خوار کہ قتل ہوتے ہیں ابن علی کے خویش و تبار
ہوئی ہے اول مہ میں کچھ اور لیل و نہار گھٹے ہے بدر نمط ہر زماں امام حسین

(۳)

سفر مدینے سے گویا کہ تھا بلا کا سرا قدم جو راہ میں رکھا تو ہائے پھر نہ پھرا
ملا نہ قطرۂ آب اور لوہو اس کا گرا ہوا تھا کس گھڑی واں سے رواں امام حسین

(۴)

نبیؐ نے برسوں تئیں جس کا ناز اٹھایا تھا علیؓ نے آنکھوں پہ مدت جسے بٹھایا تھا
جسے کہ مہد میں جبریل نے جھلایا تھا وہ خاک و خون میں اب ہے طپاں امام حسین

(۵)

مصیبت اس کے تئیں طرفہ پیش آئی ہے اکیلا دشت میں ہے پیاس ہے لڑائی ہے
نہ کوئی یار ہے نے خویش ہے نہ بھائی ہے رہا ہے بیکس و بے مہرباں امام حسین

(۶)

تمام شکل نبیؐ ہی کا تھا علی اکبر اسی کو دیکھتے مشتاق روے پیغمبرؐ
ہوا برابر خاک سیہ وہ گوہر تر دیا ہے ہاتھ سے کیسا جواں امام حسین

(۷)

فرات خاک سر اس کے کہ جس کا ایسا آب کہ جس سے موجیں اٹھیں با ہزار پیچ و تاب
تمام بادیہ کے وحش و طیر ہوں سیراب دکھاوے تشنہ لبی سے زباں امام حسین

(۸)

بھتیجا یوسفِ ثانی تھا جس کو کھو بیٹھا بغل میں اصغرِ ناداں کو لا کے رو بیٹھا
حشم خدم سبھی سے ناامید ہو بیٹھا محلِ رحم تھا بے خانماں امام حسین

(۹)

پیاس حد سے زیادہ تھی ہائے دم نہ لیا تمام آب کا خنجر کی ایک گھونٹ کیا
رضا میں مر ہی گیا آنکھ موند کر نہ جیا شہیدِ تیغِ ستم پیشگاں امام حسین

(۱۰)

کوئی نہ دادگر و دادرس جو دیوے داد ستم اس ایک پہ واں ہو رہا تھا حد سے زیاد
بلند چاروں طرف سے ہوئی تھی تیغِ عناد تلف دریغ ہوا درمیاں امام حسین

(۱۱)

ہوا جو قتل شہ کم سپاہ دیں مجبور پڑا تھا خاک کے اوپر نپٹ ہی بے دستور
جگر کے ٹکڑے پڑے لعل پارہ سے تھے حضور گیا ہے دیکھ کے کیسا سماں امام حسین

(۱۲)

کہوں سو شام کے لوگوں کی کیا مروت کو پھر ان کے آنکھ چھپانے کو یا قسادت کو
چلے ہیں قبلہ کو رد کر کے سب عبادت کو ہوا ہے ذبح ابھی ناتواں امام حسین

(۱۳)

عجب عبادتِ حق پر تھے مستعد ناساز شتابِ قتلِ نبی زادہ بیچ کر نماز
نماز کرنے کو دوڑے تھے سب یہ کیسی نماز پڑا تھا خاک میں خوں میں عیاں امام حسین

(۱۴)

سرِ آفتاب کا دیں کے کیا روانۂ شام کفن بغیر رکھی خاک و خوں میں لاش امام
پھرا کی مضطرب الحال روحِ خیرانام پڑا تھا بے سر و ساماں جہاں امام حسین

(۱۵)

جھڑے کٹے یہ گل و بوٹے سارے دل افروز پسر برادر و قاسم دلوں میں جن کے سوز
گیا تو جان سے پر خوب سیر کی دس روز چمن میں اپنے بہارِ خزاں امام حسین

(۱۶)

کہیں تھے عترت احمد کے دل جلے رو رو   چراغ اب نہ رہا گھر میں عابدیں بن سو
وہ قیدی شام کو جاتا ہے دیکھیے کیا ہو   گیا ہے ہم سے تو دامن فشاں امام حسین

(۱۷)

ہوا جو لاشۂ مظلوم پر سے ہو کے گذار   قیامت ایک ہوئی عترت نبی سے دوچار
پکارا دیکھتے ہی رو کے عابد بیمار   رہا تھا ایک میں تیرا نشاں امام حسین

(۱۸)

عناں ہے ابلق ایام کی فلک کے ہاتھ   کہوں سو کیا کہوں بنتی نہیں ہے کوئی بات
یہ کاش جان سبک کھوئی ہوتی تیرے ساتھ   گلے میں طوق ہے میرے گراں امام حسین

(۱۹)

مژہ میں لخت جگر اپنے میں پروتا ہوں   کباب آتش غیرت کے بیچ ہوتا ہوں
حرم کے لوگوں کو میں دیکھ دیکھ روتا ہوں   پھر اس پہ ان کی یہ آہ و فغاں امام حسین

(۲۰)

پڑا جلے ہے ترا لاشہ دھوپ میں مظلوم   امیر کرکے مجھے لے چلی ہے قوم شوم
کفن کی فکر جو کر جاؤں تیری سو معلوم   ہو آفتاب ترا سایہ یاں امام حسین

(۲۱)

خدا کو سونپ کے اس بے کفن کو وہ بے دل   گیا یہ کہہ کے کہ بابا ہے سخت یہ مشکل
جرس کے طرز میں نالاں ہوں ساتھ تا منزل   گیا ہے چھوڑ کے تو کارواں امام حسین

(۲۲)

فلک نے کی نہ مدد اب بھی ان غریبوں کی   خراب ہوتی نہ مٹی جو بے نصیبوں کی
تسلی ہوتی رہی باقی ناشکیبوں کی   ہوا نہ زیر زمیں بھی نہاں امام حسین

(۲۳)

خبر بھی ہے تجھے کس کا لہو پیا ہے تیں   چراغ خانۂ حیدر بجھا دیا ہے تیں
کرے گا نفع نہ محشر کو جو کیا ہے تیں   گیا ہے کھینچ کے جی کا زیاں امام حسین

(۲۴)

قیامت ایک نمودار ہوگی محشر کو　　سخن میں لاویں گے جب اس جوان بے سر کو
عجب نہیں ہے جو بے تابی آوے داور کو　　کرے گا گر یہ مصیبت بیاں امام حسین

(۲۵)

تمھارے لطف سے خاطر میں میرؔ کے ہے نہاں　　کہ روز حشر کو ہووے رکاب ہی میں رواں
صف نعال جوانان کربلا ہو جہاں　　ملے اسے بھی اسی جا مکاں امام حسین

○

(۱۹)

(۱)

کہانی رات تھی آل نبی کی   مراد جان زہرا دل جلی کی
مصیبت دیدگی ابن علی کی   گئی سن نیند یک باری سبھی کی

(۲)

پدر شاہ ولا اور اس کا نانا   محمدؐ جس کو دو عالم نے جانا
فلک نے خاک کو یک عمر چھانا   تب اس محبوب نے جلوہ گری کی

(۳)

کہ اک تھا بادشا مغرب زمیں میں   علم تھا اہل ایمان و یقیں میں
امامت تھی اسے احمدؐ کے دیں میں   ور اس کا سجدہ کہ تھی ہر دلی کی

(۴)

تمامی جود تھا سب دست ہمت   سراپا دل ہمہ تن تھا مروت
سراسر جرأت و یک لخت غیرت   دیا سر پر نہ ان نے آشتی کی

(۵)

مزاج اس کا نہایت ہی کڑا تھا   سر رہ طور پر اپنے کھڑا تھا
گذار کارواں اپنا پڑا تھا   نگہ ان نے ادھر اک سرسری کی

(۶)

خیال اس کو کیا ہر اک نے مفتر   کہا سب نے اسے خود رائے خود سر
گلہ سن کر کیا ان نے سخن سر   کہ رسم اپنی نہیں کبر و منی کی

(۷)

نہ اس کو کبر سمجھو کبریا ہے   ہمیں یہ رتبہ حق نے دیا ہے
تکبر ترک ہم سب نے کیا ہے   رہ و رسم اپنے ہاں ہے بیکسی کی

(۸)

جو ہوں پامال تو ہم دم نہ ماریں ہمارے جسم ہیں گویا مزاریں
ہم اپنی قدر کو کیوں کر بساریں کہ ہے خاک اصل طینت آدمی کی

(۹)

ولے وہ مالک ملک حقیقت رہا تھا بیٹھ کر ترک خلافت
ابا جدا جنھوں نے کی خصومت انھوں نے ابتدا پھر بے تہی کی

(۱۰)

یہ شہ تھا کم سپہ ساتھ ان کے لشکر یہ بیکس اور وہ مغرور و مفتر
ادھر اسباب ظاہر جمع یکسر فقط اک اس کنے ہمت شہی کی

(۱۱)

لگے آزار پر پہنچانے آزار لے آئے بیچ میں بیعت کی گفتار
کھنچی پرخاش کو آخر یہ تکرار نہ اک گرہ نے اس کی ہمرہی کی

(۱۲)

غم و رنج و الم جب دیکھے وافر کہا مجھ کو نہ دیں گے چین کافر
ہوا آخر مدینہ سے مسافر برائے خواہش دل مدعی کی

(۱۳)

کہ یاں جاتا نہ تھا اس کا ستم پیش تدارک بھی ہوا جاتا تھا کم بیش
اگرچہ مرگ حیدر سے تھا دل ریش حسن کے غم نے کیا کم کوتہی کی

(۱۴)

وطن مالوف کو القصہ چھوڑا نبیؐ کی گور سے ناچار توڑا
زمانے نے یکایک منھ کو موڑا نہ یک دم آسماں نے ہمدمی کی

(۱۵)

چلا راضی رضائے مالک اوپر عمل کر کل شئی ھالک اوپر
کہا پھر رہ میں جو ہو سالک اوپر خدا سے چشم رکھے یاوری کی

(۱۶)

پس از طیِ منازل کوفہ آیا   بھروسا جس کا تھا خوب آزمایا
اسے دشمن سے بھی کچھ آگے پایا   مروت دیکھ لی سب اس دنی کی

(۱۷)

ہوا دشت بلا کو جب روانہ   پھرا حد سے زیادہ پھر زمانہ
ملا اس کو وہاں پانی نہ دانہ   فلک نے اس کی مہمانی بڑی کی

(۱۸)

مخالف جوق جوق اودھر سے دھائے   سنان و تیغ و خنجر لے کے آئے
عزیزوں نے گلے اپنے کٹائے   نہ پوچھو شامیوں نے جو بدی کی

(۱۹)

بھتیجے بھائی بیٹے سارے مارے   جلائے آگ دے کر خیمے سارے
موئے ناچار ہو اکثر بچارے   بہت اوقات نے اس سے کمی کی

(۲۰)

ہوئے اکبر ہم اصغر دونوں بھائی   گیا قاسم تھی جس کی کدخدائی
مروت ظالموں سے بن نہ آئی   تسلی بھی نہ ٹک آکر کبھی کی

(۲۱)

گلے اصغر کو بہتیرا لگایا   لیے خیمے تلک ہاتھوں میں آیا
ولے اس کو نہ جینے والا پایا   بہت دلجوئی کی اس رفتنی کی

(۲۲)

پھر اس مظلوم کو بھی مار ڈالا   کیا سر معرکہ میں نیزہ بالا
نہ چھوڑا اک کفن کا دینے والا   رہا عابد سو اس سے کیا بھلی کی

(۲۳)

نکالا کانپتا اس ناتواں کو   چلے لے شام لوٹے کارواں کو
کیا غارت سب اسباب زناں کو   ہر اک واحد کی خوش بے چادری کی

(۲۴)

نکالیں عورتیں بے روئیاں کر　　نہ چھوڑا پردگی کے سر پہ معجر
بٹھائیں اشتروں پر تس کے اوپر　　قطار اونٹوں کی رستے پر کھڑی کی

(۲۵)

زمام اونٹوں کی لے کر ہاتھ میں دی　　مراعات اس کی بیماری کی یہ کی
چلاچل کہتے کہتے جان بھی لی　　پدر مردہ کی کیا کیا دلبری کی

(۲۶)

وہ کہتا تھا پدر منھ تیں جو پھیرا　　سبھوں نے مجھ کو کھینچا اور گھیرا
نہ نکلا آہ مرغ روح میرا　　کہوں کس سے اس اپنی بے پری کی

(۲۷)

تمامی دار و دستہ کٹ کے مرنا　　سر آگے باپ کا نیزے پہ دھرنا
حرم کے لوگ بے ناموس کرنا　　وہی جانے یہ جن نے غم کشی کی

(۲۸)

بس اب سو میر رکھ لے تک زباں کو　　یہیں سے چھوڑ دے اس داستاں کو
رلا دے گا کہاں تک مردماں کو　　نہیں طاقت رہی مژگاں تری کی

○

(۲۰)

(۱)

کیا گردوں نے فتنے کو اشارہ بلا کو کربلا میں لا اتارا
ہوا آخر طلب سید ہمارا لٹا ناموس پیغمبرؐ کا سارا

(۲)

مروت شامیوں سے بن نہ آئی ہوئی یہ چشم و روے بے وفائی
ستم کی تیغ سب نے آزمائی حسین ابن علی کو جس سے مارا

(۳)

رہا جو عابدیں سو زار و بیمار اٹھانا یک قدم کا جس پہ دشوار
بلا کا مبتلا غم کا گرفتار غریب و بیکس و بے یار و یارا

(۴)

خطاب اس کا تھا ہر دم آسماں کو کہ ہم بے طالعوں غم دیدگاں کو
دکھایا تونے تیرہ کر جہاں کو مگر رکھتے نہ تھے ہم سب ستارہ

(۵)

فلک تونے عجب چوپڑ بچھائی سمجھ میں چال تیری کچھ نہ آئی
امام دیں نے جاں بازی لگائی موا لیکن نہ اپنے جی کو ہارا

(۶)

چلا وہ قافلہ لوٹا ہوا سب انھوں کا پیش رو عابد جسے تب
کوئی روتا کسو کے نالہ بر لب کسو کی زندگانی ناگوارا

(۷)

پڑی راہ اس طرف اس کارواں کی جہاں لاشیں پڑی تھیں کشتگاں کی
ہر اک نے خونچکاں لب سے فغاں کی ہوا آشوب محشر آشکارا

(۸)

کوئی رو رو کے زہرا کو پکاری کہ دیکھو خوار ہے اولاد ساری
نہیں لیتیں خبر جو تم ہماری ہوا شاید جگر پتھر تمھارا

(۹)

کیا ہے چرخ نے ناشاد ہم کو دیا ہے اس طرح برباد ہم کو
نہیں کرتیں جو مطلق یاد ہم کو مگر تم نے ہمیں دل سے بسارا

(۱۰)

ضرورت ہے کہ ہو ٹک تم بھی آ کہ مصیبت پڑ گئی ہے ہم پہ ناگہ
ہمارا حال ہے رونے کی جاگہ کرے امت کھڑی ہوکر نظارہ

(۱۱)

جگر ہم سب کے اس غم سے پھٹے ہیں شجر اس باغ کے سارے کٹے ہیں
گل و بوٹے بھی ماٹی میں اٹے ہیں جفا کا ہر طرف چلتا ہے آرا

(۱۲)

نہیں بھائی بھتیجوں کا ٹھکانا میسر سب کو آیا جی سے جانا
کسو کا تن ہے تیروں کا نشانہ کسو کا سر ہوا ہے چارپارہ

(۱۳)

جہاں ہم کو اسیروں کا کوا ہے ہمارا تشنہ لب صاحب موا ہے
ستم آگے کہیں ایسا ہوا ہے ٹک اک انصاف سے دیکھو خدارا

(۱۴)

فرات اوپر کسو کا تھا کنایہ کہ اے بے تہ نہ تھا کیا اتنا پایہ
حسین ابن علی پیاسا کھپایا گیا تو بیچ میں سے کر کنارہ

(۱۵)

کوئی رو رو کے کہتی تھی زمیں سے کہ تجھ کو بھی کدورت تھی ہمیں سے
اگر تو چاک ہو جاتی یہیں سے نہ ہوسکتا ترے اوپر گذارا

(۱۶)

حسین آکر نہ اس جا خیمہ کرتا   نہ اس کا دار و دستہ کٹ کے مرتا
نہ سر اس کا کوئی نیزے پہ دھرتا   نہ ہوتی خاک میداں خوں سے گارا

(۱۷)

نہ پھرتا اس طرح ہم سے زمانہ   نہ ہوتے شام کو ہم یوں روانہ
نہ لگتا عابدیں کو تازیانہ   نہ ہوتی حشر دنیا میں دوبارہ

(۱۸)

کوئی بے تاب تھی اور کوئی مضطر   نہ تھی اک پردگی کے سر پہ معجر
ہوا روے سخن سوے پیمبرؐ   کہ زین العابدیں رو کر پکارا

(۱۹)

گلے میں طوق کرتا ہے گرانی   ہوئی ہے سخت مشکل زندگانی
کہوں کس سے غم و درد نہانی   نہیں اس درد کا مجھ پاس چارہ

(۲۰)

رہے ہیں ہم جو پیچھے کشمکش ہے   تنوں کو رنج ہے جانوں کو غش ہے
موا قرباں ہو جو اس پر وہ خوش ہے   نہ تھا جینے میں ایسے اس کا وارا

(۲۱)

نہیں جلتا ہے ہم پر دل کسی کا   نہیں رکھتے ہیں پاس اب تجھ نبیؐ کا
رہا تھا رو کچھ اک ابن علی کا   سو اپنے ساتھ سر کے لے سدھارا

(۲۲)

وہ سید کشتۂ شمشیر نامرد   پڑا ہے خاک میں جس پر منوں گرد
علی کا نور عین و نازپرورد   تمھاری آنکھوں کی پتلی کا تارا

(۲۳)

نہیں فرصت کہ سونپوں خاک کے تیں   تسلی دوں دل غمناک کے تیں
مگر سونپوں خداے پاک کے تیں   کہ وارث کون ہے اس بن ہمارا

(۲۴)

گیا وہ قافلہ آخر سوے شام   دلوں پہ داغ و ناامید و ناکام
ولیکن عابد بیمار ہر گام   جگر کرتا تھا مثل سنگ خارا

(۲۵)

بھلی غم سے نہیں ہے گرم جوشی   کروں میرؔ اختیار اب میں خموشی
کہوں کیا شامیوں کی چشم پوشی   دعا گفتند آں مردم حیا را

○

(۲۱)

(۱)

نہ چھوڑی دشمنوں نے گھر میں شے دوست   نہ چھوڑا پیچھے جیتا کوئی اے دوست
رہیں نالاں نہ کیونکر مثل نے دوست   ستم گذرا غضب ہے دوست ہے دوست

(۲)

کہاں آیا تو اپنے پاؤں چل کر   جہاں سر یوں دیا آخر کو جل کر
کہیں سو کیا کہیں اب ہاتھ مل کر   یہی کہتے ہیں سب ہے دوست ہے دوست

(۳)

ہوئے درپے سبھی ناموس و جاں کے   تھے اسلامی ترے دشمن کہاں کے
بکھر جاتے ہیں جی پیروجواں کے   کہیں ہیں لڑکے جب ہے دوست ہے دوست

(۴)

فلک کی چال کینے کی نہ سمجھا   ہوا پامال تو نقش قدم سا
گیا سر کیوں کبھو تونے تو اس جا   نہ رکھا پا کڈھب ہے دوست ہے دوست

(۵)

وطن سب کا عرب مدت کا باسا   امام دیں محمدؐ کا نواسا
موا آنکھوں کے آگے سب کے پیاسا   عجب بل صد عجب ہے دوست ہے دوست

(٦)

جنھوں سے تھی امید مہربانی   دریغ ان سب نے رکھا تجھ سے پانی
ہوئی دریا پہ مشکل زندگانی   موا تو تشنہ لب ہے دوست ہے دوست

(۷)

ہوئی نانا کی امت دشمن جاں   رہا تو زیر خاک و خوں میں غلطاں
رہی دیں داری و اسلام و ایماں   نہ عزت نے ادب ہے دوست ہے دوست

(۸)

سبب ہو تو کہے کوئی موالی کہاں کی دشمنی تجھ سے نکالی
نہیں مرنا ترا حسرت سے خالی گیا جی بے سبب ہے دوست ہے دوست

(۹)

بھتیجے بھائی بیٹے تیرے پیارے گئے ناچار ہوکر جی سے مارے
ترے حصے میں کیا آئے تھے سارے غم و رنج و تعب ہے دوست ہے دوست

(۱۰)

اٹھائے تونے کیا کیا رنج و محنت گیا لے یاں سے کیسی کیسی حسرت
یہ گر ایام پر پڑتی مصیبت تو دن ہوجاتے شب ہے دوست ہے دوست

(۱۱)

وطن سے ہائے کر کر رہ گرائی مصیبت دیکھی یا ایذا اٹھائی
گیا جی سے ولے تونے نہ پائی زمیں بھی یک وجب ہے دوست ہے دوست

(۱۲)

سنی ہے مرگ ایسی بھی بہت کم رکے جاتے ہیں جی ہر لحظہ ہردم
کہیں کیا با ہزار افسوس و غم ہم کہا کرتے ہیں اب ہے دوست ہے دوست

(۱۳)

غیور ایسا نہ کوئی ہم نے پایا جگر حسرت نے پانی کر دکھایا
موا لب خشک پر لب پر نہ لایا کبھو حرف طلب ہے دوست ہے دوست

(۱۴)

ترے اندوہ کہنے میں نہ آئے کروڑوں لاکھوں غم جی میں سمائے
یہی افسوس کر سب کہنے پائے عجم سے تا عرب ہے دوست ہے دوست

(۱۵)

ترے ماتم کے جب پڑتے ہیں اسباب نہیں رہتی جیوں میں مطلقاً تاب
جگر پھٹتے ہیں کس حسرت سے احباب کہیں ہیں زیر لب ہے دوست ہے دوست

(۱۶)

کہوں یہ واقعہ آگے تو غم ہو   دلوں کو میرؔ صدگونہ الم ہو
موا جس طرح وہ ثابت قدم ہو   مرے یوں کوئی کب ہے یہ دوست

○

(۲۲)

(۱)

کرتا ہے یوں بیان سخن ران کربلا   احوال زار شاہ شہیدان کربلا
باآنکہ تھا فرات پہ میدان کربلا   پیاسا ہوا ہلاک وہ مہمان کربلا

(۲)

انصاف کی نہ ایک نے کی چشم نیم باز   کھولے ستم کے ہاتھ زبانیں کیاں دراز
قتل امام مقصد و تیاری نماز   بدتر تھے کافروں سے مسلمان کربلا

(۳)

سیلاب تھا بلا کا ہر اک سمت گرم جوش   فریاد بیکساں کی طرف کم کسو کے گوش
آل نبی تمام ہوئی خوں سے سرخ پوش   صلواۃ بر حسین و جوانان کربلا

(۴)

انواع جور مدعی ایجاد کر گئے   تخت و کلاہ احمدی برباد کر گئے
کیا تیرہ روز شای بھی بیداد کر گئے   پایا زبون مور سلیمان کربلا

(۵)

منصف تھے ہائے کتنے دروں تیرہ اہل شام   خوش تشنہ لب جنھوں نے کیا کشتن امام
فخر بشر کا نور دل و دیدہ تشنہ کام   سیراب وحش و طائر و حیوان کربلا

(۶)

یارب نہ تھا سپہر پہ اس وقت کوئی بھی کیا   جب سر پہ اہل بیت کے تھی اس قدر جفا
ہوتا کوئی تو دیکھتا ہی سر کو ٹک جھکا   تا لامکاں تھا شور غریبان کربلا

(۷)

نوک سناں پہ رکھ کے چلے لے سر امام   ناموس کے جو لوگ تھے بندی ہوئے تمام
ٹکڑے جگر کے ہوتے تھے کرتا تھا جب کلام   بے خانماں وہ جمع پریشان کربلا

(۸)

بیٹے بھتیجے اس کے جواں مارے سب پڑے   ہو ٹکڑے ٹکڑے سامنے بیکس بہت لڑے
فرصت نہ اتنی دی کہ کوئی خاک میں گڑے   پوشیدہ کیا ہے ظلم نمایان کربلا

(۹)

سر اس کا کٹ کے نیزے پہ جس دم رکھا گیا   تو نیزہ پانی چڑھ کے جیوں کو ڈبا گیا
ہرچند بوند پانی کی کوئی نہ پا گیا   لیکن خدا کا قہر تھا طوفان کربلا

(۱۰)

تھی عابدیں کے لب پہ شکایت یہ خونچکاں   کاے چرخ آہ کیونکے نبھے گا یہ کارواں
یہ سب ہیں زیربار الم میں ہوں ناتواں   طے کس طرح سے کریے بیابان کربلا

(۱۱)

مشفق پدر تو رحلت سفر کر گیا ہے بار   بھائی کو اس سے آگے ہی دشمن گئے تھے مار
ہوں میں برہنہ پا سو مرض سے نحیف و زار   پھر ہر قدم پہ خار مغیلان کربلا

(۱۲)

ہے تودہ تودہ لاشوں پہ جن کی یہ خاک دھول   سب یہ شگفتہ رو تھے نگاہوں میں جیسے پھول
منھ دیکھ ان کے کہتے تھے صلواۃ بر رسولؐ   گلزار تھی یہ وادی ویران کربلا

(۱۳)

اب سب ہی خاک و خون میں وے ہیں لٹے پڑے   اشجار و نونہال ہیں سارے کٹے پڑے
دل ہیں فگار سینے ہیں سب کے پھٹے پڑے   مسلخ سے کم نہیں یہ گلستان کربلا

(۱۴)

جل جل کے ایک ایک سے اس کا تھا یہ خطاب   کاے قوم بس بہت ہوئی اب کم ہے جی میں تاب
پہلو سے میرے ہے جگر دشت بھی کباب   رکھ ہاتھ دیکھ سینۂ بریان کربلا

(۱۵)

یہ آگے جانتے نہ تھے دیکھیں گے یہ ستم   خون پدر گرے گا زمیں پر رکیں گے دم
اندوہ و درد و رنج و الم اب ہے اور ہم   خرد و کلاں ہیں کشتۂ احسان کربلا

(۱۶)

موقوف ہوگی غم کشی یہ جب نہ ہوں گا میں — مدت تلک مصیبتیں اپنی کہوں گا میں
جیتا رہوں گا جب تئیں روتا رہوں گا میں — اب تھم چکے یہ دیدۂ گریان کربلا

(۱۷)

زینب کے لب سے حرف نکلتے تھے شکوہ ناک — آشفتہ مو وہ سر میں کھڑی ڈالتی تھی خاک
کہتی تھی تا سپہر مگر اے خدائے پاک — جاتے نہیں یہ نالہ و افغان کربلا

(۱۸)

شاید غبار رکھتی ہیں چشمان مہروماہ — احوال پر ہمارے نہیں مطلقاً نگاہ
پردہ رہے جو گر پڑے گردون روسیاہ — ہیں سربرہنہ خاک نشینان کربلا

(۱۹)

باد شمال ظلم ادھر کو جو آگئی — ایک ایک کرکے دین کی شمعیں بجھا گئی
دل داغ سارے کر گئی سینے جلا گئی — سب اڑ گئی وہ خوبی ایوان کربلا

(۲۰)

پیٹے ہیں ہم حسین کو جو کھول کھول بال — کیا خاطروں سے جاتے رہیں گے ہمارے حال
اشجار بید کے جو ہیں سو سالہاے سال — دیویں گے یاد یہ سر عریان کربلا

(۲۱)

کرتے جو نوحہ لاشوں پہ ہم جمع آ ہوئے — آنکھوں سے دل کے ٹکڑے گرے بال وا ہوئے
بے جا ہمارے شور سے وحشی بجا ہوئے — دیواں ہوا ہے حشر کا دیوان کربلا

(۲۲)

اس لوٹے کاروان کا دیکھے کوئی گذار — یہ سانحہ ہوا ہے زمانے کا یادگار
عترت نبیؐ کی اونٹوں پہ ہے ننگے سر سوار — سجاد نالہ کش ہے حدی خوان کربلا

(۲۳)

وارث کے پیچھے جانیں گئیں دشمنوں سے ہائے — کیا طرحیں چرخ کرتے ہیں ہم بیکسوں سے ہائے
کیسی کی اٹھائی ہے ہم نے خسوں سے ہائے — کس سے کہیں یہ درد فراوان کربلا

(۲۴)

ناگہ نگہ جو لاش پہ قاسم کی جا پڑی　　ساعت وہ گذری اہل حرم پر بہت کڑی
ماں اس کی سر کو پیٹتی کہتی تھی یہ کھڑی　　ہے دیدنی یہ نوشہ بے جان کربلا

(۲۵)

چن چن کے دشمنوں نے عزیزوں کے کاٹے سر　　مارا پڑا رئیس تلف ہوگئے پسر
سر پر نہ عورتوں کے ردا تھی نہ ان کو گھر　　آئی نہ کام ہمت مردان کربلا

(۲۶)

آیا جو شاہ یاں تو یہیں وہ یہیں رہا　　انواع جور و ظلم و ستم جان پر سہا
آخر کو خون اس کا اسی خاک پر بہا　　نکلا نہ پھر وہ یوسف زندان کربلا

(۲۷)

آنکھوں کو جس کی رہ میں بچھایا کیے ہیں ہم　　منت سے جس کے ناز اٹھایا کیے ہیں ہم
مسند پہ جس کو ناز کی پایا کیے ہیں ہم　　سو خاک میں پڑا ہے وہ سلطان کربلا

(۲۸)

یہ مردمی تو دیکھو کہ دریا بہا کیا　　خیمہ کھڑا کنارے پر اس کے رہا کیا
شہ بہر طفل پانی ہی پانی کہا کیا　　پیاسا موا ندان وہ نادان کربلا

(۲۹)

بالفرض دشمنوں نے نہ کی اس طرف نظر　　کینہ سے ہونٹ سوکھے ہمارے نہ چاہے تر
اک ابر بھی نہ آن کے برسا تنک ادھر　　تا آسماں تھی شورش عطشان کربلا

(۳۰)

کلثوم یوں تھی لاش پہ بھائی کی حرف زن　　سر کیا ہوا کہ خاک میں پامال ہے بدن
پھر وجہ کیا کہ اب نہیں ملتا تجھے کفن　　اے بادشاہ بے سر و سامان کربلا

(۳۱)

ہم کچھ کریں جو فکر سو قدرت نہیں ہمیں　　ماتم میں تیرے بیٹھیں سو فرصت نہیں ہمیں
میت کی رسمیں کرتے سو مہلت نہیں ہمیں　　رسوائی کر رہے ہیں نگہبان کربلا

(۳۲)

مہمانی ہم مسافروں کی کیا رہی ہے یاں   لخت دل و جگر تھے جو مارے پڑے جواں
جانا نہ ہم نے یاں کا دم آب و پارہ ناں   دیکھی سو اب یہ نعمت الوان کربلا

(۳۳)

اس خاک پر اترتے نہ فرصت تجھے رہی   درپیش ہر قدم پہ قیامت تجھے رہی
بے ڈولیوں سے یاں کی کدورت تجھے رہی   شائستگی مگر نہ تھی شایان کربلا

(۳۴)

ہو دلخوشی کسو کو تو ہو بھی شگفتہ رو   شادی ہو جان کو تو کرے ہنس کے گفتگو
تھی رونے کی جگہ کہ بجود ہم نہ تھے نہ تو   لب ہاے زخم تھے لب خندان کربلا

(۳۵)

ہفتم سے آب و دانہ کا قدغن ہوا تھا یاں   جز ذکر تیغ تیز کچھ آیا نہ درمیاں
سادات کشتہ جانتے ہیں یا انھوں کی جاں   جو دیکھ کر موئے ہیں یہ حرمان کربلا

(۳۶)

کروبیوں کے گوش کر کر تھے اس گھڑی   جس وقت کشت و خون کی یاں دھوم تھی پڑی
صف عورتوں کی لاشوں پہ چلاتی تھی کھڑی   محشر بہ بر تھا ہر دل نالان کربلا

(۳۷)

یاں سے نہیں چلے ہیں ہم ایسے ہو پائمال   جو خاطروں سے اپنے فراموش ہو یہ حال
اب جاچکی دلوں سے یہ حیرانی و ملال   رہیے گا زندگی تئیں حیران کربلا

(۳۸)

القصہ پیٹ روکے گئے آگے وے اسیر   دل چاک سر میں خاک جواں اور خرد و پیر
بس تو بھی اپنے ہاتھ سے رکھ کر قلم کو میرؔ   کہہ باد سے کہ ہووے گل افشان کربلا

(۳۹)

بعد از نماز و سجدہ کرے در پہ التماس   کاے شاہ بندہ پرور و قدر گداشناس
مقصود میرؔ یہ ہے کہ اب ترک کر لباس   جوں زائران چاک گریبان کربلا

(۴۰)

ہندوستاں سے قطرہ زن آوے چلا ہوا   مانند ابر چند پھرے دل بھرا ہوا
تو ملتفت ہوا کہ یہ مطلب روا ہوا   دیوے گا پھر نہ ہاتھ سے دامان کربلا

○

(۲۴)

(۱)

ابن علی سے سنا ہے یاردوشت بلا میں لڑائی ہوئی   ایدھر تھے ہفتاد و دو تن یہ اودھر ساری خدائی ہوئی
صاف نکل کر جیسے گیا یہ گھر کی ساری صفائی ہوئی   چارہ کیا ہے خواہش حق سے کب رہتی ہے آئی ہوئی

(۲)

تھی وہ ختم رسلؐ کی امت یہ بھی اس کا نواسا تھا   چشم وفاداری رکھتا تھا ایک جگہ کا باسا تھا
سو وے سب دریا پر اترے ایک یہی واں پیاسا تھا   دیکھو ان اندھے لوگوں سے کیسی دیدہ درائی ہوئی

(۳)

ہائے کنھوں نے یہ بھی نہ پوچھا کیا ہے گنا ان لوگوں کا   ثابت کچھ تو کیا چاہے ہے حال برا ان لوگوں کا
قتل ہوا پھر کس خاطر سردار بھلا ان لوگوں کا   یہ جو مسافر آ اترے تھے کاہے کو ان پہ چڑھائی ہوئی

(۴)

آنکھ ملا کر کہہ تو فلک پر کیسی نظر تھی تاروں کی   جائیں کھپیاں گردنیں کٹیاں بھوکے پیاسے بچاروں کی
سرور دیں یوں خاک میں لوٹیں عزت ہو یوں خواروں کی   چتر گرایا کس کا ظالم کس کے ہائے دہائی ہوئی

(۵)

کہیے طول جو حد رکھے کچھ ظلم و ستم کے ہاتھوں کا   کیسا ٹھہرا سبط نبی پر قدغن تھا سب باتوں کا
دن کا کھانا ترک ہوا تھا منع تھا سونا راتوں کا   پانی سید پینے نہ پاویں چاروں اور منائی ہوئی

(۶)

کیا داور محشر کو کہے گا سر رفتہ کر گوش اس کا   حیدر صفدر باپ ستم کش نانا احمدؐ تھا جس کا
ظلم سے اس کو کیوں مارا یہ مجرم ایسا تھا کس کا   قہر ہے جو دکھلاوے گا پیشانی پہ برچھی کھائی ہوئی

(۷)

کھانا پینا ترک کیے پر اس کو یہ غم کھانے پڑے   بیٹے بھتیجے بھائی سب کے سر ناچار کٹانے پڑے
ہائے رے اس غربت پر اس کو کیا کیا ظلم اٹھانے پڑے   جان کھپی ناموس لٹی گھر بار گیا رسوائی ہوئی

(۸)

جب بولیں ہیں لوگ حرم کے چھاتی پھٹ پھٹ جاوے ہے　　ایک کھڑی تھامنے ہے عابد ایک اسے سمجھاوے ہے
ایک طرف مچلی ہے سکینہ زینب اس کو مناوے ہے　　بابا بن وہ روٹھی جو ہے سوختی نہیں ہے منائی ہوئی

(۹)

جل کے جگر ہے راکھ کی ڈھیری اور توا ہر چھاتی ہے　　جوش غبار ملال اٹھے پر آندھی سی اک آتی ہے
پات اور بن ہیں جیسے سوکھے جانیں اڑا لے جاتی ہے　　پہنچے ہے تا عرش اعظم خاک ہماری اڑائی ہوئی

(۱۰)

ایک بہن کہتی تھی یوں گھر بار ترا کیوں لوٹ لیا　　کوئی نہ چھوڑا پیچھے جیتا ہائے یہ کیا ستھراؤ کیا
کنبہ مر کر ڈھیر ہوا آخر کو تونے جی بھی دیا　　بارے تقصیر ایسی سزا کی کیا تجھ سے اے بھائی ہوئی

(۱۱)

ایک کہے تھی نوشہ قاسم کیسا بیاہ رچایا تھا　　کیا ساعت تھی نحس وہ جس میں بیاہنے کو تو آیا تھا
لگ گئی چپ ہے ایکا ایکی اتنی ہی کیا لایا تھا　　منہ بولے ہے اب تک تیرے ہاتھ کی مہندی لگائی ہوئی

(۱۲)

نیگ کی جس کو رسم تھی اس سے کہتی تھی وہ رو رو کر　　رسمیں کتنی باقی تھیں جو یاں سے چلا غمگیں ہوکر
جاتے ہی آنکھیں مند گئیں شب کو کیا نہ اٹھا تھا تو سوکر　　ایک نگاہ حسرت ہی کیا سہرے کی میرے بندھائی ہوئی

(۱۳)

کوئی کہے تھی شبیہ اکبر آنکھوں میں کیونکر اب آوے　　نقشہ اس کا نقش جو ہے خاطر صفحہ سے کیا جاوے
دل کی تڑپ اب جا ہی چکی ہے جان تسلی کیا پاوے　　جلوہ گری پھر کرتی ہے کوئی صورت ایسی مٹائی ہوئی

(۱۴)

ظلم اٹھایا جی بھی کھپایا سر کو کٹایا چھاتی جلی　　پیاسا جی سے گیا دریا پر منت پھر اک خس کی نہ لی
شہ جو غیور تھا سوچا جی میں اس جینے سے موت بھلی　　ہاتھ پسارے کون کسی سے شاہی نہیں یہ گدائی ہوئی

(۱۵)

ایک کہے تھی کوئی ہمارے چھٹکارے کی طرح نہیں　　ظلم و ستم ہے جور و جفا ہے رحم کسو میں ہے بھی کہیں
ظاہر ہے رفتار فلک سے رکھا ہم کو اسیر یہیں　　قید حیات سے نکلا کوئی جو بارے اس کی رہائی ہوئی

(۱۶)

کوئی کہے تھی تونے شاہا جتنے ان سے جور ہے   یار و یاور خویش و برادر سارے آکر ڈھور رہے
خاک تھے جو کہ انھوں نے اٹھ کر منھ پر کیا کیا حرف کہے   ہائے رے کیونکر دل میں تیرے ایسے غموں کی سمائی ہوئی

(۱۷)

ایک کہے تھی ظلم و ستم پوشیدہ نہیں جو کریے بیاں   سب پیدا ہیں ان سے جو یہ مارے پڑے ہیں پیر و جواں
بھوکے پیاسے اکبر و قاسم خستہ جگر خود شاہ زماں   منھ پہ سبھوں کے نمایاں ہے تلوار ستم کی کھائی ہوئی

(۱۸)

کوئی کسو ملت میں یارو ایسا ستم بھی کرتا ہے   سبط نبی فرزند علی کا ناچاری سے مرتا ہے
دل تو چاہے ہے جینے کو پر موت پہ جی کو دھرتا ہے   کیا سمجھے تھے شامی کوئی ایسی جن سے برائی ہوئی

(۱۹)

کیا سمجھی یہ قوم سیہ رو کیا ان نے یہ خیال کیا   زہر حسن کو دے کر مارا حیدر کا وہ حال کیا
اب جو حسین رہا تھا بیکس تس کو یوں پامال کیا   اول سے لے تا آخر کیا ان لوگوں سے بھلائی ہوئی

(۲۰)

حال عابد کچھ مت پوچھو ایک تو تھا بیمار و نزار   دوسرے کنبہ اس کا سارا جور و ستم سے ڈالا مار
تیسرے آفت آکر ایسی ٹوٹ پڑی ہے ایک ہی بار   چوتھے ایسے حال میں اس کو ویسے پدر سے جدائی ہوئی

(۲۱)

قصہ کوتہ میر کہاں تک آل عبا کے دکھ سنیے   رویئے کڑھیے ماتم کریے کوٹیے چھاتی سر دھنیے
جیسے کباب بروے آتش جلیے شام و سحر بھنیے   چپ رہ ظالم خوب نہیں اب آگے بات بڑھائی ہوئی

○

(۲۴)

(۱)

آئی ہے شب قتل حسین ابن علی کی   رخصت ہے سحر عترت والائے نبی کی
کٹ جائے گی سب آل رسول عربی کی   برہم ہی ہوئی جان لو صحبت یہ کبھی کی

(۲)

جب اس شہ مظلوم سے تلوار چلے گی   گرد اٹھ کے سوئے چرخ ستمگار چلے گی
پاؤں کے تلے سے زمیں یک بار چلے گی   اٹھ جائے گی تہ انس و ملک جن و پری کی

(۳)

لیکن جو مقدر ہے شہ دین کا ہونا   آزار دلی کھینچنا اس جان کو کھونا
احباب جو ہیں ان کو قیامت تئیں رونا   کس طرح ظفر ہووے نہ اس قوم دنی کی

(۴)

بے ڈول نظر آتی ہیں اعدا کی نگاہیں   ہے جائے تعجب جو مروت کو نباہیں
غالب ہے کہ یہ خوبی شبیر نہ چاہیں   سن لیجو کہ ان لوگوں نے سادات کشی کی

(۵)

ہووے گا نمودار سحر کا جو ستارہ   ہوگا تبھی سے شام کے لوگوں کا گذارا
میداں میں نکل صاف یہ شہ جائے گا مارا   ساتھ اس کے اجل آئے گی یک بار سبھی کی

(۶)

ہرگز نہ ملے گا کسو کو ایک دم آب   کیا خرد و کلاں پیاس سے ہوجائیں گے بے تاب
تڑپیں گے پڑے خاک میں کیا کیا گہر ناب   دریا پہ یہ آفت پڑے گی تشنہ لبی کی

(۷)

اکبر کے تڑپنے کے تئیں دیکھے گا مظلوم   مرنا کرے گا گود میں اصغر کا بھی معلوم
سن لیوے گا قاسم کی ہلاکی کی پڑی دھوم   لے جائے گا سب مرتے ہوئے جی ہی میں جی کی

(۸)

گذرے گی جو کچھ مر کے اپر سب وہ سہے گا　　بیٹوں میں بھتیجوں میں کوئی کم ہی رہے گا
جو وارثی کر باپ کی اک بات کہے گا　　اوقات نے دیکھوگے بہت اس سے کمی کی

(۹)

برپا کریں گے حشر عجب خیموں میں جاکر　　لے جائیں گے پھر سر کے تئیں نیزہ چڑھا کر
لاویں گے بلا اک حرم شاہ میں آکر　　دلجوئی نہ عابد کی تسلی نہ کسی کی

(۱۰)

چھینیں گے ردائیں سر سکان حرم سے　　کچھ کہہ نہ سکے گا کوئی واں فرط الم سے
درگوش سکینہ کا اتاریں گے ستم سے　　ولداری کرے گا نہ کوئی باپ موئی کی

(۱۱)

محجوب نہ ہوگا کوئی شبیر کے رو سے　　ہوگا وہ پڑا خاک میں آلودہ لہو سے
کیا زین عبا آنکھ ملاوے گا کسو سے　　کچھ چشم کسو سے نہ جسے دادرسی کی

(۱۲)

جس جا کہ پڑا خاک میں ہوگا وہ تن پاک　　ہووے گی کھڑی مویہ کناں زینب غمناک
کلثوم اڑاوے گی کھڑی ہوکے بہت خاک　　پرسش نہ کرے گا کوئی اس خاک ملی کی

(۱۳)

اصغر کے لیے بانو المناک پھرے گی　　آنکھوں سے لہو روتی جگرچاک پھرے گی
فریادکناں منہ پہ ملے خاک پھرے گی　　سننے کے نہیں بات کو اس جان جلی کی

(۱۴)

پاس احمد مختار کا کرنے کے نہیں کچھ　　رو حیدر کرار کا کرنے کے نہیں کچھ
غم عابد بیمار کا کرنے کے نہیں کچھ　　کیا دیکھیو اس قوم نے دنیاطلبی کی

(۱۵)

بے صرفہ چلے آویں گے غارت کے بہانے　　لے جائیں گے لوگوں کے تئیں پاؤں چلانے
دیکھوگے کہ اس جمع سراپاے جفا نے　　وارث کے موئے پر بھی جفا میں نہ کمی کی

(۱۶)

خوش ہوویں گے دیکھیں گے اسیروں کو جو مغموم دم لینے نہ دیویں گے جو ہو ماتم مظلوم
انصاف کروگے تو تمھیں ہووے گا معلوم ان بدگہروں نے کوئی بھی بات بھلی کی

(۱۷)

القصہ وے سب شام کی جانب کو چلیں گے دل اور جگر آتش کربت سے جلیں گے
کم فرصتی وقت سے ٹک دم بھی نہ لیں گے سن لیجو کہ عابد نے بلا رنج کشی کی

(۱۸)

یک چند جدا جا کے وہ رنجور رہے گا بے گور د کفن یہ تن پرنور رہے گا
ہر جاے بہم میرؔ یہ مذکور رہے گا کیا سمجھے تھے وے لوگ جو یہ بے ادبی کی

○

(۲۵)

(۱)

چہلم ہے اے محباں اس شاہ دوسرا کا جو آرزوے جاں تھا پیغمبر خدا کا
مذبوح دار و دستہ سب خنجر جفا کا رہتا کوئی تو ہوتا غم اس کے کچھ عزا کا

(۲)

آگے ہی مر گئے تھے اس کے جو تھے ہوادار ماتم لے کون بیٹھے کون اس کا ہو عزادار
اک عابدیں سو اس کی ایذا کے سب روادار بیمار تس کے اوپر محتاج وہ دوا کا

(۳)

بھائی نہ تھا کہ روتا مردے پہ ٹک کھڑا ہو اکبر نہ تھا کہ اس کو واں گور اور گڑھا ہو
قاسم نہ تھا کہ جس کا دل داغ ہوگیا ہو وہ جان کر موا تھا احوال یہ چچا کا

(۴)

وارث نہ غیر عابد سو مبتلا بلا میں گردن میں طوق اس کے زنجیر اس کے پا میں
اک شور سا ہو اٹھتا رونے کا جب نسا میں منہ دیکھ دیکھ روتا ہمشیر اور ما کا

(۵)

کڑھنا بنا نہ اس پر دلخواہ عورتوں کو مہلت کہاں کہ کہتے اپنی مصیبتوں کو
وارث موئے اٹھایا کیا کیا اذیتوں کو رونا ہر ایک کو تھا اسباب میں ردا کا

(۶)

خیمے کیے جلاکر سب خاک کے برابر اہل حرم کے سر پر معجر نہ ایک چادر
پرسش کو کام کھنچتا ہوتا جو کوئی داور اس طور گھر کو لوٹا دیتے ہیں جیسے ڈاکا

(۷)

جور و ستم کی آندھی شدت سے آہ آئی گلزار رشک وادی اک دم میں کر دکھائی
خاشاک و خار و خس نے واں سہل راہ پائی ہوتا تھا جس چمن میں مشکل گذر صبا کا

(۸)

ایسے ثبات پا سے مرنا بہت ہے مشکل سو سو سیاہ دل تھے ایک ایک کے مقابل
رحمت برآں جواناں لعنت بہ جمع باطل مر تو گئے وے سید پر کر گئے ہیں ساکا

(۹)

آیا تھا کس گھڑی کا جو پھر نہ گھر گیا وہ سر دے سر جہاں سے آخر گذر گیا وہ
یعنی کہ ہوکے بیکس ناچار مر گیا وہ ٹھہرا رکھا تھا ان نے چارہ یہ انتہا کا

(۱۰)

تیر و سناں کی بارش کرتا رہا نظارہ دیکھا نہ آنکھ اٹھاکر کنبہ موا بھی سارا
بیٹے موئے تو ان نے زنہار دم نہ مارا کیا کیا ستم اٹھائے پر راضی تھا رضا کا

(۱۱)

جا سے گیا نہ اپنی ووہیں رہا شکیبا کیا حوصلہ تھا یارب کیسا دل و جگر تھا
مرنا سبھوں کا دیکھا ان نے خموش یک جا بولا نہ غیر ازیں کچھ چارہ نہیں قضا کا

(۱۲)

نوگل چمن کے اپنے مرجھائے ان نے پائے اشجار سرکشیدہ اکھڑے نظر میں آئے
پودھے جو تھے سو پھل سب حلق بریدہ لائے پھر جانا خوب دیکھا یکبارگی ہوا کا

(۱۳)

غربت کی سختی دیکھو اس بے وطن کو دیکھو گرم آفتاب میں پھر سیر بدن کو دیکھو
عابد کے ہاتھ دیکھو یارو رسن کو دیکھو نے پاس مصطفیٰ کا نے خوف مرتضیٰؑ کا

(۱۴)

احمد کو سرکشی سے بالفرض ذی نہ مانو حیدر کو بے تہی سے کچھ بھی نہ دل میں جانو
کلثوم اور یہ دھومیں دشت اور شہربانو انصاف کوئی پوچھے تھا کون سی یہ جا کا

(۱۵)

بہنوں کو پیٹنے کی مطلق ملی نہ فرصت بیٹے کو راہ چلنا اس پر کہ تھی نہ طاقت
حلوائے مرگ کیسا کیسی رسوم میت ہر ایک مبتلا تھا درد و غم و بلا کا

(۱۶)

بابا حسین کہہ کر روتی تھی جب سکینہ دل چاک ہوتے تھے سب پھٹتا تھا سن کے سینہ
کہتا تھا نا ملائم کیا کیا ہر اک کمینہ حرف تسلی کیسے مذکور کیا وفا کا

(۱۷)

پر خار وہ بیاباں کثرت سے تنگ آیا بندی کیا سبھوں کو ماتم وہ یوں اٹھایا
بے محمل اشتروں پر عورات کو بٹھایا پھر راہ ضیق ایسی جیسے سوئی کا ناکا

(۱۸)

یہ خونچکاں فسانہ رکھتا نہیں ہے پایاں مہماں عزیز ایسا تعظیم کا جو شایاں
اس پر یہ جور بے حد ایسی جفا نمایاں ہے داغ سب کے دل پر اس طرفہ ماجرا کا

(۱۹)

وہ کنج زار صحرا پھر چہل روزہ مدت کچھ بولیے نہ اس جا یہ ہے خدا کی قدرت
جب عابدیں نے پائی اس قید سے فراغت تب آ کے جسم گاڑا اس سب کے پیشوا کا

(۲۰)

القصہ شامیوں نے کیا کیا جفا عیاں کی چادر تلک نہ چھوڑی ان ظلم دیدگاں کی
پوشیدہ کیا رہا ہے حاجت جو ہو بیاں کی کہا شرح و بسط کریے اس خارجی ادا کا

(۲۱)

آیت حجاب کی تھی شانوں میں جن کی نازل سر ننگے پابرہنہ لائے انھوں کو جاہل
حق میر یہ ہے تھے وے مردود سارے باطل پردہ اٹھا دیا تھا اس قوم نے حیا کا

○

(۱)

اس گل باغ امامت کے ہیں پھول   آبیاری جن کی کرتی تھی بتول
سو تن نازک پہ اس کے خاک دھول   دیدنی ہے رنگ صحبت یا رسولؐ

(۲)

نوگل اس گلزار کے مرجھا گئے   پودھے پامالی میں سارے آگئے
جور کے آرے شجر سب کھا گئے   جاے گلبن سبز و خرم ہیں ببول

(۳)[1]

شامیوں کے ظلم سے ہوکر ہلاک   ان نے جانی نہ کسو کی مشت خاک
دھوپ میں جلتا رہا وہ جسم پاک   سایہ پرور کو گئے تم اپنے بھول

(۴)

اب نہیں ہے برگ و بار و بر کا نام   خار غنچے ہو رہے ہیں گام گام
سیر کر ٹک جور کے تیشوں کا کام   کچھ نہ چھوڑا کیا فروع و کیا اصول

(۵)

پھر گئی کیا آہ یک باری ہوا   اڑ گئے سب طائران خوش نوا
کیا زمانے نے ستم رکھا روا   جاے بلبل زاغ بیٹھے پھول پھول

(۶)

ظالماں پژمردہ گل سب کر گئے   خار و خس سے گلستاں اب بھر گئے
آدمی کی جنس یعنی مرگئے   باغ جنگل ہو گیا پھرتے ہیں غول

(۷)

الغرض میداں میں شہ مارا گیا   دار و دستہ قتل ہو سارا گیا
عابدیں کا یاور و یارا گیا   کرتے ہیں کیا کیا فضولی اب فضول

---

1. نسخہ کتب خانہ مخطوطات، حیدرآباد

(۸)[1]

دیکھ ناچار ان نے کی کیا کیا گئی　　یار و یاور موت سب کو آگئی
بیٹے اور بھائی سبھوں کو کھا گئی　　کس قدر تیغ ستم بھی تھی اکول

(۹)

جس کا نانا رحمت للعالمیں　　باپ جس کا وہ امیرالمومنیں
خود امام برحق دین مبیں　　تس کو ماریں یہ ظلوم و یہ جہول

(۱۰)

پھر وہ مارا جائے یوں بیکس غریب　　نے کوئی جس کا رہے یار و حبیب
کیونکے ہووے مشت خاک اس کو نصیب　　فاتحہ دے کون آکر کیسے پھول

(۱۱)

داد چاہیں کیا شہ مقبول کی　　لاش لے جاویں کہاں مقتول کی
اصل ہے معلوم اس مجہول کی　　ہے جو حاکم رد خلق و ناقبول

(۱۲)

نوزدہ سالہ پسر اک رشک ماہ　　لوٹتا تھا خاک وخوں میں پیش شاہ
ہو جہاں کیونکر نہ آنکھوں میں سیاہ　　اس جگرپارے کے تیں برچھی کی ہول

(۱۳)

اک پسر شش ماہہ لاگا جس کے تیر　　خوں ہوا جس سے دل برنا و پیر
ہوگا جس کا پارۂ دل وہ صغیر　　اس کے دل میں کیسی اٹھتی ہوگی سول

(۱۴)[2]

لوٹ کرتے ہیں تو کچھ تقصیر پر　　غیر یوں آتے تھے خرد و پیر پر
جیسے جاتے ہیں کھلن جاگیر پر　　گھر نبیؐ کا ان کی گویا تھی تیول

(۱۵)

زور دکھلانے کا کچھ حاصل نہ تھا　　قافیہ یہ مرثیہ قابل نہ تھا
غم سے پھر مجھ کو دماغ و دل نہ تھا　　ورنہ دیتا بات کو میں اور طول

---

(۱) و (۲) نسخۂ کتب خانۂ مخطوطات، حیدرآباد

(١٦)

تھا غرض شاداب کیا یہ گلستاں　　پھول گل تھے رنگ رنگ اس میں عیاں
آگئی یک بار اس پر یوں خزاں　　کل جو تھے غنچے ہوئے ہو کر ملول

(١٧)

یہ چمن جو سبز با خرم رہا　　خوبی و رونق ہی کا ہمدم رہا
ہر گل و بوٹے پر اک عالم رہا　　حظ روحی اس سے ہوتا تھا حصول

(١٨)

ہوگیا ہے سو وہ اب ماتم کا گھر　　جھڑ پڑے اس کے گل تر خاک پر
دیکھیے اودھر تو خوں ہووے نظر　　درد و غم بن کچھ نہیں ہوتا وصول

(١٩)

درد دل اے میرؔ کب تک بس خموش　　ہوگیا احباب کو تو درد گوش
کشتہ ہیں اس واقعے کے اہل ہوش　　مردہ ہیں اس سانحے کے ذی عقول

○

(۴۷)

(۱)

پھر کیا یہ دھوم ہے کہ جہاں ہے سیہ تمام — پھر کیا یہ ماجرا ہے کہ ہوگئی ہے صبح شام
پھر کیا ہے یہ غبار کہ اٹھتے ہیں دل سے جوش — پھر کیا یہ مجملہ ہے کہ حیراں ہیں خاص و عام
پھر کیا ہے یہ فتور کہ ہے شور ہر طرف — پھر کیا یہ حشر ہے کہ جہاں میں ہے دھوم دھام
پھر کیا ہے یہ خیال سر دور چرخ میں — جس سے نہیں زمین کے مرکز کا اک مقام
پھر کیسا واقعہ ہے کہ یہ زلزلہ ہے یاں — برہم ہوا سا دیکھتے ہیں دہر کا نظام
کس کا کیا ہے تازہ حوادث نے ایسا خوں — ہر صبح آفتاب پیے ہے لہو کا جام
پہنچا نہیں ہے وعدۂ محشر ابھی مگر — جبریل کہہ کے صل علیٰ جس کا لے ہے نام

زہرا کے دل کا لخت محمدؐ کا نورعین
اسلامیوں کے ظلم سے مارا گیا حسین

(۲)

کاش اس گھڑی زمیں پہ گرا ہوتا آسماں — کاش اس گھڑی جہاں سے گیا ہوتا یہ جہاں
تھا بال بال اس کا رگ جان مصطفےٰ — تر کرتے خوں میں کاشکے حوروں کے گیسواں
جن وملک تمام کیے ہوتے قتل کاش — چھوڑا نہ ہوتا کاشکے انسان کا نشاں
سیلی نسیم مرگ کی لگتی انگلوں کے تیں — غنچہ ہوا ہے آخر موسم کا وہ دہاں
اللہ رے حسین ستم کشتہ کا جگر — فارغ ہوا خدا کے تئیں دے کے امتحاں
یارب جواب داور محشر کہے گا کیا — بولے گا جب کہ حلق بریدہ سے یہ جواں
کیا محشریں اٹھیں گی الٰہی جو حشر کو — ہوگا یہ کشتہ ساتھ محمدؐ کے ہو رواں

روح القدس نہ سامنے ہوگا رسولؐ کے
ہوگا حسین روبرو زہرا ملول کے

(۳)

سیراب جس کے خوں سے ہے میدان کربلا   سو تشنہ لب موا ہے وہ مہمان کربلا
سینے کے تیں چراتے ہیں سب حاملان عرش   سر کھینچے ہے جب آہ غریبان کربلا
یہ شاہ دیں شہید ہوا ہوگا جس گھڑی   دیوان حشر ہووے گا دیوان کربلا
اے چرخ پیر آل پیمبر ہے سرخ پوش   صلواۃ بر حسین و جوانان کربلا
زہراب تیغ ظلم سروں سے گذر گیا   یک شہر غرق خوں ہے بیابان کربلا
لب تشنگی حسین کو یہ تھی نہ ہو سکا   طوفان نوح قطرۂ طوفان کربلا
روپوش ہو فلک کہ قیامت ہے جس گھڑی   بے پردہ ہوں گی خیمہ نشینان کربلا
کتنے کہ جن کا نام سنے بھیجئے درود
افسوس ہے کہ موے پریشاں کریں نمود

(۴)

غافل نہ رہ سپہر کہ فتنہ بپا ہوا   نکلا ہے خیمہ شام کو شہ کا جلا ہوا
جس کے طناب تھے رگ جاں جبرئیل کے   سو خیمہ کربلا میں رہا ہے گڑا ہوا
بے ظلم جا ہے ماتمیان حسین کا   ہر نالہ لامکاں کے پرے تک چلا ہوا
ہے سربرہنہ مویہ کناں بضعۃ الرسول   حیراں ہیں قدسیاں کہ یہ کیا ماجرا ہوا
محمل نشین عترت پیغمبر خدا   ہیں سب شترسوار نمایاں یہ کیا ہوا
کیا چال ہے فلک کہ سر بیکس حسین   اس قافلے سے جا ہے سناں پر جدا ہوا
تحریر اس گھڑی کی فغاں خامے سے نہ ہو   بے سر کی لاش پر جو سر حرف وا ہوا
بے تاب و بے قرار اسیر ستم ملول
فریاد کرکے سارے پکارے کہ یا رسولؐ

(۵)

بے سر جو یہ بدن ہے تمھارا حسین ہے   بیکس غریب ظلم کا مارا حسین ہے
ناموس خاندان نبوت جو شام کو   لے اپنے سر کے ساتھ سدھارا حسین ہے
اس لشکر شکستہ ستم دیدہ کا تمام   اب جس کی لاش پر ہے گذارا حسین ہے
مردہ پر اس کے آؤ کہ عابد تو ہے اسیر   آخر یہ بے کفن وہی پیارا حسین ہے
صد طعن ہر سخن میں ہیں جن کے سو غیر ہیں   جس کو نہیں ہے بات کا یارا حسین ہے

رہتی تھی جس کی تیری بغل جلوہ گاہ ناز   سو یہ کہے جہاں سے کنارہ حسین ہے
دلجوئی سکینہ میں ہم سب ہیں اہل بیت   پر یہ کرے ہے جس کو اشارہ حسینؑ ہے
سو سر تو اس کا نیزہ پہ ہے دھڑ ہے یوں خراب
کس منھ سے دے وہ ظلم رسیدہ اسے جواب

(۶)

ہم یا رسولؐ شام کو جاتے ہیں خوار و زار   مارا گیا حسین پھرا ہم سے روزگار
میداں میں تن سے دست و بغل ہو رہے ہیں زخم   ہوتی نہیں ہے لاش نبی زادہ یک کنار
جز ابر کون ہے کہ جو رووے حسین پر   نالاں نہیں ہے اس پہ کوئی غیر کوہسار
ہے اب جو یادگار جوانان اہل بیت   ہے بار ذمہ اس کو گلا اپنا طوق دار
یعنی یہ عابدیں کی اسیری و بیکسی   رکھتا نہیں ہے غیر رسن کوئی دستیار
انصاف دادگر تھا یہی ہم سے جو کیا   خاک امام ہی پہ نکالا یہ سب غبار
مایوس ہو یہ کہہ کے اسیران اہل بیت   واں سے ہوئے روانہ جو روتے دلوں کو مار
آندھی چلی کہ تیرہ جہاں وو ہیں ہوگیا
اک ابر سامنے سے اٹھا زور رو گیا

(۷)

دو گام چل کے پھر کیا زہرا کے تیں خطاب   کہہ تشنگی حسین کی دریا کیے کباب
یعنی بتول جیتے جو ہیں سو تو ہیں اسیر   ان جان سے گئے ہوؤں کی مٹی ہے خراب
ہر نالہ خونچکاں تو ہے جنت کو نامہ بر   پر کیا لکھا ہے یہ کہ نہیں پہنچتا جواب
مارا پڑا ہے ساقی کوثر کا نورچشم   سو تشنہ کام ہو کے یہ کہتا تھا آب آب
ہے روز بد کہ نیزے پہ جا ہے سر حسین   اندھیر ہے کہ شام کو جاتا ہے آفتاب
گیسو کہ ریشہ جن کا ترے خون دل میں تھا   ژولیدہ ہیں گے باد پریشاں سے کھا کے تاب
بے آب دشت بیچ تباہی ہے یہ جہاز   طوفاں ہے یہ کہ بیٹھ گئے خیمے جوں حباب
یا بضعۃ الرسول سبھی کی ہے الوداع
ناموس خاندان نبی کی ہے الوداع

(۸)

یک بار پھر علی کی طرف سب نے کی ندا　　عابد انھوں میں خاصۂ کرکے ہائے ہا
بولا کہ جد پاک بیاں تجھ سے کیا کروں　　امت نے آگ دی کہ نبیؐ ہی کا گھر جلا
گھر کی خرابی عرض کروں یا کہ اپنا حال　　یا وہ کہوں حسین کا پایا جو خوں بہا
یعنی گرانی طوق کی جس سے رکے ہے دم　　ہو چاک سینہ کاش کہ آوے تنگ ہوا
یہ سن نہاد دہر سے بھڑکی اک آگ تند　　ہر یک زبانہ جس کا پرے عرش سے گیا
نوری و ناری آدمی حیوان اور طیر　　ان سب کو ایک آن میں بھسمنت کر دیا
آیا ہمارے وہم پریشاں خیال میں　　لپٹے ہیں جا کے شعلے بہ دامان کبریا

ہر ایک کو ہے درد جگرسوز یوں نصیب
اللہ کو بھی کہتے ہیں شہ رگ سے ہے قریب

(۹)

ہم سب ہیں اب تو غربتی دشت خوفناک　　ملتی نہیں ہے سر کے اپر ڈالنے کو خاک
کیونکر دکھادیں روضے کو ہم تیرے اپنے دل　　اے کاشکے قضا نے کیے ہوتے سینے چاک
وہ گھر کہ جو رہا حرم کبریا کے رشک　　دی شامیوں نے آگ گئے شعلے تا سماک
ناموس احمدی کو دیا غیروں نے بباد　　تیرا ملاحظہ نہ کیا نے نبیؐ کا باک
یہ اک جوان کشتہ جسے چھوڑ آئے ہم　　آلودہ خاک وخون میں جس کا تھا جسم پاک
تھا یہ حسین جس کا محمدؐ تھا نازکش　　ناچار آفتاب سے اب اس کو ہے تپاک
دل بھر رہے ہیں دانۂ انگور کی طرح　　اس داربست سبز فلک سے لگی ہے تاک

یعنی شتاب قہر الٰہی نزول ہو
روح معاویہ بھی تنگ تو ملول ہو

(۱۰)

یہ کہہ کے جد پاک سے جو وہ جواں گرا　　بے طاقتی سے تپ کی امام زماں گرا
یہ سن کے مضطرب ہوئی روح وصی پاک　　صدمے سے جس کے نعرے کے قصر جناں گرا
ماتم کی طرح اور فلک نے نئی رکھی　　جب آگے اہل بیت کے وہ ناتواں گرا
اک شور نوحہ رو بہ بیابان پھر ہوا　　جس سے ہوا گمان کہ یہ آسماں گرا
ہر اک نے بےقرار ہو یہ شور سے کہا　　گرنے کی جا نہ تھی یہ تو عابد کہاں گرا

وحشت عجب طرح کی نمودار ہوگئی   جس وقت خاک رہ پہ وہ جان جہاں گرا
وحشی جو تھے غزال گئے چوکڑی کو بھول   طائر جو قدس کا تھا مع آشیاں گرا
آیا بحال بارے اٹھا دل جلا کر آہ
القصہ شام کی لی چراغ نبی نے راہ

(۱۱)

اے چرخ کیا کہوں کہ ستمگار کیا کیا   دیکھا کیا تو خانۂ حیدر جلا کیا
یہ داد تھی کہ قتل کر ابن علی کے تیں   ابن معاویہ کے تئیں بادشا کیا
کس طرح اپنی جاے رہا تو ستم شعار   گردن پہ جب حسین کے خنجر چلا کیا
مسجد میں خون گرنے سے بدتر تھا یہ عمل   سجدہ امام دیں نے لہو میں ادا کیا
کیا کیا دکھایا آنکھ مندے پر حسین نے   باقی رہے ہوؤں پہ ستم ہی رہا کیا
کیا ناخن ہلال سے سر کو کھجائے گا   عقدہ جو اہل بیت کے دل کا نہ وا کیا
ظالم ستم ہے حشر کو حلق بریدہ سے   اس کشتۂ ستم نے اگر کچھ گلہ کیا
بے تابی ایک داور محشر کو آئے گی
تیرے سبب یہ خلق بھی بخشی نہ جائے گی

(۱۲)

خاموش میر لب نہ کریں اب سخن سے ساز   چپ رہ خدا کو مان کہیں اے زباں دراز
ہر حرف تیرے منھ سے نکلتا ہے شعلہ زن   سینے میں دوستوں کے ہوا جا ہے دل گداز
کیا ظلم ہے کہ قتل ہوا ہو امام وقت   اور اس کی لاش بےکفن اوپر نہ ہو نماز
خاموش میر شمع رسالت کی بجھ گئی   باد شمال ظلم نے کی صبح ترکتاز
خاموش میر بس یہ جگرسوز غم نہ کہہ   گریہ کے ہم تو لخت جگر کرتے ہیں نیاز
خاموش میر آتش غم ہے زبانہ کش   لگ جائے گا جگر کو کوئی داغ آہ باز
خاموش میر بولنے کی جا نہیں ہے یہ   ویرانے میں پڑا رہا کہتے ہیں گنج راز
خاموش میر کرتی ہے دل چاک تیری بات
صلواۃ بر حسین کہ ہوگی تری نجات

○

(۲۸)

(۱)

بھائی بھتیجے خویش و پسر یاور اور یار جاویں گے مارے آنکھوں کے آگے سب ایک بار
ناچار اپنے مرنے کا ہوگا امیدوار ہے آج رات اور یہ مہمان روزگار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

(۲)

یک دم کہ تیری ہستی میں ہوجائے گا غضب سادات مارے جائیں گے دریا پہ تشنہ لب
برسوں فلک کے رونے کا پھر ہے یہی سبب مت آ عدم سے عالم ہستی میں زینہار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

(۳)

ماریں گے تیر شام کے نامرد سارے لوگ دیویں گے ساتھ اس کا جنھوں نے لیا ہے جوگ
تا حشر خلق پہنے رہے گی لباس سوگ ہوگا جہاں جوان سیہ پوش و سوگوار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

(۴)

اکبر مرے گا جان سے قاسم بھی جائے گا عباس دل جہان سے اپنا اٹھائے گا
اصغر بغل میں باپ کے اک تیر کھائے گا شائستہ ایسے جور کا وہ طفل شیرخوار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

(۵)

اے کاش کوئی روز شب تیغ شب رہے تا اور بھی جہاں میں وہ عالی نسب رہے
لیکن عزیز جس کے مریں سب وہ کب رہے بے چارہ سینہ خستہ و بے یار و بے دیار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

(۶)

ذات مقدس ابن علی کی ہے مغتنم اک دم میں اس کے ہوویں الٰہی ہزار دم
کیا شب رہے تو ہووے ہے ایام میں سے کم آتا ہے کون عالم خاکی میں بار بار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

(۷)

کاکل میں تیرے فتنے ہیں ہر اک شکن کے ساتھ ہنگامہ کب رہا ہے ترے دم زدن کے ساتھ
رہ کوئی دن عدم ہی میں رنج و محن کے ساتھ یہ بات دونوں جمع میں رکھتی ہے اشتہار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

(۸)

جلوے میں تیرے سیکڑوں جلووں کی ہے فنا یعنی سحر پہ آنا قیامت کا ہے رہا
دن ہوگیا کہ سبط نبی مرنے کو چلا ساتھ اپنے دے چکا ہے تلف ہونے کا قرار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

(۹)

آب فرات پر تو یہ شب دن نہ ہو کبھی خوں ریز ورنہ ہونے لگے گا بہم ابھی
سید تڑپ کے پیاس سے مر جائیں گے سبھی پیغمبر خدا ہی کا پروردۂ کنار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

(۱۰)

دن شب کو کس امید کے اوپر کرے بھلا جو جانتا ہو یہ کہ ستم ہوگا برملا
نکلے گی تیغ جور کٹے گا مرا گلا اے واے دل میں اپنے لیے حسرتیں ہزار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

(۱۱)

ایسا نہ ہو کہیں کہ نکل آوے آفتاب جو وہ غیور مرنے میں اپنے کرے شتاب
دے بیٹھے سر کو معرکے میں کھا کے پیچ و تاب تر خوں میں دونوں گیسو ہوں تن پر پڑے غبار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

(۱۲)

جس دم خط شعاعی ہوئے رونق زمیں انگار ہوگی نیزۂ خطی سے وہ جبیں
ہوویں گے جمع پیادے سوار آن کر وہیں ہوگا جدا وہ گھوڑے سے مجروح بے شمار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رو می شوی. سفید

(۱۳)

لوہو جبیں کے زخم سے جاوے گا کرکے جوش فرق مبارک اس کے میں مطلق نہ ہوگا ہوش
سجدے میں ہو رہے گا جھکا سر کے تیں خموش آنے کا اپنے آپ میں کھینچے گا انتظار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

(۱۴)

خورشید کی بلند نہ ہو تیغ خوں فشاں ہے درمیاں نبیؑ کے نواسے کا پاے جاں
ایسا اگر ہوا تو قیامت ہوئی عیاں وہ حلق تشنہ ہوگا تہ تیغ آبدار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

(۱۵)

روشن ہوا جو روز تو اندھیر ہے ندان　　میداں میں صاف ہو کے کھڑا دے چکے گا جان
ناموس کی پھر اس کے نہ عزت ہے کچھ نہ شان　　اک شش جہت سے ہوگی بلا آن کر دوچار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

(۱۶)

پھر بعد قتل اس کے غضب ایک ہے یہ اور　　بختی چرخ راہ چلے گا انھوں کے طور
شیوہ جفا شعار ستم طرز جن کی جور　　عابد کے دست بستہ میں دی جائے گی مہار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

(۱۷)

مردان اہل بیت جو ہوں گے مریں گے سب　　اس کے اثاث بیت کو غارت کریں گے سب
ناموس کے جو لوگ ہیں سو دکھ بھریں گے سب　　ان قیدیوں کی لوہو میں ہووے گی رہگذار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

(۱۸)

خورشید سا سر اس کا سناں پر چڑھائیں گے　　عالم کو دن دیے ہی سیہ کر دکھائیں گے
بیٹے کے تیں سوار پیادہ چلائیں گے　　ہوگا عنان دل پہ نہ کچھ اس کا اختیار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

(۱۹)

پیکر میں ایک کشتہ کے ہوگی نہ نیم جاں　　خیل و حشم کا اس کے نہ پاویں گے کچھ نشاں
شوکت کہاں سر اس کا کہاں جاہ وہ کہاں　　یہ جائے اعتبار ہے کیا یاں کا اعتبار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

(۲۰)

صاحب موئے اسیر ہوئے شام جائیں گے سر کو جھکائے شرم سے ہر گام جائیں گے
ناچار رنج کھینچتے ناکام جائیں گے لطف خداے عز و جل کے امیدوار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

(۲۱)

لازم ہے خونچکاں روش گفتگو سے شرم کر اس نمود کرنے کی تک آرزو سے شرم
تجھ کو مگر نہیں ہے محمدؐ کے رو سے شرم بے خانمان و بے دل و بے خویش و بے تبار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

(۲۲)

راہ رضا میں عاقبت کار سر گیا ایسی گھڑی چلا کہ مدینے نہ پھر گیا
جوں آفتاب جانب شام آکے گھر گیا خاطرشکستہ غم زدہ آزردہ دل فگار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

(۲۳)

آثار دکھ کے ہیں در و دیوار سے عیاں چھایا ہے غم زمین سے لے تا بہ آسماں
کچھ میرؔ ہی کے چہرے پہ آنسو نہیں رواں آیا ہے ابر شام سے روتا ہی زار زار
فردا حسین می شود از دہر ناامید
اے صبح دل سیہ بہ چہ رو می شوی سفید

○

(۲۹)

(۱)

حیدر کا جگر پارہ وہ فاطمہ کا پیارا نکلا تھا مدینے سے ناموس لیے سارا
اس چرخ سیہ رو نے اک فتنے کو سنکارا اس ظلم رسیدہ کو کن سختیوں سے مارا
کرتا تھا وہ آنکھوں سے خون جگر افشانی
دریا کے کنارے پر پایا نہ تنک پانی

(۲)

اس قوم کو تھی اس سے اک دشمنی جانی اس مرتبہ بے برگی اس درجہ نواخوانی
وہ یوسف ثانی تھا جیسے کہ ہو زندانی مہمان عزیز ایسا تس کی ہو یہ مہمانی
کھانے کو جراحت تھے پینے کے تئیں خوں تھا
سب ساتھ کے لوگوں کا احوال دگرگوں تھا

(۳)

سب چل بسے ہمراہی اس وادی ویراں میں کوئی نہ رہا اس کے انصار میں اعواں میں
تونیزہ چڑھا پانی اس ظلم نمایاں میں پر پانی نہ دیکھا تھا جز دیدۂ گریاں میں
آخر کو سفر اپنا ناچار ہو ٹھہرایا
کیا کیا نہ خیال اس کو پھر جاتے ہوئے آیا

(۴)

ناموس کے بے جاگہ اس آن اترنے کا ہمراہیوں کے جی سے ناچار گذرنے کا
گھر بار کے جلنے کا فرزندوں کے مرنے کا انصاف ستم ہرگز یاروں کے نہ کرنے کا
سو دادگری کی واں سب رسم اٹھا دی تھی
آزار رسانی کی تاکید و منادی تھی

(۵)

اس ہمسر بے وارث اندوہ کی ماری کا اس دختر بے مشفق نادان بچاری کا
اس جمع پریشاں کی اوقات گذاری کا اس خانہ خرابی کا بیٹے کی نزاری کا
مرنے کو نہ تھا جی پر ناچار موا آخر
سر جس لیے دھنتا تھا پھر سو ہی ہوا آخر

(۶)

خیموں کو جلاتے تھے آشوب اٹھاتے تھے شمشیریں علم کرتے بے وسوسہ آتے تھے
لے جاتے تھے واں سے جو تنکے کو بھی پاتے تھے جاروب کر اس گھر کو سب خاک اڑاتے تھے
احمدؐ کا نہ پاس ان کو حیدر کا نہ اندیشہ
تھا جور و ستم شیوہ بیدادگری پیشہ

(۷)

جب وہ شہ بے لشکر میداں میں گیا مارا گھر بار جلا یکسر ناموس لٹا سارا
سر آپڑی عابد کے سو بیکس و بیچارہ بے طاقت و بے ہمدم بے یاور و بے یارا
حیران سلوک ان کا کرتا تھا نظر سب پر
سو آنسو پلک پر تھے سو نالۂ دل لب پر

(۸)

تھے خیمہ نشیں جتنے بے پردہ سو ہو بیٹھے پھر سر کی ردائیں بھی اس دشت میں کھو بیٹھے
برباد گئی عزت ناموس کو رو بیٹھے اس درد کو وہ پہنچے اس طرح سے جو بیٹھے
وارث کے موئے کوئی کرتا نہیں بیدادی
اس ظلم کے ہوں جاکر کس کے کنے فریادی

(۹)

اس راہ کے چلنے کی کیا اچھی علامت تھی آنے کی مدینے سے ہر اک کو ندامت تھی
ہر حرف تھا اک طعنہ ہر بات ملامت تھی فریاد سکینہ سے ہر گام قیامت تھی
جب رونے وہ لگتی تھی کلثوم موئی جاتی
زینب گلے سے لگ کر کچھ غش ہی ہوئی جاتی

(۱۰)

کوئی نہ رہا جس کو ہو کچھ غم دلداری غیروں سے دل آزاری اپنوں سے یہ کچھ خواری
عابد کی وہ بیماری وہ بیکسی بے یاری ہو شہ کے اٹھانے کی کس طرح سے تیاری
اسباب نہیں مطلق وارث نہیں ہے کوئی
یاں بات نہیں سنتے یک سو رہی دلجوئی

(۱۱)

فرصت نہیں ہے اتنی جو دم بھی لیا جاوے تاکید میں چلنے کی کیا فکر کیا جاوے
کیونکر کے نہ عابد پھر پانی سا ہوا جاوے پیاسا ہو قبیلہ سب یوں جس کا لٹا جاوے
کیا کیا نہ پدر مردہ بے طاقتی کرتا ہے
ہر آن میں گرتا ہے ہر گام پہ مرتا ہے

(۱۲)

انواع ستم ہیں گے بے تاب وتواں اوپر اقسام جفا ہیں گے دل خستہ جواں اوپر
کچھ طعن نہیں تنہا ہر اک کی زباں اوپر سر باپ کا بھی آگے جاتا تھا سناں اوپر
اس سخت مصیبت پر کس دل کو شکیب آوے
پتھر کا جگر ہو تو یاں آب ہو بہہ جاوے

(۱۳)

قسمت میں تھا قاسم کے افسوس جواں مرنا دولھن کے تئیں اس کے سب عمر تھا دکھ بھرنا
اکبر کے نہ طالع تھے جو گور میں ہو دھرنا کانوں نہ سنا ہرگز اصغر کا سخن کرنا
ارمان جو دل میں تھے دل ہی میں رہے سارے
کیا وقت برا آیا بے وقت گئے مارے

(۱۴)

ناگہ نظر زینب میداں کی طرف آئی اک لاش میں بھائی کے پیکر کی طرح پائی
بے تاب ہوئی ازبس آخر گری چلائی رو رو کے لگی کہنے کچھ وجہ بھی اے بھائی
منھ تک جو ترا ایدھر ہوتا نہیں ہے ہرگز
مردے پہ ترے کوئی روتا نہیں ہے ہرگز

(۱۵)

کیا تجھ پہ ہوا ثابت جو لوٹ لیا سب گھر کیا تونے کیا جس سے دشمن ہے یہ سب لشکر
کیا جرم ہوا سرزد جو سر نہیں ہے تن پر جو پردگی ہے کیوں ہے بے پردہ و بے چادر
کچھ بول سبب کیا تھا کیوں تیرے تئیں مارا
ناموس بیاباں میں کاہے کو ہے آوارہ

(۱۶)

وہ خانۂ دولت ہے اب غیرت ویرانہ برباد گیا سارا اسباب امیرانہ
ہیں پردہ نشیں اکثر رستے میں فقیرانہ چلنا ہمیں آیا ہے درپیش امیرانہ
مردے کو ترے ہم جو چھوڑے ہوئے جاتے ہیں
افراط خجالت سے ہر دم موئے جاتے ہیں

(۱۷)

اس پیکر مردہ سے کر دل کے تئیں خالی ناچار گئی آگے بے وارث و بے والی
پھر حد سے ہوئی افزوں بیچارگی بدحالی تونے بھی قلم اپنے یاں ہاتھ سے گر ڈالی
تو میرؔ کیا اچھا لکھنے کا نہ تھا شایاں
نوشتہ ہی بہتر ہے ایسا غم بے پایاں

○

(۳۰)

(۱)

حسین ابن علی عالی‌نسب تھا   سزائے عزت و باب ادب تھا
جفا و جور کا شائستہ کب تھا   سلوک اسلامیوں سے یہ عجب تھا
کہ اس مہمان کی عزت نہ کیجے
ضیافت یک طرف پانی نہ دیجے

(۲)

کسو کافر سے ایسا ہو نہ کردار   ہوا اسلامیوں سے جو بہ اصرار
کجی رفتار کی تلخی گفتار   تس اوپر کھینچ کر ہر اک نے تلوار
بہت بے ڈول اس پر آزمائی
علی کے منہ سے کچھ بھی شرم آئی

(۳)

محمدؐ جس کی سب امت کہاویں   اسی کی آل لوہو میں ڈباویں
علی سن کر جسے سب سر جھکاویں   اسی کے گھر کو بن پانی بہاویں
زہے اسلام نادر لوگ خوش دور
عجب آئیں عجب ایماں عجب طور

(۴)

اسے ماریں جسے دیں کی امامت   نہ ہووے پھر کسو کو کچھ ندامت
کریں برپا ستم سے اک قیامت   علاوہ اس پہ تشنیع و ملامت
حیا مطلق نہ غارت سے کسو کو
نہ بہرہ کچھ مروت سے کسو کو

(۵)

اسے بیکس جو پایا مار ڈالا   رکھا میداں میں سر کو نیزہ بالا
پسر کو کانپتا گھر سے نکالا   بٹھائیں عورتیں رستے پہ لا لا
نہ کچھ کی دل دہی زین العبا کی
نہ کچھ روئے محمدؐ سے حیا کی

(۶)

علی کے تیں موا جانا سبھوں نے   محمدؐ کو نہ کچھ مانا سبھوں نے
برا شبیر کا ٹھانا سبھوں نے   کیا اس گھر کو ویرانہ سبھوں نے
رہا تنکا سا عابد کشمکش میں
حرم کے لوگ بےحالی سے غش میں

(۷)

علی اکبر کہ تھا شکل محمدؐ   طرف اس ایک سے ہوتے تھے صد صد
اٹھائے ان نے جس دم زخم بے حد   لگا منھ کر نجف کو کہنے کاے جد
ستم ہے شور ہے جور و جفا ہے
سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ کیا ہے

(۸)

پڑی تھی دھوپ میں وہ لاش مظلوم   کسو کا دل تنک ہوتا نہ تھا موم
اسیری اور غارت کی مچی دھوم   تردد شہ کے لے جانے کا معلوم
رہا تھا عابدیں سو زار و بیمار
نہ جس کی کچھ دوا نے جس کا تیمار

(۹)

زناں مویہ کناں سب خاک بر سر   کہیں تھیں رو مدینے کی طرف کر
کہ منصف ہو ٹک اے ختم پیمبرؐ   مصیبت کس قدر ہے آل اوپر
کہیں کس سے کوئی حاکم نہیں ہے
نہ تو ہے نے امیرالمومنیں ہے

(۱۰)

ریاست کے لیے شبیر مارا بھلا یوں اس کی تھی تقدیر مارا
سبھوں کو کیوں ہے بے تقصیر مارا علی اصغر کے پھر کیوں تیر مارا
چھنائیں عورتوں کی کیوں ردائیں
روا کاہے کو رکھیں یہ جفائیں

(۱۱)

چلا سر کٹ کے اس جان جہاں کا گرا ہے خاک پر خوں ہر جواں کا
ہوا سنتھراؤ یوں خرد و کلاں کا مقرر لوٹنا ہے خانماں کا
کسو ملت میں ایسا بھی ہوا ہے
نیا وارث ہمارا ہی موا ہے

(۱۲)

سکینہ کا گنہ کیا ہے بتادیں پدر مردہ کو کس خاطر کڑھاویں
کہاں فریاد لے کر آہ جاویں کسے یہ ماجرا سارا سناویں
جفا ہر لحظہ ہم سب پر نئی ہے
حیا اک رسم تھی سو اٹھ گئی ہے

(۱۳)

حسن تو تھا خلیفہ جس کو مارا گنہ قاسم کا کیا جو اس کو مارا
کہوں میں کب تلک کس کس کو مارا ستم سے جور سے جس تس کو مارا
رہا وارث نہ غیر از عابدیں کے
پڑے ہیں خاک میں ارکان دیں کے

(۱۴)

سو ٹپکے ہے لہو اس کے سخن سے بندھے ہیں ہاتھ دونوں اک رسن سے
ہوا ہے آپ اسیر آکر وطن سے پدر محروم ہے اب تک کفن سے
کہاں مہلت کہ شہ کے تیں اٹھاویں
نہیں فرصت کہ ٹک رو کر بھی جاویں

(۱۵)

جلے خیمے لٹا گھر بار سارا ہوا کنبہ سبھی بندی ہمارا
جوان و پیر سب کو تشنہ مارا اگرچہ یہ تھا دریا کا کنارہ
پہ قطرہ آب کا در و گہر تھا
کہ لب خشکی سے ہر اک چشم تر تھا

(۱۶)

کرے عابد کہاں تک غم گساری جسے بیماری و تن کی نزاری
کھنچی ہے دور تک اپنی یہ خواری اٹھانا پاؤں کا اس پر ہے بھاری
ہو ایسے حال میں کیونکر دلاسا
کرے کس کس کی دلداری وہ پاس آ

(۱۷)

کہے زینب تھی زہرا سے کہ مادر کرے گا کون اب ہم سوں کا آدر
پڑا ہے خاک میں بے سر برادر لیے جاتے ہیں چھینے سر کی چادر
کہاں لے جاؤں بھائی کو اٹھا کر
اڑاؤں خاک کس کے آگے جا کر

(۱۸)

ہمیں بازار میں لاکر بٹھایا کیا پامال ایسا سر اٹھایا
تسلی کو بھی کوئی تک نہ آیا کفن جی سے گیوں نے بھی نہ پایا
ستم پر ہے ستم یہ جور پر جور
زمانہ ہوگیا بل مارتے اور

(۱۹)

سکینہ جب کرے ہے باپ کو یاد قیامت ایک ہو جاتی ہے بنیاد
اٹھے ہے ہم اسیروں میں جو فریاد تو یہ کرتے ہیں ظلم ایک اور ایجاد
تقید رہروی کا سخت ہوئے
نخشن سن سن کے ہر بدبخت ہوئے

(۲۰)[1]

نہیں آتا میسر لاش اٹھانا کہ ہے درپیش یاں سے جلد جانا
کرے ہے عابدیں گر کچھ بہانہ اٹھاتے ہیں گے اس پر تازیانہ
کہاں مقدور یہ اس ناتواں کا
کہ ہووے پیشرو اس کارواں کا

(۲۱)

نظر میں باپ کا سر ہے سناں پر پڑے ہے آنکھ لوٹے کارواں پر
بنی ہے آن کر ہر گام جاں پر مصائب ہیں غرض اس ناتواں پر
ابھی میداں میں دس جا گہ گھرا ہے
چلا جاتا نہیں پر رہگرا ہے

(۲۲)

جو رکتا ہے بہت تو رو اٹھے ہے جو گرتا ہے تو طاقت کھو اٹھے ہے
کہے ہے یوں تو شور اک ہو اٹھے ہے کہ دیکھوں باپ کب تک سو اٹھے ہے
سر رہ قافلہ ہے کوئی بولو
کہ دو رخصت اسے ٹک آنکھ کھولو

(۲۳)

ہوئے سب شام کو آخر روانہ کہ جن کو ٹھور تھی نے کچھ ٹھکانا
بہت بیدردیوں پر تھا زمانہ کچھ آگے شرح و بسط اچھا نہ جانا
قلم کو میرؔ میں نے توڑ ڈالا
سر اپنا پتھروں سے پھوڑ ڈالا

○

(۱) نسخۂ کتب خانہ مخطوطات، حیدرآباد

(۳۱)

(۱)

فلک نے ہونا اکبر کا نہ چاہا　　گیا قاسم جسے سب نے سراہا
کوئی دن شہ نے جوں توں کر نباہا　　عجائب سانحہ گذرا الٰہا
فآہا　ثم　آہا　ثم　آہا

(۲)

موئے یار و برادر اس کے پیارے　　سو ہوکر تشنہ لب دریا کنارے
تماشائی تھے لوگ امت کے سارے　　کہیں سو کیا کہیں ہم غم کے مارے
فآہا　ثم　آہا　ثم　آہا

(۳)

کہے وہ اے کماں داراں سواراں　　پیاسے مارے میرے دوستداراں
جواب اس کا یہ تھا منصف ہو یاراں　　نہ دیجے پانی کریے تیرباراں
فآہا　ثم　آہا　ثم　آہا

(۴)

عزیز ایسا کہ جو مہمان ہووے　　تصدق اس پہ کی گر جان ہووے
نہ اس کے سر پہ یہ طوفان ہووے　　کہ قطرہ آب کو حیران ہووے
فآہا　ثم　آہا　ثم　آہا

(۵)[1]

نپٹ اوقات کے تیں تنگ آیا　　بہت کچھ دل کا دل ہی میں سمایا
سخن ہرگز زباں اوپر نہ لایا　　کہا سو یہ کہ کیا کہیے خدایا
فآہا　ثم　آہا　ثم　آہا

---

(۱) نسخۂ کتب خانۂ مخطوطات، حیدرآباد

(۶)

بڑے بیٹے سے بیٹھا ہاتھ دھو کر   رہا چھوٹے کو چپکے چپکے رو کر
لگی چھاتی میں غم کی زور ٹھوکر   کہے کیا غیر ازیں دل تنگ ہو کر
فآہا ثم آہا ثم آہا

(۷)

برابر خاک سے تاج شہی تھا   جو کچھ ٹھانا تھا جی میں سو سہی تھا
ثبات پا وہیں سر میں وہی تھا   اگر لب پر کچھ آتا تھا یہی تھا
فآہا ثم آہا ثم آہا

(۸)

کس و کو یک طرف سب اس کے بیکس   اکیلا خود ہزاروں میں گیا پھنس
رہا نومید ہو جب وہ خدارس   کہ یعنی ہو چکے اپنے تو اب بس
فآہا ثم آہا ثم آہا

(۹)

پھر اس کو پڑ گئی جی ہی کی آ کر   کسو جانب نہ دیکھا آنکھ اٹھا کر
کوئی ہوتا تو کچھ کہتا بلا کر   سو نے خویش و پسر نے یار و یاور
فآہا ثم آہا ثم آہا

(۱۰)

ستم کیسا اٹھایا گھر لٹایا   سبھوں کی مرگ کے دیکھے قضایا
رہا کھویا گیا سا سر کٹایا   کہے غم جس سے ٹک سو وہ نہ پایا
فآہا ثم آہا ثم آہا

(۱۱)

رضاے حق کا مرتے تک تھا جویا   لگی چپ ایسی تھا تصویر گویا
بھر آیا جی بہت لیکن نہ رویا   غرض بےآبی نے سب گھر ڈبویا
فآہا ثم آہا ثم آہا

(۱۲)

نہ پوچھو جس دم اس کا خوں بہا تھا ستم خنجر کا گردن نے سہا تھا
طرف قبلے کے منھ کر جھک رہا تھا کہا سو یہ دم آخر کہا تھا
فآہا ثم آہا ثم آہا

(۱۳)

رہا عابد سو اس پر یہ مصیبت بدن میں زور تپ سے کچھ نہ طاقت
نگہ میں ناامیدی تنگ حالت لبوں پر صدہزار افسوس و حسرت
فآہا ثم آہا ثم آہا

(۱۴)

کہو کس کس کا اس کے نام لیجے موئے سب بھانجے بھائی بھتیجے
رہا تھا یہ سو اس کو بندی کیجے بندھے وے ہاتھ جن پر بوسہ دیجے
فآہا ثم آہا ثم آہا

(۱۵)

مہار اونٹوں کی اس کے ہاتھ میں تھی گلے میں طوق جس سے تھی غشی سی
قدم رکھتا تو جاتا تھا چلا جی جگر اس کا ہی تھا چھاتی اسی کی
فآہا ثم آہا ثم آہا

(۱۶)

اسیر و خستہ دل بے زور و زر تھا کٹا سر باپ کا پیش نظر تھا
نہ یاور تھا نہ داور تھا نہ گھر تھا قیامت تھی غضب تھا شور و شر تھا
فآہا ثم آہا ثم آہا

(۱۷)

کھنچا آیا پدر مردہ ستم کش ضعیف و ناتواں صدگونہ غم کش
یتیم و بیکس و حیراں الم کش یہی کہتا تھا ہوتا بھی جو دم کش
فآہا ثم آہا ثم آہا

(۱۸)

ادھر کلثوم کا نالیدن زار ادھر زینب کی غم سے چشم خونبار
سکینہ باپ کو روتی تھی ہر بار کرے کیا لاعلاجی اور بیمار
فآہا ثم آہا ثم آہا

(۱۹)

ہوا لاشے پہ شہ کے جو گذارا تن بےسر زمیں پر کر نظارہ
کرے کیا قافلہ ناچار سارا کہا سب نے نہان و آشکارا
فآہا ثم آہا ثم آہا

(۲۰)

نہ لکھ بس میرؔ بےطوری ایام سر اس صبح سعادت کا چلا شام
گیا وہ جمع بھی ناچار ناکام نظر کر کہتے تھے سو بار ہر گام
فآہا ثم آہا ثم آہا

○

دکھ سے ترے کیا کلام
یا امام یا حسین
لیجیے کس منہ سے نام
یا امام یا حسین
ہائے رے تیرا جگر یاور و خویش و پسر
قتل ہوئے بالتمام
یا امام یا حسین
قہر ستم ہے غضب ساحل دریا پہ سب
مارے گئے تشنہ کام
یا امام یا حسین
لاش تری پیچھے ہو آگے پڑھیں سب نماز
پھر کہیں تجھ کو امام
یا امام یا حسین
ہوتے ہیں ٹکڑے جگر لوگ جو حسرت کے ساتھ
کہتے ہیں ہنگام شام
یا امام یا حسین
تو تن تنہا ادھر اور ہزاروں ادھر
ایک پہ یہ ازدحام
یا امام یا حسین
بندی ہوئے اہل بیت مارے پھرے یاں کے واں
جن کو نہ جاے مقام
یا امام یا حسین
راہ چلا کیسی تو جس میں قیامت رہی

سر پہ ترے گام گام
یا امام یا حسین
خاص کر ایک ایک کو ذبح کیا ظلم سے
قتل تھا یا قتل عام
یا امام یا حسین
ملتا ہے اس طور بھی خاک میں یک بارگی
وہ حشم و احتشام
یا امام یا حسین
قہر و قیامت غضب کہتے ہوئے نکلے سب
پردگیان خیام
یا امام یا حسین
مردم عزت طلب خوار ہوئے دشت میں
کون کرے احترام
یا امام یا حسین
کوئی نہ پیچھے رہا جو کرے ٹک وارثی
پہلے ہوا سب کا کام
یا امام یا حسین
چھوٹے بڑے سامنے مر گئے ہوکر کھڑے
خوب ہوا اختتام
یا امام یا حسین
جن و ملک آدمی سب کو کریں قتل اگر
ہو نہ ترا انتقام
یا امام یا حسین
داغ ہوئی جان میرؔ کیا کہے اب وہ فقیر
غیر درود و سلام
یا امام یا حسین
○

الوداع اے افتخار نوع انساں الوداع
بادشاہ کم سپاہ اہل ایماں الوداع

اے تمنائے دل زہرائے بیکس ہے دریغ
دے ستم کشتہ علی کے خواہش جاں الوداع

ہوگئے پانی جگر حسرت سے جب تو نے کہا
خشک لب اہل حرم سے ہو کے گریاں الوداع

مر گیا محروم سب چیزوں سے تس پر بھی گئے
ساتھ تیری جان کے صدگونہ حرماں الوداع

یوں چمن کر کن نے دکھلایا ہے آگے معرکہ
سرخ تھی سب تیرے خوں سے خاک میداں الوداع

اے برنگ خاک یکسر داغ تجھ پر صد صلوٰۃ
دے بسان گیسواں خاطر پریشاں الوداع

مرگ اصغر میں ہوا ہنگامہ برپا حشر کا
تو نے رو کر جو کہا اے طفل ناداں الوداع

کھانے پینے کی رہی کیا قید تجھ پر ہے ستم
اے عزیز اس مجلس دوناں کے مہماں الوداع

ہائے رخصت تیری یوں کیونکر ہوئی ہے اتفاق
دشت تو بے آب سب یہ سر پہ طوفاں الوداع

خوبی تیرے دم سے تھی اے خانہ ساز دیں درود
گھر تو پھر سب ہوگیا اک دم میں ویراں الوداع

مر گئے بیٹے بھتیجے سب ترے تصویر سے
ہوگیا تو حال میں اپنے ہی حیراں الوداع

نقل کیا اب بے سروسامانی تیری کیجیے
اے نہ تن پر سر نہ سر کو تیرے ساماں الوداع

عورتیں بیکس گئیں سو لب پر ان کے ہائے وائے
کہہ گئے آگے ہی سب انصار و اعواں الوداع

پاس پیکر کے کھڑی کلثوم لب پر الفراق
ساتھ سر کے کہتی زینب خاک افشاں الوداع

خاک میں بھی دفن ہونا تیری قسمت میں نہ تھا
اے تمام اندوہ کم انبوہ سلطاں الوداع

تو مسافر ہوگیا دوگام چل کر اے حسین
شہربانو گئی بیاباں در بیاباں الوداع

ایک بیٹا بیکس و بیمار سو کیا کیا کرے
زاری و فریاد و آہ و شور و افغاں الوداع

مرثیہ تو میرؔ تو کہتا ہی تھا پر اب کے یہ
کیا کہی ہے ہائے اے نمناک مژگاں الوداع

○

کیا نحس تھا دن روز سفر ہائے حسینا   ناموس کو نے گھر ہے نہ در ہائے حسینا
اعوان ترے جو تھے انھیں کھا گئی تلوار   انصار ترے سب گئے مر ہائے حسینا
واماندہ ترے کہتے ہیں سر دیکھ کے تیرا   ہم کیونکے کریں عمر بسر ہائے حسینا
مدت تئیں کر یاد زمانے کو ترے ہم   روتے رہیں گے آٹھ پہر ہائے حسینا
ہم شام کو قیدی ہو چلے دیکھیے بارے   ہوتی ہے یہ شب کیونکے سحر ہائے حسینا[۱]
تجھ بن کریں ٹوٹی ہی جاتی ہیں اگرچند   ہم باندھتے ہیں کس کے کمر ہائے حسینا
دل سوختگی اپنی کی کیا شرح کریں ہائے   آنسو تو ہوئے جیسے شرر ہائے حسینا[۲]
جوں نقش قدم خاک میں ہم ملتے ہیں تجھ بن   پیدا نہیں کچھ تیرا اثر ہائے حسینا[۳]
منظور نجابت نہ شرافت نہ سیادت   اب عیب ہوئے سارے ہنر ہائے حسینا
وارث نہیں جو پانی دے تم پیاسے موؤں کو   باقی ہے سو بیمار پسر ہائے حسینا
تیرا ہی جگر تھا کہ ستم تو نے یہ دیکھے   سب ٹکڑے ہوئے تیرے جگر ہائے حسینا
اس دشت میں یہ منفعت آکر کے اٹھائی   تو کھنچ گیا جی کا ضرر ہائے حسینا
جز جور و ستم کچھ نہیں دیتا ہے دکھائی   جاتی ہے جدھر اپنی نظر ہائے حسینا
کیا خانہ خرابی کا بیاں کرتے ترے ساتھ   اٹھتے ہی ترے لٹ گیا گھر ہائے حسینا[۴]
لالا کے بٹھاتے ہیں ہمیں راہگذر میں   تو جی سے گیا ہے جو گذر ہائے حسینا
اکبر کو کہ اصغر کو کہ قاسم کو کڑھیں ہم   کیا خاک برابر ہیں گہر ہائے حسینا
ایسا تو گیا اٹھ کے کہاں گھر سے کہ ہم تک   پھر آئی نہ کچھ خیرخبر ہائے حسینا
نے سایہ جہاں بیٹھیے نے سر پہ ہے چادر   ہے حال نہایت ہی بتر ہائے حسینا
ہم دست تلطف کے ترے اٹھتے ہی سارے   ہر خس کے ہوئے دست نگر ہائے حسینا
اس قوم سیہ رو نے زیادہ دہی سے   کچھ کسر میں چھوڑی نہ کسر ہائے حسینا
کیا اکبر و قاسم ہیں سبھی حلق بریدہ   یہ پودے عجب لائے ثمر ہائے حسینا
بے خوف و خطر لوٹتے ہیں گھر کو مخالف   تو ہو تو ترا ہووے بھی ڈر ہائے حسینا[۵]

(۱) تا (۵) نسخۂ کتب خانۂ مخطوطات، حیدرآباد

ہر سمت کو سر مارتے جنگل میں پھریں ہیں　　اب جا کے تجھے ڈھونڈیں کدھر ہائے حسینا
ٹھہرے ہے کوئی جن و ملک تیری جگہ پر　　یہ صبر نہ تھا حد بشر ہائے حسینا
لب خشک عزیز اپنے جو سب مارے پڑے ہیں　　ہر لحظہ مژہ ہوتی ہے تر ہائے حسینا[1]
کیا کیا نہ اذیت ہمیں دیتے ہیں گزندے　　حیدر نہیں جس کا ہو خطر ہائے حسینا
انواعِ ستم دیکھتے ہیں تیرے موئے پر　　کھول آنکھ ٹک انصاف تو کر ہائے حسینا

آگے بھی کہیں میرؔ جو کچھ بات رہی ہو
ہے لب پہ یہی شام و سحر ہائے حسینا

○

(۱) نسخۂ کتب خانۂ مخطوطات، حیدرآباد

سلام

(۱)

اے شہ عالی مقام تجھ پہ درود و سلام
بعد ہزاراں سلام تجھ پہ درود و سلام

اے شہ من الوداع وے مہ من الفراق
اے گل تر السلام تجھ پہ درود و سلام

آوے ہے بے اختیار صل علیٰ لب پہ ساتھ
لیتے ہیں جب تیرا نام تجھ پہ درود و سلام

راہرو راہ راست قطرہ زناں گریہ ناک
کہتے گئے گام گام تجھ پہ درود و سلام

بھیجتے ہیں صبح و شام بعد قعود و قیام
اہل مساجد تمام تجھ پہ درود و سلام

کیا کہے غیر از سکوت داور محشر اگر
چاہیں ترا انتقام تجھ پہ دورد و سلام

واہ رے اسلام و دیں سبط محمدؐ سے کیں
قتل بھی پھر قتل عام تجھ پہ درود و سلام

آہ لب آب سب تجھ پہ یہ رنج و تعب
جی سے گیا تشنہ کام تجھ پہ درود و سلام

کیا کہیں ہم یا امام دل کے تئیں تھام تھام
کہتے ہیں ہر صبح و شام تجھ پہ درود و سلام

حرف ہو کچھ تو کہیں تیرے تقدس کے بیچ
کہتے ہیں ہم لاکلام تجھ پہ درود و سلام

مردم چشیں سے گر چھپے ہے تیرا ظہور
پر تو ہے سب کا امام تجھ پہ درود و سلام

رد کے ترے رنگ سے خوبی تھی اس باغ کی
اے گل خیرالانام تجھ پہ درود و سلام (۱)

جی سے گیا اپنے تو ہو کے کھڑا جس جگہ
واں تھا قیامت قیام تجھ پہ درود و سلام

اب کہے سو کیا کہے میر زمانہ زدہ
روز و شب و صبح و شام تجھ پہ درود و سلام

○

---

(۱) نسخۂ کتب خانۂ مخطوطات، حیدرآباد

(۲)

اے بدخشان نبیؐ کے لعل احمر السلام — وے گلستان علی کے لالۂ تر السلام
ایک ساعت ہی میں امت پھر گئی نانا کی سب — کیا قیامت لائی تیرے سر کے اوپر السلام
بوند بھر پانی نہ دریا پر تجھے پینے دیا — اے تمنائے دل ساقی کوثر السلام
سب کنارے لگ گئے تو بحر خوں میں غرق ہے — اے کنار مصطفیٰؐ کے نازپرور السلام
تو تو شاہ دیں تھا ایسا ہو کے بیکس کیوں موا — اب نہ تن پر سر ہے نے سر پر ہے افسر السلام
بات کو بے پردہ کہیے کس طرح اب تجھ سے ہائے — ہیں حرم کے لوگ سب محتاج چادر السلام

کیا ستم کشیاں بیاں تیری کرے دل خستہ میر
نام تیرا سن کے آنکھیں ہوتی ہیں تر السلام

○

(۳)

ساقیِ کوثر کے پیارے السلام — تشنہ لب سید ہمارے السلام
صبح تیرے قتل کی تھی صبح قیر — شام کے لوگوں کے مارے السلام
آسماں خم ہے تری تعظیم میں — تیرے ساجد ہیں ستارے السلام
تھے ہزاروں خصم جانی اس طرف — تم گئے بیکس بچارے السلام
فوج دشمن کی جو چڑھ آئی تمام — تم ہوئے ایک ایک اتارے السلام[1]
بحر خوں میں غرق ہو چھوٹے بڑے — لگ گئے تم سب کنارے السلام
گور میں لاشیں تمھاری بے نماز — تم امام دیں تھے سارے السلام
راہ حق میں تجھ سے جانبازی ہوئی — بے خطر سر دینے ہارے السلام

کیا کہے اب میرؔ غم کش اس سوا
کا ہے ہمیشہ کے دکھارے السلام

○

(۱) نسخۂ کتب خانہ مخطوطات، حیدرآباد

(۴)

اے گل خوش رنگ گلزار شہادت السلام — تیری مظلومی کی سب دیں گے شہادت السلام
جور دیکھے تو نے کیا کیا لال سنگ جور سے — اے کہ گذری تیرے اوپر سخت حالت السلام
شام کے لوگوں نے تجھ کو یوں مکدر کر دیا — اے مہ تابندۂ برج امامت السلام
کارواں در کارواں بار الم تجھ سے کھنچا — حوصلہ کس کا جو کھینچے یہ ملالت السلام
قامت دلکش ترا بے سر پڑا تھا خاک میں — کربلا میں تجھ پہ گذری ہے قیامت السلام
ہائے غیبت میں تری عالم سیہ سب ہوگیا — اے فروغ چہرۂ صبح سعادت السلام
تند باد ظلم نے تجھ کو دیا سا گل کیا — اے کہ تو تھا زیب ایوان رسالت السلام
کب عقیدے میں محبوں کے برابر ہو سکے — ایک سجدے سے ترے صدسالہ طاعت السلام

میرؔ کم گو کبریا تیری بیاں کب کر سکے
تو ہی اپنی جانے ہے قدر و جلالت السلام

○

(۵)

اے شہ اقلیم شوکت السلام — رونق تخت خلافت السلام
اختر چرخ سیادت الصلوٰۃ — نیر برج سعادت السلام
تو جو ناگہ خانہ روشن کر گیا — تیرہ ہے بزم رسالت السلام
مقتدا تو پیشواؤں کا رہا — تجھ کو زیبا تھی امامت السلام
تو ہے جس پر دم بہ دم بھیجیں درود — یا کہیں ساعت بہ ساعت السلام
کربلا میں تو جہاں قائم رہا — تھا قیام اس جا قیامت السلام
بات کہتے جان اپنی دے گیا — اے تمامی جود و ہمت السلام
امتحان حق سے یوں نکلا ہے کون — اللہ اللہ تیری غیرت السلام
وادی بے آب میں تو کیا کھلا — اے گل باغ شہادت السلام

غم میں تیرے خاک ہو کیونکر نہ میر
سخت تھی اس کو کدورت السلام

○

(۲)

اے سبطِ مصطفےٰ کے تجھ کو سلام پہنچے　　اے جانِ مرتضےٰ کے تجھ کو سلام پہنچے
اے حکم کش قضا کے تجھ کو سلام پہنچے　　اے غمزدہ سدا کے تجھ کو سلام پہنچے

بابا شہ ولایت نانا کی خلق امت　　دریا کنارے اترے سارے وہ بے مروت
تو تشنہ کام تنہا یہ رنج یہ مصیبت　　اے مبتلا بلا کے تجھ کو سلام پہنچے

بیٹے بھتیجے بھائی یار و رفیق سارے　　ساقیِ کوثر آگے کیا تشنہ لب سدھارے
پانی جو تونے مانگا سو تیر تجھ کو مارے　　اے خستہ دل جفا کے تجھ کو سلام پہنچے

اللہ ری تیری عزت مرنا جو تونے ٹھانا　　زنہار منھ نہ پھیرا گو پھر گیا زمانہ
آتا ہے کس سے ایسا بیکس ہو مارے جانا　　اے دل زدہ رضا کے تجھ کو سلام پہنچے

برسا کی تیغ لیکن تونے سپر نہ رکھی　　دریا بہا کیا پر تونے نظر نہ رکھی
کیا کہیے جب توجہ ٹک جان پر نہ رکھی　　کشتہ ہیں اس وفا کے تجھ کو سلام پہنچے

تسلیم کا رضا کا دیکھا ترا عجب ڈھب　　وقتِ بریدن سر سجدے میں تھا مودب
یہ بندگی الٰہی یہ انکسار یارب　　اے شوق کش خدا کے تجھ کو سلام پہنچے

مجلس میں گر پڑا تھا گرم آش کا پیالہ　　چھینٹیں پڑیں جو تجھ پر سہا وہ لانے والا
غصے کو کھا گیا تو منھ سے نہ کچھ نکالا　　اے صاحب اس حیا کے تجھ کو سلام پہنچے

تعریف سے ہے باہر سید ترا یہ ساکا　　شائستہ معرکے میں تو ہی تھا اپنی جا کا
اب نقش ہے دلوں پر تیرے ثبات پا کا　　اے باب صد ثنا کے تجھ کو سلام پہنچے

سلام ۶

درویش بے بضاعت ہے میرؔ دست کوتہ غیر از سلام تحفہ رکھتا نہیں ہے کچھ وہ
ہر لحظہ اور ہر دم ہر گاہ اور بے گہ اے شاہ دوسرا کے تجھ کو سلام پہنچے

○

(۷)

السلام اے کام جان مصطفیٰ   السلام اے یادگار مرتضیٰ
السلام اے مقصد خیرالنسا   السلام اے پیشواے دوسرا

کیا ستم ہے خیمے دریا پر ہوئے   اور بے جاں پانی پانی کر ہوئے
لب نہ اک قطرے سے تیرے تر ہوئے   السلام اے تشنہ کام کربلا

زندگانی کی ہے تونے کیا کٹھن   آ مدینے سے ہوا غربت وطن
مر گئے پر اب نہ تربت نے کفن   السلام اے کشتۂ تیغ جفا

چارہ گر سب تیرے بیچارے گئے   دونوں بیٹے کیا ترے پیارے گئے
یار بھائی سب ترے مارے گئے   السلام اے بیکس دشت دغا

گھر ترا یک بار ویراں ہوگیا   دم نہ مارا گوکہ بے جاں ہوگیا
خاک سے مل کر تو یکساں ہوگیا   السلام اے رفتۂ راہ رضا

ماجرا تیرا نہایت ہے شگرف   رنج میں طاقت ہوئی سب تیری صرف
خوں ہوا دل پر نہ نکلا منھ سے حرف   السلام اے غنچۂ باغ حیا

شان کیا کیسی امارت تیرے بعد   ہوگیا اسباب غارت تیرے بعد
پچھلوں کی اب ہے حقارت تیرے بعد   السلام اے لائق مدح و ثنا

گوش زد ایسا نہیں ظلم عیاں طعن کے ہمراہ پھر تیغ و سناں
غم سا تیرا غم ہو تو کریے بیاں السلام اے مبتلائے صدبلا

کس جگہ آیا کہ یوں حیراں ہوا کن سیہ کاسوں کا تو مہماں ہوا
کس قدر محتاج آب و ناں ہوا السلام اے خلق کے حاجت روا

تجھ سے خوبی امامت چار چند تیرا رایت تھا ولایت میں بلند
تیرے در کا ہر گدا اقبال مند السلام اے شاہ اقلیم ولا

تیرے سجدے میں سدا اہل یقیں صبح خیزوں کی ترے در پر جبیں
وائے شامی جن کو تجھ سے بغض و کیں السلام اے قبلۂ اہل صفا

حیف تو افسوس تو اے آہ تو نے نے رحمت تو زہے تو واہ تو
جی سے گذرا فی سبیل اللہ تو السلام اے عاشق طرز فنا

سانحہ تیرا بھی یاں ہے یادگار دل جگر لے کر گیا دونوں فگار
اک پسر چھوڑا ہے سو بیمار و زار السلام اے دردمندوں کی دوا

دل کو تیری آرزو ہر صبح و شام جی کو تیری ہی تمنا ہے مدام
جان و دل صدقے کیے حاصل کلام السلام اے جان و دل کے مدعا

چشم رکھیں تجھ سے سب درویش و شاہ کج رکھیں تیرے بھروسے پر کلاہ
آفتاب حشر سے دے تو پناہ السلام اے سایۂ لطف خدا

میر داخل ظلم کے ماروں میں ہے یعنی تیرے تعزیت داروں میں ہے
مرحمت کر گو گنہگاروں میں ہے السلام اے شافع روز جزا

○

واسوخت

(۱)

(۱)

طرز اے رشک چمن اب تری کچھ تازی ہے   ساتھ غیروں کے مرے حق میں سخن سازی ہے
داغ رکھنے کو مرے ان ہی سے گل بازی ہے   ہمدی ان سے انھیں سب سے ہم آوازی ہے
گوش کر میرے بھی شکوے کی طرف گل کے رنگ
رکتے رکتے روش غنچہ ہوا ہوں دل تنگ

(۲)

ایک مدت ہوئی بدنامی و رسوائی ہے   بیکسی بےدلی درویشی و تنہائی ہے
صبح جب دی ہے دعا گالی تری کھائی ہے   ابتدا سے مری ذلت تجھے خوش آئی ہے
خلق کیا کیا تری بےطوریوں سے کہتی نہیں
میں بھی ناچار ہوں اب منہ میں زباں رہتی نہیں

(۳)

ملتفت حال پہ رہنا ہے مرے اب موقوف   بات گر دن کو کوئی ہوگئی تو شب موقوف
اے فربندہ سخن رابطے کے سب موقوف   مہر و الطاف و عنایات و کرم جب موقوف
مہربانی سے کبھو کوئی جو ایدھر کی نگاہ
سو بھی اس طور کہ کیا جانیے کیدھر کی نگاہ

(۴)

میں جو صحبت میں ہوں بیٹھا تو رکے بولو ہو   آنکھیں ایدھر سے جو موندو ہو سو کم کھولو ہو
نام لیتے ہو کراہت سے مرا جو لو ہو   لگ چلے غیر تو تابع اسی کے ہو لو ہو
روے حرف اس کی طرف چشم حمایت اودھر
ابرو اودھر کو جھکے لطف و عنایت اودھر

(۵)

پیار تجھ کو نہ کیا کرتے اگر جانتے ہم کاشکے تیری روش پہلے ہی پہچانتے ہم
جھوٹے جھوٹے ترے وعدے نہ کبھو مانتے ہم جی میں اب ٹھانی ہے جو کچھ سو تبھی ٹھانتے ہم
اس قدر تجھ سے نہ لگ چلتے نہ آتے اس راہ
تو پری ہوتا تو کرتے نہ تری اور نگاہ

(۶)

یہ فریبندہ سخن گوش نہ کرتے ہرگز خواہش کنج دہن دل پہ نہ دھرتے ہرگز
بے شب وصل دن اس طور نہ بھرتے ہرگز لعل جاں بخش پہ یوں تیرے نہ مرتے ہرگز
اتفاقات سے ہو جاتی ملاقات تو خیر
دل تجرد پہ رکھا جب نہ کوئی یار نہ غیر

(۷)

عشوہ و ناز و ادا سے کسو کو پھر کیا کام جی نہ بے چین رہا کرتا نہ دل بے آرام
ہوگیا یوں تو کبھو ہوگیا آپس میں کلام بے رخ و زلف رکن کا ہے کو ہر صبح و شام
جنس اچھی تری پر گرمی بازار کہاں
سرگراں تو تو بہت ہے پہ خریدار کہاں

(۸)

تجھ سے بے مہر ووفا دل کا لگانا تھا غلط آپ کو حرف غلط رنگ مٹانا تھا غلط
خط دے قاصد کو تری اور چلانا تھا غلط آتش غم سے مرا جی کا جلانا تھا غلط
اپنی نادانی نہ سمجھے کہ تو کیا نسخہ ہے
آدمی بھی کسو دانا کا لکھا نسخہ ہے

(۹)

غم نہیں تجھ کو مری یاری وفاداری کا نہ خیال آوے ہے بندے کی گرفتاری کا
طور چھوڑا نہ تنک. تونے ستمگاری کا وہی عشوہ ہے شب و روز دل آزاری کا
پرسش حال کا بھی مجھ کو نہ ممنوں رکھا
ہے یہ خاطر کہ حزیں دل کے تئیں خوں رکھا

(۱۰)

ترک اخلاص کیا سب سے تجھے پیار کیا رحم دل پر نہ کیا جان کو آزار کیا
چاہ سے اپنی عبث تجھ کو خبردار کیا کیا کیا ہم نے کہ اس معنی کا اظہار کیا
جوکہ الفاظ نہ شایاں تھے سو تو کہنے لگا
وجہ بےوجہ تو روپوش ہی اب رہنے لگا

(۱۱)

آرسی کی کبھی صورت نہ دکھاتے تجھ کو طرز یہ سرمہ کشی کی نہ بجھاتے تجھ کو
دلربائی کے نہ انداز بتاتے تجھ کو کیوں بگڑتا تو جو ایسا نہ بناتے تجھ کو
مستی چشم سے ہوتی نہ اگر تجھ کو خبر
ایسی ہشیاری سے کرتا نہ تو ایدھر کو نظر

(۱۲)

اور مہ پارہ بھی اس شہر میں مشہور ہے اب اس کی محبوبی و خوبی ہی کا مذکور ہے اب
دیکھنا کچھ ہو اسی کا مجھے منظور ہے اب صرف اس پر کروں گا اپنا جو مقدور ہے اب
اس کنے ضد سے تری شام و سحر جاؤں گا
گھر سے جس دم اٹھوں گا اس کے ہی گھر جاؤں گا

(۱۳)

وہ بھی سن شور وفا مجھ سے ملا چاہے ہے مختلط لطف و عنایت سے ہوا چاہے ہے
کوئی دن راتوں کو مجھ پاس رہا چاہے ہے کام دل لوں ہوں اسی سے جو خدا چاہے ہے
باؤ کا رخ تجھے بتلاؤں دم اس مہ کا بھروں
خط تری بندگی کا کاغذ باد اس کا کروں

(۱۴)

میں بھی ناچار ہوں تاچند جفائیں یہ سہوں قصد رکھتا ہوں کہ اس شہر میں ہرگز نہ رہوں
یا اسی ماہ کنے جا رہوں گو اس میں نہ ہوں خوبیاں اور ترے حسن سلوک اس سے کہوں
کیں ترا مہر مری دونوں ہیں اس پر معلوم
اس کے معلوم ہوئے روئے دل اودھر معلوم

(۱۵)

پھر تو جی کو میں کروں گا اسی مہ پر قرباں راہ و منزل پہ پھروں گا اسی کے دست افشاں
بس بگولا سا ہوا تیرے لیے سرگرداں اس قدر مجھ کو دماغ اب ہے کہاں دل ہے کہاں
کہ رہوں بیخود و بےخواب شبوں کو روتا
کاش مشتاق ترے منھ کا نہ اتنا ہوتا

(۱۶)

اب تو جو کچھ ہو دل اس ساتھ لگا بیٹھوں گا اس کے دروازے پہ درویش ہو جا بیٹھوں گا
ہاتھ واسوختہ ہو تجھ سے اٹھا بیٹھوں گا آؤں گا بھی تو ترے پاس نہ آ بیٹھوں گا
دور سے ایک نظر کرکے چلا جاؤں گا
سو بھی کتنے دنوں پھر کاہے کو میں آؤں گا

(۱۷)

لاگ ہے بس سے نئی اس سے رکھوں قیل و قال دل نشیں اس کے کروں خوب طرح کہنہ مقال
ساری مجلس کے تئیں اس کی کروں واقف حال بعد ازاں ترک کروں کھا کے قسم تیرا خیال
پھر کبھو وہم میں بھی گذرے نہ ملنا تیرا
جب نہ تب در پہ اسی کے رہے ماتھا میرا

(۱۸)

لگ چلوں اس سے صبا کی سی طرح شام و سحر اس کے پاؤں تلے کی خاک کروں کحل بصر
روے گل رنگ سے اس کے نہ اٹھے میری نظر چپکے اس کے لب شیریں سے رہیں دیدۂ تر
درہمی حال کی اس گیسوے برہم سے رہے
جی کو بے طاقتی اس قد کے چم و خم سے رہے

(۱۹)

ناز بیجا ترے دل پھر نہ اٹھاوے ہرگز بات یہ تیری فریبندہ نہ بھاوے ہرگز
طرز رفتار تری جی میں نہ آوے ہرگز آنکھ خوبی کی طرف تیری نہ جاوے ہرگز
وہ جو سادہ ہے تو پرکار بھی ہوجاوے گا
اب جو بیگانہ سا ہے یار بھی ہوجاوے گا

(۲۰)

فن معشوقی میں تیار کروں گا اس کو   شانہ و آئینہ سے یار کروں گا اس کو
حسن سے اس کے خبردار کروں گا اس کو   ضد سے میں تیری بہت پیار کروں گا اس کو
فرش رہ دیدۂ نمناک کروں گا واں کے
پلکوں سے خار و خسک پاک کروں گا واں کے

(۲۱)

ہوگیا مجھ سے جو مانوس تو مرزا ہوگا   پوشش تنگ کا مصروف مہیا ہوگا
گھیر جامے کا نہ سو گز سے کم اس کا ہوگا   لپٹے بندوں کا بر و دوش پہ لچھا ہوگا
چلتے دامن کے تئیں لگتی رہے گی ٹھوکر
ہوگا ہنگامہ ادھر نکلے گا جیدھر ہوکر

(۲۲)

کس و ناکس اسی مہ پارے کا مفتوں ہوگا   ایسی سج سے تو اسے دیکھ کے محزوں ہوگا
رشک سے اس کے ترا حال دگرگوں ہوگا   دل نازک ترا دھڑکے گا جگر خوں ہوگا
شرم سے ہوگا نہ اک آنکھ اٹھانا مشکل
بلکہ ہوجاوے گا اس کوچے میں آنا مشکل

(۲۳)

طنز و تعریض و کنائے سے بتنگ آوے گا   ناز کا طور فراموش ہی ہوجاوے گا
ربط و اخلاص میں ویسا نہ مجھے پاوے گا   یہ سخن یاد رہے دل میں تو پچھتاوے گا
آشنا جتنے ہیں بیگانہ نکل جاویں گے
سر جھکائے اسی کی اور چلے آویں گے

(۲۴)

اب بھی گر سمجھے تو مجھ کو ہے وہی تجھ سے پیار   چھیڑ کا ننگ نہیں تیری نہ گالی کا ہے عار
وہی مخلص ہوں قدیمی وہی میں تیرا یار   بندگی کیش وفاشیوہ و اخلاص شعار
چوٹ مجھ کو بھی تو غیروں کی ملاقات کی ہے
چھوڑے یہ تو تو پھر آزردگی کس بات کی ہے

(۲۵)

جی نہ تڑپے گا مرا پھر نہ مری چھاتی جلے دل نہ سینے میں مرے شام و سحر کوئی ملے
شکوہ نالی سے زباں منہ میں نہ زنہار ہلے آئے چلتے کہیں سے تو لیے لگ تیرے گلے
زور سے بازو پہ اپنے ترے سر کو رکھا
دست گستاخ پہ لے تیری کمر کو رکھا

(۲۶)

بس ہوس کیشوں سے مل مل کے تو بدنام ہوا بسکہ راتوں کو رہا شہرۂ ایام ہوا
کاسہ لیسوں کے گیے مرتکب جام ہوا شوخ و شلتاق و بدوضع و مے آشام ہوا
طور پر میرے معیشت کوئی دن اچھی ہے
ایسے بدکار سے صحبت کوئی دن اچھی ہے

(۲۷)

آ اگر غیر کے ملنے کی قسم کھاتا ہے میر بھی حرف درشتانہ سے شرماتا ہے
ذوق ویسا ہی ہے اس کا تو اسے بھاتا ہے دل کے واسوز سے منہ پہ یہ سخن لاتا ہے
ورنہ مشتاق ہے سو جی سے جگرخستہ ترا
کشتہ و مردہ ترا رفتہ و دل بستہ ترا

○

(۲)

(۱)

سچ کہو شہر میں صحرا میں کہاں رہتے ہو   یاں بہت رہتے ہو خوش باش کہ واں رہتے ہو
ان دنوں یاروں کی آنکھوں سے نہاں رہتے ہو   خوش رہو میر مری جان جہاں رہتے ہو
اک طرف بیٹھے ہوئے ہم بھی لہو پیتے ہیں
عشق کی جان کو دیتے ہیں دعا جیتے ہیں

(۲)

دل خوشی ہوتا نہیں سبزے سے یا سنبل سے   یعنی اب عشق نہیں مجھ کو خط و کاکل سے
ہم نشیں داغ کھلے دل پہ مرے سب گل سے   آ چمن زار میں گل بازی کروں بلبل سے
شاخ گل پر تو وہ ہو اور لب جو پر میں
داغ کو دل پہ وہ لے گل کے تئیں رو پر میں

(۳)

ہے زمیں خشک مرے دیدۂ تر سے نایاب   شہر و کہسار و بیابان سبھی ہیں شاداب
ہر طرف اشک سے میرے ہیں رواں صد سیلاب   کام کرتی ہے یہاں تک کہ نظر اب ہے آب
ہے عبث جیتے جی میرے تجھے بارش کا خیال
میں تو روتا ہوں ترے غم میں علیٰ قدر حال

(۴)

ریزے الماس کے اور مشت نمک مشک کی بو   کس کو یہ سارے بہم پہنچے ہیں ان سے مل تو
لذت درد سے مقدور ہو جب تک کر خو   دیکھ زنہار نہ دے مرہم بدرو کو رو
ننگ و ناموس کو مجروحوں کے رکھ مدنظر
منہ بھرائی میں مری جان لے اے زخم جگر

(۵)

مدتیں گذریں کہ اے شوخ یہ خواری ہے مجھے تجھ سے بے رحم ستمگار سے یاری ہے مجھے
روز و شب درد و غم و نالہ و زاری ہے مجھے بلکہ ہر روز کی شب ہجر میں بھاری ہے مجھے
اہل دل جان کے رکھتا ہے مجھے عشق بتنگ
کاشکے دل کے عوض کوئی ملا ہوتا سنگ

(۶)

عاقبت کا نظر آیا نہ یک آثار ہمیں دل کی بے تابی نے ہرچند رکھا خوار ہمیں
حیف صد حیف میسر نہ ہوا یار ہمیں تیرے کوچے میں کہیں سایۂ دیوار ہمیں
تا کہ واں نالہ و فریاد کیا کرتے ہم
اک طرف بیٹھ تجھے یاد کیا کرتے ہم

(۷)

کب تلک ہاتھ سے خوباں نہ جفاکاری دیں اس وفاداری کے بدلے یہ ہمیں خواری دیں
تم کہو کب تئیں ہم داد وفاداری دیں عشق بن جرم جو کچھ ہو تو گنہگاری دیں
قصد فریاد ہے گر یار تک انصاف کریں
پھر دے گو ن کے کدورت سے ہمیں صاف کریں

(۸)

مت برس خاک پہ عشاق کی ہم کیا کم تھے حرف دریوزہ ہے یہ دیدہ ہمارے یم تھے
موج سیلاب سے آنسو کے گئے عالم تھے یعنی اے ابر کسی عہد میں ہم ہی ہم تھے
عزم کر رونے کا آبادی سے گر اٹھتے تھے
بیٹھ کر دشت میں طوفان ہی کر اٹھتے تھے

(۹)

کون تھا یاں کہ مجھے دیکھ ندامت رکھے یا مرے سر پہ نصیحت سے قیامت رکھے
میر صدسال خدا تجھ کو سلامت رکھے تو نہ ہووے نہ مجھے کرکے ملامت رکھے
ورنہ اب تک تو مری خاک بھی ہوجاتی ہوا
لے گئی ہوتی تبرک کی طرح باد صبا

○

(۳)

(۱)

یاد ایام کہ خوبی سے خبر تجھ کو نہ تھی   سرمہ و آئینہ کی اور نظر تجھ کو نہ تھی
فکر آراستگی شام و سحر تجھ کو نہ تھی   زلف آشفتہ کی سدھ دو دو پہر تجھ کو نہ تھی
شانہ تھا نابلد کوچۂ گیسو تیرا
آئینہ کاہے کو تھا حیرتی رو تیرا

(۲)

آگہی حسن سے اپنے تجھے زنہار نہ تھی   اپنی مستی سے تری آنکھ خبردار نہ تھی
پاؤں بےڈول نہ پڑتا تھا یہ رفتار نہ تھی   ہر دم اس طور کمر میں ترے تلوار نہ تھی
خون یوں کاہے کو کوچے میں ترے ہوتے تھے
دل زدے کب تری دیواروں تلے روتے تھے

(۳)

خواہش دل کی ملا کرتی تھی ہر ساعت داد   طبع میں تیرے تصرف تھا ہمیں حد سے زیاد
مطلقاً تجھ سے نہ مربوط تھے ارباب عناد   کاہےکو رہتے تھے کوچے میں ترے شور و فساد
طور پر اپنے ترے پاس ہم آجاتے تھے
حسب خواہش تجھے ہر شام و سحر پاتے تھے

(۴)

بند جامے کا جو وا ہوتا تو وا رہتا تھا   بے تکلف مرے گھر رات کو آ رہتا تھا
تھوڑی رنجش میں گلے ہی سے لگا رہتا تھا   ٹک جدا رہتے تو دیر آنکھ ملا رہتا تھا
اس قدر قدر نہ تھی اپنی تری آنکھوں میں
لعب بازی میں بھی رہتا تھا مری آنکھوں میں

(۵)

آستیوں میں نہ تھے چاک نہ زہ دامن میں تکمے کاہے کے تئیں لگتے تھے پیراہن میں
یہ طرح کب تھی دوپٹے کے تلے چتون میں پھرتے کس روز تھے یوں کپڑے پہن آنگن میں
بند ملتے ہوئے ہر دم نہ کھڑے رہتے تھے
پیچ پگڑی کے گلے میں نہ پڑے رہتے تھے

(۶)

کس دن اتنا تھا پراگندگی مو کا خیال دو دو دن چہرے پہ بکھرتے ہی رہا کرتے بال
لعل جاں بخش نہ رہتے تھے کبھو اتنے لال خوبی خندہ نہ لوگوں کے جیوں کی تھی وبال
پان سے شوق نہ تھا کیسا مسی کا مذکور
غصے ہوجاتے تھے سن ایسے کسی کا مذکور

(۷)

تنگ پوشی سے نہ محظوظ تمھیں پاتے تھے تنگ جامے جو سیے جاتے تو گھبراتے تھے
مسکی چولی سے نہ تم در پہ کبھو آتے تھے لپٹے دامن سے الٹ گھر ہی ٹن پھر جاتے تھے
یا تو اب کہنی پھٹی مونڈھے چپے رہتے ہیں
باہر اندر ہو کہیں بند کسے رہتے ہیں

(۸)

شوق زینت سے نہ تھا ربط نہ رعنائی سے دل نہ اتنا تھا لگا خوبی مرزائی سے
اب تو سو بار کمر بندھتی ہے اکلائی سے دیکھتے رہتے ہو ترکیب سے خودرائی سے
روسیہ آئینہ سے تم کو فراغت ہی نہیں
سرمۂ تیرہ دروں سے کہیں فرصت ہی نہیں

(۹)

شانہ اب ہاتھ میں ہے زلف بنا کرتی ہے مسی دانتوں میں کئی بار لگا کرتی ہے
پاس سرمے کے سلائی بھی رہا کرتی ہے آنکھ رعنائی پہ اپنی ہی پڑا کرتی ہے
جان آنکھوں میں کسی کی ہو نظر تم کو نہیں
غش کرے کوئی ستم دیدہ خبر تم کو نہیں

(۱۰)

کب گلی کوچوں میں پھرتے تھے لیے تم تلوار   پرتلا کاہے کو رہتا تھا گلے کا یوں ہار
ساتھ خونخوار نہ پھرتے تھے نہ تم تھے خونخوار   دم میں ناحق کبھو یوں جان نہ رکھتے تھے مار
مایۂ فتنہ و پرخاش ہوئے ہو اب تو
شوخ و شلتاق و اوباش ہوئے ہو اب تو

(۱۱)

پیشتر ہم سے کوئی تیرا طلبگار نہ تھا   ایک بھی نرگس بیمار کا بیمار نہ تھا
جنس اچھی تھی تری لیک خریدار نہ تھا   ہم سوا کوئی ترا رونق بازار نہ تھا
کتنے سودائی جو تھے دل نہ لگا سکتے تھے
آنکھیں یوں موند کے دے جی نہ چلا سکتے تھے

(۱۲)

یا تو ہم ہی تھے کہ اب ہم سے نہیں کچھ یاری   مفت برباد گئی عزت و حرمت ساری
بار خاطر رہے اب ہم کو بھی ہے بیزاری   یعنی اس شہر سے اٹھ جانے کی ہے تیاری
رتبۂ غیر نہیں آنکھوں سے دیکھا جاتا
طاقت اب یہ دل بے تاب نہیں تک لاتا

(۱۳)

کوئی نادیدہ محب سادہ لگا لیں گے ہم   سادہ نامرتکب بادہ لگا لیں گے ہم
بوس و آغوش کا آمادہ لگا لیں گے ہم   بند خودرائی سے آزادہ لگا لیں گے ہم
اس کو آغوش تمنا میں اب اپنی لیں گے
اس سے داد دل ناکام سب اپنی لیں گے

(۱۴)

اس کی کھینچیں گے علی الرغم ترے مرزائی   اس کو سکھلائیں گے طرز و روش رعنائی
مجلسوں میں اسے لاویں گے بصد زیبائی   صحبت اے دشمن جاں اس سے اگر بر آئی
تو تجھے دیکھیو کس طور کڑھاتے ہیں ہم
چھیڑیں کیا رکھتے ہیں کس ڈھب سے ستاتے ہیں ہم

(۱۵)

چہرے کو اس کے کر آراستہ دلخواہ کریں   آرسی اس کو دکھا حسن سے آگاہ کریں
راہ خوبی کی بتا کر اسے گمراہ کریں   تو سہی ضد سے ترے ایسا ہی شتاہ کریں
کہ تجھے سدھ نہ رہے خوبی و رعنائی کی
دھجیاں لے تری اس جامۂ زیبائی کی

(۱۶)

دست افشاں ہو تو عزت تری سب ہاتھ سے جائے   چشم مکحول کو دکھلائے تو تو آنکھ چھپائے
مار ٹھوکر چلے دامن کو تو تو سر نہ ہلائے   جس طرف اس کا گذر ہووے تو ادھر کو نہ جائے
چھیڑے گالی دے اشارت کرے چشمک مارے
عشوہ و غمزہ و انداز بھلادے سارے

(۱۷)

زندگانی ہو تجھے ہاتھ سے اس کے دشوار   کوئی دن تو بھی پھرے جان سے اپنی بیزار
پہنچیں ہر آن میں اس سے تجھے سو سو آزار   طنز و تعریض و کنایہ کی رہے اک بوچھار
جا کے ٹک سامنے اس کے تو بہت تر آوے
عرق شرم میں ڈوبا ہوا سب گھر آوے

(۱۸)

دل واسوختہ کو اپنے لیے جاتے ہیں   غصے سے خون جگر اپنا پیے جاتے ہیں
اپنی جا غیروں کو ناچار دیے جاتے ہیں   اب کے یوں جاتے نہیں عہد کیے جاتے ہیں
آوے گا تو بھی منانے تو نہ آویں گے ہم
جان سے جاویں گے پیاں سے نہ جاویں گے ہم

(۱۹)

بازگشت اب کی کسو طرح نہیں ہے منظور   گو کہ درپیش ہمیں آوے رہ دور از دور
جانا ٹھانا تو پھر آنے کا ہے یہاں کیا مذکور   جی سے اپنے بھی گذر جائیے پر تا مقدور
منھ ادھر کریے نہ جس جا سے بنے اٹھ جانا
قدر کھو دیوے ہے ہر بار کا جانا آنا

(۲۰)

تیر اعراض بھی لوگوں نے کیا ہے آگے　　دل کے واسوز سے لوہو بھی پیا ہے آگے
خلق عالم سے کنارہ بھی کیا ہے آگے　　عزت و وقر بھی برباد دیا ہے آگے
پر کنھوں نے نہیں اس ڈھب سے زباں بازی کی
یہ بھی ظالم ہے کوئی طرز سخن سازی کی

○

(۴)

(۱)

ایک دن وے تھے کہ تم کو نہ فریب آتے تھے اونی سونی بھی مرے آگے اٹھا جاتے تھے
مدعی کا ہے کو مجلس میں جگہ پاتے تھے چھوتے تھے پاؤں تو پھر سر میں وہیں کھاتے تھے
یا تو اب شام و سحر پاس لگے رہتے ہیں
کر کے سرگوشی جو کچھ چاہتے ہیں کہتے ہیں

(۲)

تم کو بھی آٹھ پہر حرف و حکایت ان سے بازو جانو ہو انھیں چشم حمایت ان سے
شکر ان کا ہے جو ہے بھی تو شکایت ان سے ہو طرح کوئی چلی جا ہے رعایت ان سے
ہاتھ کاندھے پہ کبھو رکھ کے کھڑے ہوتے ہو
کبھی منت کرو ہو ٹک جو لڑے ہوتے ہو

(۳)

پاس ان کا ہے تمھیں خاطر انھیں کی منظور ان سے ملنے میں نہیں کرتے کسی طور قصور
ان سے اک دن میں کئی بار ملاقات ضرور ان سے لگ بیٹھتے ہو بھاگتے ہو ہم سے دور
جن کا شیوہ ہے حرم زدگی انھیں سے صحبت
بندگی کیشوں سے پرخاش خدا کی قدرت

(۴)

وے جو آزردہ ہوں ٹک بھی تو منانے جاؤ مکث کر بیٹھ رہیں گھر تو بلانے جاؤ
الغرض کر کے ادھر سو سو بہانے جاؤ ان کو دریا پہ جو سن پاؤ نہانے جاؤ
ہم اگر خاک ملیں منھ پہ نہ بولو چالو
ہم اگر لوہو لگیں رونے تو ہنس کر ٹالو

(۵)

ان سے آزار دہی کی مری کنگائش ہے ہر دم ان سے مری خوں ریزی کی فرمائش ہے
ان کی دلجوئی ہے یا چہرے کی آرائش ہے فارغ ان دونوں سے ہوتے ہو تو آسائش ہے
دد دو دن مست مئے ناب پڑے سوتے ہو
رہتے ہو بے مزہ بیدار اگر ہوتے ہو

(۶)

خوبی رعنائی سے کم تجھ کو بہت فرصت ہے اپنی ترکیب بنانے سے کہاں مہلت ہے
چہرہ آرائی شب و روز ہے یہ صورت ہے شانہ و زلف گتھے رہتے ہیں یہ صحبت ہے
سرے سے آنکھ اٹھادے تو مرا رو دیکھے
آرسی چھوڑے تجھے تک تو ادھر تو دیکھے

(۷)

محو کس روز تجھے پہتے تھے رعنائی کا ذوق رہتا تھا تجھے کاہے کو خودرائی کا
کب کب آنچل رہے تھا ہاتھ میں اکلائی کا اتنا دل بستہ نہ تھا جامۂ زیبائی کا
سرخ سنجاف نہ لگتی تھی نہ ہوتے تھے چاک
خون سے عشق کے ماروں کے یہ دامن تھا پاک

(۸)

ایسے اوباشوں کی تقلید میں کب تھی تگ ودو تنگ چولی کے نہ رہتا تھا کبھی اتنا گرو
پاٹ دامن کے نہ ہوتے تھے ترے ساٹھ کے سو اب تو ہے قہر جو ڈھیلی ہو کر ایک بھی جو
درزی کا نپا ہی کرے ٹھیک نہ جب تک سی لے
کاڑھے ناکے میں سوئی کے کرے ٹانکے ڈھیلے

(۹)

خط بھی آیا پہ مری تیری صفائی نہ ہوئی کس گھڑی آن کے بیٹھے کہ لڑائی نہ ہوئی
اپنی سج دیکھنے سے تجھ کو رہائی نہ ہوئی اک بلا جی کی ہوئی تنگ قبائی نہ ہوئی
رک گئے دیکھتے دس جا سے ترے مونڈھے چپے
چولی مسکی ہوئی سب مہریوں میں پہنچے پھنسے

(۱۰)

بند لبے نہ کبھو اتنے بے جاتے تھے　　شانے پر ڈالے ہوئے لچھے سے کب آتے تھے
زہ سراسر نہ گریبان میں لگواتے تھے　　گھیر دامن کا بہت ہوتا تو گھبراتے تھے
اب تو پوشاک ہے کچھ تازہ نکالی تم نے
طرحداری کی طرح اور ہی ڈالی تم نے

(۱۱)

کن دنوں ساتھ کئی یار رکھا کرتے تھے　　کن شبھوں غیر سے یہ پیار رکھا کرتے تھے
کس گھڑی ہاتھ میں تلوار رکھا کرتے تھے　　کس کو یوں میری طرح مار رکھا کرتے تھے
میان سے اب تو لیے آٹھ پہر رہتے ہو
گھر سے جب نکلو ہو تب خون ہی کر رہتے ہو

(۱۲)

بال واں سنوریں ترے یاں مجھے جی ہی جنجال　　میں ملوں خاک میں منظور تجھے اپنی چال
ہو جگر داغ مرا منھ پہ بنے تیرے خال　　مہندی پاؤں سے لگے گل کے رہوں میں پامال
سرمہ آنکھوں میں جگہ تیری کرے شام و سحر
مطلق احوال مرا تجھ کو نہ ہو مدنظر

(۱۳)

تھیں فریب اگلی نگاہیں دے تمھاری بارے　　دامن و جیب پھٹے یاد میں ان کی سارے
شوق کے ہاتھ شب و روز سروں پر مارے　　چھاتیاں کوٹتے ہی کوٹتے آخر ہارے
روئے اتنا کہ جگر میں نہ رہی لوہو کی بوند
اب سماں وہ ہے کہ دیکھو گے لیاں آنکھیں موند

(۱۴)

تنگ اب حد سے زیادہ ہوئے ہیں یاد رہے　　بس بہت اب ترے اطوار سے ناشاد رہے
کب تک اس طور کوئی اے ستم ایجاد رہے　　دن کو بیداد رہے رات کو فریاد رہے
ہے قریب اب کہ ترے کوچے سے اٹھ کر جاویں
بے حمیت ہی ہمیں کہیو اگر پھر آویں

(۱۵)

اک طرف مر رہیں گے جاکے بھلا کیا کریے　　ہر زماں ہر کسو سے حال کہا کیا کریے
سر گریبان میں یوں ڈالے رہا کیا کریے　　میرؔ کے طور ترا شکوہ لکھا کیا کریے
جی نہ نکلا اگر اس میں تو کڑھا کریے گا
مرثیہ اپنا کہیں بیٹھے کہا کریے گا

○

رباعی

(۱)

کیسا احساں ہے خلق عالم کرنا پھر عالم ہستی میں مکرم کرنا
تھا کار کرم ہی اے کریم مطلق ناچیز کف خاک کو آدم کرنا

(۲)

دل جان جگر آہ جلائے کیا کیا درد و غم و آزار کھنچائے کیا کیا
ان آنکھوں نے کی ہے ترک مردم‌داری دیکھیں تو ہمیں عشق دکھائے کیا کیا

(۳)

شب ابر کہ پیشرو ہو دریا جس کا آیا دل داغ کر گیا جس‌تس کا
اس سے ناگاہ ایک بجلی چمکی کیا جانیے ان نے گھر جلایا کس کا

(۴)

ابرو سے مہ‌نو نے کہاں خم مارا ہونٹوں سے ترے لعل نے کب دم مارا
زلفوں کو تری ہم بھی پریشاں دیکھیں اک جمع کو ان دونوں نے برہم مارا

(۵)

حیرت ہے کہ ہو رقیب محرم تیرا ہمراز و انیس وقت و ہمدم تیرا
جوں عکس ترے سامنے اکثر وہ ہو جوں آئینہ منھ تکا کریں ہم تیرا

(٦)

محشر میں اگر یہ آتشیں دم ہوگا ہنگامہ سب اک لپٹ میں برہم ہوگا
تکلیف بہشت کاش مجھ کو نہ کریں ورنہ وہ باغ بھی جہنم ہوگا

(۷)

ہر روز نیا ایک تماشا دیکھا ہر کوچے میں سو جوان رعنا دیکھا
دلی تھی طلسمات کہ ہر جاگہ میرؔ ان آنکھوں سے ہم نے آہ کیا کیا دیکھا

(۸)

زانو پہ قد خم‌شدہ سر کو لایا جاے دنداں کو ہم نے خالی پایا
آنکھوں کی بصارت میں تفاوت آیا پیری نے عجب سماں ہمیں دکھلایا

(۹)

تاچند تکلف میر حیا سے ہوگا شائستۂ صدستم وفا سے ہوگا
کر ترک ملاقات بتاں کعبے چل ان سے ہوگا سو اب خدا سے ہوگا

(۱۰)

مسجد میں تو شیخ کو خروشاں دیکھا میخانے میں جوش بادہ نوشاں دیکھا
اک گوشۂ عافیت جہاں میں ہم نے دیکھا تو محلۂ خموشاں دیکھا

(۱۱)

کاہے کو کوئی خراب خواری ہوتا کاہے کو ہمیں یہ جان بھاری ہوتا
دلخواہ ملاپ ہوتا تو تو ملتے اے کاشکے عشق اختیاری ہوتا

(۱۲)

مت مال کسی کا یار تل کر رکھنا تو داؤ نہ یاں بہت سا جل کر رکھنا
آیا تو قمارخانۂ عشق میں تو سربازی ہے یاں قدم سنبھل کر رکھنا

(۱۳)

پھر عشق میں میر پاؤں دھرتا ہے گا جی اور منغض اپنا کرتا ہے گا
سب مل کے چلو بارے اسے سمجھاویں افسوس کہ وہ جوان مرتا ہے گا

(۱۴)

پیغمبر حق کہ حق دکھایا اس کا معراج ہے کمترین پایہ اس کا
سایہ جو اسے نہ تھا یہ باعث ہے گا کل حشر کو سب پہ ہوگا سایہ اس کا

(۱۵)

تیرا اے دل یہ غم فرو بھی ہوگا اندیشۂ رزق کم کبھو بھی ہوگا
کھانے کو دیا ہے آج حق نے تجھ کو کل بھی دیوے گا کل جو تو بھی ہوگا

(۱۶)

دل جن کے بجا ہیں ان کو آتی ہے خواب آرام خوش آتا ہے سہاتی ہے خواب
میں غم زدہ کیا اپنے دنوں کو روؤں میری تو جہاں شب ہوئی جاتی ہے خواب

(۱۷)

ہم میر برے اتنے ہیں وہ اتنا خوب متروک جہاں ہم ہیں وہ سب کا محبوب
ہم ممکن اسے وجوب کا ہے رتبہ ہے کچھ بھی مناسبت کا باہم اسلوب

(۱۸)

دل تجھ پہ جلے نہ کیونکے میرا بےتاب   یاں تجھ کو توقع ہے کہ لاتا ہے جواب
واں ان نے شراب پی کے مستی میں تیر   کر کھائے بھی نامہ بر کبوتر کے کباب

(۱۹)

دل خوں ہے جگر داغ ہے رخسار ہے زرد   حسرت سے گلے لگنے کی چھاتی میں ہے درد
تنہائی و بیکسی و صحراگردی   آنکھوں میں تمام آب منھ پر سب گرد

(۲۰)

طاعت میں جواں ہوتے تو کرتے تقصیر   وہ سر میں نشہ نہیں ہوئے ہیں اب پیر
اب کی روزوں میں یہ سنا ہے ہم نے   میخانے میں بیٹھے معتکف ہوکر میرؔ

(۲۱)

روئے کوئی کیا گئی جوانی یوں کر   جاتی ہے نسیم و گل کی نکہت جوں کر
پیری آندھی سی میرؔ ناگہ آئی   ہم برگ خزاں سے اس میں ٹھہریں کیوں کر

(۲۲)

اترا تھا غریبانہ کنارے آکر   لب خشک موا سو نورچشم حیدر
تر حلق دم آب سے اس کا نہ ہوا   اے آب فرات خاک تیرے سر پر

(۲۳)

ہم میرؔ سے کہتے ہیں نہ تو رویا کر   ہنس کھیل کے ٹک چین سے بھی سویا کر
پایا نہیں جانے کا وہ در نایاب   کڑھ کڑھ کے عبث جان کو مت کھویا کر

(۲۴)

ہرچند کہ طاعت میں ہوا ہے تو پیر   پر بات مری سن کہ نہیں بے تاثیر
تسبیح بہ کف پھرنے سے کیا کام چلے   منکے کی طرح دل نہ پھرے جب تک میرؔ

(۲۵)

اب صوم و صلوٰۃ سے بھی جی ہے بیزار   اب ورد وظائف سے کیا استغفار
عقدے نہ کھلے دل کے بسان تسبیح   اسماے الٰہی بھی پڑھے سو سو بار

(۲۶)

ہجراں میں کیا سب نے کنارہ آخر   اسباب گیا جینے کا سارا آخر
نے تاب رہی نہ صبر و یارا آخر   آخر کو ہوا کام ہمارا آخر

(۲۷)

میر اس کے ہوئے تھے ہم جو یار خاطر　　سو یاری بخت سے ہیں بار خاطر
دوں خاک میں آپ کو ملا کر اول　　آخر کو ہوئے ہیں یوں غبار خاطر

(۲۸)

اغلب ہے وہ غم کا بار کھینچے گا میر　　منھ دیکھو کہ شکل یار کھینچے گا میر
بیٹھا ہے بنانے اس کی چشم مے گوں　　نقاش بہت خمار کھینچے گا میر

(۲۹)

کہتا ہے یہ اپنی آنکھوں دیکھیں گے فقیر　　بینش نہیں رکھتے کیا جواں ہوں کیا پیر
اندھے ہیں جہاں کے لوگ سارے اے میر　　سوجھے نہ جسے اسے یہ کہتے ہیں بصیر

(۳۰)

کی حسن نے تجھ سے بے وفائی آخر　　خوبی نہ رہی نہ میرزائی آخر
رونق نہ رہی غبار خط سے منھ پر　　اس سبز قدم نے خاک اڑائی آخر

(۳۱)

جاناں نے ہمیں کبھو نہ جانا افسوس　　جو ہم نے کہا سو وہ نہ مانا افسوس
تب آنے میں دیر کی قیامت اب سو　　آیا نزدیک جی کا جانا افسوس

(۳۲)

پوچھو نہ کچھ اس بے سر و پا کی خواہش　　رکھتی نہیں حد اہل وفا کی خواہش
جاتے ہیں چلے جی ہی بتوں کی خاطر　　معلوم نہیں کیا ہے خدا کی خواہش

(۳۳)

اندیشۂ مرگ سے ہے سینہ سب ریش　　ٹکڑے ہے جگر جیسے لباس درویش
ہاتھوں سے جو آج ہو سکے کر لیجے　　پھر کل تو ہمیں ہے اک قیامت درپیش

(۳۴)

جاں سے ہے بدن لطیف و رو ہے نازک　　پاکیزہ تری طبع و خو ہے نازک
بلبل نے سمجھ کے کیا تجھے نسبت دی　　گل سے تو ہزار پردہ تو ہے نازک

(۳۵)

مستی نہ کر اے میر اگر ہے ادراک　　دامان بلند ابر نمط رکھ تو پاک
ہے عاریتی جامۂ ہستی تیرا　　ہشیار کہ اس پہ نہ پڑے گرد و خاک

(۳۶)

کیا میر کا مذکور کریں سب ہے جہل   پایا ہم نے اسے نہایت ہی سہل
ایسوں سے نہیں مزاج اپنا مانوس   وحشی بے طور بدزبان و نااہل

(۳۷)

گو میر کہ احوال نہایت ہے سقیم   کہتے ہیں اسے شافی و کافی و حکیم
وہ غیر کرم بندے کے حق میں نہ کرے   یہ بابت مکرمت ہے اللہ کریم

(۳۸)

اللہ کو زاہد جو طلب کرتے ہیں   ظاہر تقویٰ کو کس سبب کرتے ہیں
دکھلانے کو لوگوں کے دنوں کی ہے صلوٰۃ   پیش انجم نماز شب کرتے ہیں

(۳۹)

دن فکر دہن میں اس کے جاتا ہے ہمیں   کب آپ میں آکے کوئی پاتا ہے ہمیں
ہرگز وہ کمر وہم میں گذری نہ کبھو   رہ رہ کے یہی خیال آتا ہے ہمیں

(۴۰)

اندوہ کچھے عشق کے سارے دل میں   اب درد لگا رہنے ہمارے دل میں
کچھ حال نہیں رہا ہے دل میں اپنے   کیا جانیے وہ کیا ہے تمھارے دل میں

(۴۱)

کیا کیا ہیں سلوک بد فقط غم ہی نہیں   پھر ہم سے جنوں میں ضعف سے دم ہی نہیں
اک عمر چلی گئی جفائے شب و روز   اب وہ تو نہیں شام و سحر ہم ہی نہیں

(۴۲)

کچھ میر تکلف تو نہیں اپنے تئیں   ان روزوں نہیں پاتے کہیں اپنے تئیں
اب جی تو بہت تنگ آیا اے کاش   جاویں ہم چھوڑ کر یہیں اپنے تئیں

(۴۳)

ہم سے تو بتوں کی وہ حیا کی باتیں   وہ طرز کلام اس ادا کی باتیں
دیکھیں قرآں میں فال غیروں کے لیے   کیا ان سے کہیں یہ ہیں خدا کی باتیں

(۴۴)

کیا تم سے کہوں میر کہاں تک روؤں   روؤں تو زمیں سے آسماں تک روؤں
جوں ابر جہاں جہاں بھرا ہوں غم سے   شائستہ ہوں رونے کا جہاں تک روؤں

(۴۵)

ہیں گوکہ سبھی تمھاری پیاری باتیں پر جی سے نہ جائیں گی تمھاری باتیں
آنکھیں ہیں ادھر روے سخن اور طرف یاروں کی نظر میں ہیں یہ ساری باتیں

(۴۶)

گو روکش ہفتاد و دو ملت ہم ہیں مرآت بدن نماے وحدت ہم ہیں
بے اپنے نمود اس کی اتنی معلوم معنی محبوب ہے تو صورت ہم ہیں

(۴۷)

اب شہر کی گلیوں میں جو ہم ہوتے ہیں منھ خون جگر سے دم بدم دھوتے ہیں
یعنی کہ ہر اک جاے پہ جوں ابر بہار عالم عالم جہاں جہاں روتے ہیں

(۴۸)

اوقات لڑکپن کے گئے غفلت میں ایام جوانی کے کٹے عشرت میں
پیری میں جز افسوس کیا کیا جائے یک بارہ کمی ہی آگئی طاقت میں

(۴۹)

پردہ نہ اٹھاؤ بے حجابی نہ کرو ہووے گی قیامت اک شتابی نہ کرو
عالم عالم بسے ہے خلق عالم برباد نہ دو ابھی خرابی نہ کرو

(۵۰)

آب حیواں نہیں گوارا ہم کو کس گھاٹ محبت نے اتارا ہم کو
دریا دریا تھا شوق بوسہ لیکن جاں بخش لب یار نے مارا ہم کو

(۵۱)

میر اس سے ملے کہ جو ملا بھی نہ کبھو جی یوں ہی گیا وہ آ پھرا بھی نہ کبھو
چپ جس کے لیے لگ گئی ایسی ان کو ان نے کچھ زیر لب کہا بھی نہ کبھو

(۵۲)

تجھ رہ سے محال ہے اٹھانا مجھ کو پھر جنی کہے کوئی سیانا مجھ کو
سر میرا لگا ہے نقش پا سے تیرے سجدے کو خدا کے بھی بجانا مجھ کو

(۵۳)

ایسا نہ ہوا کہ ہم نے شادی کی ہو یا سیر بہار باغ و وادی کی ہو
پژمردہ کلی کے رنگ اس گلشن میں غالب ہے یہی کہ نامرادی کی ہو

(۵۴)

آئی نہ کبھو رسم تلطف تم کو کرتے نہ سنا ہم پہ تاسف تم کو
مرتے ہیں ہم اور منھ چھپاتے ہو تم ہم سے اب تک بھی ہے تکلف تم کو

(۵۵)

بس حرص و ہوا سے میر اب تم بھاگو غفلت کب تک کہے ہمارے لاگو
چلنے سے خبر دے ہے سفیدی مو کی ہونے آئی ہے صبح اب تو جاگو

(۵۶)

چپکے رہنا نہ میر دل میں ٹھانو بولو چالو کہا ہمارا مانو
یک حرف نہ کہہ سکوگے وقت رفتن چلنے کو زبان کے غنیمت جانو

(۵۷)

پرپیچ بہت ہے شکن زلف سیاہ وارفتہ نہ رہ اس کا دلا بے گہ و گاہ
دیوانگی کرنے کی جگہ بھی ٹک دیکھ جا ملتی ہے یہ کوچۂ زنجیر میں راہ

(۵۸)

دل غم سے ہوا گداز سارا اللہ غیرت نے ہمیں عشق کی مارا اللہ
ہے نسبت خاص تجھ سے ہر اک کے تئیں کہتے ہیں چنانچہ سب ہمارا اللہ

(۵۹)

حسن ظاہر بھی ہے ہمارا دلخواہ محو صورت بھی ہوں میں معنی آگاہ
باغ عالم کو چشم کم سے مت دیکھ کیا کیا ہیں رنگ یھاں بھی اللہ اللہ

(۶۰)

دامن عزلت کا اب لیا ہے میں نے دل مرگ سے آشنا کیا ہے میں نے
تھا چشمۂ آب زندگانی نزدیک پر خاک سے اس کو بھر دیا ہے میں نے

(۶۱)

اے تازہ نہال عاشقی کے مالی یہ تونے طرح ناز کی کیسی ڈالی
سب تجھ سے جہاں بھرا ہے تس کے اوپر دیکھیں ہیں کہ جاے ہے گی تیری خالی

(۶۲)

افسوس ہے عمر ہم نے یوں ہی کھوئی دل جس کو دیا ان نے نہ کی دلجوئی
جھنجھلا کے گلا چھری سے کاٹا آخر جھل ایسی بھی عشق میں کرے ہے کوئی

(۶۳)

بت‌خانے سے دل اپنے اٹھائے نہ گئے   کعبے کی طرف مزاج لائے نہ گئے
طور مسجد کو برہمن کیا جانے   یاں مدت عمر میں ہم آئے نہ گئے

(۶۴)

لو یار ستمگر نے لڑائی کی ہے   اک ہی تلوار میں صفائی کی ہے
اس کوچے کی راہ نعش میری جاوے   واں میر بہت میں نے گدائی کی ہے

(۶۵)

ملنا بلخواہ اب خیال اپنا ہے   جی تن میں رہا ہے سو وبال اپنا ہے
آزار بہت کھینچے ہیں اس بن دل نے   ہجراں ہی شاید کہ وصال اپنا ہے

(۶۶)

چپکا چپکا پھرا نہ کر تو غم سے   کیا حرف و سخن عیب ہے کچھ محرم سے
آخر کو رکے رہتے جنوں ہوتا ہے   اے میر کوئی بات کیا کر ہم سے

(۶۷)

کیا کہیے ادا بتوں سے کیا ہوتی ہے   جو دل زدگاں پہ یہ جفا ہوتی ہے
یہ کیا کہ سجود میں نہ دیکھا بگڑے   اک وقت نماز بھی قضا ہوتی ہے

(۶۸)

اب وقت عزیز کو تو یوں کھوؤ گے   پر سوچ کے غفلت کے تئیں روؤ گے
کیا خواب گراں پہ میل روز و شب ہے   جاگو ٹک میر پھر بہت سوؤ گے

(۶۹)

ہر لحظہ رلاتا ہے کڑھاتا ہے مجھے   ہر آن ستاتا ہے کھپاتا ہے مجھے
کل میں جو کہا رنج سے حاصل میرے   بولا ترا آزار خوش آتا ہے مجھے

(۷۰)

اے میر کہاں دل کو لگایا تونے   شکل اپنی بگاڑ کر کڑھایا تونے
جی میں نہ ترے حال نہ منہ پر کچھ رنگ   اپنا یہ حال کیا بنایا تونے

(۷۱)

دنیا میں بڑا روگ جو ہے الفت ہے   دق آگئے ہیں جی سے بھی یہ زحمت ہے
کہتے تھے کہ میر بے‌وفا ہم کو نہ جان   کی خوب وفا تم نے تمھیں رحمت ہے

(۷۲)

سن سوز دروں کو اس کے جلیے بھنیے ہر حرف پہ افسوس سے سر کو دھنیے
کیا کیا اب سانجھ سے کہے گا تا صبح آؤ تک میرؔ کی کہانی سنیے

(۷۳)

کیا کہیے خراب ہوتے ہم کیسے پھرے دیکھا یہ بھی کہ سب کی نظروں سے گرے
چپ ایسے ہیں گویا کہ نہیں منھ میں زباں جب نام ترا لیں تو زباں اپنی پھرے

(۷۴)

وصف اپنے دلوں کے کس سے کہیے سارے اس شوخ کی تمکیں نے تو جی ہی مارے
بالوں میں چھپا منھ نہ کبھو یوں پوچھا کہہ میرؔ گئی ہے رات کیوں کر بارے

(۷۵)

کیا میرؔ تجھے جان ہوئی تھی بھاری جو اس بت سنگ دل سے کی تھی یاری
بیمار بھلا کوئی بھی ہووے اس کا پرہیز کرے جس سے خدائی ساری

(۷۶)

درپیش ہے میرؔ راہ تجھ کو پیارے غفلت سے نہیں نگاہ تجھ کو پیارے
آتے ہیں نظر جاتے یہ سارے اسباب سوجھے گی کبھو بھی آہ تجھ کو پیارے

(۷۷)

راضی تک آپ کو رضا پر رکھیے مائل دل کو تک قضا پر رکھیے
بندوں سے تو کچھ کام نہ نکلا اے میرؔ سب کچھ موقوف اب خدا پر رکھیے

(۷۸)

کچھ خواب سی ہے میرؔ یہ صحبت داری اٹھ جائیں گے یہ بیٹھے ہوئے یک باری
کیا آنکھوں کو کھولا ہے تنک کانوں کو کھول افسانہ ہے پل مارتے مجلس ساری

(۷۹)

دل خون ہوا ضبط ہی کرتے کرتے ہم ہو ہی چکے دکھوں کو بھرتے بھرتے
اے مایۂ زندگی ستم ہے نہ اگر بھر آنکھ تجھے دیکھیں نہ مرتے مرتے

(۸۰)

کیا کوفت تھی دل کے لخت کوٹے نکلے ٹکڑے جو ہوئے جگر کے ٹوٹے نکلے
چھاتی جو پھٹی ندان جلتے جلتے اس میں کے پھپھولے سارے پھوٹے نکلے

(۸۱)

تم تو اے مہرباں انوٹھے نکلے جب آن کے پاس بیٹھے روٹھے نکلے
کیا کہیے وفا ایک بھی وعدہ نہ کیا سچ یہ ہے کہ تم بہت ہی جھوٹھے نکلے

(۸۲)

کیا کیا اے عاشق ستایا تونے کیسا کیسا ہمیں کھپایا تونے
اول کے سلوک میں کہیں کا نہ رکھا آخر کو ٹھکانے ہی لگایا تونے

(۸۳)

حیرت کی یہ معرکے کی جا ہے بارے کیا پوچھتے ہو مرتے ہیں عاشق سارے
مشہور ہے عشق نے لڑائی ماری اس پر کہ گئے لوگ سب اس کے مارے

(۸۴)

ملیے اس شخص سے جو آدم ہووے ناز اس کو کمال پر بہت کم ہووے
ہو گرم سخن تو گرد آوے یک خلق خاموش رہے تو ایک عالم ہووے

(۸۵)

ہر صبح غموں میں شام کی ہے ہم نے خونابہ کشی مدام کی ہے ہم نے
یہ مہلت کم کہ جس کو کہتے ہیں عمر مر مر کے غرض تمام کی ہے ہم نے

(۸۶)

مدت کے جو بعد جی بحال آتا ہے خاطر پہ جہاں جہاں ملال آتا ہے
وے دوں گئے جان یوں چلی جاتی ہے آہ رہ رہ کے ہمیں یہی خیال آتا ہے

(۸۷)

اتنے بھی نہ ہم خراب ہوتے رہتے کاہے کو غم و الم سے روتے رہتے
سب خواب عدم سے چونکنے کے ہیں وبال بہتر تھا یہی کہ دو ہیں سوتے رہتے

(۸۸)

ہر صبح مرے سر پہ قیامت گذری ہر شام نئی ایک مصیبت گذری
پامال کدورت ہی رہا یاں دن رات یوں خاک میں ملتے مجھ کو مدت گذری

(۸۹)

تسبیح کو مدتوں سنبھالا ہم نے خرقہ برسوں گلے میں ڈالا ہم نے
اب آخر عمر میرؔ مے کی خاطر سجادہ گرو رکھنے نکالا ہم نے

(۹۰)

حاصل نہیں دنیا سے بجز دل ریشی   رکھتی نہیں اعتبار یاری خویشی
توفیق رفیق ہو تو سب کرکے ترک   ہے جی میں کہ یک چند کریں درویشی

(۹۱)

ہرچند کہ اے مہ اب تمامی ہے گی   پر ہم جو گلہ کریں تو خامی ہے گی
بندے ہیں ترے کیونکے کریں سرتابی   خدمت تیری ہمیں غلامی ہے گی

(۹۲)

وہ عہد گیا کہ جور اس کے سہیے   وہ بات نہیں رہی کہ چپکے رہیے
جب جی ہی چلا میر تو صرفہ کیا ہے   بےصرفہ جو کچھ کہ منھ میں آئے کہیے

(۹۳)

جس وقت شروع یہ حکایت ہوگی   رنجیدگی یک دگر نہایت ہوگی
احوال وفا کا اپنے ہرگز مجھ سے   مت پوچھ کہ کہنے میں شکایت ہوگی

(۹۴)

گذرا یہ کہ شکوہ و شکایت کیجے   یا آگے سخن اور حکایت کیجے
خوب اتنی تو مجھ پر اب رعایت کیجے   دل میرا مرے تئیں عنایت کیجے

(۹۵)

اک مرتبہ دل پہ اضطرابی آئی   یعنی کہ اجل میری شتابی آئی
بکھرا جاتا ہے ناتوانی سے جی   عاشق نہ ہوئے کہ اک خرابی آئی

(۹۶)

اک وقت تھے ہم بھی خوش معاشی کرتے   ہر نالے سے اپنے دل خراشی کرتے
آتے جو کبھو ادھر کو سنتے اس کو   ہم گریے سے اپنے آبپاشی کرتے

(۹۷)

یکسو یہ کہ عیش و کامرانی کرتے   یا خوب طرح سے زندگانی کرتے
سگ کا نہ ہوا ہمیں تو رتبہ حاصل   تا کوچے کی اس کے پاسبانی کرتے

(۹۸)

کیا کریے بیاں مصیبت اپنی پیارے   دن عمر کے میرے غم میں گذرے سارے
رنج و ضعف و بلا ازیت محنت   جیا ہی نہ میں تو ان دکھوں کے مارے

(۹۹)

جس روز کہ ہم جائیں گے اس عالم سے
یاروں کو کدورتیں ہیں اب تو ہم سے
اس بزم کی رونق تھی ہمارے دم سے
اس روز کھلے گی صاف سب پر یہ بات

(۱۰۰)

بے پیچ ہر اک بات پہ لڑ بھی بیٹھے
کوچے میں ترے آن کے اڑ بھی بیٹھے
سو سو طرحوں سے ہم بگڑ بھی بیٹھے
حاصل کہ ہماری تیری ہرگز نہ بنی

(۱۰۱)

بن آوے تو اندیشۂ پیری کریے
کو عمر کہ اب فکر امیری کریے
یعنی کہ کوئی روز فقیری کریے
آگے مرنے سے خاک ہو جے اے میر

(۱۰۲)

رہتے تھے گلے ہزار نیچے لب کے
ہیں قید قفس میں تنگ یوں تو کب کے
ہے جان کو بے کلی نہایت اب کے
اس موسم گل میں میر دیکھیں کیا ہو

(۱۰۳)

بے صرفہ کسو وقت حکایت نہ سنی
رنجش کی کوئی اس کی روایت نہ سنی
ہم نے اس سے کبھو شکایت نہ سنی
تھا میر عجب فقیر صابر شاکر

(۱۰۴)[1]

آشوب بلا آنکھوں دکھائے تو نے
طوفان اے میر شب اٹھائے تو نے
یہ دو دریا کہاں سے پائے تو نے
رونے سے ترے رو سی چلی آئی ایک

○

(۱) نسخۂ کتب خانۂ ادبیاتِ اردو، حیدرآباد

رباعی مستزاد

(۱)

دلی میں بہت سخت کی اب کے گذران   دل کو کر سنگ
عزت نہ رہی عاقبت کار نہ شان   کھینچا یہ ننگ
یاروں میں نہ تھا کوئی مروت جو کرے   اوجڑ تھے گھر
تا مدنظر صاف پڑے تھے میدان   عرصہ تھا تنگ

(۲)

تک میرؔ زمانے سے نہ کر قال و مقال   بس اب چپ رہ
ہرچند خموشی ہے سخن گو کو وبال   ایذا ہی سہ
ایسا نہیں یہ قصۂ کاہش افزا   جو ہو آخر
اٹھ سوئیے ہو چکا ہے پچھلوں کا حال   آگے مت کہہ

(۳)

ہستی کہ یہ ہنگامہ تمام اس کا ہے   اب تو ہے وبال
شہرت کہ جو اب جہاں جہاں ہر جا ہے   سو وہم و خیال
جھوکے میں اڑے باد فنا کے جب اب   تب ہیچ ہے سب
پھر نام سوا جہاں میں رہتا کیا ہے   عنقا کی مثال

(۴)

منعم جو نبھی تری بناتے گھر در   تھا عہد شباب
پیری میں بنا وہم پہ رکھنا اکثر   ہے کچھ بھی حساب
اب جی ہے لگا ضعف سے ڈھہنے تیرا   یہ کیا ہے خیال
طاقت صرف عمارت دل ہی کر   اے خانہ خراب

(۵)

تاچند غم دل سے حکایت کریے   ہو ہو کر تنگ
کس کس سے شب و روز شکایت کریے   آتا ہے ننگ
سختی کوئی اے صنم کہاں تک کھینچے   ہے جی میں کہ اب
ہو نالہ ترے دل میں سرایت کریے   پر تو ہے سنگ

(۶)

کیا کیا آتی ہے اپنے جی میں لیکن　　کیا کہیے کہ آہ
محراب میں سر ماریے کب تک تجھ بن　　غم ہے جانکاہ
تو مست گذارہ ہووے غیروں کی جا　　چھپ چھپ کر رات
ہم پھیرتے تسبیح پھریں سارے دن　　سبحان اللہ

○

قطعه

در تعریف اسپ وزیر زماں آصف دوراں نواب آصف الدولہ بہادر

وزیر زماں نے لیا ایک اسپ کہ ہے رشک گلگون باد بہار
نظر پوست سے اس کے آتا ہے خوں کیا جلد پر اس کے گل کو نثار
اڑا کر اسے بارہا سیر کی نہ نکلا کبھو ابلق روزگار
کروں اس کی کیا تیزگامی کی شرح ہرن اس پہ شمشیر سے ہو شکار
ٹک اک کسمساوے جو راکب تو پھر نہیں اس کو رانوں میں ہرگز قرار
جہاں باگ اچک جائے محبوب کی عنان دل اس کے ہے پھر اختیار
کرے عزم ابد کا ازل سے اگر وہ جاں باز جو اس پہ ہووے سوار
کہے اس کو ٹک چھیڑ لے کر کہ ہاں تو یہ بادپا کرے یوں گذار
کہ پہلے قدم گرد جو اٹھ چلے نہ پھرنے تک اس کے وہ بیٹھے غبار

غرض اسپ ہے یا اچنبھا ہے میرؔ
رہیں زیر راں اس کے ایسے ہزار

در ہجو خواجہ سرائے

ایک جو خوجے سے ملا اک حکیم — دونوں وے آپس میں ہوئے ہم کلام
خوجے نے یوں اس سے کہا تجھ سے ہی — مردے حکیموں کا ہوا زندہ نام
کتنے دنوں سے ہے مجھے درد سر — اس کی میں پامالی میں ہوں صبح و شام
نیند نہیں رات کو نے دن کو چین — خواب و خورش مجھ پہ ہوئی ہے حرام
تیری توجہ ہے ضروری ادھر — کیوں کہ یہ ناکام کا ہے اتنا کام
کہنے لگا سن کے وہ حاذق طبیب — مجھ کو یہی کام رہے ہے مدام
تیرے تملق کی نہیں احتیاج — اور نہ دے درد سر اے تلخ کام
نسخہ میں پاشوئے کا لکھ دوں تجھے — کر تو اسے جا کے اذیت تمام
سن کے تعجب سے کہا خوجے نے — پختہ تجھے جانا تھا نکلا تو خام
کچھ بھی ہے سر پاؤں تری بات کا — چپ نہ ہنسیں سن کے کہیں خاص و عام
پاؤں کہاں سر کہاں ناداں کہ ہیں — تجھ سے تو دانا بہ مراتب عوام
سخت تر آشفتہ ہو بولا طبیب — خوجوں میں ہوتا نہیں ہوش ایک دام
نقل ہے اک یاد چنانچہ مجھے — رات کو خوجے کو ہوا احتلام
آلت جنبش تو منی کی نہ تھی — بہہ کے گئی اس کی دبر پر تمام
اس کو کہا زعم نے لوطی کوئی — دے گیا تکلیف ہی یہ لاکلام
صبح کو اٹھ قینچی کھڑی گھر میں کی — کیا کہوں میں کیسی ہوئی دھوم دھام
ٹھہرے امین آ کے کئی معتبر — ایک حویلی میں ہوا ازدحام
بانس تلک ٹوٹ چکے نفروں پر — پوچھ چکے لوگوں کا لے لے کے نام
نسبت پا سر سے ہے کیا پوچھ مت — اپنی طرف دیکھ تو تک تیرہ فام
خوجے کے اپنے ہی سے کر لے قیاس — ریش کجا خایہ کجا اے غلام

سمجھے نہ سمجھے تو مرے خائے سے
میں تو نظیر اس کی کہی والسلام

○

ترکیب بند

(۱)

(۱)

میری تو بساط چشم تر ہے　　سو نذر ہے اس پہ گر نظر ہے
اس دشت میں زندہ ہوں میں جس میں　　ہر گام پہ جان کا خطر ہے
گرمی تو کر اے صنم کہ آخر　　پتھر کے جگر میں بھی شرر ہے
پیری میں بھی بوجھ تک نہ پکڑا　　زاہد تو تو ہنوز خر ہے
مرتا ہوں جو میں تو عیب مت کر　　عاشق میں تو ایک یہ ہنر ہے
کیا ہوتا ہے قتل کہ میں دیکھیں　　تیری شمشیر میرا سر ہے
کہہ تو ہی کہاں تلک کریں صبر　　ہم ہیں دشنہ ہے اور جگر ہے
آنے سے ڈرو نہ دل میں میرے　　خوباں یہ تو تمھارا گھر ہے
لبریز گلہ ہوں گرچہ لیکن　　ہونٹوں پہ نہ حرف کا اثر ہے

چپ ہوں گویا ہوں بے زباں میں
رکھتا ہوں عجب لب و دہاں میں

(۲)

تقصیر ہے بوالہوس کی اور مفت　　مارا جاتا ہوں درمیاں میں
اکسا بھی نہ تیغ کھا کے بارے　　فارغ ہوا دے کے امتحاں میں
اے طفل کہے گا بعد میرے　　مارا کاہے کو یہ جواں میں
ہوں میں تو چراغ اخیر شب کا　　کوئی دم کا ہوں میہماں میں
دل سوزی مری کر اے صبا ٹک　　ہونے تئیں صبح کے کہاں میں
رونے ہی کو روتا ہے گا ناصح　　پھرتا ہوں ڈبائے خانماں میں
کوئی نہیں شہر غم میں میرا　　بے چارہ غریب ہوں گا یاں میں
غم کہہ کے رلاتا ہوں میں سب کو　　تجھ غم میں ہوا ہوں روضہ خواں میں

پائی نہ وفا کسی میں دیکھا غربال تمام کر جہاں میں
بارے میں یہ سب دیار دیکھا
ہر کوچے کو بار بار دیکھا

(۳)

شب ہی عالم میں ہوگئی تھی اپنے دل کا غبار دیکھا
آنکھیں گئیں روتے روتے لیکن تو نے نہ ادھر کو یار دیکھا
اب وعدہ نہ کر زیادہ بس ہم جاناں ترا اعتبار دیکھا
کہتے تھے یہ ہم نہ کر تمنا اے جان امیدوار دیکھا
دامن میں گرا ہو ٹکڑے ٹکڑے ہم نے جی کو فگار دیکھا
آنکھوں سے اٹھایا آبلوں کے صحرا میں جدھر کو خار دیکھا
پوچھا نہ ہمارے بعد ہم کو یارو یہ جہاں کا پیار دیکھا
مدت تئیں دید کر جہاں کا طرز و وضع و شعار دیکھا
دیکھا تو ملا نہ کوئی ہم فن
دیکھے یہاں شیخ اور برہمن

(۴)

عقل اول کو اک سنا تھا نکلا سو معارضے میں کودن
آنکھوں میں ٹھہر رہے ہیں آنسو ہونٹوں پہ دھرا رہے ہے شیون
شیوہ ہے ہمارا نالہ کرنا یاں سے کچھ سیکھ مرغ گلشن
تجھ بن نہیں سانس اور کچھ ہے چبھتا ہے جگر میں ہو کے سوزن
اے برق ادھر نہ آ ہمارے ہر خوشے میں شعلوں کے ہیں خرمن
ہم وے ہیں کہ باغ کر دکھائیں اشک گل گوں سے طرف دامن
سختی ایام کی جو کہیے ہوویں ابھی موم سنگ و آہن
کیا تجھ سے سپہ گری جتاویں گر خود و زرہ نہ ہو نہ جوشن
مجروح یہ ہیں گے ہم جو اڑ جائیں بھاگے ابھی جان لے تہمتن
ایسے تو ہیں پر وفا میں ویسے
خوباں تم ہو جفا میں جیسے

(۵)

پھر جاتے ہیں غیر اس سے ملنے　　آتے نہیں باز ایسے تیسے
ہم رستم عشق ہیں گے کیونکر　　منہ موڑیں ہزار پانڈے[1] سے
سرکش نہ ہو زیر چرخ ان نے　　پامال کیے ہیں کیے کیسے
ہے بندہ نواز ظلم مجھ پر　　ہم نالہ نہ کر تو مجھ کو نے سے
گو موم دے خنک ہو مجھ سے　　دل گرمی ہے مجھ کو زور ے سے
ٹک دیکھ فلک نے شاہ خوباں　　کیا کچھ کیا خاندان کے سے
سر بیچے سو عشق میں رکھے پا　　واقف نہیں دل تو یاں کی رے سے
ہاتھوں میں مرے ہیں داغ خوباں　　کہتے ہیں کہ اس کنے ہیں پیسے
کیا تجھ سے کہوں معاش اپنی　　بارے گذرے ہے جیسے تیسے

رہتا ہے غرض ہمیشہ سودا
کوچہ کوچہ ہوا ہوں رسوا

(۶)

وہ تشنہ دہن ہوں دل جلا ہوں　　لب چشں جس کا نہ ہووے دریا
کہتے ہو جسے فلک ہوا ہے　　میرے ہی غبار دل سے پیدا
کھلتا تو سہی کبھی بلا سے　　دل میرا ہی کاش غنچہ ہوتا
اب جان سے جانا آرہا ہے　　موقوف اشارۂ تقاضا
ہو جس کی خراب عاقبت بھی　　وہ میں ہوں کہ دین ہے نہ دنیا
میں ہوں کہ سرآمد جنوں ہوں　　مجنوں کو خلیفہ میں کیا تھا
وہ خستہ ہوں میں ہی جس کو کہیے　　رونق افزاے کوہ و صحرا
یہ کچھ جو کہہ گیا بتاں میں　　خاطر میں تمھاری بھی کچھ آیا
یا یوں ہی بکا میں کچھ تو بولو　　خواہاں ہو تو خامشی ہے یہ کیا
سودا نہیں کچھ وگرنہ مجھ کو　　کرتا ہے کوئی زیان جی کا

گر اتنے پہ دل برا ہے میرا
موقوف کرو .:ا ہے میرا

---

1. پانچ سو

(۷)

تم کو تو ہے کیا مرے ملے سے   پر اس میں بتاں بھلا ہے میرا
مرنے سے ذرا نہ مجھ کو قاتل   جی دینا تو مدعا ہے میرا
زنہار حنا کہ اس کے پا پر   مدت سے یہ سر لگا ہے میرا
سودا بہ رضا ہے مل ہر اک سے   لگتا صنم اس میں کیا ہے میرا
یک نیم نگہ سے مول لے چک   ٹک دیکھ کہ یہ بہا ہے میرا
میں ہوں کہ ہلاہل الم سے   کٹ کٹ کے جگر گرا ہے میرا
جاؤ کہ رہو یہ جی جفا سے   کچھ ہو شیوہ وفا ہے میرا
کاکل کو نہ کھول الجھنے کو   دل زور ہی منچلا ہے میرا
جوں توں کر کے طپش سے شب کو   مژگاں پہ جگر رہا ہے میرا

کل تک تو مرا یہ دل بجا تھا
اپنا دلخواہ مدعا تھا

(۸)

تھے جن و ملک جلو میں میری   اقبال مرا کوئی بلا تھا
تھا روے زمیں پہ شاد و خرم   کیا جانوں فلک کے جی میں کیا تھا
ایسا ہی نہ تھا بتو میں آگے   آخر کوئی میرا بھی خدا تھا
ہوتے جو شہید یک تمنا   سو سو طرفوں سے خوں بہا تھا
اک روز چنانچہ ہول دل سے   اندوہ تنک مجھے ہوا تھا
لوہو دیا اپنا دوستوں نے   جس جاگہ مرا عرق گرا تھا
ہوں اب جو بلا میں مبتلا میں   بیگانہ ہے جو کہ آشنا تھا

یہ رنج و بلا و درد و محنت
اے واے حواس و صبر و طاقت

(۹)

ایدھر بھی کبھو ٹک ایک چشمک   ہم سے بھی ضرور ہے مروت
مت فرصت وقت سے ہو غافل   آخر کو نہ کھینچے تا خجالت
ہر آن میں اپنی تربیت کر   دیتا ہے زمانہ کس کو فرصت

غیروں کے رہوگے دیر تک تم   ہم کو تو سویرے کرکے رخصت
کیا تم سے کہیں سلوک ہجراں   دل میں نہ رکھی ہمارے حسرت
قطرہ تو ہے پر نہ ہاتھ اٹھاؤ   دریا کو کرے ہے یہ کفایت
خالی دل پر کو ہم بھی کرتے   افسوس نہ دی اجل نے فرصت
بس میرا ہو تو کروں منادی   کوئی نہ کرے کہیں محبت
گردن ماریں شتابی اس کو
رکھے جو کسی سے میرؔ الفت

○

(۲)

(۱)

عمر گذری ہوچکا آسودگی کا روزگار　　رنج و محنت کے تئیں آرام سے ہے ننگ و عار
معرکہ ہے یک طرف دونوں ہوئے ہیں سامنے　　زخم دل کی یہ ہنسی وہ گریۂ بے اختیار
مجملہ ہے گھ رہے یک طرف ہیں کتنے جو یہ　　صبر سے بے طاقتی دل اور درد بے شمار
عاشقی جب کی تھی میں نے تب نہ تھیں یہ خواریاں　　کیا کہوں کیا کچھ دکھاتا ہے مجھے اب ہجر یار
سینہ دیکھو چاک منہ ناخن سے سب نوچا ہوا　　آنکھیں دیکھو ڈوبی خوں میں جی کو دیکھو بے قرار

اے کہ گفتی عشق را درماں بہ ہجراں کردہ اند
کاش می گفتی کہ ہجراں را چہ درماں کردہ اند

(۲)

اک کنارے دے تو جو ہیں گے زمیں کے زیر یاں　　خاک پر بسمل پڑے ہیں کیسے کیسے شیر یاں
دو قدم پر ہے یہ ہنگامہ ترے کوچے کے بیچ　　آ شتابی کچھ نہیں لگنے کی تجھ کو دیر یاں
منہ پہ کھانے والے تلواروں کے بھوکے موت کے　　سینکڑوں یک جا ہیں وے جینے سے تھے جو سیر یاں
دھڑ نہیں سر ہی پڑا ہے سر نہیں تو دھڑ ہی ہے　　ہیں زیارت کردنی صد کشتۂ شمشیر یاں
غم زدے بے خانماں بے وارثے بیکس غریب　　زخموں کے دامن لے منہ پر ہو رہے ہیں ڈھیریاں

گر تو ہم آئی پئے طوف شہیداں دور نیست
گریہ می آید دریں جا راہ چنداں دور نیست

(۳)

لے لپیٹ ایک آن میں دحشت سے یہ سارا جہاں　　خاک اڑا ہر ایک دم میں کارواں در کارواں
تیرہ کر عالم کو رہ سرمایۂ گرد و غبار　　چشم ما روشن تو ہو آوارۂ کون و مکاں
یمن بخشے طے کیا کرتا زمیں کا تیرے تیں　　کھینچا سر کا مبارک ہو تجھے تا آسماں
لیکن اتنا بھی برآشفتہ نہ ہوجانا کہیں　　پیش رو رکھتے ہیں سارے خاطر واماندگاں

سو خدا ناکردہ ہم کہتے نہیں اس راہ سے   کوئی دم وقفہ کرے یا دیر ہووے تجھ کو یاں
یک قدم اے گردباد دامن صحرا بایست
در قفا ماندہ‌ست مشت خاک ما تنہا بایست

(۴)

گرچہ ہجراں میں ترے جاتا تھا جی میرا چلا   پر یہ تھا دل میں کہ شاید دیوے تو داد وفا
وصل خاطرخواہ تو معلوم تھا میرے تئیں   آس دل کو لگ رہی تھی جب تلک تھا میں جدا
گاہ باشد رحم کو بھی کام فرماوے وہ شوخ   دیکھ مجھ ناکام کو یک دم کرے ترک جفا
ایک ساعت پاس بیٹھے درد دل میرا سنے   کرکے غم‌خواری کہے یہ تیرے تیں کیا ہوگیا
سو تو یہ سب ہوچکا اے کاشکے ملتا نہ تو   ایسے آجانے کا تیرے کون یاں مشتاق تھا
آمدی و حسرت وصل از دلم برداشتی
حسرتے بود از وصال آں ہم بہ من نگذاشتی

(۵)

ہیں خرابے آج جتنے کل یہ تھے لوگوں کے گھر   مت بنائے خانہ میں منعم رہا کر اس قدر
طاق کسریٰ تو سنا ہوگا کہ کیسا تھا محل   اب کہیں اس طاق کا کسریٰ کے پیدا ہے اثر
گھر کا صاحب تو اڑایا کرکے یکساں خاک سے   اینٹ مارے اینٹ سے یہ کچھ ہوا اس گھر اپر
خط باطل سے لکھا ہے صفحۂ کون و مکاں   کیوں دماغ اپنا جلاتا ہے رہے ہے تو کدھر
کیسے کیسے خانوادے خاک میں یاں مل گئے   جاے عبرت ہے یہ معمورہ جہاں کا بےخبر
ہرکجا افتادہ بینی خشت در ویرانہ اے
ہست فرد دفتر احوال صاحب‌خانہ اے

(۶)

کم بہت سننے میں آتا ہے کوئی رنجور ہے   یا کسی مجروح کا زخم جگر ناسور ہے
روشنی آنکھوں کی ہے منظور ساری خلق کو   قوت دل کا جدھر دیکھو تدھر مذکور ہے
ہم کنے بھی تھے یہ دو آتش کے پرکالے کبھو   ان سے ہم ایذا جو کھینچی ہے کسے مقدور ہے
ایک نے مارا چھڑک کر جی سے ہم کو آب داغ   ایک نے جیسا جلایا اب تلک مشہور ہے
ہم کو حیرانی ہے اس میں جس کو سنتے ہیں اسے   ان ہی دونوں آفتوں کی پرورش منظور ہے

ما سرشک گرم و آہ آتشیں دیدیم و بس
بہرہ اے کز چشم و دل دیدیم ایں دیدیم و بس

(۷)

دل نہیں مجھ کو ملا یہ کوئی جی کا ہے وبال
گفتنی ہو تو کہوں اے میر میں کچھ اس کا حال

خودبخود گھٹتا ہی جاہے آرزو کیا ہے اسے
چاہتا ہے سیم و زر یا کوئی دلبر خوش جمال

یاد میں میری ہوا ہو کچھ سبب تو ہے بجا
عشق بازی مفلسی آزردگی رنج و ملال

نے کسو کے گیسو و کاکل کا وابستہ ہوں میں
نے کسی کے چاند سے مکھڑے کا مجھ کو ہے خیال

کیا کروں ایذاے بےموجب غرض تجھ سے بیاں
نے غم و درد جدائی ہے نہ اندوہ وصال

عیستم عاشق بظاہر لیک می کاہد دلم
عمر بگذشت و نمی دانم چہ می خواہد دلم

○

تضمین

تضمین در مخمس (۱)

(۱)

کیا کہوں مجھ پہ جو گذرے ہے جفاکاری دل   درپئے دشمنی جاں ہے یہی یاری دل
ایک شب ہو تو کروں شرح غم و زاری دل   دوستاں چند کنم نالہ ز بیماری دل
کس گرفتار مبادا بہ گرفتاری دل

(۲)

آتی ہے ایک نہایت ہی جگرسوز صدا   یعنی پھر رات سے چھاتی میں مری درد اٹھا
مہر خاموشی جو لب پر ہے مرے اس پہ نہ جا   اے کہ بر زاری دل می کنی انکار بیا
گوش بر سینۂ من نہ بشنو زاری دل

(۳)

آہ مت پوچھ کہ کیوں ٹپکے ہے ان آنکھوں سے خوں   ایسے قضیے سے چکوں کاش کہیں مر بھی چکوں
میں مصیبت زدہ حیران ہوں کیا فکر کروں   صبر و آرام یکے نیست ازیں ہردو کنوں
کہ دریں واقعۂ صعب کند یاری دل

(۴)

سیل سی پار گذر جاتی تھی آہ سحری   اس لیے جان پہ میں کی ہے یہ بیدادگری
ہو سو ہو اس کو ہنر جانیے یا بےہنری   گر ہمہ نیزہ ببارد کہ من از بےسپری
دادم اکنوں جگرے را بہ سپرداری دل

(۵)

نل دمن لیلی و مجنوں یہ جو ہیں مثنویاں   ایک مدت رہی ہیں میرے تئیں نوک زباں
خود بہ خود کی یہ جگرخواری و بےتابی کہاں   خواندہ‌ام قصۂ عشاق بسے نیست دراں
جز جفاکاری دلدار و وفاداری دل

(۶)

یاں چلے گر کوئی آنکھوں سے بھی تا پا چہ رسد　　مذہب عشق میں لازم ہے اسے کرنا حد
جیتے جی میں تو نہ جاؤں گا عبث مت کر کد　　کوے تو منزل دل ہاست کے چوں گذرد
کہ نباید بہ زمیں پاے ز بسیاری دل

(۷)

میرؔ اس دل سے ستم لوگوں پہ کیا کیا نہ ہوا　　کوئی آوارہ کوئی خستہ کوئی جی سے گیا
آؤ خاموش ہو کوئی نہیں ہمدرد ترا　　عمر باشد کہ نشاں نیست ز جاے پیدا
کہ کند با تو دمے شرح دل آزاری دل

○

تضمین در مخمس (۲)

(۱)

بیخودانہ ہیں کئی حرف زباں پر کر گوش   آج کہتا ہوں کہ ہے خم کدۂ دل میں جوش
پاے رفتن تو نہ تھے لیک مجھے تھا کچھ ہوش   سرخوش از کوے خرابات گذر کردم دوش
بہ طلبگاری ترسا بچۂ بادہ فروش

(۲)

ہوش و صبر و خرد و دین گئے یہ سارے   میں تھا سو مجھ میں بھی کچھ تھا نہ ستم کے مارے
بعد یک چشم زدن پھر جو میں دیکھا بارے   پیشم آمد بہ سر کوچہ پری رخسارے
کافرے عشوہ گرے زلف چو زنار بدوش

(۳)

ایک ساعت تو رہا محو نشست و برخاست   بارے پھر ٹھہر گیا دل بھی مرا بے کم و کاست
درمیاں جس گھڑی آئے سخن راست بہ راست   گفتم ایں کوچہ چہ کویست و ترا خانہ کجاست
اے مہ نو خم ابروے ترا حلقہ بگوش

(۴)

تار اس دشمن ایمان کی زلفوں کے کمند   پارسائی کو میں صد جان سے واں پایا بند
آنکھیں سختی سے دکھا مجھ کو بہ آواز بلند   گفت تسبیح بخاک افگن و زنار بہ بند
سنگ بر سینۂ تقویٰ زن و پیمانہ بنوش

(۵)

رہیو ہشیار کہ ہے ضعف سے بیگانہ طلب   قوت پا ہی تلک رکھتی ہے یارانہ طلب
جا کے کر پیر مغاں سے کوئی خم خانہ طلب   توبہ یک سو بنہ و ساغر مستانہ طلب
خرقہ بیروں فگن و کسوت رندانہ بپوش

(٦)

بسکہ نقاد ہیں یاں کھوٹے ہیں سب تیرے کھرے   قابل خدمت مستاں نہیں تو رہیو پرے
پہلے یہ باتیں ہیں ان پر تو عمل کر لے ارے   بعد ازاں سوے من آ تا بتو گویم خبرے
راہ بنمایم اگر بر سخنم داری گوش

(٧)

مجھ کو بھڑکا کے چلا واں سے وہ کافر سرکش   پاؤں سے لے کے گئی سرتئیں جلتی آتش
ہاتھ سے جاتا ہی تھا گو تھی مجھے حالت غش   من برافتادہ بیہودہ دویدم بہ پیش
تا رسیدم بہ مقامے کہ نہ دیں ماند و نہ ہوش

(٨)

جاے بے خدشۂ غیرے کہ نہ تھا غیر نمود   خط باطل سے لکھا دیکھا ہے واں صفحۂ بود
تو بھی واں ہو تو یہی منھ سے نکل جاوے زود   محو گشت از ورق کون و مکاں حرف وجود
نہ پری ماند و نہ آدم نہ طیور و نہ وحوش

(٩)

بے خود و بے خبر و مست مئے صاف الست   آتش مے سے برافروختہ کچھ بادہ پرست
یک دگر پاؤں کی لغزش کے سبب دست بدست   دیدم از دور گروہے ہمہ دیوانہ و مست
از تف بادۂ شوق آمدہ در جوش و خروش

(١٠)

گرچہ ظاہر تھا خراب ان کا دلے سب معمور   کاسۂ سر سے ہوئے پھرتے تھے سارے فغفور
بے لباس طرب و جامۂ اندوہ سے عور   بے دف و مطرب و ساقی ہمہ در عیش و سرور
بے مے و جام و صراحی ہمہ در نوشانوش

(١١)

نام و ناموس کا دفتر تھا سب ان کا برہم   دیکھ کر پہلے کیا میں نے تامل یک دم
پھر جو دیکھا تو مجھے بد کہے گا کیا عالم   چوں سر رشتۂ ناموس برفت از دستم
خواستم تا خبرے پرسم ازو گفت خموش

(۱۲)

عقل رکھتا ہے تو ٹک رہیو ادب کا پابند   یاں فراغت ہے دوعالم کی ہر اک جام میں بند
یہ وہ جا ہے کہ نہ فردوس ہو اس کے مانند   ایں خرابات مغان است و درو مستانند
از دم صبح ازل تا بہ قیامت مدہوش

(۱۳)

میرؔ ان مستوں میں کوئی نہیں پابستۂ زیست   کیونکہ یہ زیست بہت ہووے تو دہ روز کہ بیست
جتنے یہ ہست نظر آتے ہیں اب سب ہیں نیست   گر ترا نیز بہ ایں فرقہ سر یک رنگی ست
دین و دنیا بہ یکے جرعہ چو عصمت بہ فروش

○

تضمین مطلع خود با مطلع استاد

(۱)

نہ اسکندر نہ دارا ہے نہ کسریٰ ہے نہ قیصر ہے   یہ بیت المال ملک بے وفا بے وارثا گھر ہے
جہان کہنہ خلقے را بہ دل داغ ہوس ماندہ   بیا ساقی کہ ایں ویرانہ از بسیار کس ماندہ

(۲)

خودبخود کھویا گیا ہے کتنے روزوں سے فقیر   وہ نہیں ہے اب جو تم نے پیش ازیں دیکھا تھا میر
دوستاں ظلمے بحال نامرادم رفتہ است   داشتم چیزے کہ من بودم زیادم رفتہ است

(۳)

نہ اپنے در سے مجھے دور کر شتابی سے   کہ آہ یھاں تئیں پہنچا ہوں کس خرابی سے
ز ضعف دست بدیوار دادہ آمدہ ام   بہر دو گام زمانے ستادہ آمدہ ام

(۴)

مشہور ہیں عالم میں تو کیا ہیں بھی کہیں ہم   القصہ نہ درپے ہو ہمارے کہ نہیں ہم
عنقا سرو برگیم مپرس از فقرا ہیچ   عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

(۵)

میں رہ گیا تھا لاجرم شکوے سے جب اے مہ ترے   تب کی بھلا تب ہی گئی ہنگامہ تھا ہمرہ ترے
اکنوں کہ تنہا دیدمت لطف ار نہ آزارے بکن   تلخے بگو سنگے بزن تیغے بکش کارے بکن

(۶)

چمن میں دہر کے ہنستا نہ رہ برنگ گل   کہ صبح شاخ پہ یہ بیت پڑھتی تھی بلبل
دریں حدیقہ بہار و خزاں ہم آغوش است   زمانہ جام بدست و جنازہ بر دوش است

(۷)

رہے ہم تشنگاں سے ذمے منت یار کے کیسی   کہ پھر پانی نہ مانگا ہم لگائی ایک ہی ایسی
بامید کسے نگذاشت بے دادش دل ما را   خدا اجرے دہد در کشتن ما قاتل ما را

(۸)

دوری ہی میں طاقت نہ رہی بات کی آخر   روزی نہ ہوئی رات ملاقات کی آخر
زہر غم ہجر تو بجاں کارگر افتاد   امید وصال تو بہ عمر دگر افتاد

(۹)

آشنائے کفر و دیں عاشق نہیں ہوتے ہیں تیر   جانتے ہیں طور میرے سب چنانچہ خرد و پیر
کعبہ و بت‌خانہ را بیگانہ می دانیم ما   یا در دل یا در میخانہ می دانیم ما

(۱۰)

ہے خوش وہ کہ یاں سر بگریباں ہی رہا ہے   اس باغ میں وا ہونے کو بدیمن کہا ہے
بسیار ز دل‌تنگی خود غنچہ غمین است   غافل کہ شگفتن نفس بازپسین است

(۱۱)

متاع دل نہ لے جاؤں جو واپس کیا کروں جاناں   خریداری نہ کی تو نے رہا میں دیر سرگرداں
بسودائے ہوس عمرے دریں بازار گردیدم   کنوں گرد سرم گرداں کہ من بسیار گردیدم

(۱۲)

حواس و ہوش و خرد جان و دل شکیب و تواں   چلے ہیں عزم سفر کرنے سے ترے سب یاں
ز رفتن تو کسے بازپس نمی ماند   تو می روی و دریں شہر کس نمی ماند

(۱۳)

کہاں کرنے میں خوں تیزی نہیں کی   یہیں کچھ ان نے خوں‌ریزی نہیں کی
سرش گردم کہ ہر جا جلوہ‌گر بود   سر بازار او بازار سر بود

(۱۴)

اس آستانے کے سگ کے نہیں برابر ہم   کہیں زیادہ‌سخن اپنے منھ سے کیوں کر ہم
میان ما و سگ یار فرق بسیار است   چرا کہ ما سگ اوئیم و او سگ یار است

(۱۵)

محرماں کیا کہوں میں اپنے نوشتے کی بدی   بخت نے آہ مری بات تنک کہنے نہ دی
دل کہ طومار وفا بود من محزوں را   پارہ کردند ندانستہ بتاں مضموں را

(۱۶)

کہتے نہیں خلوت میں تو بار دے عالم کو   یا آئینہ سا ہووے دیدار ترا ہم کو
تاچند نہاں باشی جاناں نفسے بنما   دیوانہ شدی تنہا خود را بکسے بنما

(۱۷)

نہ لاگے وہم جس جا کچھ وہاں ہو قادراندازی   ہدف ہوتا خدنگ جور کا تیرے نہیں بازی
زشست صاف اے ابروکماں ازبس خطر دارم   تو می بینی بسوے تیر و من فکر دگر دارم

○

تضمین در مثلث

(۱)

تک یہ بھی رکھو سن تم اے ارباب تعلق   اوقات خوش آں بود کز اسباب تعلق
آزردہ دلے داشتم آنہم دگرے داشت

(۲)

کیا کہوں میں عاشق و معشوق کا راز و نیاز   ناقہ را میراند لیلیٰ سوے خلوت گاہ ناز
سارباں در رہ حدی می خواند و مجنوں می گریست

(۳)

مر ہی جاؤں کسی گلخن میں جو میں غم سے بھرا   نخل بندی بگلے کن سر تابوت مرا
کہ بدوران تو از گلشن عالم چیدم

(۴)

کل تک تو فریبندہ ملاقات تھی پہلی   امروز یقیں شد کہ نداری سر اہلی
بے چارہ ز لطف تو بدل داشت گمانہا

(۵)

اے وفائے گل کے عاشق سب میں ہے یہ راز فاش   چوں صبا بیہودہ سرگردان ایں گلشن مباش
من چہ گل چیدم کہ عمرے باغبانی کردہ ام

(۶)

میر اس وادی میں بیدردانہ گذرا تو بہ ذوق   گر دلت می داشت شورے چوں جرس در راہ شوق
بر کف خاکے کہ طے می گشت جاے نالہ بود

(۷)

باب ذلت رہوں کہاں تک میر　　بہ کجا سر نہم کہ چوں زنجیر
ہر درے حلقۂ در دگر است

(۸)

نالہ بلبل غنچہ غم شمشاد آہ دل نگار　　باغباں جاروب و گل خمیازہ و من انتظار
ہر کسے چیزے بیادت در گلستاں می کشد

(۹)

آئی تھی ملاقات کی راہ اس کے دلے سو　　تا چشم کنم باز شب وصل سحر بود
عمر گذراں بر سر انصاف نیامد

(۱۰)

جہاں سے اے کہ تمنا ہے تجھ کو مجھ سے سن　　یکے بگور غریبان شہر سیرے کن
ببیں کہ نقش بلاہا چہ باطل افتادہ است

(۱۱)

اگرچہ اب دم آخر ہے لیکن اے غم خوار　　بہ ہجر زندہ ام آئینہ پیش من مگذار
جدا ز یار بخود روبرو شدن ستم است

(۱۲)

ہے بھی جو کوئی یاں سو نہیں کے ہے وہ مانند　　نیک و بد عالم ہمہ عنقا صفتانند
یعنی خبر ازہر کہ گرفتم خبرے بود

○

نظم

نظم در تہنیت صحت

مزاج شخص جہاں تھا ترے مرض سے ست
ہوا سو فضل الٰہی سے تندرست و چست
خبر جو گرم ہے اب تیرے غسل صحت کی
دل شکستہ جہاں تھا وہ خود بخود ہے درست
رہے جہاں میں بہت تو کہ تا جہاں بھی رہے
سلامت ہمہ آفاق در سلامت تست

○

نظم بطرز منقبت حضرت امام حسینؓ

اللہ کیا جگر تھا جفا میں حسین کا
جی ہی گیا ندانِ رضا میں حسین کا
اس تشنہ لب کا عرش سے برتر ہے مرتبہ
خوں تھا سبیلِ راہِ خدا میں حسین کا

○

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

مکتوباتِ اُردو کا ادبی وتاریخی اِرتقا

مصنف : خواجہ احمد فاروقی

صفحات:718

قیمت :-/193 روپے

نوسرہار

مرتبہ :سیدہ جعفر

صفحات: 306

قیمت :-/66روپے

ڈیوڈ کاپر فیلڈ (جلد دوم)

مترجم :فضلِ حسنین

صفحات:626

قیمت :-/170 روپے

کلیاتِ سرور جہاں آبادی

مرتب : کلدیپ گوہر

صفحات:410

قیمت :-/108روپے

شعریات

ترجمہ وتعارف:شمس الرحمٰن فاروقی

صفحات:136

قیمت :-/50روپے

کلیاتِ ذوق

مصنف : شیخ محمد ابراہیم ذوق

صفحات:496

قیمت :-/121روپے

₹ 256.00

ISBN 978-81-7587-880-8

9 788175 878808

राष्ट्रीय उर्दू भाषा विकास परिषद्

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

National Council for Promotion of Urdu Language

Farogh-e-Urdu Bhawan, FC- 33/9, Institutional Area,
Jasola, New Delhi-110 025